سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ (القرآن)

فلسفہ
سائنس اور قرآن

مصنف
الشیخ ندیم الجسر

مترجم
خدا بخش کلیار ایڈووکیٹ

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست

فلسفہ ، سائنس اور قرآن

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	پیش لفظ	۱۱
۲	مقدمہ	۱۳
۳	احساسات	۱۷
۴	تاثرات	۱۹
۵	تقریظ	۲۱
۶	تبصرہ ماہنامہ ترجمان القرآن	۲۴
۷	تبصرہ ماہنامہ اردو بک ریویو نئی دہلی	۲۶
۸	یہ کتاب میرے ہاتھ کیسے لگی؟	۲۹
۹	فرار بجانب شیخ الموزدن	۳۷
۱۰	اللہ کو تلاش کرنے والے	۴۵
۱۱	نور علیٰ نور	۷۷
۱۲	وحی اور عقل سلیم	۹۱
۱۳	اہل علم میں اختلاف رائے	۱۰۳
۱۴	نصیبوں کا تفاوت	۱۳۳
۱۵	عباقرہ کی ہم آہنگی (۱)	۱۴۳
۱۶	عباقرہ کی ہم آہنگی (۲)	۱۶۳
۱۷	عباقرہ کی ہم آہنگی (۳)	۱۷۷
۱۸	ڈارون اور "الجسر"	۲۰۵
۱۹	امتحان کی رات	۲۴۹
۲۰	کلمات ربی	۲۶۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱	سترھویں صدی عیسوی سے ہزار سال قبل	۳۲۱
۲۲	اتفاق (المصادفۃ Chance) کا حصہ	۳۳۳
	آفاق کی وسعتوں میں:	
۲۳	آسمان اس کے دست راست میں لپٹے ہوئے (۱)	۳۳۹
۲۴	مہربان ماں (۲)	۳۶۱
۲۵	ہمارا چھوٹا بھائی (۳)	۳۷۵
۲۶	بارش......ایک عجوبہ (۴)	۳۸۱
۲۷	ہمسائیوں میں تحائف کا تبادلہ (۵)	۳۹۳
۲۸	عظیم سرائے (۶)	۳۹۹
	انسانی جسم......کارگہ حیرت واستعجاب:	
۲۹	تین اندھیروں میں (۱)	۴۲۱
۳۰	جنات کے مسکن (۲)	۴۳۵
۳۱	زبان کی حفاظت کرو (۳)	۴۵۷
۳۲	دل ایک انتھک کارکن (۴)	۴۶۵
۳۳	گریاں وخنداں چٹان (۵)	۴۷۹
۳۴	وصیت شیخ	۴۹۱

OOO

میری نظر سے گزرنے والی یہ پہلی کتاب ہے جو
ایمان بالغیب کو ایمان بالشہادت میں بدل دیتی ہے۔

میاں طفیل محمد

toobaa-elibrary.blogspot.com

محترمی ومکرمی جناب خدا بخش کلیار صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ بفضل اللہ تعالیٰ آپ مع اہل وعیال اور احباب بخیر وعافیت ہوں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو تادیر سلامت رکھے۔ آپ کی کتاب ''فلسفہ سائنس اور قرآن'' مجھے جنوری ۱۹۹۹ء میں مل گئی تھی جس کے لئے میں آپ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اسے میں نے اول سے آخر تک حرف بحرف پڑھا ہے اور ابھی چند روز قبل ختم کیا ہے۔ آپ نے اس لاجواب عربی کتاب ''قصۃ الایمان بین الفلسفۃ والعلم والقرآن'' کو عام فہم اردو زبان میں منتقل کر کے اردو دان طبقہ کی جو خدمت انجام دی ہے اس کے لئے میں آپ کو تہہ دل سے مبارک باد بھی پیش کرتا ہوں اور آپ کے لئے اجر عظیم کی دعا بھی کرتا ہوں۔

میری نظر سے گزرنے والی یہ پہلی کتاب ہے جو ایمان بالغیب کو ایمان بالشہادت میں بدل دیتی ہے اور جسے میرے نزدیک جدید یونیورسٹیوں اور درس نظامی کے نصاب میں شامل ہونا چاہئے تاکہ ان سے فارغ ہونے والے طلبا زندہ و پائندہ ایمان ......اور اخلاق سے مزین ہو کر معاشرے میں داخل ہوں اور وہ معاشرہ وجود میں آئے جو انسانی فلاح کا ذریعہ بنے۔

میں مولانا عبدالرشید ارشد صاحب ناظم اعلیٰ اتحاد العلماء پاکستان سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو دینی مدارس کے نصاب میں شامل کرانے کی کوشش فرمائیں۔ اس لئے کہ اب ہمارے جدید اسکولوں اور یونیورسٹیوں کی طرح دینی مدارس سے بھی زیادہ تر متلاشیان روزگار ہی برآمد ہو رہے ہیں۔

آخر میں ایک بار پھر میں آپ کو مبارک باد کے ساتھ آپ کے لئے خداوند عالم کے ہاں بلندی درجات کی دعا کرتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میاں طفیل محمد

سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان

⌘⌘⌘

پیش لفظ

(مترجم کے طباعت دوم کے موقع پر)

ایمان باللہ اپنی مقتضیات کے ساتھ دنیا کی اس عارضی زندگی میں انسانوں کے لیے راست روی اور قلبی اطمینان کا باعث ہے اور آخرت کی ابدی زندگی میں ان کی فوز و فلاح کا ضامن۔ ایمان باللہ ہی شیطان و نفس امارہ کی دراندازیوں کے بالمقابل ان کے سینوں میں پہرے کی چوکیاں بٹھاتا ہے اور ہر گمراہی کے موقع پر انہیں خبردار اور چوکنا رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿إِذَا مَسَّهُمْ طَيِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾

(الاعراف: ۲۰۱)

''اگر شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال کبھی انہیں چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف دکھائی دینے لگتا ہے کہ ان کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے''۔

ایمان کی ضرورت اور اس کی اہمیت کے پیش نظر ایمان باللہ ہی کے موضوع پر الشیخ ندیم الجسر مفتی طرابلس کی قصة الایمان بین الفلسفة والعلم والقرآن ایک بلند پایہ تالیف ہے۔ جو اہل ایمان کے لئے نہ صرف تذکیر اور تازگی ایمان کا ذریعہ ہے بلکہ ایمان باللہ کی بنیادی دعوت دینے والی ایک بڑی موثر کتاب ہے۔

فلسفۂ سائنس اور قرآن کے عنوان سے موجودہ کتاب اس کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی تھی جس نے عربی زبان میں کئی علوم پر مشتمل ایک دقیق کتاب کا ترجمہ ایک بہت ہی کم علم شخص کے قلم سے کروادیا۔ اصل کتاب تو بلاشبہ بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے لیکن ترجمہ میں اگر کوئی خوبی ہے جیسا کہ بعض اہل علم نے اس کا اظہار فرمایا ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق کا مظہر ہے۔ اس کے حضور میں دعا ہے کہ وہ اس کام کو اپنے ہاں نظر قبولیت سے نوازے اور مترجم اور اس کام میں معاونت کرنے والوں کے لئے توشۂ آخرت بنادے۔ فاضل مؤلف ہی کے الفاظ میں میں اس پر کسی اجر کا طالب نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کی بارگاہ میں سائل ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو اپنے لئے مخصوص فرمالے لوگ اس سے مستفید ہوں اور جب میری

tooba-elibrary.blogspot.com

زندگی کا خاتمہ ہو اور مہلت عمل مجھ سے چھن جائے تو مجھے اس کا اجر ملے۔"

الحمدللہ کہ کتاب اب دوسری دفعہ اشاعت کے لئے پریس میں جارہی ہے۔میاں غلام مصطفیٰ سلیمی صاحب دامت برکاتہ کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے حسب سابق کتاب میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے پہلی اشاعت کا بغور مطالعہ کر کے کتابت کی متعدد اغلاط کی نشاندہی کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔آمین

حسب صراحت سابق کتاب میں وارد شدہ قرآن کریم کی آیات کا اردو ترجمہ عصر حاضر کے عظیم مفسر قرآن سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی تفہیم القرآن سے لیا گیا ہے ترجمہ کے دوران قرآن حکیم کی آیات کا حوالہ ساتھ ساتھ دیا گیا ہے۔حوالہ میں پہلے سورہ کا نام اور نمبر اور پھر آیات کا نمبر درج کیا گیا ہے۔

انگریزی داں طبقہ کے استفادہ کے لئے کتاب کا انگریزی زبان میں منتقل ہونا ضروری محسوس ہو رہا تھا۔ الحمدللہ کہ جناب مرزا عبدالصمد صاحب نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ انہوں نے ایک قلیل مدت میں اردو ترجمہ کو انگریزی زبان میں منتقل کر دیا ہے۔امید ہے کہ جلد ہی انگریزی کا یہ مسودہ اشاعت کی منازل طے کرے گا۔انشاءاللہ تعالیٰ۔ وَهُوَ الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ رَبِّ تَمِّمْ الصَّالِحَات.

خدا بخش کلیار
۲۹۱ گرین ویو کالونی فیصل آباد

⌘⌘⌘

مقدمہ

(ر) پروفیسر جناب عارف رضا صاحب گورنمنٹ کالج فیصل آباد

"قصۃ الایمان بین الفلسفۃ والعلم والقرآن" الشیخ ندیم الجسر مفتی طرابلس کی بہت وقیع اور معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔کتاب عربی زبان میں تحریر کی گئی ہے۔اس کا اردو ترجمہ فیصل آباد کی معروف شخصیت رائے خدا بخش کلیار ایڈووکیٹ نے بڑی مہارت سے کیا ہے۔ کتاب کا انداز مکالماتی ہے جو حیران بن الاضعف المائی پنجابی سابق طالب علم جامعہ پشاور اور مولانا شیخ الموزون کے مابین سوال و جواب پر مشتمل ہے۔ پیشتر اس کے کہ ہم کتاب کے مندرجات پر تبصرہ کریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مترجم کا مختصر تعارف اور ترجمے کے فنی محاسن پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیں۔

رائے خدا بخش کلیار فیصل آباد کے معروف وکلاء میں سے ہیں' وہ محنتی' دیانت دار اور پختہ دینی و علمی مزاج کی حامل شخصیت ہیں۔جس کا اندازہ آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے ہو جائے گا۔

واضح رہے کہ کسی موضوع پر لکھی گئی کسی تصنیف کا ترجمہ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب خود مترجم متعلقہ علوم و فنون اور زبان و بیان پر پوری قدرت رکھتا ہو۔ کیونکہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک مترجم دونوں زبانوں کو نہ صرف بخوبی جانتا ہو بلکہ ان زبانوں کے مزاج اور لطافت سے بخوبی واقف ہو۔ رائے خدا بخش کلیار قانون کے پیشے سے منسلک رہے ہیں' وہ محض وکالت تک محدود نہ رہے بلکہ تحریکی مزاج کی بنا پر جماعت اسلامی سے وابستہ ہو گئے اور اپنی مخلصانہ جدوجہد کی بنیاد پر کئی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔لامحالہ وہ بانی و امیر جماعت اسلامی مولانا مودودیؒ کے فکر و فلسفہ سے بھی متاثر ہوئے۔مولانا مودودیؒ مرحوم جدید دینی مفکر و مفسر تھے انہوں نے اپنی بیشتر تصانیف خصوصاً تفہیم القرآن میں علمی' منطقی اور سائنسی انداز تحریر کو اپنایا ہے' تاکہ جدید نسل کو معارف قرآنی سے روشناس کرایا جائے۔ان کا انداز تحریر شستہ' سلیس اور بامحاورہ ہے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زیر نظر ترجمہ قصۃ الایمان یعنی ایمان کی

کہانی میں مترجم نے بنیادی طور پر اسی طرز استدلال سے متاثر ہو کر اسے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ترجمہ ایک مشکل کام ہے' میں نے خود بھی بعض فلسفیانہ اور نفسیاتی مضامین و مقالات کا ترجمہ اردو زبان میں کیا ہے۔ میں ان فنی اور ابلاغی دشواریوں سے آگاہ ہوں جو ایک مترجم کو پیش آتی ہیں۔ بعض اوقات تو ترجمہ طبعزاد تخلیقی تحریر و تصنیف سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

بالعموم ترجمے کے دو اسلوب ہیں: ایک تو لفظی یا محاورہ ترجمہ ' اور دوسرے متن کے مفہوم کو عام فہم انداز میں دوسری زبان کے قالب میں ڈھالنا ' یعنی آزاد ترجمہ۔ زیر نظر کتاب کے مترجم نے اول الذکر اسلوب کو اپنایا ہے' جو زیادہ مشکل اور بعض اوقات صبر آزما کام ہے اور وہ بھی عربی جیسی فصیح و بلیغ زبان میں لکھی گئی ایک ضخیم کتاب کو بحتی الامکان سلیس اور با محاورہ اردو زبان میں منتقل کرنا۔ شروع کے چند صفحات میں سطری ترجمے کا گمان ہوتا ہے لیکن دوسرے باب سے لے کر آخری باب وصیت الشیخ تک اردو ترجمہ اصل اور طبعزاد تصنیف معلوم ہوتا ہے۔

جدید سائنس کا آغاز تشکیک (Scepticism) سے ہوا تھا۔ اپنی انتہائی ترقی کے بعد اب سائنس وجود ذات باری کے اثبات کی طرف بڑھ رہی ہے۔ حکم خداوندی کے تحت کائنات کی تخلیق اور ایک کڑے نظم و ضبط کی پابندی کرتے ہوئے سورج' چاند اور سیارگان کا اپنے اپنے مداروں میں گردش کرنا' بادلوں کا آنا' برسنا' مردہ زمین کا زندہ ہو جانا اور طرح طرح کے پھل پھول اور میوے پیدا کرنا' آسمان کا بغیر ستونوں کے کھڑا ہونا' پہاڑوں کی میخیں گاڑ کر زمین کو متوازن کرنا' آسمان سے پانی برسا کر زمین میں ندی نالوں اور دریاؤں کو بہانا' سمندر میں کشتیوں کو ہوا کے رخ پر چلانا' پانی کی ایک بوند سے رحم مادر میں بچے (Fetus) کو چار مراحل سے گزار کر ایک مکمل انسان بنا کر دنیا میں لانا' یہ اور اس قسم کی بیسیوں مثالیں قرآن حکیم میں لوگوں کے غور و فکر اور تدبر کے لیے بیان کی گئی ہیں اور نزول قرآن کے تقریباً چودہ سو سال بعد اس کے دعویٰ کی تصدیق خود جدید سائنس اور دیگر جدید معاشرتی علوم و فنون کر رہے ہیں۔ ''ایمان کی کہانی'' (قصۃ الایمان) کا بنیادی قضیہ (Thesis) تخلیق کائنات' اس کے مسلسل ارتقاء اور خالق کائنات جیسے وجود کا اثبات ہے۔ استاد الشیخ ندیم الجسر نے یونان کے نامور فلاسفہ' مسلم مفکرین اور معروف و مسلمہ حیثیت کے حامل مغربی مفکرین اور بلند پایہ سائنس دانوں کے تحقیقات و تجربات کی روشنی میں بڑے عمدہ اور دلنشین انداز میں نہ صرف وجود باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے بلکہ یہ بھی ثابت کیا

ہے کل یوم ھو فی شان (ہر آن اس کی ایک نئی شان ہے) اقبال نے اپنے انداز میں فرمایا ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

یہ کتاب ایک اعتبار سے ایک منی انسائیکلو پیڈیا ہے' اس سے پیشتر میری نظر میں جتنی بھی کتب باری تعالیٰ کے وجود کے اثبات پر لکھی گئی ہیں وہ زیادہ تر سائنسی' علم الکلامی یا عقلی حوالے سے لکھی گئی ہیں۔ مثلاً امام غزالی کی اپنی داستان ایمان' تلاش حق' عقل و وجدان کے حوالے سے وجود باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں تصوف کا حوالہ بھی موجود ہے۔ اسی طرح مشہور فرانسیسی دانشور موریس بوکائے نے ''بائبل'' ''قرآن اور سائنس'' لکھی۔ جو ایک مبسوط کتاب ہے اور اس کا ترجمہ بھی اردو میں متذکرہ عنوان سے ہو چکا ہے۔ اس میں زیادہ تر تاریخی تحقیق اور سائنس کے حوالہ سے قرآن کی حقانیت کو ثابت کیا گیا ہے۔ مشہور ماہر نفسیات ولیم جیمز نے اپنی کتاب'' On Psychological Research ''میں لوگوں کے مابعد الطبیعیاتی تجربات کے حوالہ سے مذہب کی حقانیت' خدا کے وجود کو ثابت کیا ہے۔ خود ہندوستان میں سر سید احمد خان نے سائنسی لحاظ سے مذہب کی تعبیر و تشریح کی لیکن انہوں نے غلطی یہ کی کہ سائنس سے مرعوبیت کی وجہ سے معجزات کی عقلی تعبیر کی یا پھر انہیں مسترد کر دیا۔

دراصل ایک لمبے عرصے تک بعض علم الکلامی اور سائنسی ذہن رکھنے والوں کا یہ رویہ رہا کہ وہ قرآنی تعلیمات کو سائنس کے چوکھٹے میں فٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ایک غیر منطقی بات ہے۔ زیر نظر کتاب میں اس کے برعکس صحیح' مبنی بر حقیقت موقف اختیار کیا گیا ہے کہ تخلیق کائنات اور جملہ حیات کے بارے میں قرآن کے فرمودات کی تصدیق مفکرین' ماہرین علم الکلام' صوفیا' سائنس دان اور فلسفی اپنے اپنے علم کی روشنی میں کر رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے بھی سائنس سے مرعوبیت کی اس روش کو توڑا اور تشکیل الٰہیات جدیدہ Reconstruction of Religious Thought in Islam لکھی۔

زیر نظر کتاب میں جملہ متعلقہ علوم (Allied Sciences) یعنی یونانی مفکرین' مسلم مفکرین' یورپی مفکرین' نامور سائنس دان' علم الابدان' ریاضی' فلکیات' علم الارض کے جملہ علوم کی

روشنی میں مدلل اور مسکت تبصرہ اور تنقید سے خدا کے وجود کو ثابت کیا گیا اور یہ کہ خالقِ کائنات بمصداق وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ہر آن کائنات میں توسیع فرما رہے ہیں جس کا ذکر کتاب کے بیشتر مندرجات' حوالوں میں ہو چکا ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر اہلِ علم اور تخلیقِ حیات اور کائنات میں متردّد اور متشکک لوگوں کی راہنمائی کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ نئی نسل کو مذہب اور خدا کے بارے میں اپنے ذہن صاف کرنے کے لیے یہ کتاب کالجوں' یونیورسٹیوں کی لائبریریوں میں پہنچنی چاہیے۔

* * *

احساسات

مولانا عبدالرشید ارشد صاحب ناظم اعلیٰ اتحاد العلماء پاکستان

"قصة الایمان بین الفلسفة و العلم و القرآن" جیسی وقیع علمی اور روح پرور کتاب کو عربی زبان سے اردو میں منتقل کرنے کا شرف محترم جناب رائے خدا بخش کلیار ایڈووکیٹ کو حاصل ہوا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مجھے ان کا مترجم مسودہ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں نے پورا مسودہ بالاستیعاب اور انتہائی دلچسپی سے پڑھا اور یہ محسوس کیا کہ مترجم نے اپنی خداداد ذہانت اور شبانہ روز محنت سے کتاب کی فنی' علمی مگر دقیق اصطلاحات کو خاصا عام فہم اور سہل بنا دیا ہے۔ کتاب اپنے موضوع اور مضامین کے لحاظ سے فکر و نظر کو جلا اور روح و قلب کو ضیا مہیا کرتی ہے۔ قاری جابجا اپنے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی محسوس کرتا ہے اور بے اختیار زبان سے سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم کے زمزمے پھوٹ نکلتے ہیں۔

میری رائے میں ترجمہ کی روانی' بیان کی فصاحت اور زبان کی سلاست کتاب کی افادیت اور معنویت کو کما حقہ قارئین تک پہنچانے میں کامیاب رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اگر مترجم کی بے پناہ کاوشیں لائق تحسین ہیں تو ان کا حسنِ انتخاب اس سے کہیں زیادہ لائق تحریک اور موجب مسرت ہے۔

اور یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر صاحب علم کے زیر مطالعہ ہو۔ ہر ذی نظر کی دسترس میں ہو اور قابل ذکر لائبریریوں کی زینت اور ان کے علمی ذخائر میں ایک مفید اضافہ ہو۔

* * *

تاثرات

از جناب (ر) پروفیسر ملک الطاف حسین صاحب غزالی کالج جھنگ

برادر مکرم جناب کلیار صاحب..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مترجم علمی کتاب کا دوبار مطالعہ کیا ایسی وقیع اور دقیق علمی کتاب پر تبصرہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں تاہم دوبارہ پڑھنے سے میں نے کچھ تاثرات لیے ہیں۔ ان تاثرات کو کم از کم الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ بھی اس لیے کہ آپ کا اصرار ہے ورنہ حقیقت تو یہی ہے کہ کتاب پڑھ کر دل و دماغ پر مرتب ہونے والے احساسات کو بیان کرنا میرے لیے انتہائی مشکل ہے۔ وہ تاثرات صرف محسوس کرنے کی شے ہیں بیان کی نہیں۔

میرا پہلا تاثر تو یہ ہے کہ آپ نے ترجمہ واقعتاً اتنا خوب کیا ہے کہ یقین نہیں آتا۔ ہم نے آپ کو گزشتہ ربع صدی سے گہرے تعلقات کے سبب کئی پہلوؤں سے دیکھا' جانا' اور آزمایا۔ قرآن سے آپ کے شغف کا بھی علم رہا مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ آپ کو اردو زبان پر اتنی قدرت حاصل ہے کہ آپ نے فلسفہ اور سائنس کی ان ادق اصطلاحات کو بڑی سلاست اور سلامتی فکر کے ساتھ اردو میں ڈھال دیا۔ ہم تحریر کے میدان میں آپ کی ندرت طبع پر حیران بھی ہیں اور پریشان بھی۔ پریشان اس لیے کہ ہم نے اس پہلو سے تو کبھی آپ کو دیکھا ہی نہیں۔

میرا دوسرا تاثر یہ ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ نے واقعی میرے ایمان باللہ کو مستحکم' گہرا' وسیع اور عقلی دلائل سے مزین کر دیا۔ شک تو الحمدللہ! پہلے بھی نہیں ہوا لیکن اب تو اس کتاب نے شک کے تمام دروازے تو کیا روزن تک بند کر دیئے۔ آپ کے لیے بے اختیار دعا زبان پر آ جاتی ہے کہ ایسی ایمان افزا اور ایمان پرور کتاب اپنی زبان میں پڑھنے کا موقع ملا۔

فلسفیوں کے بارے میں میرا تاثر بھی عام طور پر یہی تھا کہ یہ لوگ اللہ کے بارے میں شک پھیلانے والے ہیں۔ اور دور از کار مباحث چھیڑ کر عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں جو کسی منزل پر نہیں پہنچ پاتے مگر اب معلوم ہوا کہ تمام فلاسفہ اپنی عقلِ سلیم کے ذریعے اللہ پر ایمان کی

tooba-elibrary.blogspot.com

دولت سے سرفراز تھے اور ایمان کی بنیاد سراسر عقل پر ہے اور یہ کہ فلسفہ واقعی الحاد کا راستہ نہیں بلکہ عقل کے ذریعے ایمان باللہ کا راستہ ہے۔ یونان، مسلمان اور یورپ کے بڑے بڑے فلاسفہ کے فلسفوں کے بنیادی نکات کا علم ہوا۔ فلسفہ اور سائنس کے فرق کا پتہ چلا کہ فلسفہ کائنات کی اصل، اس کی علت اور اس کی حقیقت کو تلاش کرتا ہے۔ جب کہ سائنس کائنات کے ظواہر، نظام اور قوانین کو معلوم کرتی ہے۔ فلسفہ اور دین متضاد نہیں ہیں اور نہ ہی سائنس اور دین متضاد ہیں۔ یہ حقیقت بھی مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ فلسفہ کے ذریعے اللہ پر ایمان بہت ہی قلیل تعداد میں لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔ انسانوں کے لیے بہترین اور اولین طریقہ وہی ہے جو انبیاء نے اختیار فرمایا۔

مجھے بیکن کا یہ قول بہت پسند آیا:

"فلسفہ کا قلیل علم اللہ سے دور لے جاتا ہے اور اس کی کثرت اللہ کی طرف واپس لاتی ہے۔"

الشیخ الموزون نے جس پیارے انداز میں آفاق اور انفس کی آیات کی سائنسی وضاحت کی ہے وہ تو پڑھ کر بار بار حیران بن الاضعف کی طرح سبحان اللہ العظیم کے الفاظ زبان پر جاری ہو جاتے ہیں جو روح کی گہرائی سے نکلتے ہیں۔ ان آفاقی اور انفسی آیات اور قرآن کے استدلال سے شیخ نے نظریہ اتفاق کے پرخچے اڑا دیے ہیں۔

کتاب مکالمہ کے انداز میں لکھی گئی ہے جو تدریس و تفہیم کے لیے بہترین انداز ہے۔ انسان اس سے اچھا انداز آج تک ایجاد نہیں کر سکا۔

آخر میں پھر آپ کا شکر گزار ہوں کہ اتنی اعلیٰ پائے کی ایمان افروز کتاب پڑھنے کا آپ نے موقع فراہم کیا۔

***

تقریظ

ڈاکٹر عبدالحفیظ صدیقی صاحب

سینئر میڈیکل آفیسر جامعہ زرعیہ فیصل آباد

زیرِ نظر کتاب کا اصل نام "قصة الایمان بین الفلسفة والعلم والقرآن" ہے۔ اصل کتاب عربی زبان میں ہے۔ اس کے مصنف الشیخ ندیم الجسر مفتی طرابلس وشمالی لبنان ہیں۔ اس میں ابتدائی مکالمے حیران بن الاضعف پنجابی اوران کے والد کے درمیان ہیں۔ پھر حیران بن الاضعف پنجابی اوران کے شیخ ابوالنور الموزون کے مابین ہیں۔ سوال وجواب کی صورت میں طویل علمی مباحث ہیں۔ حسنِ اتفاق ہے کہ کتاب کا مترجم بھی پنجابی نژاد ہے جس کی لے حجازی ہے۔

قصة الایمان میں قدیم وجدید فلسفیوں کی ان کاوشوں کا ذکر ہے جو انھوں نے مختلف زمانوں میں عقل وخرد کی سرگردانی کے ذریعے تلاشِ حق میں سرانجام دیں۔ شیخ الموزون کا یہ بیان بڑا ہی معنی خیز اور نپا تلا ہے کہ:

"فلسفہ ایک سمندر ہے لیکن دیگر سمندروں کے برعکس اس کے کناروں پر خطرات اور گمراہی ہے، سلامتی اور ایمان اس کی گہرائیوں میں ہے۔"

آفاق وانفس کی نشانیاں عرفانِ حق کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ صاحبِ کتاب نے سورہ فصلت کی آیت: ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (عنقریب ہم انھیں آفاقِ عالم میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ حق یہی ہے) کا حوالہ دیتے ہوئے آیات آفاق میں سے چاند کو زمین سے اس کے قرب اور چھوٹا ہونے کی بنا پر اَخُونَا الصَّغِیر (ہمارا چھوٹا بھائی) کا دل آویز اور پیار بھرا نام دیا۔ گہوارۂ زمین کو اس کی آسودگی، فراہمی اسباب اور معدنیات کی وجہ سے الفندق الکبیر (عظیم سرائے) کے نام سے موسوم کیا۔

جسمِ انسانی کے عضوِ سماعت، کان کو اس کی پرپیچ راہوں اور عجیب وغریب ساخت کے

اعتبار سے فی مساکن الجن (جنات کے مساکن) کے نام سے متعارف کروا کے ان کی خوب خوب سیر کروائی ہے۔ یہاں انشائیہ اپنے جوبن پر ہے۔ دل کو بلا توقف لمبی مدت تک دھڑکتے رہنے اور سارے جسم کو خون کے ذریعے توانائی اور آکسیجن فراہم کرنے کے باعث العصبور الدؤوب (دائمی صابر) کا نام دیا۔ رحم مادر میں انسان کی حقیقت بتاتے ہوئے اس آیت کا عنوان باندھا ﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ (وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک بناوٹ کے بعد دوسری بناوٹ پر تخلیق کرتا ہے تین تین اندھیروں میں)

عضو ذائقہ و تکلم زبان کے تخلیقی پہلوؤں اور غرائب بیان کرنے کے بعد شیخ الموزون نے اتفاق (المصادفہ) کے منکرین کی استہزائیہ انداز میں چٹکی لیتے ہوئے کہا: ''المصادفہ (اتفاق) کے شکرگزار کیوں نہیں ہوتے کہ اس نے انسان کو فی احسن تقویم پیدا کیا؟''

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صاحب ترجمہ نے ایک ایک لفظ اور ایک ایک بندش اور فقرے پر مراقبہ کیا ہے۔ وہ ایک ماہر سنار کی طرح حروف و الفاظ تراش کر عربی کی انگشتری میں اردو کے متبادل نگینوں کی طرح جڑتے نظر آتے ہیں۔ اندرونی کان کا قوقعہ (Chochlea) کے لیے گھونگا کا لفظ لائے ہیں اور واقعی اس کی شکل گھونگے جیسی ہے۔ ایسے ہی حسیات ذائقہ (Taste Buds) کے لیے کونپلوں اور کان کے پردے (Tympanum) کے لیے طبلہ (Ear Drum) جیسے خوب صورت تراجم کیے ہیں۔

مصنف نے کتاب میں تکریر و تصریف الفاظ سے بیان میں زور اور حسن پیدا کیا ہے۔ محترم ظفیر صاحب نے بھی اس میں کوئی Short Cuts استعمال نہیں کیے بلکہ اس تکریر و تصریف کو ترجمہ میں برقرار رکھا ہے۔ اس طرح وہ ترجمان نہیں بلکہ حقیقتاً مترجم ہیں۔ لفظی ترجمہ رواں، شستہ اور شگفتہ ہے، قاری کو کتاب پر ترجمہ کا گمان نہیں ہوتا تحریر طبع زاد لگتی ہے۔

مصنف نے مکالمے کے انداز میں Fiction کی چاشنی سے کتاب کو دلچسپ بنا دیا ہے اور مترجم نے اس کی حلاوت کو برقرار رکھا ہے۔ ترجمہ باد نسیم جیسی تازگی آبشار جیسا ترنم اور پرسکون

ندی جیسی سلاست لیے ہوئے ہے۔

میرا گمان ہے کہ ترجمے کا یہ کام دن کے ہنگامے میں نہیں ہو سکتا۔ صاحب ترجمہ نے شب کا سکون خون جگر میں شامل کر کے تبعل الی اللہ کی منزل حاصل کی ہوگی۔ ﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا﴾۔

امید ہے صاحب ترجمہ زبان کی بے حجابی جاری رکھتے ہوئے اچھی اچھی کتابیں بے نقاب کرتے رہیں گے۔ وما التوفیق الا باللہ العظیم !

toobaa-elibrary.blogspot.com

فلسفہ' سائنس اور قرآن

تبصرہ ماہنامہ ترجمان القرآن اگست ۱۹۹۹ء

از جناب ڈاکٹر بلال مسعود

یہ کتاب ملتی طرابلس (لبنان) الشیخ ندیم الجسر کی ایک تالیف قصة الایمان بین الفلسفه والعلم والقرآن کا اردو ترجمہ ہے۔ اس سے قبل مولف کے والد شیخ حسین الجسرؒ کی تصنیف الرسالة الحمیدیہ کا اردو ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں اسلام اور سائنس کے نام سے شائع ہوا تھا۔ دونوں کتابوں کا موضوع بنیادی طور پر ایک ہی ہے البتہ الرسالة الحمیدیہ کی نسبت' زیر نظر کتاب فلسفے کے دو ہزار سال کے زیادہ گہرے مطالعے اور تجزیے پر مشتمل ہے۔ مولف کے مطابق یہ کتاب دراصل سمرقند کے الشیخ الموزون اور ان کے ایک شاگرد کے درمیان مکالمات پر مشتمل ہے۔ شاگرد کے ذہن میں اسلامی عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں' شیخ الموزون انھیں دور کرتے ہیں اور اس خوبی کے ساتھ کہ ان کے ارشادات دیگر قارئین کے لیے بھی نہایت مفید ہیں' خصوصاً آج کے دور الحاد میں' جب کثیر افراد ذہنی شکوک و شبہات کا اظہار کرتے ہیں' مگر ان کا حل انھیں کہیں سے نہیں ملتا۔

شیخ الموزون کا کہنا ہے کہ فلسفہ ایک سمندر ہے لیکن دیگر سمندروں کے برعکس اس کے ساحل خطرات اور گمراہی سے عبارت ہیں۔ سلامتی اور ایمان سمندر کی گہرائیوں میں ہے۔ الشیخ پہلے سائنس اور فلسفے کا فرق بیان کرتے ہیں' پھر خالق کائنات کے وجود اور مابعد الطبیعیات کے بارے میں مختلف فلسفیوں کے افکار کا ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ زیادہ تر فلسفی الٰہ حقیقی کے متلاشی رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ یونان کے فلسفیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جن میں سے (بقول ان کے) بعض نے الٰہ حقیقی کی طرف راہ پالی اور بعض کی عقل اس کے تصور سے عاجز رہ گئی۔ یونانی فلسفے کی بحث میں سب سے پہلے قابل قدر حصہ وہ ہے جہاں الشیخ عقلی مباحات کے حق میں دلائل دیتے ہیں (ص ۴۳)۔ یہ دلائل آج بھی مابعد الطبیعیات کے مخالفین کے سامنے پیش کیے جا سکتے ہیں جو کہتے ہیں کہ تجربے (سائنس) سے ماورا کوئی علم ہی نہیں۔

آگے چل کر وہ مسلمان فلسفیوں کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے ان کے بقول ایمان صادق باوحی اور ایمان بذریعہ عقل سلیم کو جمع کر لیا' البتہ ان میں سے کچھ نے تخلیق کے مراتب اور اس کے واسطوں کو افلاطونیت کے بے ہودہ نظریات سے اخذ کیا۔ مسلمان فلسفیوں نے موجودات کو ممکن الوجود (جس کے نہ ہونے سے بھی کوئی عقلی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی) اور واجب الوجود (جس کے نہ ہونے سے عقلی پیچیدگی پیدا ہوتی ہے' یعنی تجرباتی / سائنسی دلیل کے بغیر بھی عقل بذات خود اس کے وجود کا تقاضا کرتی ہے) میں تقسیم کیا اور یوں خالق کائنات کے وجود پر عقلی دلائل قائم کیے۔

پھر مغربی فلسفیوں کے افکار کا جائزہ ہے۔ خصوصاً کانٹ (Kant) کے افکار کی بحث قابل قدر ہے۔ حس نے ہیوم (Hume) کے پیش کردہ شکوک کے جواب میں عقل کی بنیادوں کی وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس بات کا قائل تھا کہ معرفت تنہا تجربات و مشاہدات سے حاصل نہیں ہوتی' عقل سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

مگر افسوس کہ وہ عقل خالص کو نظریہ زمان و مکان سے بلند تر ہو کر نہیں دیکھ پایا۔ اس نے اپنے ایمان کے باوجود یہ کہا کہ عقل صرف محسوسات کی دنیا میں کام کر سکتی ہے لہٰذا تخلیق کائنات کے بارے میں عقل کچھ نہیں کہہ سکتی---- یہ رائے قائم کرنے میں وہ نظرانداز کر گیا کہ یہ کائنات مجموعی طور پر بھی محسوسات میں شامل ہے' اور عقل کا کام صرف اس کے اجزاء کی وضاحت نہیں اس مجموعے (عالم) کی وضاحت بھی ہے۔ (راقم کے خیال میں کانٹ کی اس غلطی کے باعث اس کے بعد مغربی فلسفہ' تجربات و مشاہدات تک محدود ہو کر رہ گیا۔) خیال کیا جاتا ہے کہ تجربات و مشاہدات کے راستے معرفت الٰہی کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ ڈاروِن ازم ہے۔ شیخ الموزون کے خیال میں عالم عیسائیت میں اس حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں جو اب ہمارے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ الشیخ کا کہنا ہے کہ ڈاروِن' اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا اور صراحت کرتا ہے کہ سارے جانور اور پودے چار یا پانچ اصلوں کی طرف لوٹتے ہیں جو زمانہ قدیم میں پیدا شدہ ہیں' جن میں ہر ایک کا ایک جوڑا اصلی تھا۔ اس موقع پر الشیخ بتاتے ہیں کہ انیسویں صدی میں ایک عالم دین تھا جس نے یہ لکھنے کی جسارت کی کہ ڈاروِن کا نظریہ احکام دین سے قطعی طور پر متعارض نہیں' یعنی مصنف الرسالة الحمیدیہ شیخ حسین الجسر۔ البتہ ان کا بھی یہ کہنا تھا کہ نظریہ ارتقا کی صحت پر وہ دلائل قطعیہ قائم نہیں ہوئے جو ہمیں نصوص کی تاویل کی طرف راغب کریں۔ ص ۲۳۲ تا ۲۳۹ میں اس بات کا بیان ہے کہ قرآن و حدیث اور سائنسی علوم و نظریات میں تقابل کے عمومی اصول کیا ہیں؟

کتاب کے دوسرے نصف کی ابتدا میں الشیخ نے قرآن مجید کی وہ تمام آیات جمع کر دی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات کے اثبات پر دال ہیں۔ الشیخ کہتے ہیں کہ یہ وہ بدیہی' سہل' سادہ اور واضح براہین ہیں جن کا ادراک عقل کو استدلال و بحث کی گہرائیوں میں جائے بغیر ہو جاتا ہے۔ یہ آیات ان دلائل کو اس انداز سے پیش کرتی ہیں کہ یہ نزول قرآن کے وقت کے عام آدمی کی سمجھ میں بھی آ سکتے ہیں اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ' جیسے جیسے علم میں اضافہ ہوتا چلا گیا' ان کے اسرار علماء پر منکشف ہوتے رہے۔ ان انکشافات کو' متعلقہ قرآنی آیات کے ہمراہ' اس کتاب میں نہایت عمدہ اور عالمانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ بلحاظ قارئین کے لئے یہ کتاب کا دلچسپ ترین حصہ ہے۔

یہ کتاب ہمارے مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل ہونی چاہیے' تاکہ ہمارے طلبہ جان سکیں کہ آج کے دور میں مسلمانوں کے سامنے نظریاتی میدان میں اصل آزمائش کیا ہے۔ (ص ۳۳۹، ۳۴۰) حق یہ کہ وہ ایک عالم دین (الجسر) ہی کی زبان سے خاصی حد تک یہ جان لیں کہ آج کے گمراہ فلسفے کا اسلام کے مطابق جواب کیا ہے۔ جدید تعلیمی اداروں میں بطور ایک نصابی کتاب کے اسے داخل کرنے کی کوشش سے پہلے البتہ یہ ضروری ہے کہ اس میں موضوعاتی ترتیب اور حوالہ جات کا اہتمام کیا جائے۔ موجودہ حالت میں بطور ایک زاید از نصاب کتاب کے' یہ جدید تعلیمی اداروں میں موثر ثابت ہو سکتی ہے۔

جناب خدا بخش کلیار نے ترجمے میں غیر معمولی محنت کی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مدارس عربیہ سے باہر کے قارئین کے لئے بھی مفید اور موثر ہو گی (ڈاکٹر بلال مسعود)

فلسفہ، سائنس اور قرآن

تبصرہ: ماہنامہ اردو بک ریویو نئی دھلی

جلد: ۶ شمارہ: ۶۷۔۶۸ بابت مئی۔جون ۲۰۰۱ء

از جناب پروفیسر عبدالقدیر سلیم صاحب

دین اور اس کے عقائد کو اپنے عصری علوم کی روشنی میں سمجھانے اور اس کے مزعومات کو منوانے کے لیے عقلی دلائل اور سائنسی "حقائق" سے مدد لینے کی کوشش نئی نہیں۔ عیسائی متکلمین پیٹر ایبلارڈ (م: ۱۱۴۲ء) اور سینٹ تھامس اکوئیناس (م: ۱۲۷۴ء) اور مسلم متکلمین میں ابوالحسن الاشعری (م: ۹۳۵ء) غزالی اور ابن رشد (م: ۱۱۹۸ء)، ان درجنوں حکماء میں سے چند ہیں جنھوں نے اپنے ہم عصروں اور بعد میں آنے والوں کے لیے اپنی اپنی فہم کے مطابق مذہب کی تفہیم کی۔ اس سلسلے میں ایک منفرد کوشش ہسپانیہ کے مسلم فلسفی ابن طفیل (م: ۱۱۸۵ء) کی حی بن یقظان ہے جس میں انسان کے فطری و ذہنی ارتقا اور اللہ تعالیٰ اور ابدی حقیقت تک عقل کے ذریعے اس کی رسائی کو ایک کہانی کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

پیش نظر کتاب "قصۃ الایمان بین الفلسفۃ والعلم والقرآن" عبداللہ ندیم بن حسین الجسر، مفتی طرابلس کی عربی تصنیف کا ترجمہ ہے۔ کتاب ایک دلچسپ کہانی کے انداز میں شروع ہوتی ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ میں اپنی عمر کے آخری دور میں اپنے بچپن کے وطن مالوف اور اپنے والد کے مسکن مسجد اور قبر کی زیارت کے لیے گیا تو ایک پیر فرتوت سے ملاقات ہوئی۔ وہ حیران ابن الاضعف المالکی پنجابی تھا۔ اس نے ترکی زبان میں لکھا ہوا ایک پلندہ میرے حوالے کیا۔ جو بقول اس کے خرتنگ (سمرقند) کے الشیخ الموزون سے اس کے مکالمات پر مشتمل تھا۔

کتاب داستان فلسفہ بھی ہے اور حکایت تفہیم عقائد بھی۔ ابتداء مابعد الطبیعیات،

فلسفہ اور سائنس کے ابتدائی یونانی مفکرین تھیلز انکسی مینڈر وغیرہ سے ہوتی ہے۔ پھر افلاطون اور ارسطو کے یونانی فکر کا اختتام ہوتا ہے۔ مسلم فلاسفرز میں فارابی سے لے کر غزالی، ابن سینا اور ابن رشد کے بعد جدید مغربی فلاسفرز میں ڈیکارٹ، بیکن، اسپائنوزا، لائبنز، ہیوم، کانٹ، ڈارون، ہربرٹ اسپنسر اور برگسان کے نظریات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ پھر "کلمات ربی" اور سترھویں صدی عیسوی سے ہزار سال قبل، کے عنوانات کے تحت قرآن مجید کی ان آیات پر گفتگو کی گئی ہے جو انفس و آفاق میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی طرف اشارہ اور اس کی حکمت، عظمت اور اس کے وجود کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ حصہ گویا تمہید ہے کتاب کے بقیہ نصف کی جس میں الحادی سائنس پر تنقیح و تنقید کی گئی ہے۔

وجود الٰہی کے دلائل میں ایک اہم عنوان "کونیاتی دلائل" کا ہے۔ نہ صرف ساری کائنات، سحابیے، نظام شمسی بلکہ ایک چھوٹے سے سیارے ہماری زمین کی تخلیق، اس پر حیات کی ابتداء، نشوونما اور بقا میں جو حیران کن حکمت نظر آتی ہے، اسے محض اتفاقات کے ایک سلسلے کا نتیجہ قرار دے لینا ایسی ہی احمقانہ جہالت ہوگی جیسا یہ سمجھ لینا کہ ایک سوئی کے سوراخ میں دوسری سوئی اور دوسری میں تیسری علی ہذا القیاس سوئیوں کا ایک طویل سلسلہ ایک اندھے بچے کے ایک فاصلے سے سوئیاں پھینکنے کے عمل سے وجود میں آ گیا۔

"آفاق (المعارف)" کے عنوان کے تحت مصنف نے "مہربان ماں" (زمین)، "ہمارا چھوٹا بھائی" (قمر)، "بارش" "ایک عجوبہ" "ہمسایوں میں تحائف کا تبادلہ (کاربن سائیکل) اور اس طرح جسم انسانی کے حیرت انگیز پیچیدہ نظام کو نہایت سہل اور خوب صورت انداز میں بیان کیا ہے، جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ محض اتفاقات کا ایک لامتناہی سلسلہ نہیں بلکہ ایک حکیم و خبیر کا ساختہ کارخانہ ہے، جس کے کل پرزے اور تمام اجزا ایک مخصوص نظام کے تحت کام کر رہے ہیں۔

دینیات، فلسفہ اور سائنس کے خشک مباحث کو جس خوب صورت اور دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے اس سے نہ صرف مصنف کی وسعت مطالعہ اور مروجہ علوم میں ان کی

دسترس کا پتا چلتا ہے بلکہ ایک عام قاری تک ان کے ابلاغ کی مہارت بھی قابلِ داد ہے۔ میاں طفیل محمد (سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان) کا یہ تبصرہ اور خواہش بالکل درست ہے کہ "یہ کتاب ایمان بالغیب کو ایمان بالشہادت میں بدل دیتی ہے جسے میرے نزدیک جدید یونیورسٹیوں اور درسِ نظامی کے نصاب میں شامل ہونا چاہیے"

فاضل مترجم خدا بخش کلیار ترجمے کے لیے اس کتاب کے انتخاب اور نہایت محنت کے ساتھ اسے اردو میں منتقل کرنے پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ تاہم بعض الفاظ اور عربی اصطلاحات مشکل ہیں۔ ٹائپ کی بعض اغلاط بھی ہیں جنھیں اگلے ایڈیشن میں درست کر دینا چاہیے۔ مغربی مفکرین کی کتابوں کے نام ان کے عربی تراجم کے حوالے سے دیے گئے ہیں۔ عربی خوانوں کے لیے غالباً یہ کتابیں عربی میں دست یاب ہیں لیکن اگر ان کے اصل نام یا انگریزی تراجم کے عنوانات دے دیے جاتے تو اردو دان طبقے کے لیے مصادر تک رجوع میں آسانی ہوتی۔ ✹

○○○○○

✹ تبصرہ درج بالا گزشتہ اشاعت سے متعلق ہے۔ موجودہ اشاعت میں فاضل مترجم نے بہت حد تک مشکل الفاظ اور عربی اصطلاحات کو مزید آسان مترادفات میں تبدیل کر دیا ہے اور کتاب ھذا میں مغربی مفکرین کی جن کتابوں کا تذکرہ ہے ان میں سے بیشتر کے عربی ناموں کے ساتھ ان کے اصل نام یا انگریزی تراجم کے عنوان دے دیے ہیں۔ ٹائپ کی اغلاط درست کر دی گئی ہیں۔ (ناشر)

کیف القی الی ھذا الکتاب؟

یہ کتاب میرے ہاتھ کیسے لگی؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ تعالیٰ بچپنے کے کھیل کود کے ان پر کشش مقامات اور عہد شباب کی پر لطف تفریح گاہوں کو آباد رکھے جنہیں آج عرصہ دراز تک ان سے دور رہنے کے بعد بوڑھی آنکھوں سے دیکھنا جنہیں بڑھاپے نے کمزوری کے بادلوں تلے ڈھانپ دیا ہے ہمارے لیے بے پناہ تکلیف دہ ہے یہ سب چیزیں ہمارے سینوں میں یادوں کے ایسے جھکڑ چلائے دیتی ہیں جن میں انس و شوق' حسرت و یاس' بے چینی' اضطراب' تمنا کی دستگیری کے جذبات باہم دگر الجھ رہے ہیں۔ اس بیماری دلگیری میں ہمیں اپنے آپ پر' اپنے سے بچھڑے ہوؤں پر اور ان پر جن سے ہم عن قریب بچھڑنے والے ہیں رونا بہت بھلا لگتا ہے' اس غریب الوطن مسافر کی آہ و بکا کی طرح جسے اپنے عزیزوں کے فراق کی جلن میں کوئی ڈھارس اس امید کے سوا نہیں بندھتی کہ وہ کبھی اپنے دوسرے ان پیاروں سے جا ملے گا جو دور افتادہ دیس میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔

عمر کے ان آخری مراحل میں زندگی ہمارے لیے گراں تر اور عزیز تر ہے' ساتھ ہی ساتھ بدمزہ اور تکلیف دہ بھی۔ ایسے میں فکر موت دامن گیر ہے۔ ہم اب ابدی زندگی اور اس دائمی ازلی اور سرمدی ایمان کا جس نے ہم سے دوسری زندگی کا وعدہ کیا ہے پہلے سے کہیں بڑھ کر خود کو حاجت مند پاتے ہیں کیونکہ اگر حیات ثانیہ نہ ہو تو دنیا کی یہ زندگی بے کار' بے معنی اور محض ظلم آلودہ ہو کر رہ جائے۔

اور میرے وطن میں میرے بچپن کے ٹھکانوں میں ایک جامع طیلسال ہے جو آبادی سے ہٹ کر ہمارے عطر بیز' سحر انگیز باغات میں سے ایک باغیچے میں واقع ہے۔ اس سے وابستہ میری بچپن کی وہ یادیں ہیں جو تمام کی تمام مجھے عزیز ہیں۔ وہ مجھے عید کی صبحیں یاد دلاتی ہے جب کہ میرے ابا جان طلوع آفتاب سے قبل جامع مسجد کے جوار میں واقع قبرستان میں ہمارے فوت شدہ عزیزوں کی قبروں کی زیارت کے لیے آتے' میں ان کے پیچھے پیچھے ہوتا پھر جامع مسجد میں نماز عید ادا کی جاتی۔

tooba-elibrary.blogspot.com

وہ مجھے موسم گرما کی خوشگوار شامیں یاد دلاتی ہے جب میں صحن مسجد میں ایک درخت کے پاس حوض اور کنوئیں کے درمیان کھیلا کرتا جب کہ میرے ابا جان اپنے کمرے میں شیوخ کے ایک حلقہ میں بیٹھے محو گفتگو ہوتے۔ اس وقت میں ابا جان کو اپنی طرف سے غافل پا کر دوڑا دوڑا باغ کی طرف جاتا' اس کی باڑھ سے ایک بانس توڑ لیتا اور اسے اپنا گھوڑا بنا لیتا۔ وہ مجھے بل کھاتی ہوئی دہری سیڑھی والے مینارہ اذان کی یاد دلاتی ہے جس میں ہم صحن مسجد کی طرف سے چڑھتے اور تھوڑی دیر بعد اپنے آپ کو حرم میں موجود پاتے۔ مجھے وہ بوڑھا موذن یاد آتا ہے جس کے ساتھ میں مینار پر چڑھتا اور بلا وقت اذان دینے پر ضد کرتا اور وہ حیران ہوتا کہ کس طرح مجھے مغرب کے وقت تک بہلاتا رہے۔

وہ مجھے میری امی کی یاد دلاتی ہے جس کے ساتھ میں اس عجیب مینارہ اذان' گھرے کنوئیں اور بانسوں کی باڑھ کی باتیں کرتا۔ اور وہ مجھے سایوں سے ڈراتی اور خادم کو تاکید کرتی کہ وہ مجھے مینارہ پر چڑھنے دے اور نہ کنوئیں کے قریب جانے دے۔

وہ مجھے یاد دلاتی ہے ان سب کی جنہیں موت نے چھپا لیا' وہ چلے گئے مگر میرے دل کی گہرائیوں میں غم کا کانٹا چبھو گئے جو دنوں اور سالوں کی تہوں میں اٹکا ہوا ہے۔ میں جب بھی طبنال آیا تو وہ یادیں میرے غمزدہ دل پر انگارے بن کر لوٹ آئیں۔ زمانے نے انہیں اٹھا کر دور پھینک دیا۔ ہم اپنے خاندان' جامع اور بالآخر وطن سے دور ہو گئے اور جب ایک طویل عرصہ کی غریب الوطنی کے بعد واپس آئے تو شوق مجھے کشاں کشاں طبنال کی طرف لے گیا۔ میں چاشت کے وقت نمازیوں کی عدم موجودگی میں وہاں پہنچا' بچپنے کے کھیل کے میدان میں جا بیٹھا۔ ایک ایک کر کے ساری یادیں میرے ذہن میں تازہ ہوتی گئیں۔ ..... میں رویا اور بے تحاشا رویا ...

پھر جب میں استغراقِ سکوت میں تھا اور صرف اپنی ہچکی کی صدائے بازگشت ہی سن رہا تھا جو مسجد کے بلند و بالا گنبد سے آ رہی تھی تو قبروں والے مشرقی حجرہ میں سے جس کے نزدیک بچپن میں بوجہ خوف نہ جایا کرتا ایک آواز سنائی دی۔ پھر اس کے دروازے سے ایک بارعب' سفید بالوں والے' عجیب لباس میں ملبوس بوڑھے نے جھانکا۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر میری طرف آیا اور سلام کہہ کر میرے پاس بیٹھ گیا اور فصیح عربی زبان' جس میں عجمی لکنت بھی تھی' مجھے کہا: بھائی! تجھے کیا چیز رلاتی ہے؟ میں نے کہا: اس مسجد کے ساتھ میرے ابا جان اور میرے بچپن کے زمانے کی یادیں

وابستہ ہیں' اس نے کہا: کون تھے تمہارے ابا جان؟ میری زبان میں جونہی ابا کا نام آیا اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اس نے آنسو بھری آنکھوں سے مجھے گھورا اور کہا: کیا تمہارے ابا شیخ اکبر ہیں؟ میں نے کہا: ہاں' اور آپ کون ہیں جناب؟ اس نے کہا: میں اصل میں تو مصری ہوں' الطائی خاندان سے' جن میں سے بعض دیار شام کو سفر کر گئے تھے اور بعض حجاز کو۔ میرے دادا جان بہ تقدیرِ الٰہی ہندوستان چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ میرا نام حیران بن الاضعف طبنالی ہے۔ میں نے کہا: آپ ہندوستان سے کیسے آئے؟ اس نے کہا: میں ہندوستان سے نہیں سمرقند سے آ رہا ہوں بلکہ زیادہ ٹھیک یہ ہے کہ سمرقند کے قصبہ خرتنگ سے آ رہا ہوں۔ میں نے کہا: آپ اتنی دور سے ہمارے شہر میں کیسے آئے اور اس مسجد میں کیوں ٹھہرے؟ اس نے کہا کہ تمہارے ابا کی زیارت کے لیے تمہارے شہر میں داخل ہوا' میں نے تعجب سے اسے دیکھا کیونکہ میرے ابا جان کو فوت ہوئے طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اس نے کہا: تعجب نہ کرو' میں حجاز کی طرف جا رہا ہوں اور یہاں تمہارے ابا جان کی قبر کی زیارت کے لیے آیا ہوں نیز اس جامع کی زیارت کے لیے جس کی محبت میرے شیخ نے میرے دل میں بھر دی تھی۔ میرے شیخ نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے ابا جان یہاں درس دیا کرتے تھے اور نمازیوں نے میرے لیے اس حجرہ کی نشاندہی کی ہے جہاں تمہارے ابا کا ٹھکانا تھا۔ میں نے اس مسجد کی خرتنگ کی مسجد سے مشابہت بھی پائی ہے جہاں میں نے اپنی زندگی کے بہترین دن گزارے۔ لہٰذا مجھے بھلا لگا کہ حج سے پہلے چند یوم یہاں گزاروں اور اس مرد کامل کی جگہ پر اللہ کی عبادت میں مصروف رہوں' جس نے میرے شیخ کو اللہ تعالیٰ کی راہ دکھائی۔ میں نے پوچھا: آپ تمام ایام عبادت ہی میں مشغول رہیں گے؟ اس نے کہا: فی الوقت تو ایسا ہی ہے' لیکن قبل ازیں میں اپنے ایمان و گمراہی کا قصہ لکھ رہا تھا جس کو میرے شیخ الموزون نے املاء کروایا تھا اور جس سے میں تمہارے ابا مرحوم سے متعارف ہوا ہوں۔ میں نے کہا: وہ آپ کا قصہ ایمان و گمراہی کیا ہے؟ اس نے کہا: وہ ایک طویل قصہ ہے' جب اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمائی تو اسے لوگوں کے لیے نشر کروں گا۔

وہ صاحب اٹھے' قبروں والے حجرہ میں داخل ہوئے' کاغذات کا ایک بڑا پلندہ لیے واپس آئے اور اسے میرے سامنے رکھ دیا اور کہا: یہ شیخ الموزون کی املاء ہے۔ میں نے اسے بغیر کسی کمی بیشی کے بطریق احسن تحریر کیا ہے۔ میں نے کہا: یہ تو ایک ضخیم کتاب ہے۔ اگر آپ براہ

کرم مجھے اجازت دیں تو میں اسے دو راتوں کے لیے اپنے گھر لے جاؤں اور مطالعہ کے بعد واپس کر دوں' اس نے کہا: کیا تم ترکی زبان جانتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں بخوبی جانتا ہوں- اس نے کہا: میں تمہیں یہ کتاب دے دوں گا جب مجھے وثوق ہو جائے کہ تم الجسر" کے بیٹے ہو اور اس کتاب کے اہل بھی ہو میں نے کہا: اپنے نسب کا یقین دلانے کے لیے میرے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آپ براہ کرم میرے ساتھ گھر تشریف لے چلیں- آپ کو لوگوں سے شہادت بھی مل جائے گی اور میں آپ کو اپنے ابا کی کتابیں بھی دکھا دوں گا- وہ کہنے لگا: اس کی ضرورت نہیں' لیکن میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں- تمہارے ابا کی کتابوں میں سے معروف ترین کتاب کون سی ہے اور اس کا اہم ترین باب کون سا ہے؟ میں نے کہا: میرے ابا کی مشہور ترین کتاب "الرسالۃ الحمیدیہ" ہے اور اس کا اہم باب وہ ہے جس میں بحث "اثبات وجود اللہ" کے گرد گھومتی ہے اور طبیعیوں کی تردید کی گئی ہے- لیکن یہ باب آغاز کتاب میں اثبات نبوت اور کتاب کے آخری حصہ میں بعض دیگر حکمتوں پر بحث کے درمیان دب کر رہ گیا ہے- لہٰذا میرا ارادہ ہے کہ اس بحث کو الگ کروں' اسے تلخیص کروں اور اتنا حصہ علیحدہ چھپوا دوں-

اس نے کہا: مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم شیخ کے بیٹے ہو' اور اس امانت کے اٹھانے کے اہل بھی- یہ کتاب تمہیں میری طرف سے ہدیہ ہے' اس میں تمہارے ابا جان کی کتاب کی تلخیص بھی ہے' جس کا تم نے ذکر کیا ہے اور اس میں میری گمراہی اور میرے ایمان کا قصہ بھی- اسے لو' اس کا ترجمہ کرو' اسے چھپواؤ اور لوگوں کے درمیان پھیلاؤ- میں اس پر کسی اجر کا طالب نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کی بارگاہ میں سائل ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو اپنے لیے مخصوص فرمائے' لوگ اس سے مستفید ہوں اور جب میری زندگی کا خاتمہ ہو اور مہلت عمل مجھ سے چھن جائے تو مجھے اس کا اجر ملے-

کچھ دن بعد موصوف نے حجاز کی طرف راہ سفر اختیار کی اور میں چند سال کتاب کے ترجمہ میں مصروف رہا' پھر گردش زمانہ مجھے تاشقند لے گئی- میرا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ خرتنگ پہنچوں اور حیران بن الاضعف سے ملاقات کروں اور انہیں مترجم کتاب پیش کروں نیز یہ کہ امام بخاریؒ کی قبر کی زیارت کروں- اس معاملہ میں ایک صاحب شرافت و مروت شخص شیخ ضیاء الدین بابا خان نے میری مدد فرمائی جو میرے ابا کے احباب میں سے تھے- جب انہیں میرے شوق کا علم ہوا کہ میں خرتنگ جانا چاہتا ہوں تو سمرقند اور خرتنگ تک میرے ہمسفر ہو لیے- وہاں پر خادم مسجد

سے پتہ چلا کہ حیران بن الاضعف فریضہ حج کے لیے مکہ معظمہ گئے اور وہیں اس دنیا سے رحلت فرمائی- انا للہ وانا الیہ راجعون.....

ہم نے امام بخاریؒ کی مسجد کی زیارت کی اور ان کی قبر پر کچھ دیر ٹھہرے- مسجد باغات سے ہٹ کر تھی اور ایک حد تک جامع طیلسان سے مشابہ تھی جیسا کہ حیران بن الاضعف نے بتایا تھا- امام کی قبر چھوٹے سے باغیچہ میں ایک لمبے سایہ دار درخت کے نیچے رنگ و روغن اور چھت کے بغیر چادر اور زیب و زینت سے بے نیاز اپنی اصلی اور سادہ حالت میں موجود تھی-

پھر میں چھوٹے سے اس حجرے میں داخل ہوا' جہاں حیران بن الاضعف اور ان کے شیخ پڑھا کرتے تھے- اس حجرہ سے امام کی قبر نظر آتی ہے جیسا کہ حیران نے بتایا تھا- میں نے حجرہ میں نماز پڑھی اور حیران بن الاضعف کے لیے دعائے مغفرت کی- فرط جذبات میں آنسوؤں سے میرا گلا گھٹنے لگا' حتیٰ کہ میری گریہ زاری پر میرے رفیق کو تعجب ہوا-

ان حالات میں یہ کتاب میرے ہاتھ لگی اور میں ادائیگی امانت کے طور پر اسے قارئین کے لیے پیش کرتا ہوں-

المفتقر الی رحمت اللہ
عبداللہ ندیم بن حسین الجسر
مفتی طرابلس

***

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفرار الی شیخ الموزون

(فرار بجانب شیخ الموزون)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيدنا محمد خاتم الانبياء و المرسلين و بعد

اللہ کی رحمت کا طلب گار بندہ ناتواں حیران ابن الاضعف امانی پنجابی بیان کرتا ہے۔
جب میں جامعہ پشاور کا طالب علم تھا تو میرا ذہن فطری طور پر معرفت کا بڑا شائق اور اس کا متجسس تھا۔ چنانچہ میں ہر غیب و نامعلوم کو معلوم کرنے کے لیے کوشاں رہتا اور ہر چیز کی حقیقت' اس کا سبب' غایت وجود اور راز و حکمت معلوم کرنے کے لیے کھوج کرید کرتا رہتا۔ میرا معمول بن گیا اور میری پختہ عادت ہوگئی کہ میں اساتذہ اور رفقاء سے اس عالم کے بارے میں سوال کرتا رہتا کہ یہ عالم کیا ہے؟ کب پیدا کیا گیا؟ کس چیز سے پیدا کیا گیا؟ اس کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ اور پیدا کرنے والے نے اس کو کس طرح پیدا کیا؟ مگر میرے ان سوالات کا جواب ملامت اور تمسخر کے علاوہ کچھ نہ ہوتا۔ اساتذہ میرے متعلق کہتے کہ یہ شخص علم دین کا طالب نہیں بلکہ یہ کم عقل فلسفی بننا چاہتا ہے حتیٰ کہ میں تمام رفقاء میں ایک مذاق بن کر رہ گیا۔ وہ مجھے طعنہ دیتے اور اساتذہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر مجھے مکروہ القاب سے یاد کرتے۔ حتیٰ کہ جامعہ اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو کر رہ گئی۔

میرے ساتھ اس مضحکہ آمیز سلوک نے میرے اصرار و شک میں اضافہ ہی کیا حتیٰ کہ میرا اس پر جزم ہو گیا کہ جن حقائق کا میں متلاشی ہوں وہ ماسوائے فلسفہ کے نہیں سمجھے جا سکتے اور نیز یہ کہ عقل اور دین یکجا نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے اساتذہ فلسفہ کو ناپسند نہ کرتے اور راز کائنات میں میرے ساتھ عقلی مباحث سے گریز نہ کرتے۔ پس میں نے دینی اسباق سے صرف نظر کر لیا اور فلسفہ کی کتابیں تلاش کرنا شروع کر دیں مگر اپنے شہروں میں مجھے اس کی ایک قلیل مقدار ہی میسر آئی جسے میں نے سمجھے بغیر ہی پڑھنا شروع کر دیا لیکن روز بروز میری حیرت' شکوک و شبہات' فکری انتشار اور ذہنی کشمکش میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ میرا مسلسل یہی حال رہا حتیٰ کہ

اساتذہ مجھ سے مایوس ہو گئے اور انہیں یہ خوف لاحق ہو گیا کہ یہ بیماری میرے دیگر ساتھیوں کو بھی لگ جائے گی۔ لہٰذا مجھے جامعہ سے خارج کر دینے کا حکم صادر کر دیا گیا۔

یہ خبر میرے ابا پر بجلی بن کر گری' انہوں نے مجھے دلائل اور پیار و محبت کے ساتھ صحیح طریقے کی طرف لوٹانے کی کوشش کی اور مشورہ دیا کہ میں فلسفہ کو چھوڑ دوں اور علم دین کی طرف لوٹوں۔ تکمیل تعلیم کے بعد میرے لیے آسان ہو گا کہ میں چاہوں تو فلسفہ میں پورا پورا انہماک اختیار کر لوں اور گفتگو کے آخر میں فرمایا: میں بھی تمہاری طرح اس صورت حال سے دوچار رہا اور میرا رجحان فلسفہ کی طرف ہو گیا تھا' میں حیرت اور شکوک کے درمیان پھنس کر رہ گیا لیکن عظیم استاد عارف باللہ شیخ ابوالنور المؤذن السمرقندی نے جو ایک بڑے فقیہ' جید عالم اور عظیم فلسفی تھے مجھے ایک دن ایسی ہی نصیحت کی تھی جیسی کہ آج میں تمہیں کر رہا ہوں۔ استاد نے فرمایا: فلسفہ ایک سمندر ہے دیگر سمندروں کے برعکس جس کے ساحل اور کناروں پر خطرات اور گمراہی ہے۔ جب کہ سلامتی اور ایمان اس کی گہرائیوں میں ہے۔ چنانچہ فرمایا میرے بیٹے! اسے چھوڑ دو۔ یہ ناقص' تشویشناک اور بے کار مطالعہ ہے اور تیرے عقل و ایمان کے لیے غارت گر ہے۔ میں نے کہا کیا عقل اور ایمان دو متضاد چیزیں ہیں؟ فرمایا: پناہ بخدا! میں نے کہا: پھر یہ بڑے علماء دین اس عالم اور اس کی تخلیق کے بارے میں عقلی گفتگو کرنے پر مجھ پر نکیر کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا بڑے علماء دین نے اس عقلی نزاع میں شکوک و شبہات میں مبتلا اور بے دین لوگوں کی تردید کی بات کی ہے اور اس مسئلہ میں ضخیم کتابیں تالیف کی ہیں لیکن کسی طالب علم کا فلسفہ میں مشغول ہونا انہوں نے پسند نہیں کیا کیونکہ ان کے خیال میں وہ ایمان کو متزلزل کر دیتا ہے۔ میں نے کہا: "لیکن ہمارے وہ بھائی جو دیگر تعلیمی اداروں اور کلیات کے طالب علم ہیں وہ فلسفہ کو بنیادی اور لازمی تعلیم کے طور پر حاصل کرتے ہیں تو صرف علم دین حاصل کرنے والوں کو اس سے دور رکھنے اور اس میں بحث سے روکنے کا کیا فائدہ؟ حالانکہ وہ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی بہ نسبت تعداد میں کم ہیں اور کل کلاں جب وہ مرکز ارشاد و فتویٰ کی مسند پر متمکن ہوں گے اور کوئی شخص جس نے رسوائی کے باوجود فلسفہ کو پڑھ لیا ہو اور اس سے متاثر ہو کر ان کے سامنے کوئی ایسا شبہ پیش کرے جو اسے لاحق ہو تو وہ کیا کریں گے؟"۔

ابا جان! آپ کا کیا خیال ہے کہ میں بھی اس وقت لوگوں کے سامنے وہی جمود پر مبنی

موقف اختیار کروں جو میرے اساتذہ نے میرے سامنے اختیار کیا ہے اور کیا میں سوال کرنے والوں کو دھتکار دوں؟ ابو جان! کیا آپ غور نہیں فرماتے کہ اس طرح کی صورت حال کا برقرار رہنا لوگوں میں الحاد اور بے دینی کے اضافے کا باعث ہوگا۔

فرمایا یہ صحیح ہے۔ مگر ہمارے الشیخ الموزون نے ایسا ہی کہا ہے کہ فلسفہ کی قلیل مقدار اس کے قاری کو کفایت نہیں کرتی۔ کیا تمہارے خیال میں ممکن ہے کہ تعلیم گاہیں فلسفہ کی تعلیم کو اتنی وسعت دیں کہ سارے طلباء اور سارے لوگ فلسفی بن جائیں؟

میں نے کہا: ہرگز نہیں لیکن یہ وسعت جو جملہ طلباء کی نسبت سے ناممکن بھی ہے اور غیر ضروری بھی علماء دین کی نسبت سے ضروری ہو جاتی ہے۔ بلکہ حقیقتاً ان کا یہ فرض ہے کہ حق کی طرف رہنمائی اور دعوت الی اللہ کے لیے جو کچھ مطلوب ہے اس کی استطاعت کا اہتمام کریں۔ ابو جان نے کئی مرتبہ سر ہلایا اور کہا: یہ بات حق ہے مگر کیا کیا جائے؟ میں نے کہا: کیا آپ کے شیخ الموزون نے اپنا وعدہ پورا کیا؟ فرمایا شیخ نے وعدہ خلافی نہیں کی لیکن وہ اپنے بڑھاپے میں زہد کی طرف مائل ہو گئے اور جامعہ سے لوٹ کر اپنے وطن سمرقند چلے گئے وہ آج کل سمرقند کے قریب "خرتنک" نامی ایک گاؤں میں امام بخاریؒ کی قبر کے قریب واقع مسجد میں اللہ کی یاد میں منہمک ہیں"۔

ابو جان نے یہ بات کی اور وہ اس سے بے خبر تھے کہ انہوں نے مجھے جامعہ سے فرار کی راہ سجھائی ہے جس میں وہ میری واپسی کی کوشش کر رہے تھے اور اس طرح انہوں نے گویا اپنی ذات کے خلاف حکم لگایا کیونکہ وہ بڑھاپے کی دہلیز پر تھے اور اب وہ کبھی میری شکل نہ دیکھ پائیں گے۔ چنانچہ میں طویل سفر پیدل طے کر کے سمرقند پہنچا اور خرتنک کا پتہ پوچھا۔ لوگوں نے میری رہنمائی کی۔ خرتنک شہر سمرقند سے کوئی دور نہ تھا۔

میں مغرب سے ذرا پہلے وہاں پہنچ گیا وہاں پر گاؤں کے کچھ بچے دوڑ کر میری طرف اس حیرت کے ساتھ آئے جو اہل دہ کو ایک اجنبی سے مل کر ہوتی ہے۔ میری خبر بڑے لوگوں کو ہوئی تو تین آدمی میرے استقبال کے لیے آئے اور مجھے گاؤں کے سردار کے ہاں چلنے کو کہا۔ گاؤں کے سردار نے مجھے خوش آمدید کہا اور پوچھا کہ میں وہاں کس حاجت کے لیے پہنچا ہوں۔ جب اسے وجہ معلوم ہوئی تو مسکرایا اور کہا: "بعید ہے کہ آپ کی مولانا الشیخ الموزون سے ملاقات ہو سکے۔ وہ عرصہ زائد از پانچ سال امام بخاریؒ کی مسجد کے احاطہ باغات میں الگ تھلگ عبادت میں مشغول

ہیں اور مسجد میں رات کا اندھیرا چھا جانے کے بعد ہی آتے ہیں اور موسم گرما میں امام بخاریؒ کی قبر کے قریب باغیچہ میں نیند کر لیتے ہیں اور موسم سرما میں قبر کے قریب واقع چھوٹے سے کمرے کو ٹھکانا بنا لیتے ہیں جہاں ان کے پاس کوئی نہیں جاتا۔ بہت سے لوگوں نے ان تک پہنچ پانے کی کوشش کر دیکھی ہے مگر ناکام ہی ہوئے ہیں بلکہ اہل قریہ بھی انہیں نہیں مل پاتے اور ہم صرف خادم مسجد کے ذریعے ان تک کھانا پہنچاتے ہیں۔ خادم کھانے کو باغ کی باڑ میں رکھ دیتا ہے اور وہ اسے بھی دکھائی نہیں دیتے۔

میں نے کہا: شاید اللہ تعالیٰ شیخ سے ملاقات کی سعادت میرے لیے مقدر فرما دے جو کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوئی۔ آپ اس بارے میں صرف میرے ساتھ تعاون فرما دیں اور شیخ کا کھانا لے جانے کا کام میرے سپرد کر دیں۔ سردار نے کہا: یہ آسان بات ہے جو تم نے کہی ہے

اگلے دن صبح سویرے شیخ کے کھانے پر مشتمل ٹوکری میں نے اٹھا لی اور سردار کی ہدایت کے مطابق ایک شخص میرے ساتھ ہو لیا تاکہ اس باغ کا پتہ بتا دے جس میں شیخ رہتے ہیں۔ اس نے مجھے مسجد کے پاس لے جا کر متعلقہ باغ کی نشاندہی کی اور وہ جگہ بھی بتائی جہاں کھانا رکھنے کا اس کا معمول تھا۔ چنانچہ میں باغ کی باڑ کے پاس گیا اور کھانے والی ٹوکری متعین جگہ پر رکھ دی اور ٹوکری کے کنارے کے ساتھ ایک ورق ٹانک دیا۔ جس میں درج ذیل حروف لکھ دیے:

ما ؟ ومن ؟ ومم ؟ وکیف ؟ واین ؟ ومتی ؟

پھر میں واپس مڑا اور ایک درخت کی گھنی شاخوں میں چھپ گیا تاکہ شیخ جب آئیں تو انہیں ایسے مقام سے دیکھوں کہ جہاں میں انہیں نظر نہ آؤں۔ کچھ دیر بعد شاخوں کے درمیان سے ایک دراز قامت، رعب دار، کبڑی کمر، گندمی رنگ، عربی چہرہ، اونچی ناک، ہلکے رخسار اور برہنہ سر والے صاحب ظاہر ہوئے۔

دریا ڑ کے پاس ٹوکری کے سامنے آئے جب انہوں نے ٹوکری کو پکڑا تو ان کی نظر ورق پر پڑی اس کی تحریر پڑھی تو دائیں بائیں دیکھنا شروع کیا۔ پھر لڑکھڑائے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور انہیں ہوش میں لانے کی مقدور بھر کوشش کی۔ جب انہیں غشی سے افاقہ ہوا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور مجھ پر ایک طویل نظر ڈالی اور بڑبڑاتے ہوئے کہا ڈرو نہیں، مجھے اٹھنے میں سہارا دو۔ میں نے انہیں سہارا دیا اور سہارا دیتے ہوئے باغ میں لے

گیا۔ وہ کنویں کے کنارے بیٹھ گئے چہرے کو دھویا' آنکھیں بند کر کے خاموشی اختیار کر لی۔ پھر ایک طویل خاموشی کے بعد میں نے انہیں بھرائی آواز کے ساتھ تین مرتبہ **لا حول و لا قوۃ الا باللہ** کہتے ہوئے سنا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: "بیٹے! تو نے مجھے پریشان کر دیا تو نے میری لذت استغراق کو جو مجھے اللہ کی جناب میں تذلل و انکساری سے حاصل تھی ضائع کر دی۔ تو نے مجھے اس شر کی یاد دلا دی جسے نفس کی معاونت حیرت و شک کے ہجوم میں حاصل تھی۔ اے بیٹے! اللہ تمہارا بھلا کرے' اللہ تجھ پر رحم فرمائے! تم کون ہو؟ میں نے جواباً کہا: "میں آپ کے قدیم پنجابی شاگرد عبداللہ الاضعف کا بیٹا ہوں۔ میرا نام حیران ہے۔" کہا: خوش آمدید! تمہارے ابو کیسے ہیں؟ میں نے کہا: خیر سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: دیکھا! تم بھی اس صورت حال میں گرفتار ہو گئے ہو جس میں قبل ازیں تمہارے ابا جان گرفتار ہوئے تھے۔ میں نے کہا: ہاں جناب! انہوں نے ہی مجھے آپ کا پتہ دیا ہے۔ اور آپ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ استاد نے میری طرف اپنی نظر نادیر جمائے رکھی۔ پھر ہٹا کر پانی کی طرف کر لی۔ دیر تک دیکھتے رہے پھر گویا ہوئے جب کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں تم پر خدا کی رحمت ہو! اے اس نسل کے نوجوانو! تم نے دو عہد پائے ہیں تمہارا زمانہ ایمان بطریقہ نقل اور ادراک بطریقہ عقل دو مکاتب فکر کا درمیانی زمانہ ہے۔ تم دین کے چھلکے بھی چبا رہے ہو اور فلسفہ کے بھی اور یہ بات تمہارے ذہنوں میں بیٹھ جاتی ہے کہ ایمان اور فلسفہ یکجا نہیں ہو سکتے اور دین اور عقل کا کوئی جوڑ نہیں اور یہ کہ فلسفہ الحاد کا راستہ ہے مگر یہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ عقل کے ذریعے ایمان باللہ کا راستہ ہے۔ عقل ہی پر تو ایمان کی تمام تر بنیاد ہے۔ لیکن فلسفہ ایک سمندر ہے دیگر سمندروں کے برعکس اس کے کناروں پر خطرات اور گمراہی ہے۔ سلامتی اور ایمان اس کی گہرائیوں میں ہے۔ اور یہی بات میں نے قبل ازیں تمہارے ابا جان سے کہی تھی۔ میں شیخ کے ہاتھ پر جھکا کہ اسے بوسہ دوں اور ان سے اپنے تردد' حیرت اور شک کے عذاب کی شکایت کروں کہ مجھے اس سے نجات دلائیں۔ شیخ تادیر خاموش رہے اور اپنے ہاتھ کی چھڑی سے مٹی کریدتے رہے۔ پھر بولے اے حیران! یہ معاملہ اتنا آسان نہیں جتنا تم نے خیال کیا ہے۔ بلکہ شدید محنت اور طویل وقت کا متقاضی ہے۔ اور تم اے بیٹے! میرے پاس ایسے وقت میں آئے ہو جب میں گور کنارے پہنچ چکا ہوں۔ پھر پوچھا کہ بستی میں میرا قیام کہاں ہے۔ میں نے بتایا کہ میرا کوئی ٹھکانا نہیں میں کل ہی اس بستی میں آیا ہوں۔ رات بستی کے سردار کے ہاں بسر

کی ہے جس نے میری آمد پر میری تکریم کی شیخ نے فرمایا: "اس بستی میں کرائے کے مکانات نہیں ہیں۔ اور نہ تمہارا سردار کا مہمان بن کر رہنا مناسب ہے۔ جاؤ اور بستی سے اپنے لیے بستر' چادر اور ایک بڑا سا جستر خرید لاؤ اور یہیں مسجد میں ہی رہو۔ رات ہم درس کے لیے وقف کر دیں گے۔ کیونکہ رات میں خوابیدہ سکون' یکسوئی اور وقت کی وسعت ہوتی ہے۔ دن کے وقت میں گوشہ نشینی نہیں چھوڑ سکتا۔ زندگی کی لذات میں سے اب میرے لیے کچھ باقی نہیں سوائے اس کے کہ صبح سے شام تک تنہائی کے ساتھ اللہ کی یاد میں محو رہوں۔ اور اس لذت سے مجھے شدید سردی ہی محروم کرتی ہے جب میں چار دیواری میں محبوس ہو کر رہ جاتا ہوں۔ اس کے بعد شیخ آئندہ ملاقات تک رخصت ہوئے۔

***

toobaa-elibrary.blogspot.com

الباحثون عن الله

(اللہ کو تلاش کرنے والے)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران ابن الاضعف کہتے ہیں

میں غروب آفتاب سے ذرا پہلے بستر اٹھائے مسجد آ گیا۔ مسجد میں ایک بوڑھے کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ یہ وہی بوڑھا تھا جو مجھے مسجد لایا تھا' وہ چراغ جلا رہا تھا۔ جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو میرے پاس آ کر مجھے سلام کہا اور میرا حال پوچھا' میں نے اسے بتایا کہ میں مسجد میں کچھ راتیں بسر کرنا چاہتا ہوں تاکہ امام بخاریؒ کی قبر کے پڑوس میں عبادت کے لیے یکسو رہوں۔ بوڑھا خوش ہوا اور مجھے خوش آمدید کہا۔ نیز کہا کہ امید ہے کہ آپ ہمیں اپنی محبت سے محروم نہیں کریں گے۔ الشیخ المعزوں نے تو پانچ سال سے ہمیں اپنی صحبت سے محروم کر رکھا ہے۔ وہ آپ ہی کی طرح ہمارے پاس آئے تھے پھر عبادت میں ایسے محو ہوئے کہ کبھی ہمیں انہیں دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوا۔ وہ فجر کے بعد میرے بستی سے آنے سے پہلے ہی جنگل کی طرف نکل جاتے ہیں اور مغرب کے بعد مسجد میں واپس آ جاتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا میں اس مسجد کا گزشتہ پچاس سال سے خادم ہوں۔ میں نے پوچھا کہ مسجد میں نمازی کیوں نظر نہیں آ رہے؟ اس نے کہا نمازی کہاں سے آئیں؟ مسجد بستی سے دور ہے' اس میں کسی مسافر یا امامؒ کی قبر کے کسی زائر کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھتا۔

مغرب و عشاء کی نمازوں کے بعد بوڑھے آدمی نے مجھے پانی کی جگہ دکھائی اور ہدایت کی کہ میں اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد بتیاں بجھا دیا کروں اور اس کے جانے کے بعد دروازہ کو بند کر دیا کروں۔ پھر مجھے الوداع کہا اور بستی کی طرف روانہ ہو گیا' جب وہ نکلا تو میں نے مسجد کے دروازے کو بند کر دیا۔ جونہی شیخ نے دروازے کا کنڈا ہلایا تو اپنے حجرے کا دروازہ کھولا اور مجھے آواز دی۔ میں قریب گیا تو مجھے اندر آ جانے کو کہا۔ میں اندر داخل ہوا اور شیخ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ شیخ نے مجھے مرحبا کہا اور میرا حال پوچھا اور پورا ایک گھنٹہ میرے اہل سے متعلق باتیں کیں۔ پھر مجھ سے رجسٹر لانے کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا تو کہا: شروع سے لکھواتا ہوں اور تمہارے سامنے اپنی اور میری بات کو لکھتے جانا اور پھر دن کے وقت اسے دہرا لینا ہے۔ میں نے تمہارے لیے سوال و جواب کا طریقہ اختیار کیا ہے جو افہام و تفہیم اور مباحثہ کے لیے زیادہ آسان ہے۔ اور اب لاؤ اپنے سوالات۔

حیران جناب میرے سوال وہی ہیں جو میں نے ایک چھوٹے سے ورق پر لکھے تھے اب انہیں دہرانے کی جسارت نہیں کروں گا۔

الشیخ یہ تمہارے سوالات وہی تو ہیں جو فلسفیوں کی عقلوں پر بلکہ جب سے انسان نے سوچنا شروع کیا ہے یہی سوالات تمام انسانوں کی عقلوں پر چھائے رہے اور فلسفہ ہی ان سوالات کے جوابات پا لینے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کیا اس نے ہر سوال کا صحیح جواب معلوم کر لیا یا نہیں؟ یہ تم آخر پر معلوم کرو گے۔ فلسفہ کا منشاء یہ ہے کہ ہر چیز کی حقیقت اور تہہ تک پہنچے' اس کی اصلیت اور اس کے مقصد کو معلوم کرے۔ فلسفہ ظاہر پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ باطن تک نفوذ کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس عالم محسوس پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کے ماوراء اور اس کے ماقبل کی معرفت بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ فلسفہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے اس عالم کو پیدا کیا اور کس چیز سے پیدا کیا اور کب پیدا کیا؟ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ وہ خالق کون ہے؟ اور اس کی ذات اور صفات کی حقیقت کیا ہے؟ اور یہ انسان کیا ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کی عقل کیا شے ہے اور اس کا ادراک کس طرح مکمل ہوتا ہے اور اس کے ادراک کی صحت کا معیار کیا ہے؟ خیر کیا ہے اور جمال کیا ہے اور خیر' خیر کیوں ہوتا ہے اور جمیل' جمیل کیوں ہوتا ہے؟۔

چنانچہ اس کے علاوہ بھی وہ ہر چیز کی اولین مبادیات کی معرفت سے متعلق لامتناہی سوالات کے جوابات میں کوشاں رہتا ہے اور اسی لیے فلسفہ کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ فلسفہ سے مراد اشیاء کی حقیقت میں غور و فکر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اولین مبادیات کا علم ہے۔ اور کہنے والوں نے اس کے علاوہ بھی فلسفہ کی تعریف میں کہا ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تجھے اس کا تعارف یوں کرواتا ہوں: فلسفہ تحقیق کی جملہ اولین مبادیات کی حقیقت کے ادراک میں عقلی کوشش سے عبارت ہے۔ اور تم دیکھو گے کہ میں اس تعریف کو اختیار کرنے میں برسرِ حق ہوں۔

حیران شیخ محترم سائنس بھی اشیاء کے حقائق سے بحث کرتی ہے' کیا وہ فلسفہ کے علاوہ کوئی چیز ہے؟

الشیخ سائنس اور فلسفہ میں فرق یہ ہے کہ سائنس اس کائنات کے ظواہر' اس کے نظام اور اس کے قوانین کو معلوم کرنے پر اکتفاء کرتی ہے جب کہ فلسفہ کائنات کی اصل' اس کی علت اور حقیقت کو تلاش کرتا ہے۔ ایک سائنس دان مادہ کی اصلیت اور اس کے وجود کا سبب معلوم کرنے کی فکر کیے بغیر اس کے طبعی مظاہر میں تحقیق پر اکتفا کر لیتا ہے اور ریاضی دان مکان

وزمان کے معنی میں غور و فکر کی تکلیف اٹھائے بغیر ہندسہ اور حساب میں تحقیق پر بس کر لیتا ہے۔ وہ دونوں عقل کی حقیقت اور حقیقت کے ادراک میں اس کی صلاحیت پر غور کیے بغیر عقل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تحقیق کا کام کرتے ہیں۔ لیکن فلسفی مادہ کی حقیقت اس کی اصلیت اس کے وجود کی علت اور زمان و مکاں کے معنی اور عقل کی اصلیت اس کی حقیقت اور حقیقت کے ادراک میں صحت اور قدرت کے ساتھ اس کی رسائی کا بیک وقت فہم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ عقل اور معقول میں بیک وقت بحث و تحقیق کرتا ہے۔

کائنات اور اس کی علت میں تحقیق فلسفہ وجود ہے اور عقل اس کی حقیقت اور اس کی صلاحیت میں تحقیق فلسفہ معرفت ہے اور خیر اور شر جمال اور قبح میں بحث فلسفہ اقدار ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ دیگر مباحث سے صرف نظر کرتے ہوئے تمہارے سامنے "الوجود" اور "المعرفت" کے مباحث کی وضاحت کروں۔

حیران۔ شیخ محترم میں نہیں سمجھ پایا کہ ایک کو زیر بحث لانے اور دوسرے کو بحث سے خارج کرنے کی وجہ کیا ہے؟

الشیخ اگر تم غور کرو تو وہ وجہ ظاہر ہے "الوجود" کے موضوع کا دائرہ اس کی ماہیت حقیقت اصلیت اور اس کی غایت ہے۔ یعنی مخلوق و خالق اس کا موضوع ہے اور المعرفت کے موضوع سے مراد معرفت کے حصول کی کیفیت اس کے وسائل اور صحت کے ساتھ اس تک رسائی سے متعلق فلسفیوں کی آراء ہیں۔ اور وہ سوالات اور حیرت و شکوک جو تیرے ذہن پر مسلط ہیں وہ پہلے دو موضوعات سے متعلق اور انہی پر منحصر ہیں اور اس کا اقدار کے موضوع سے کوئی بڑا تعلق نہیں ہے جو حسن و قبح اور خیر و شر وغیرہ سے بحث کرتا ہے۔

حیران یہ درست ہے کہ جو چیز میرے ذہن پر مسلط ہے وہ صرف الوجود کے موضوع پر ہی منحصر دکھائی دیتی ہے پھر معرفت کے موضوع پر درازی گفتگو کی کیا ضرورت ہے؟

الشیخ جہاں تک میرا خیال ہے تم مابعد الطبیعیات کا مسئلہ ہی تمہارے ذہن پر مسلط ہے اس کی تحقیق معرفت کی بحث کی روشنی میں ہی ممکن ہے کیونکہ ان متعدد آراء سے متعلق جو مابعد الطبیعیاتی مسئلہ کے بارے میں اختیار کی گئی ہیں ہماری تحقیق نہ تمام ہوتی ہے اور نہ

درست جب تک کہ معرفت کے مختلف طریقوں اور ان کے وسائل کی تحقیق سے اس کا صحیح ہونا اور یہ مطالعہ حقیقت تک کی رسائی میں ان کی استطاعت بالیقین نہ معلوم ہو جائے

حیران پھر تو معرفت کا مطالعہ الوجود کے مطالعہ کا معاون ہو جاتا ہے اور مابعد الطبیعیاتی مسئلہ میں ادراک حق کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

الشیخ حقیقت یہی ہے۔

حیران پھر تو فلسفہ کی ماہیت ہی مابعد الطبیعیاتی مسئلہ ہوا

الشیخ حقیقت یہی ہے۔ پس فلسفہ اپنی ماہیت میں اللہ کی تلاش سے عبارت ہے اور ہمیشہ رہے گا

پھر شیخ نے اپنے تکیہ کے نیچے سے ایک ضخیم کتاب نکالی اور فرمایا کہ تو شروع کریں۔

حیران جناب یہ کون سی کتاب ہے؟

الشیخ یہ کتاب ہمیں ان مفکرین سے آگاہ کرتی ہے جو اللہ کے متلاشی تھے۔

حیران اس کتاب کا نام کیا ہے؟

الشیخ "فلاسفہ یونان" (یونان کے فلسفی)

حیران شیخ محترم آپ نے کیسے کہہ دیا کہ یہ کتاب الحقیق کے متلاشی مفکرین سے متعلق ہے؟

الشیخ ہاں یہ الحقیق کے متلاشی مفکرین سے متعلق کتاب ہے کیا میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ اللہ کی تلاش ہی روح فلسفہ ہے۔

حیران میں نے یونانی فلسفیوں کے کچھ قول پڑھے ہیں میں نے تو انہیں کافر ہی پایا ہے۔

الشیخ ہاں! وہ یونان کے خداؤں کے منکر ہیں مگر الحقیق کے تو وہ متلاشی ہیں ان میں سے بعض نے تو الحقیق کی طرف راہ پالی اور بعض کی عقل اس کے تصور سے عاجز رہ گئی اور بعض کو عجز گمراہی کی طرف ہانک کر لے گیا۔ تم دیکھو گے کہ ان کی تحقیق میں ذکاوت و خلاص کے باوجود کائنات سے متعلق نظریات میں ان کی آراء سادہ لوحی اور تذبذب پر مشتمل ہیں ان کی آراء کے ابہام بے یقینی شک اور غلط استدلال کے سیاہ اندھیروں میں نور حق کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔

تخلیق کائنات کا عقیدہ جو ہر فلسفی بلکہ ہر بشر کے ذہن پر چھایا رہا تھا یہ اس کی ابتداء

ایک مفروضے سے کرتا ہے۔

تھیلیز (Thales ۶۲۴ ۵۵۴ ق م) نے یہ رائے قائم کی کہ کائنات کا محض عدم سے وجود میں آنا ناممکن ہے اور یہ کہ ہر دوسری چیز در حقیقت کوئی تغیر ہی تھا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اولین مادہ کو ازلی فرض کر لیا جائے جس سے جملہ موجودات ظہور پذیر ہوئیں اور یہ کہ وہ ازلی مادہ پانی ہے اور جس چیز نے اسے پانی کو ازلی مادہ اختیار کرنے پر آمادہ کیا وہ اس کی موجودات میں پائی جانے والی مادہ کی تغیر و تشکل کی صلاحیت پر مبنی تحقیق تھی۔ سے معلوم ہوا کہ پانی مائع ہوتا ہے پھر کبھی ٹھوس برف بن جاتا ہے اور کبھی لطیف بخارات میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر پانی میں بدل جاتا ہے۔ اس کی رائے میں رطوبت شرط زندگی ٹھہری۔ لہٰذا اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ پانی جس میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے وہی ان جملہ موجودات کی اصل ہے۔

لیکن انیگزیمنز (Anaximenes ۵۸۵–۵۲۸ ق م) نے دیکھا کہ ہوا بہ نسبت پانی زیادہ اثر پذیر اور زیادہ تغیر (شکل بدلنے) کے قابل ہے اس لیے کہ وہ ٹھنڈی ہو کر پانی بن جاتی ہے۔ گرم ہوتی ہے تو بخارات بن جاتی ہے۔ اس کے نفوذ میں اضافہ ہوتا ہے تو ہوا میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اس نے یہ گمان کیا کہ اگر وہ نفوذ میں مزید بڑھے تو آگ بن جائے گی اور چاند اور سورج بنا دے گی اگر وہ خشک ہوتی ہے تو بادل بن جاتی ہے۔ اس نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ ہوا زندگی کے لیے لازم ہے لہٰذا کائنات کی اصل وہی ہے۔

مگر اپنے خیالات میں گہرے غور و فکر کے حامل انیگزیمانڈر (Anaximander ۶۱۰–۵۴۵ ق م) نے اس بات کو ناپسند کیا جس میں بدرجہ کمزوری پائی جاتی ہے اور کہا پانی اور ہوا کی بات دیگر جملہ اشیاء سے لگا نہیں کھاتی، پانی کی اپنی صفات ہیں جو سے دیگر شیاء سے ممتاز کرتی ہیں اور ہوا میں دیگر اپنی ممتاز صفات ہیں اور باقی موجودات کی مختلف صفات ہیں اور یہ غیر معقول بات ہے کہ تمام کائنات اپنی مختلف و متضاد صفات کے ساتھ ایک ایسی اصل سے بن گئی ہو جو اپنی مخصوص صفات کے ساتھ اس سے مختلف ہے۔ لہٰذا اس کی عقل سلیم نے اسے یہ بات کہنے پر مجبور کر دیا کہ کائنات کی اصل غیر محدود غیر متناہی اور بے شکل مادہ ہے۔

حیران یہ حقیقت کہ انیگزیمانڈر کی ایسی شے سے متعلق تفتیش جو اس مختلف الانواع کائنات کی اصل ہو حالانکہ وہ شکل، حد، اثر اور صفت میں اس سے مختلف ہو گہرے غور و فکر کی دلیل ہے۔ لیکن اس کے کیا معنی ہیں؟ کہ وہ اسے مادہ سے موسوم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی نہ کوئی شکل ہے اور نہ انتہا اور نہ حدود؟۔

الشیخ یہیں سے میری بات کی صداقت سمجھ میں آتی ہے یہ اولین فلسفی یونان کے خداؤں (دیوتاؤں) کے انکار اور آزادی عقل کے ساتھ کائنات کی اصل کی تلاش میں ان دیوتاؤں کو نظر انداز کر دینے میں معذور ہیں جو جملہ اخلاقی رذائل کے حامل ہیں۔ ان کی عقلیں اس بات کو قبول کرنے کو تیار نہیں کہ یہ کائنات ان پیٹو، شرابخور، کذاب، مکار اور زانی دیوتاؤں کی تخلیق ہو سکتی ہے لہٰذا انہوں نے اس خالق حقیقی کی تلاش شروع کر دی جو بے مثل و بے مثال ہے مگر ایسے رخ سے جہاں سے اسے سمجھ نہ پائے۔

پھر فیثاغورث (Pythagoras ۵۸۰–۵۲۰ ق م) آیا اسے تخلیق عالم کی تفسیر میں طبعی رخ پسند نہ آیا اس نے تخلیق عالم میں ریاضی کا رخ اختیار کیا اس نے اور اس کے پیروکاروں نے کہا پانی، ہوا اور مادہ تمام جو کچھ بھی وہ ہو کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ کائنات جو مادی و غیر مادی مختلف چیزوں سے مرکب ہے اس کی بنیاد بن سکتا ہے۔ لہٰذا ناگزیر ہے کہ ہم ایسی چیز تلاش کریں جو اپنی نوعیت میں عام ہو اور ہر چیز پر محیط ہو مادہ سے ہو یا غیر مادہ سے اور وہ عدد کے سوا کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان شیء کو رنگ، ذائقہ، بو اور حجم کے بغیر بھی تصور کر سکتے ہیں مگر ہم یہ نہیں تصور کر سکتے کہ کوئی چیز عدد کے احاطہ سے باہر ہو۔ پس عدد ہی وہ صفت ہے جو کائنات کی ہر چیز میں پائی جاتی ہے اور وہی تجب درست طور پر اس کائنات کی اصل ہو سکتا ہے اور جب کائنات کی ہر چیز متعدد و متکرر عدد سے تعبیر کی جاتی ہے اور اعداد "واحد" کے تکرار سے عبارت ہوتے ہیں لہٰذا "واحد" ہی اس کائنات کی اصل ہے۔

تخیل میں مبالغہ آمیز تجریدی آراء تمام تر لوگوں کی ان شعوری یا غیر شعوری مساعی کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وہ مادی صفات سے مبرا "الالٰہ الحق" کے تصور تک پہنچ پائیں۔

حیران کیا ان قدیم یونانیوں کے ہاں ان کے دیوتاؤں کے علاوہ بھی اللہ کے وجود کا کوئی تصور تھا؟

الشیخ جب سے یہ صاحب عقل وفکر انسان معرض وجود میں آیا ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہ زمین الٰہ حق کے وجود میں غور وفکر کرنے والوں سے خالی نہیں رہی۔ ویسن یونانی فلسفیوں میں اپنے ہم عصروں میں سر بلند ایک فلسفی زینوفینیز (Xanophanes) ہے۔ وہ الٰہ کے بے تجسید بشری (بشری صورت) کے نظریہ پر چتی یونانی افسانوں کو مسترد کرتا ہے اور ان دیوتاؤں کا مذاق اڑاتا ہے جو کھاتے ہیں پیتے ہیں اور مر جاتے ہیں اور کہتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے دیوتا ایجاد کیے انہوں نے ان کو اپنی شکل وصورت کے مطابق تصور کیا اور اگر کہیں بیل شیر یا گھوڑے بھی تصویر کشی کے فن سے آشنا ہوتے تو وہ بھی ہمارے لیے ایک بیل شیر یا گھوڑے کی شکل میں الٰہ کو متصور کر دیتے۔ ہرگز نہیں ایک الٰہ واحد کے سوا ہرگز کوئی الٰہ نہیں۔ وہ موجودات سے اعلیٰ وارفع ہے وہ ہماری شکلوں اور حالتوں پر مرکب نہیں۔ اس کی فکر ہماری فکر سے مماثل نہیں بلکہ وہ ہمہ بصر ہمہ سمع اور ہمہ فکر ہے۔ لیکن زینوفینیز کے نزدیک اس الٰہ واحد کی حقیقت کا ادراک ہماری عقلوں کے لیے محال ہے اور اس معاملہ میں اپنی وہ بات کہتا ہے جس کے ساتھ دو ہزار سال مستقبل کی مابعد الطبیعیات کی تاریخ میں کود جاتا ہے (کسی انسان کی یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ اللہ کی دقیق معرفت سے متعارف ہو سکے حتیٰ کہ اگر اتفاق کسی انسان سے اللہ کی توصیف میں کامل و اکمل بات بھی کہلوا دے تو اسے خود یہ شعور نہ ہوگا کہ وہ حق بات کہہ رہا ہے)

حیران جناب آپ کی بات سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ زینوفینیز نے اپنی اس بات کے ساتھ دو ہزار سال آگے کی طرف جست لگائی یہ کہ فلسفہ کی انتہا اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان ہے۔ جب معاملہ ایسا ہی ہے تو میں شیخ محترم سے امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے بھی اور اپنے آپ کو بھی اولین فلاسفہ کی بیست آراء جن کا کچھ حصہ میں نے پشاور میں پڑھا تھا سے نجات دلا کر جدید فلسفہ کی طرف رجوع کریں گے۔

الشیخ میں تمہیں پہلے صبر کی تلقین کر چکا ہوں اور اب پھر اپنی نصیحت کو دہراتا ہوں کہ تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ میں ایک ہی جست میں تمہیں فلسفہ کی اس انتہا تک پہنچا دوں جس نے تمہیں پریشان کر رکھا ہے قبل اس کے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ پہلوں نے کیا کہا اور وسط والوں کا کہنا کیا ہے؟ اس صورت میں تمہیں متاخرین کی رائے متاثر نہ کر سکے گی اور

تمہیں وسواس میں مبتلا کر دے گی۔ لہٰذا تمہارا شک اور تمہاری حیرت تمہاری طرف لوٹ آئے گی۔ متاخرین کا فہم تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا جب تک کہ ان کے قبل والوں کے علم سے واقفیت نہ حاصل کر لو۔ لہٰذا صبر سے کام لو۔

حیران میں مربوط فکری تسلسل سے متعلق اپنے شیخ محترم کی حکمت سے آگاہ ہوا ازراہ کرم گرفت نہ فرمائیں۔

الشیخ اس کے بعد پارمینائڈیز (Parmendes ۵۴۰-۴۷۰ ق م) آتا ہے اس کی رائے میں پانی، ہوا، عدد یا کوئی دوسری چیز اشیاء کی اصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں تغیر پذیر ہیں اور ہم ان کے متعلق ان کی ظاہری صفات کے سوا کچھ نہیں جانتے اور ان سب صفات کو بھی تغیر وفنا لاحق ہوتا ہے ماسوا اس صفت کے اور وہ ہے "الوجود" پس اس دائمی الوجود کے بارے میں درست طور پر کہہ سکتے ہیں کہ کائنات کی اصل ہے۔

حیران الوجود کیا ہے؟ اور اس سے اس کی کیا مراد ہے؟

الشیخ پارمینائڈیز اس کی تعریف یوں کرتا ہے کہ وہ ازلی وجود ہے نہ متغیر ہوتا ہے اور نہ فنا۔ اس کا کوئی ماضی ہے اور نہ مستقبل بلکہ وہ ازل وابد پر محیط ہے۔ وہ نہ حرکت کرتا ہے اور نہ تقسیم ہوتا ہے کیونکہ حرکت تحول کی ایک صورت ہے اور وہ کامل ہے اور اس کے علاوہ کوئی دیگر وجود نہیں۔

حیران "وجود" حرکت اور تغیر سے مبرا کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ ہم ان اشیاء کی حرکت وتغیر کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

الشیخ پارمینائڈیز کی رائے ہے کہ یہ اشیاء جو ہمیں نظر آتی اور محسوس ہوتی ہیں "الوجود" میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ انہیں مظاہر وہمیہ خیال کرتا ہے کیونکہ یہ فانی ہیں اور الوجود دائمی۔ یہ تغیر پذیر ہیں اور تغیر وجود ولاوجود کے اجتماع کا تقاضا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ناممکن ہے۔

حیران میں نہیں سمجھ پایا۔ کیا پارمینائڈیز کی بات سے مراد وحدت الوجود ہے؟

الشیخ اے حیران! محض عقل پر انحصار یہی کچھ کرتا ہے۔ یہ فلسفی فی الواقع موجودات کا انکار نہیں کرنا چاہتے۔ وہ تو صرف اصل کامل ثابت غیر متغیر موجودات کی صفات سے مبرا ذات کو تلاش کرتے ہیں جو درست طور پر موجودات کا خالق ہو سکتا ہو اور بخدا یہی تو اللہ تعالیٰ کی

تلاش ہے ایک ایسی جہت سے جس کا نہ وہ ارادہ رکھتے ہیں اور نہ شعور

پارمینائڈیز کے بعد اس کا شاگرد ملسس (Milessus ۴۴۰ ق م میں ایتھنز کے بیڑے کا فاتح) آیا۔ اس نے اپنے استاد کی رائے پر یہ اضافہ کیا کہ یہ الوجود غیر متناہی ہے اور وہ "حیاۃ عاقلہ" ہے۔ اگر تم اس کی دلیل کو بغور سنو کہ الوجود ازلی ابدی، نامحدود و غیر متحرک ہے اور وہ حیاۃ عاقلہ کا مالک ہے تو تم میرے ساتھ اتفاق کرو گے کہ یہ عقلیں شعوری یا غیر شعوری طور پر اللہ تعالیٰ وحدہ الاحد کی تلاش میں لگی ہوئی تھیں۔ وہ کہتا ہے کہ ناگزیر ہے کہ ہر حادث کا ایک مبداء ہو اور موجود حادث نہیں کیونکہ اگر حادث ہوتا تو لاوجود میں سے ہوتا۔ پس الوجود کا کوئی مبداء نہیں اور جس کا کوئی مبداء نہ ہو اس کی کوئی نہایت بھی نہیں ہوتی اور چونکہ وہ لانہایت ہے اس لیے وہ غیر متحرک ہے اس لیے کہ اس کے بعد تو کوئی مکان پایا ہی نہیں جاتا جس کی طرف وہ حرکت کرے اور وہ غیر متغیر ہے کیونکہ اگر وہ تغیر پذیر ہوتا تو واحد سے زیادہ ہوتا۔ حالانکہ وہ واحد ہے ازلی ہے ابدی ہے زندہ و جاوید ہے عاقل ہے اور غیر متغیر ہے اے حیران! غور تو کرو۔

پھر ہیراقلیتوس (Heraclitus ۵۴۴-۴۸۳ ق م) آیا جو اپنی رائے میں تجریدی رجحان کے مابین متردد ہے۔ اس نے کہا کہ یہ اشیاء جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں ایک دائمی تغیر میں ہیں اور مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ ایک حالت پر ایک لحظہ کے لیے بھی برقرار نہیں رہتیں۔ یہ نسبتی استقرار جو ہمیں نظر آتا ہے وہ وہم ہے اور تغیر کے مشاہدہ سے ہماری عاجزی کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا اس نے اس سے نتیجہ یہ نکالا کہ "واحد چیز" ایک ہی وقت میں موجود اور غیر موجود ہوتی ہے اور وجود و لاوجود میں یہ وقتی اتحاد ہی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال ہے جو وجود کی حقیقت ہے لیکن ہیراقلیتوس تفسیر کائنات میں اس خیال پر قائم نہیں رہتا بلکہ وہ قدیم طبعی رجحان کی طرف لوٹ جاتا ہے اور کہتا ہے اس کائنات کی اصل "آگ" ہے جو ہوا میں بدل گئی پھر ہوا پانی میں بدلی اور پانی سوکھ گیا سوکھا ہوا پانی ہوا میں اور پھر ہوا آگ میں تبدیل ہو گئی۔ گویا اس نے حیوانی زندگی کا مشاہدہ کیا کہ حرارت اس کی ضرورت ہے لہٰذا اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ روح خود آگ سے عبارت ہے۔

پھر عناصر اربعہ کا فلسفی ایمپیڈاقلیز (Empedocles ۴۹۵-۴۳۵ ق م) آیا اس نے اولاً یہ ارادہ کیا کہ پارمینڈیز اور ہیراقلیتوس کی آراء میں موافقت پیدا کرے اور کہا "وجود"

ذرات سے بنا ہے اور یہ جو پارمینڈیز نے الوجود کی تعریف میں کہا کہ وہ گھٹتا بڑھتا نہیں اس کا انطباق ذرات پر ہوتا ہے اور ہیراقلیتوس نے ایک حالت سے دوسری حالت میں دائمی انتقال کی جو بات کی ہے اس کا مصداق اجسام ہیں۔ اس لیے کہ اجسام کی مختلف صورتیں ہیں پھر اس نے ارادہ کیا کہ تکوین کائنات کے بارے میں تغیر پذیر واحد مادہ مثلاً پانی، ہوا یا آگ کا نظریہ رکھنے والوں اور "الوجود" کے مادہ کو غیر متغیر کہنے والوں کے نظریہ کے مابین درمیانی رائے قائم کرے۔ لہٰذا اس نے عناصر اربعہ کا نظریہ قائم کیا۔ جس کا انٹھارہویں صدی عیسوی تک غلغلہ رہا اس نے سمجھا کہ وجود چار عناصر کا مجموعہ ہے اور چار عناصر مٹی، پانی، آگ اور ہوا ہیں اور جملہ اشیاء انہی چار عناصر کے امتزاج سے وجود میں آتی ہیں اور اشیاء کا باہمی اختلاف ہر ایک کے اندر ان عناصر کی متخالف نسبت کی وجہ سے ہے۔

اس مرحلہ پر ایمپیڈاقلیز اپنے زمانے کے علم کے ساتھ ہم آہنگ ہونا شروع ہوتا ہے بلکہ مبداء ذری کا نظریہ وضع کر کے اپنے زمانے پر سبقت لے جاتا ہے۔ لیکن جب وہ ذرات کو حرکت دینے والی قوت کے راز کی بات کرتا ہے تو آغاز صحیح الفکری کے ساتھ کرتا ہے مگر اس کا اختتام بیمار ذہنی پر جا منتج ہوتا ہے۔ پہلے ہم اسے یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ کائنات کا مادہ بے جان ہے اس میں کوئی زندگی نہیں اور نہ ذاتی طور پر اس میں کوئی حرکت ہے لہٰذا ناگزیر ہے کہ ہم تسلیم کریں کہ اس کی حرکت کسی دیگر قوت کی تفویض کردہ ہے۔ پھر ہم اسے اس خیال سے ہٹتے ہوئے دیکھتے ہیں جب وہ کہتا ہے مادہ میں حرکت اتصال و انفصال سے ہے اور وہ دونوں باہم متضاد ہیں اور ایک ہی قوت کے پیدا کردہ نہیں بلکہ اس کے لیے دو قوتوں کا ہونا ضروری ہے ایک دافع اور دوسری جاذب۔ اور یہ قوتیں محبت و نفرت ہیں اور یہ کہ عناصر اربعہ قوت محبت سے متصل تھے۔ پھر قوت نفرت نے ان کے مابین تفریق پیدا کر دی اور چار بنا دیے۔ پھر محبت نے اپنی قوت مجتمع کرنا شروع کی اور عناصر اربعہ کو جوڑنا شروع کیا۔ پس وہ چیزیں بن گئیں جو ہمیں نظر آتی ہیں۔

حیران: لیکن قوت محبت و نفرت کہاں سے آئی؟

الشیخ: کیا تم محض قیاس آرائی پر مبنی آراء پر بحث چاہتے ہو؟ اس شخص نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا گمان یہ ہے کہ دیوتا اور ارواح بھی عناصر اربعہ سے بنتے ہیں لیکن ان میں ہوا اور آگ کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ آگ زفس (Zahpis) دیوتا ہے اور ہوا ہیرا (Hera)

دیوتا ہے اور زمین ارکوس (Arcos) دیوتا ہے اور پانی ستیش (Stesh) کا چوتھا دیوتا ہے جو روتا ہے تو اس کے آنسو بارش بن کر زمین پر گرتے ہیں۔ پھر وہ اس ہذیان میں یہاں تک بڑھا کر اس نے ہم سب کو اِلہ (دیوتا) بنا دیا۔ کہا کہ نفوسِ انسانی محض خدا کار دیوتا ہیں۔ لہٰذا انہیں فانی اجسام کا لباس پہنا کر سعادت مندوں کے مقام سے دور رکھنے کا فیصلہ کیا گیا اور زندہ اجسام زمین سے گردنوں کے بغیر سروں کی صورت میں اگتے اور بازو بغیر کندھوں اور آنکھیں بغیر بھنووں کے نکلتی ہیں۔ پھر وہ محبت کی قوت سے باہم مل جاتے ہیں اور انسان بن جاتے ہیں۔

حیران میں ارتداد کے قریب آ پہنچا ہوں لہٰذا امید ہے کہ شیخ محترم مجھے ان لغویات سے دور ہی رکھیں گے۔

الشیخ میں نے ان اقوال کا محض اس لیے ذکر کیا ہے کہ تم دیکھ لو کہ وجود کائنات اسے چلانے اور اسے متحرک کرنے والی قوت کی تحقیق میں عقلوں نے کس طرح مرحلہ وار ترقی کی ہے فلسفہ کے ادوار میں یہی بحث مابعد الطبیعیات کے مسئلہ کا عظیم ترین پہلو رہی۔ ذرا صبر کرو میں تمہیں اس کی نہایت تک لے چلتا ہوں۔

پھر دیموقراطیس (Democritus ۴۶۰-۳۷۰ ق م) آیا۔ نظریۂ ذرات اسی سے منسوب ہے۔ اس نے اس نظریہ کی تفصیل اس طرح بیان کی کہ کائنات ان گنت ذرات سے بنی ہے جو باہم متشابہ ہم جنس ازلی ابدی اور خلا میں بذاتِ خود متحرک ہیں اور انہی کی حرکت اور باہم ملنے سے اشیاء کے اوصاف میں جو بھی اختلاف نظر آتا ہے وہ ان ذرات کے باہم ملنے اور جڑنے کے اختلاف اور جسم میں ان کے مراکز کے اختلاف کے باعث ہے ان کے ازلی و ابدی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وجود لاوجود سے نہیں ہوتا جیسا کہ وجود لاوجود نہیں ہو جاتا اور اگر ان کا وجود خلا میں نہ ہوتا تو ان کے لیے حرکت ناممکن ہوتی یہاں سے پھر وہ اپنے اس قول تک پہنچا کہ کائنات کی تین اولین حقیقتیں ہیں ذرات خلا اور حرکت۔

حیران مادی کائنات کی تکوین کا ذرات سے ہونا عقل سے بعید نہیں لیکن ان ذرات کو کس نے پیدا کیا؟ اور کس نے ان میں حرکت پیدا کی؟

الشیخ تمہارے سوالوں کا جواب دیموقراطیس نے نہیں بلکہ دوسروں نے لکھا ہے۔ جہاں تک

دیموقراطیس کا تعلق ہے اس نے صحیح فکر سے عاری ہو کر یہ خیال کیا کہ ذرات کی حرکت "اندھی ضرورت" کا نتیجہ ہے جو انہیں حرکت کرنے، باہم جڑنے اور باہم آمیز ہو جانے پر مجبور کرتی ہے۔ اور اس کی نظر میں یہ کائنات اور جو کچھ بھی اس میں ہے خواہ جماد، نبات اور حیوان ہے، حتیٰ کہ ارواح اور دیوتا بھی، کسی اندھی ضرورت کی قوت سے حرکت کرنے والے ذرات سے مرکب ہیں۔

پھر انیکسا غورث (Anaxagoras ۵۰۰ ۴۲۸ ق م) دیموقراطیس کے بعد آیا جس نے اندھی ضرورت کے بارے میں اس کا مذاق اڑایا اور اسے حماقت سے تعبیر کیا اور ایک صحیح سوچ کی طرح کہا کہ ناممکن ہے کہ اندھی قوت کائنات کے حسن و جمال اور نظم و ضبط کی موجد ہو۔ کیونکہ اندھی قوت انتشار کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتی اور وہ جو مادہ کو حرکت دلاتا ہے وہ عاقل ہے، رشید ہے، بصیر اور حکیم ہے۔

حیران یہ بڑی اونچی بات ہے کیا یہ ممکن ہے کہ انیکسا غورث کا ان اقوال کے ساتھ اللہ کے وجود کو ثابت کرنے کا ارادہ ہو۔

الشیخ اے حیران، مجھے معلوم نہیں کیونکہ اللہ کی ہدایت رسولوں کی زبان کے ذریعے یونان اور یونانیوں کے فلسفہ سے مقدم ہے۔ بلکہ میرا راجح خیال یہ ہے کہ مصر، چین اور ہند کے قدماء کے فلسفہ کی ایک کثیر تعداد ان نبوتوں کے باقیات میں سے ہے جنہیں تاریخ نے بھلا دیا ہے اور ان کے حاملین کو فلاسفہ کی فہرست میں شمار کر لیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ رسول ہوں یا رسولوں کے پیروکار۔

لیکن انیکسا غورث کے اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ ایمان کے قریب پہنچ چکا تھا جب اس نے اپنی عقلِ سلیم سے سمجھ کہ یہ محکم نظام عقلِ حکیم کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہو سکتا لہٰذا انیکسا غورث وہ پہلا شخص شمار ہوتا ہے جس نے فلسفۂ روح کا دروازہ کھولا اور اپنی رائے سے حق کے قریب پہنچ گیا اور ایسا ہی ارسطو (Anstotle) نے اسے خیال کیا جب اس سے متعلق کہا کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانش وری کے ساتھ اپنے اسلاف کی حماقتوں سے بیزاری کا مظاہرہ کیا۔

حیران الحمدللہ! ہم فلسفہ کے اس تعارف تک آ پہنچے ہیں جو ہذیان سے بلند تر ہے۔

الشیخ بے شک فلسفہ حق کی طرف جاتا ہے مگر سست روی کے ساتھ۔ اس کے راستہ میں بعض

اوقات سوفسطائیوں کی طرح کے شک زدہ لوگ رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں اور اپنی عجیب بحثوں کے ساتھ ہر فکر سلیم کو ناپید کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حیران: میں کلمہ سوفسطہ سنتا رہتا ہوں جس سے پرفریب مباحثہ مراد لیا جاتا ہے۔

الشیخ ہاں سوفسطائیت سے ہی کلمہ سوفسطہ نکلا ہے۔ سوفسطائیت اس گروہ کا طریقہ کار ہے جس نے لوگوں کی تعلیم میں جھوٹے دلائل کے ساتھ حقائق کو الٹ پلٹ کر پیش کرنے میں مہارت حاصل کر لی اور اس کا یہ نام انہوں نے کلمہ "سوفسط" کی نسبت سے رکھا۔ اور یونانی زبان میں اس کا اطلاق ایسے معلم پر ہوتا ہے جو علم و فن کی کسی شاخ سے متعلق ہو پھر اس کا اطلاق ان معلمین پر ہونے لگا اسی میں سے عربوں نے سوفسطہ کا کلمہ نکالا۔ سوفسطائیوں کا کوئی معلوم مذہب نہیں اور نہ ہی ان کی آراء جو حق سے متعلق بحث کرتی ہیں روح فلسفہ سے مربوط ہیں۔ وہ معلمین کی ایک جماعت تھے جو بلاد یونان میں اجتماعی شکلوں میں ظاہر ہوئے۔ جھوٹے افسانوی دیوتاؤں کے ساتھ انہوں نے شہروں میں شک و کفر کا ایک طوفان بپا کیے رکھا اور جمہوریت کی ایک لہر اٹھا کر لوگوں کے لیے از راہ مذاق مناصب کے دروازے کھولے۔ انہوں نے لوگوں کو تعلیم، تقریر، خطابت، دلائل اور خوش نما کلام کے فن میں مہارت بہم پہنچائی۔ انہیں اس بات پر فخر تھا کہ وہ کسی ایک رائے یا اس کے متضاد کی تائید پر قادر ہیں۔ وہ اپنی گمراہیوں پر اکڑا کرتے۔ حتیٰ کہ ان کا رویہ عقل و معرفت کی بنیادوں کو مسمار کرنے والا اور اخلاق کے پرخچے اڑانے والا بن گیا ان میں معروف ترین شخص پروتاغورث (Prota goras ۴۸۱ ۔ ۴۱۲ ق م) ہے جو اپنے مشہور قول "انسان ہر شے کا مقیاس ہے" کے ساتھ اس محور کی بنیاد رکھنے والا ہے جس کے گرد سوفسطائیوں کی لغویات گردش کرتی ہیں۔ علماء اور فلسفی یہ رائے رکھتے تھے کہ حقیقت کا ادراک عقل سے ہوتا ہے نہ کہ حس سے کیونکہ حواس دھوکہ دیتے ہیں۔ پھر معرفت بذریعہ عقل کا منکر یہ پروتاغورث آیا۔ اس کے ہاں معرفت کا واحد مصدر احساس ہیں۔ حالانکہ لوگ اپنے جسموں اور عمروں میں اختلاف کے باعث احساسات میں بھی مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا ادراک حقیقت کیسے ممکن ہو۔ اس طرح تو ہر شخص کا اپنا ادراک ہی اس کی اپنی نسبت سے ادراک حقیقت ہوگا اور خطا نام کی کوئی شے باقی نہ رہی۔ کیونکہ ادراک حاصل

کرنے والے شخص کی نسبت سے ہر رائے درست ٹھہری۔ اسی بنیاد پر عربوں نے "الانسان مقیاس کل شئ" کہنے والے کو "العندیہ" کے نام سے موسوم کیا۔ کیونکہ یہ نام ہر شخص کو اس کے اپنے "ما عندہ" (جو اس کے پاس رائے کی صورت میں ہے) کے اعتقاد کی طرف لے جاتا ہے۔

پھر ان میں ایک دیگر شخص گورگیاس (Gorgias سن ولادت ۴۸۰ ق م) آیا۔ اس نے سوفسطائیت کو حماقت، ہذیان اور تعطل کی آخری حد تک پہنچا دیا جب تمام اشیاء کے وجود کا ایک ہی سانس میں انکار کر دیا اور لوگوں کے مابین معرفت، تعارف اور تفاہم کو ناممکن قرار دے ڈالا۔ اور جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو یہ ہذیان فلسفہ کے مباحث میں شمار کیے جانے کے قابل ہی نہیں۔ البتہ اسے یہ شرف حاصل ہوا کہ اس نے ہمارے لیے سقراط (Socrates ۴۷۰ - ۳۹۹ ق م) کو پیدا کر دیا۔

حیران اس ہذیان نے سقراط حکیم کو کیسے پیدا کیا؟

الشیخ اے حیران! سقراط (Socrates ۴۷۰ ۔ ۳۹۹ ق م) ہی وہ شخصیت ہے جس نے فلسفہ معرفت کی بنیاد رکھی اور اس پر تعمیر کی۔ یہ وہ نظریہ ہے جو دو ہزار سال قبل سے لے کر آج کے دن تک مختلف فیہ ہونے کے باوجود عقل سلیم پر مسلط چلا آ رہا ہے۔ سقراط کو فلسفہ کے ساتھ اس کے سوا کوئی غرض نہ تھی کہ معرفت کے اصولوں کو عقل کی بنیاد پر قائم کرے اور لوگوں کے سینوں میں شک و شبہ سے مبرا حق کے ساتھ فضیلت، حسنِ اخلاق اور راست بازی کو جاگزیں کر دے۔ اس مقدس فلسفی نے دیکھا کہ اس کے زمانے کا اخلاق سوفسطائیوں کے دجل و فریب کے آگے زمین بوس ہو کر رہ گیا ہے جنہوں نے عقل، یقین اور اخلاقی فضائل سے انکار کر دیا کیونکہ انہوں نے اصولِ معرفت کو مکمل طور پر احساس کی طرف لوٹا دیا۔ چنانچہ سقراط نے ارادہ کیا کہ معرفت کو عقل کی طرف لوٹائے جس کے فیصلوں پر تمام انسان بلا اختلاف متفق ہوں تاکہ اس کے ساتھ فضیلت کی حد و تعریف متعین کرنے میں رسائی حاصل ہو۔ سقراط کہتا ہے کہ یہ کوئی معقول بات نہیں کہ معرفت حواس پر مبنی ہو کیونکہ حواس افراد، حالات اور ماحول کے اختلاف کے باعث مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ معرفت کی ایسی مضبوط بنیاد تلاش کریں جس کے بارے میں

لوگوں کے مابین کبھی اختلاف نہ ہو۔ ہم جب اپنے معارف میں غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ جزوی ادراکات پر مشتمل ہیں جو حواس کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں اور جہاں تک جامع اور مکمل ادراکات کا تعلق ہے خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا کہ ان کا محسوس ہونا ممکن ہو۔ اور اس کی مثال "النوع" کے معنی سے دی جاتی ہے جس کو ہماری عقلیں کسی نوع کے جملہ افراد کی مشترک صفات کے مجموعہ کے طور پر جانتی ہیں قطع نظر ان متضاد صفات کے جو اس نوع کے چند افراد میں پائی جاتی ہوں۔ پس اس نے کہا کہ ادراک ایک غیر محسوس شے ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ وہ کلی ادراک ہے اور اس میں کسی دانش مند کو کوئی شک نہیں کہ اس کا وجود تنہا عقل کا مرہون منت ہے۔ اور یہی وہ کامل عقلی ادراک ہے جس پر معرفت کی بنیاد رکھنا واجب ہے۔ جب صورت حال یہ ہے کہ جزوی حسی ادراکات افراد، حالات، ماحول اور مقامات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں تو صرف ایک عقل ہی ہے جو انسانوں کے مابین عام و مشترک ہے اور جب تک وہ سلامت رہتی ہے اختلاف نہیں کیا جاتا۔ ہم ان کامل عقلی ادراکات کے ساتھ ہر شے کی حد و تعریف متعین کر سکتے ہیں اور اس کے ساتھ اس قابل ہوتے ہیں کہ حقائق کے لیے صحیح اور مستحکم پیمانے وضع کریں اور معلوم کریں کہ فضیلت کی حقیقت کیا ہے۔

سقراط کے بعد اس کا مشہور شاگرد افلاطون (Plato: ۴۲۷-۳۴۷ ق م) آیا۔ اس نے اپنے استاد کے وضع کردہ نظریہ معرفت کی تائید کی اور اسے مزید مستحکم کیا۔ لیکن ہم نہیں سمجھ پائے کہ معرفت کو (المُثُل) کی اساس پر کیوں وضع کیا گیا؟ اور المثل سے کیا شے مقصود ہے؟

وہ کہتا ہے کہ کامل معانی کا ادراک بذریعہ حواس ناممکن ہے۔ اس کا ادراک صرف عقل سے ہو سکتا ہے مثلاً جمال اور بدصورتی دو معانی ہیں۔ جن کا ادراک ہم بہت سے مختلف ظاہری شکل و صورت کی حامل اشیاء میں کرتے ہیں مگر وہ کون ہے جو یہ معرفت دلاتا ہے کہ یہ چیزیں جمال میں مشترک ہیں اور یہ چیزیں بدصورتی میں مشترک ہیں۔ ہمارے حواس تو اس اشتراک کا ادراک ہمیں نہیں دلاتے بلکہ وہ ہماری عقلیں ہیں جو ان اشیاء کا باہمی تقابل و موازنہ کرتی ہیں جو جمال میں مشترک ہوتی ہیں۔ پس سمجھ لیا جاتا ہے کہ ان میں جمال ہے۔ لیکن ہماری عقلیں اس تقابل و موازنے کے قابل کیسے ہو گئیں؟ ناگزیر ہے کہ ان کے پاس پہلے ہی سے حسن و قبح کا حقیقی تصور موجود

ہو۔ اگر ہم کہیں کہ یہ خیال ہماری عقلوں کی اختراع ہے تو یہ ہماری سوفسطائیت کی طرف رجعت قہقری ہوگی جو حقائق کو محض شخصی و انفرادی پیمانہ سے ناپتی ہے۔ پس ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ ہم کہیں کہ کامل معانی کا ہماری عقلوں سے ورے حقیقی وجود ہے۔ اور یہ وہی ہے جس پر افلاطون (المُثُل Les idees) کے نام کا اطلاق کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ہماری ارواح جسموں میں داخل ہونے سے پہلے عالم المُثُل میں رہتی تھیں جب وہ اجسام میں داخل ہو گئیں تو عالم مثل کو ایک حد تک بھول گئیں۔ لیکن جب ان کی نظر جمال و بدصورتی جیسی کامل حقیقت پر پڑتی ہے تو انہیں اس حسن و قبح کی مثال یاد آ جاتی ہے اور وہ اشیاء میں پائے جانے والے جمال یا بدصورتی کا ادراک بذریعہ تقابل کر لیتی ہیں اور یہی حال فضیلت، عدل، خیر وغیرہ کی طرح کے جملہ مفہومات تامہ کا ہے۔ پس علم سے مراد مثل کا یاد آ جانا ہے اور جہل اس کا بھول جانا ہے اور حیات دنیا کے تجربات عقلوں کے لیے صرف اس تنبیہ و تذکیر کا وسیلہ ہیں جس کی معرفت انہیں پہلے عالم المثل میں حاصل ہوئی تھی۔

حیران: لیکن میرے آقا! المُثُل کیا ہے؟ اور اس کے حقائق کیا ہیں؟

الشیخ: تمہارا تعجب برحق ہے۔ تم سے پہلے ارسطو بھی متعجب ہوا تھا۔ افلاطون نے المثل کی تعریف متعدد طریقوں سے کی ہے جو عقل و فہم میں نہیں آتے سوائے اس کے کہ اس سے کوئی ایسا امر مراد لیا جائے جو اللہ کے علم میں ہے اور میرے نزدیک یہی راجح ہے کیونکہ وہ مثل کے متعلق کہتا ہے کہ وہ مادی نہیں بلکہ مطلق معانی ہیں۔ اس کے وجود کے عناصر باہر سے نہیں اس کی اپنی ذات سے ہیں۔ وہ اشیاء کی بنیاد ہے۔ اس کا انحصار اشیاء پر نہیں بلکہ اس کے ماسوا کا انحصار اس پر ہے اور وہ دائمی، ثابت، ابدی، ساکن و کامل ہے اور زمان و مکان میں محدود نہیں۔ کیا تم اس تعریف سے نہیں سمجھتے کہ وہ اس سے مراد یہ لینا چاہتا ہے کہ وہ ایک امر ہے جو اللہ کے علم میں ہے۔

حیران: کیا افلاطون اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھتا تھا؟

الشیخ: افلاطون اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل اولین فلسفیوں میں سے تھا اور اس حقیقت کا بھی اولین قائل تھا کہ اللہ تعالیٰ اس جہاں کا خالق اور اس کے معاملات کا مدبر ہے۔ وہ اس پر دلائل قائم کرتا ہے جن میں سے اہم ترین نظام کی دلیل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کائنات حسن و

جمال اور نظم و ضبط کی ایک نشانی ہے- اور ممکن نہیں کہ یہ اتفاقی اسباب کا نتیجہ ہو- بلکہ یہ ایک عاقل و کامل ہستی کی کاریگری ہے جس نے خیر کا ارادہ فرمایا اور ہر چیز کو مقصد و حکمت کے ساتھ تشکیل دیا-

لیکن اللہ نے یہ کائنات کیسے پیدا فرمائی' اس کے تصور اور اس کی وضاحت میں افلاطون کی عقل اس عقیدے سے متعارض ہو جاتی ہے جس سے ہم سب کی عقلیں متعارض ہوتی ہیں- وہ عدم سے تخلیق کا تصور ہی نہیں کر پاتا- وہ کہتا ہے کہ اشیاء مادہ اور صورت سے وجود میں آتی ہیں اور یہ صورت ہی ہے جو مادہ کو مخصوص چیز بنا دیتی ہے اور یہ اسی "المثل" کے اثر سے ہے جو ہر چیز کی شکل کا ماڈل (سانچہ) تفویض کرتی ہے- پس کوئی چیز قبل اس کے کہ وہ اپنے ماڈل کی شکل اختیار کرے مادہ ہوتی ہے جس کی نہ کوئی خصوصیت ہوتی ہے اور نہ شکل- اس کے بعد اپنے (ماڈل کے مطابق) اپنی مخصوص شکل میں مخفی رہتی ہے- پس معدوم ہونے کے بعد وہ وجود کی حقیقت کو حاصل کر لیتی ہے اور وہ جو اس مادہ کو ماڈل عطا کرتا ہے اور اسے عدم سے وجود میں لے آتا ہے وہ اللہ ہے

حیران: میں نہیں سمجھ پایا کہ مادہ صورت کے سانچے میں ڈھلنے سے پہلے معدوم کیسے تھا؟

الشیخ: تم نہیں سمجھتے میں بھی نہیں سمجھتا اور افلاطون بھی اپنی عقل سلیم و رسا کے باوجود نہیں سمجھتا کہ کوئی چیز کیسے آن واحد میں مادہ بھی ہو اور عدم بھی- یہ عقل عظیم بھی بعض دیگر عظیم عقلوں کی طرح عدم سے وجود کے تصور سے اس قسم کی آراء قائم کرنے کی طرف ہانک دی گئی جس کا سبب وہ عجز ہے جو المثل کے ذریعے پیدا ہوتا ہے حالانکہ المثل ہماری عقلوں پر مسلط ایک دھوکہ دہ قیاس ہے جب کہ ہماری عقلیں کسی چیز کے عدم سے تخلیق کے تصور کی عادی نہیں- وہ (افلاطون وغیرہ) اشیاء کا ملاحظہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہوتی ہیں لہٰذا حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ صورتیں محدث ہیں جب کہ عقلی دلیل انہیں بلا صورت قدیم مادہ کی طرف کھینچ لے جاتی ہے- اور وہ بلا صورت مادہ کی ماہیت کی تعریف میں تردد کا شکار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بلا شکل' بلا رنگ' بلا حجم' بلا وزن' بلا ذائقہ اور بلا بو ہے- کیونکہ یہ سارے اوصاف تو صورت کے ساتھ آتے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے بات اس قول تک پہنچا دی کہ "مادہ عدم ہے" پھر ان کی عقلیں

عدم سے تخلیق کائنات کے تصور سے عاجز رہ گئیں- اور کہنے لگے کہ اللہ نے اس مادہ کو بلا شکل و بلا خاصیت پیدا فرمایا- پھر المثل المجردہ (مطلق المثل) کی طرف نظر کی اور مادہ کو المثل کی صورت پر تشکیل دیا یعنی مادہ کو صورت عطا فرما دی- پس وہ متعین چیز بن گیا- گویا کہ انہوں نے تیرے ہمراہ اس قول پر جا کر بس کی کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو مادہ سے پیدا فرمایا جسے وہ عدم سے وجود میں لایا اور اس کو وہ صورت عطا فرمائی جو اس کے قدیم علم میں تھی...... اس کے بغیر ان کا کلام متضاد' نہ سمجھ آنے والا اور معقولیت سے عاری ہو جاتا ہے- بہرحال افلاطون نے اللہ کے وجود کا ادراک حاصل کر لیا اور سمجھ لیا کہ اللہ ہی اس کائنات کا خالق ہے اور وہی اپنی قدرت و حکمت کے ساتھ اس کے معاملات کی تدبیر فرماتا ہے- لیکن جب افلاطون نے راز تخلیق میں مداخلت کا ارادہ کیا تو ٹھوکر کھا گیا جیسا کہ اس کے شاگرد ارسطو نے ٹھوکر کھائی جو فلسفہ الوہیت کے اولین حاملین کا سردار ہے-

حیران: میں جانتا ہوں کہ ارسطو دلیں فلاسفہ میں سے سب سے بڑا فلسفی ہے اور علم منطق کا واضع کرنے والا ہے حتیٰ کہ اسے معلم اول کا لقب دیا گیا مگر وہ ٹھوکر کیسے کھا گیا؟

الشیخ: بلاشبہ ارسطو فلسفہ الوہیت کے قدیم حاملین میں سے سب سے بڑا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھتا تھا لیکن جب اس نے راز تخلیق میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو دوسروں کی طرح وہ بھی پھسل گیا- اگر تم معرفت سے متعلق اس کی رائے سن لو تو تمہیں حیرت ہو گی کہ یہ دانائے دہر' حکمت و عقل کا مالک کیسے پھسل گیا-

وہ کہتا ہے کہ معرفت کی راہ میں پہلا قدم جو فکر اٹھاتی ہے وہ ہے "ادراک حسی" اور جب ذہن میں جزوی حسی ادراکات کا ایک مجموعہ جمع ہو جاتا ہے اور حافظہ انہیں محفوظ کر لیتا ہے تو فکر دوسرا قدم تجربہ میں اٹھاتی ہے جو اشیاء کے تقابل' ان کے حقائق کی معرفت' ان کے علل و اسباب پر قائم ہوتا ہے- پھر فکر تیسرے مرحلہ یعنی نظری تامل میں منتقل ہو جاتی ہے تاکہ نتیجے اور فیصلے تک رسائی حاصل کرے- اور وہ فطری طریق جو عقل حسی ادراک' تجربہ' تقابل' تامل' تعلیل' قیاس' نتیجہ اور فیصلہ کے مراحل میں بالترتیب طے کرتی ہے وہ فطری منطق ہے جس کے قواعد ارسطو نے مرتب کیے اور اسے علم بنا دیا- پس وہ اس بنا پر فلسفہ میں "معلم اول" کہلائے جانے کا مستحق ٹھہرا-

لیکن اس منطق سقیم کا حال یہ معلوم ہوا جب تخلیق عالم کی تفسیر کرنا چاہتا ہے تو نظریہ مادہ کی کھائی میں جا گرتا ہے جو ہماری عقلوں پر مسلط ہے۔ اور یہ مادی نظریہ انسانی عقلوں کو انسان کی زندگی میں مادی اشیاء سے مانوسیت کے باعث مماثلت، قیاس، تمثیل (Analogy) کی بنیاد پر جس کی وہ عادی ہوتی ہیں فریب دیتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے مادے کا عدم سے وجود میں آنے کا تصور مشکل ہو گیا۔ نتیجتاً اس نے قدیم مادہ کا دعویٰ کر دیا پھر اس کی عقل سقیم نے اسے مجبور کیا کہ وہ اعتراف کرے کہ مادہ کا متعین شے ہونا ناممکن ہے کیونکہ اس کی کوئی شکل نہیں ہوتی۔ پس وہ اس کی تعریف میں متردد ہو گیا اور اس امر کو یہاں تک پہنچایا کہ اس کے بارے میں کہہ دیا کہ وہ "قابلیۃ التلقی" (Receptive) سے عبارت ہے گویا اس نے کہا کہ وہ عدم سے عبارت ہے۔

حیران آقا میری عقل الجھن کا شکار ہو گئی ہے۔ براہ کرم وضاحت فرمایئے کہ مادہ کس طرح "قابلیۃ التلقی" سے عبارت ہے۔

الشیخ بلاشبہ تم معذور ہو۔ میں اس کی رائے کو مختصر الفاظ میں بیان کرتا ہوں پھر اس کی تفصیل بیان کروں گا۔

عصر حاضر کا فلسفی ہنری برگسان (Henri Bergson ۱۸۵۹-۱۹۴۱ء) کہتا ہے۔

"ہماری عقلوں کا ایک جزو مادی اجسام کے ادراک کی مشق سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس نے اپنے اکثر تصورات کا اکتساب اسی مادی ماحول سے کیا ہے۔" اور یہ بات درست ہے۔ اس سے ارسطو سمیت کوئی صاحب عقل گریز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب ارسطو نے تخلیق عالم کی تفسیر کرنا چاہی تو اس طرح کی جیسے کسی اوزار کی بناوٹ کی وضاحت کی جاتی ہے۔ جس کو انسان ایک مخصوص مادہ سے مخصوص شکل میں ایک مخصوص مقصد کے لیے بناتا ہے لہٰذا وہ کہتا ہے کہ ہر چیز ان چار اسباب کی تاثیر سے پیدا ہوتی اور بنتی ہے۔

علت مادی یہ وہ مادہ ہے جس سے کوئی چیز بنتی ہے۔

علت صوری: یہ وہ صورت ہے جس کے ساتھ مادہ ایک متعین چیز بنتا ہے۔

علت فاعلی یہ وہ سبب ہے جو کسی چیز کو بناتا ہے اور اسے خاص شکل و صورت دیتا ہے۔

علت غائی یہ وہ مقصد ہے جس کے لیے علت فاعلہ قائم ہوتی ہے تاکہ کسی مخصوص چیز کو اس

کی مخصوص شکل و صورت میں بنائے۔

مثلاً ایک پلنگ میں علت مادی لکڑی ہے اور علت صوری وہ شکل و صورت ہے جس میں لکڑی ٹکڑے کر کے ایک پلنگ کی شکل میں جوڑ دی جاتی ہے اور علت فاعلہ وہ بڑھئی ہے جو پلنگ کو بناتا ہے اور علت غائی نیند اور راحت ہے۔

پھر ارسطو نے صوری، غائی اور فاعلی اسباب کو باہم ملا دیا اور ایک ہی علت پر مرکوز کر دیا اور اسے صورت کا نام دیا اور کہا کہ علت صوری جو کسی چیز کی ماہیت ہوتی ہے اور اس چیز کی غایت کے اندر چھپی ہوتی ہے وہی اس کا منبع ہوتی ہے کیونکہ کسی چیز کی بناوٹ کے وقت اس کا مقصد اس کے اندر متحقق ہوتا ہے اور صورت اس کے مقصد کے مطابق ہی بنائی جاتی ہے اور جب علت صوری، علت غائی کے ساتھ مل ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا تو وہ دونوں علت فاعلہ سے ہی ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ کیونکہ علت فاعلہ کا اثر صورت و مقصد میں ظاہر ہوتا ہے۔ کسی پلنگ کی بناوٹ ممکن نہیں جب تک کہ اس کے بنانے کا مقصد پہلے سے طے شدہ نہ ہو اور قوت کے ذریعے پلنگ کے مخصوص شکل میں بن جانے سے ہی مکمل مقصد وجود میں آتا ہے، پس فاعل جو بڑھئی ہے اس وقت ہی فاعل بالفعل ہوا جب اس نے پلنگ بنا دی، ورنہ اس سے قبل تو بڑھئی فاعل بالقوۃ تھا۔

اور تین علتوں صوری، غائی اور فاعلی کو صورت میں مرتکز کرنے کے بعد اس کے پاس علت مادی ہی رہ گئی اور وہ ہے مادہ یا الھیولی۔

حیران میرے رائے میں، ارسطو تا حال اس کائنات کی نوع بہ نوع اشیاء کے وجود میں ایک معقول راہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ لیکن پلنگ اور بڑھئی کی مثال کائنات کے وجود کی حقیقت پر منطبق نہیں ہوتی۔ پلنگ کی لکڑی تو دراصل موجود ہوتی ہے بڑھئی نے تو اسے پیدا نہیں کیا۔ اس نے تو صرف اس کی صورت بنائی ہے۔ سو وہ کون ہے جس نے لکڑی کو پیدا کیا اور ایجاد کیا؟ بلکہ وہ کون ہے جس نے کائنات کے اصل مادہ کو ایجاد و تخلیق کیا اور اسے ابتدائی مادی صورت میں نکالا۔

الشیخ لفظ مادہ سے جو مراد ہم لیتے ہیں مادہ اور ھیولیٰ سے ارسطو کی مراد وہ نہیں ہے۔ کیونکہ مادہ جسے ہم سمجھتے ہیں وہ کم از کم شکل، وزن اور حجم ضرور رکھتا ہے لیکن ارسطو کے ہاں ھیولیٰ کی مطلقاً کوئی صفات ہی نہیں۔ ھیولیٰ اپنی صفات صورت ہی سے حاصل کرتا ہے کیونکہ جب

تک وہ اپنی صفات نہیں اپنالیتا اس وقت تک وہ تعریف و تحدید کے قابل چیز نہیں ہوتا یعنی یہ کہ ارسطو کے نزدیک اصیولی قوت کے بغیر کوئی چیز نہیں لیکن صورت اختیار کرنے کے بعد وہ بالفعل ایک معین چیز بن جاتا ہے لہٰذا ہیولی اس کے ہاں قابلیت المطلقی ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ چنانچہ اس بنا پر میں یہ کہنے پر آمادہ ہوا ہوں کہ جس مادہ کا ذکر ارسطو کرتا ہے وہ عدم سے عبارت ہے۔

حیران: لیکن اے آقا! یہ تو سمجھ میں نہ آنے والی نامعقول بات ہے۔

الشیخ ہاں! یہ نہ سمجھ میں آنے والی نامعقول بات ہے اور ارسطو خود بھی اسے نامعقول و مہمل ہی سمجھتا ہے۔ اس لیے اس نے کائنات کی اصل کو مادہ اور صورت میں تقسیم کرنے کے بعد کہا ''صورت کا وجود مادہ کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی مادہ کا وجود صورت کے بغیر۔ نیز صورت کا ظہور مادہ کے بغیر ممکن نہیں اور مادہ کے لیے ممکن نہیں کہ اس کا ظہور صورت کے بغیر ہو'' یہ انفصال (Secession) جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں محض ذہنی ہے اور یہی تو وہ مابعد الطبیعیاتی فلسفہ کی بنیاد ہے جس سے اس نے اپنے اس قول کے ساتھ خلاصی پائی کہ یہ کائنات اپنی صورت' اپنی حرکت اور اپنے محرک کے ساتھ قدیم ہے۔

حیران وہ محرک کون ہے جس نے کائنات کو اس کی صورت اور حرکت عطا کی؟

الشیخ ارسطو کہتا ہے وہ اللہ ہے اور یہ کہ وہی علت صوری' غائی اور محرکہ ہے۔

حیران جب اللہ ہی علت صوریہ' غائیہ اور محرکہ ہے تب وہی تو ہے جس نے ہیولی کو صورت عطا کی جو قابلیۃ المطلقی کے سوا کوئی شے نہ تھا۔ جیسا کہ ارسطو کا خیال ہے اور نتیجتاً جس نے کائنات کو اس کے مادہ کے ساتھ اس کی صورت میں پیدا فرمایا وہ اللہ ہی ہے تو ایسی صورت میں کائنات اپنے مادہ' اپنی صورت اور اپنی حرکت کے ساتھ قدیم کیسے ہو گئی؟

الشیخ ارسطو قدیم کے مسئلہ میں اس تضاد سے نکلنا چاہتا ہے لہٰذا کہتا ہے کہ کائنات کو زمانے پر اولیت حاصل نہیں اور صرف اللہ ہی کائنات سے پہلے موجود تھا جس طرح مقدمہ نتیجہ سے پہلے ہوتا ہے اور کائنات کے ساتھ اللہ کا تعلق معلول کے ساتھ علت والا نہیں کہ زمانے کو اس میں کوئی دخل ہو لیکن وہ منطقی تعلق ہے۔ پس اللہ نے کائنات کو وجود بخشا جس طرح مقدمہ نتیجے کو وجود عطا کرتا ہے اور نتیجہ پر مقدمہ کا تقدم فکر کے ساتھ ہے زمانے کے ساتھ

نہیں اور اسے تقدیم عالم کے قول کی طرف کھینچنے والا اس کا تقدیم حرکت کا اعتقاد ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حرکت کے لیے ثابت شدہ علت ولی اللہ ہے۔ اور اسے ہی ازل سے جو ہر قدرت حاصل ہے۔ اور اگر ہم کوئی ایسا وقت فرض کریں جس میں حرکت نہ ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ حرکت کبھی تھی ہی نہیں۔ کیونکہ حرکت کے نہ ہونے کے بعد اس کے حدوث کی بات کا مطلب یہ ہوا کہ مرجح کی تجدید ہوگئی اور اس نے حرکت کو واجب کر دیا۔ حالانکہ محرک اول ثابت ہے جس کے پاس نفس قدرت موجود ہے لہٰذا اس مرجح کا حصول تصور نہیں کیا جا سکتا جس کی جانب حرکت راجح ہو۔

اور یہ ہے استدلال کی وہ خطا جو صفت قدرت پر وقوف کرنے اور صفت ارادہ کو بھلا دینے سے پیدا ہوئی اور اسی خطا نے بہت سارے نسانوں کو فریب دیا ہے ..... غزالی نے اس کا ناقابل تردید جواب دیا ہے۔ جب کہا: '' کائنات ارادہ قدیمہ کے ساتھ وجود میں آئی اسے وجود میں لانے کا فیصلہ اس کے وجود میں آنے کے وقت کیا گیا اور یہ کہ عدم اس حد تک ہی جاری رہا جو اس کے لیے مقرر تھی۔ اور علت کا تقدم معلول کے تقدم کو لازم نہیں کرتا سوائے اس صورت کے کہ معلول کی یہ شان ہو کہ وہ اپنی علت سے ضروریا صادر ہوتا ہو اور اس کا صدور ضروریا نہیں ہو سکتا الا یہ کہ معلول علت کا ہمسر ہو۔ اللہ اور تغیر پذیر کائنات کے مابین کوئی ہمسری نہیں کہ کائنات ضروریا اس سے صادر ہو۔ لہٰذا حرکت کے تقدم کی بات نہیں چل سکتی جیسا کہ ارسطو کا خیال ہے۔ کیونکہ وہ بروئے عقل ضروری نہیں اور نہ ہی مرجح کی تجدید کی بات چل سکتی ہے جیسا کہ اس کا وہم ہے کیونکہ وہ ارادہ قدیمہ ہی ہے جس نے حرکت کے وقت کی تعیین کی۔

حیران یہ بیان بالکل واضح ہے وہ معلم اول اس سے کیسے غافل ہو گیا؟

الشیخ میں اپنی بات دہراتا ہوں یہ اولین فکری غلطی جس سے یہ تمام غلط نتائج نکلے وہ عدم سے وجود کے تصور سے عجز ہے اور زمانے کے معانی اور اس کی حقیقت میں اس کا مفروضہ ہے اور وہ اشکال ہے جو تخلیق سے قبل ''مدۃ الترک'' کے بارے میں اسے لاحق ہوا۔ تم اس سب کچھ کا جواب غزالی' ابن طفیل اور عمانوئیل کانٹ کے کلام میں پالو گے۔ اور اگر تم وہ سب کچھ پڑھو جو ارسطو نے سائنس اور فلسفہ کے متعلق کہا ہے تو تم دیکھو گے کہ یہ شخص اپنی عظمت عقلی اور وسعت علمی کے باوجود جب تخلیق کائنات کے راز کی حقیقت تک اپنی عقل

کے ذریعے رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے تو بہت سی الجھنوں، باطل خیالوں اور مفروضوں میں پھنس جاتا ہے۔ چونکہ وہ بہت سی علمی غلطیوں کا مرتکب ہوا لہٰذا سے تقدیس و معصومیت کا وہ مقام نہ دو جو اس کے غالی محب ابن رشد نے اسے دیا ہے۔ تم ایک مثال سے سمجھو ایک جملہ جو اس سے روایت کیا جاتا ہے یہ کہ اس نے کہا کہ: "اللہ کائنات کو دھکے کے ساتھ حرکت نہیں دیتا کیونکہ اس سے محدود حرکت کی نسبت لازم آئے گی۔ لیکن وہ کائنات کو اس کی نہایت کی طرف کھینچ رہا ہے جیسے ہم خیر اور جمال کی طرف ان کے کسی عمل کے بغیر کھینچے چلے جاتے ہیں۔" اور دوسرے موقع پر اس سے روایت کیا جاتا ہے کہ "اللہ نے کائنات کو دائروی حرکت دی، پھر اسے بذاتِ خود گھومنے کے لیے چھوڑ دیا" اور میں نہیں سمجھتا کہ دھکے سے حرکت اور دائرے میں حرکت کے درمیان اللہ کی نسبت کا کیا فرق ہے؟ اور کہتا ہے کہ یہ حرکت دائروی سورج کے زمین کے گرد گھومنے کی علت ہے۔ اور زمین میں ظاہر ہونے والے بناؤ اور بگاڑ کا سبب ہے۔ عناصر ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتے اور باہم آمیز ہو کر اجساد بنتے ہیں، گرمی و سردی دو فاعلی قوتوں سے نشوونما پاتے ہیں اور دو منفعلی قوتوں، خشکی اور تری سے فنا ہوتے ہیں۔ نیز کہتا ہے کہ زمین ساکن ہے اور مرکز عالم ہے۔ اور اللہ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ فقط اپنی ذات سے واقف ہے، اپنے ماسوا کو نہیں جانتا۔ اگر وہ اپنے سے غیر سے واقف ہو تو اپنے بارے میں کم ہی جانے گا اور اس کے علاوہ اسی طرح خود رائی فیصلے اور کمزور و لغو آراء ہیں جو اس کے قول سابق، کہ اللہ ہی علت فاعلہ و محرکہ ہے سے متضاد ہیں اور علم و عقل اور اس منطق سے بھی متضاد ہیں جو معلم اول نے وضع کی۔ لہٰذا میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس سے منسوب روایات تمام کی تمام صحیح نہیں اور اہم بات یہ ہے کہ ارسطو نے اللہ کے وجود کا انکار نہیں کیا بلکہ وہ اس کا موید ہے۔ لیکن جب اس نے اللہ کی ذات اور تخلیق کی کیفیت کو بیان کیا تو اس کی عقل ضعف کا شکار ہو گئی۔ یہ ضعف ان لوگوں کو بھی لاحق ہوا جنہوں نے اس سے روایت کیا اور اس کے اقوال کی تخریج کی۔

پھر مابعد الطبیعیاتی نظریہ وجود رواقیوں اور ابیقوریوں کے ہاں مادی نظریہ کی پسپائی کے ساتھ مغلوب ہوا اور شکاک کے ظہور پر منتج ہوا۔ حتیٰ کہ جدید افلاطونی فلسفہ کائنات کے خالق

"الٰہ" کے وجود کی تصدیق کرتا ہوا آیا۔ وہ اس طرح سے اولین فلاسفہ کی زبان پر مادہ کے ساتھ شروع ہونے والا دور دہرایا گیا۔ پھر متعاقب شک والا سوفسطائیت کا درمیانی دور آیا اور بالآخر فلسفہ الحیات کے حاملین سقراط، افلاطون اور ارسطو کی زبان پر کائنات کے خالق "الٰہ" کے وجود کی تصدیق تک جا پہنچا۔

حیران: رواقی اور ابیقوری کیا کہتے ہیں؟

الشیخ: رواقی نظریہ معرفت میں حق و باطل کے امتیاز میں عقل کی صلاحیت پر شک میں پڑ گئے۔ جب انہوں نے کہا کہ معرفت محسوس چیزوں سے حاصل ہوتی ہے اور ہم تک بذریعہ حواس پہنچتی ہے اور زندگی میں جملہ مدرکات احساسات جزئیہ پر مبنی ہماری عقلوں کے ساختہ افکار ہیں لہٰذا عقلوں کو حق و باطل میں امتیاز کا معیار بنانا بلا جواز ہے اور وہ اس کی بجائے اپنے اس قول کو اختیار کرتے ہیں کہ حقیقت صرف شعور کے ذریعے معلوم کی جاتی ہے۔ لہٰذا حقیقی شے ہمارے اندر قوی شعور پیدا کرتی ہے جس سے انکار کی کوئی راہ نہیں۔

مگر وجود عالم سے متعلق رواقی بیک وقت الوہیت کے قائل لگتے ہیں اور الحاد کے قائل بھی جب وہ یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ مادہ کے سوا کائنات میں دوسری کوئی چیز نہیں اور ہر موجود شے دو عناصر سے بنی ہے۔ منفعل (Passive) اور فاعل (Acuve) ... نیز فاعل وہ قوت ہے جو مادہ کو حرکت اور تمام شکلیں مہیا کرتی ہے اور یہ قوت صرف آگ ہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی اولین آگ ہے اور آگ کی ماہیت میں اللہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ پھر اس آگ نے حرکت کی اور اس کا ایک جزو ہوا میں تبدیل ہو گیا۔ اور ہوا سے ایک جزو پانی میں بدل گیا اور ایک جزو پانی سے مٹی میں تبدیل ہو گیا۔ اور جلد ہی ہر چیز پھر آگ کی طرف لوٹ آئے گی۔ پھر دوسری بار اس کی مراجعت ہو گی۔ اور اللہ کائنات کی روح ہے۔ اور کائنات اللہ کا جسم ہے۔

حیران: بخدا! ان لوگوں کا عجیب حال ہے۔ کیا کائنات کی تفسیر کی رائے کے لیے ضروری نہیں کہ وہ معرفت کے طریقوں کی رائے پر مبنی ہو؟ ان کی قوی شعور والی رائے کہاں چلی گئی جس کو انہوں نے حقیقت کی معرفت کی بنیاد قرار دیا تھا اور اس شعور کے لیے کیسے ممکن ہوا کہ وہ اس عجیب ناری "الٰہ" کا ادراک و تصور کرے؟

الشیخ: تمہارا تعجب برحق ہے۔ میں نے تمہیں ان کی رائے سے اس لیے آگاہ کیا ہے تاکہ تمہیں

ان کی حماقت اور متاخرین کے ہذیان کے مابین رابطے سے آگاہ کردوں۔

لیکن ابیقوری نظریہ معرفت میں ارسطو کی رائے سے باہر آتا ہوا نظر نہیں آتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جو بھی افکار ہیں وہ حسی ادراکات کا سلسلہ ہیں۔ جنہیں حافظہ محفوظ کر لیتا ہے پھر ان میں تقابل و موازنہ کرتا ہے تاکہ احکام کلیہ تک رسائی حاصل کرے۔ لہٰذا ادراک حسی صحیح مقیاس ہے۔ اور جن ادراکات و احکام کی بنیاد اس پر رکھی جائے وہ بھی صحیح ہوتے ہیں۔

پھر شیخ الطریقت ابیقور (Epicure ۳۴۱-۲۷۰ ق م) اپنی فکر میں بلند ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ جب ہم حواس کے دائرے سے تجاوز کرتے ہیں تو خطا سے ہی دوچار ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم حقیقت کے اسباب کے بارے میں ایسی رائے بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو پردہ غیب میں ہوتے ہیں۔

لیکن یہ عقل سلیم کا حامل جو مابعد الطبیعیات کے ادراک میں ہماری عقلوں کے عجز کا معترف ہے تخلیق کائنات سے متعلق کلام کرتے ہوئے اس محتاط حکیمانہ طریقے کو ترک کر دیتا ہے جسے اس نے معرفت کے لیے متعین کیا تھا اور تمام تر ظن و تخمین پر مبنی آراء پیش کرتا ہے اور دیمو قراطیس کی رائے کو اختیار کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کائنات کی اصل ذرات ہیں جو بذات خود متحرک ہوتے ہیں اور یہ کہ ان کی حرکت کی علت ان کا ثقل ہے جو ان کے اندر موجود ہے اور وہ اپنے ثقل کے باعث اوپر سے نیچے کو حرکت کرتے ہیں اور کچھ نہ کچھ بھٹک جاتے اور گر جاتے ہیں۔ وہ باہم ملتے اور مرکبات بن جاتے ہیں اور کلی حیات حادثے اور اتفاق کے ساتھ باہم ملنے سے پیدا ہوئی ہے۔

حیران میں نہیں سمجھا کہ اس نے اوپر سے نیچے ذرات کی حرکت کو قوت ثقل سے کیسے فرض کر لیا۔ حالانکہ ثقل تو کشش کے اثر سے ہوتا ہے۔

الشیخ ابیقور کو اس تصور میں معذور سمجھنا چاہیے کیونکہ اس کے زمانے میں قانون جاذبیت (Law of Gravitation) معروف نہ تھا جیسا کہ تمہیں معلوم ہے۔ لہٰذا اجسام کے اوپر سے نیچے قوت ثقل کے ساتھ گرنے کا نظریہ اس نے حواس کے ذریعے ظاہری چیزوں کے مشاہدے کی بنیاد پر قائم کیا اور وہ اپنی شرط پر قائم رہا کہ حواس کے ذریعے معلومات سے تجاوز کرنا ہمارے لیے درست نہیں۔ لیکن جب وہ اپنی شرط سے نکل گیا تو معذور نہیں

سمجھا جا سکتا۔ وہ حیات کے حادثے اور اتفاق سے وجود میں آ جانے کے زعم میں مبتلا ہو گیا۔ مزید برآں اس کا اس رائے کے متعلق اپنی شرط سے باہر آ جانے سے عجیب تر اس کا یہ قول ہے کہ خداؤں کی شکلیں انسانوں جیسی ہیں۔ وہ کھاتے پیتے ہیں اور یونانی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ اور ان کے جسم روشنی کے عنصر سے ہیں۔ وہ دائمی سعادت میں ہیں اور کائنات کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ غور تو کرو

جہاں تک کائنات کے اتفاق و حادثاتی طور پر بن جانے سے متعلق اس کا قول ہے تو اس پر بحث کا یہ موقع نہیں اس پر بحث کا موقع وہ ہوگا جب ہم موجودہ زمانے میں یہی رائے قائم کرنے والوں تک پہنچیں گے۔

حیران <u>وہ جدید شکاک کون ہیں؟ کیا وہ سوفسطائیوں سے ہٹ کر کوئی شے پیش کرتے ہیں؟</u>

الشیخ اگر ان جدید شکاک نے کوئی نیا امر پیش نہ کیا ہوتا تو میں ان کا ذکر نہ کرتا۔ میں نظریہ معرفت میں فلسفیانہ آراء سے متعلق مکمل گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مناسب نہیں کہ تم ان جدید شکاک کی آراء سے بے خبر رہو اور بعد میں جب ان کا مطالعہ کرو تو شک میں مبتلا ہو جاؤ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ امر جس پر قدیم سوفسطائی اور جدید شکاک متفق ہوئے وہ شک ہے لیکن طریقہ اسلوب اور مقصد کے لحاظ سے ان کے درمیان واضح فرق ہے۔ سوفسطائی جیسا کہ تمہیں معلوم ہے فلسفہ کے لوگ نہیں۔ بلکہ کمائی کرنے والے پیشہ ور معلم تھے۔ لیکن شکاک کے پیش نظر کمانا نہیں تھا بلکہ وہ مفکرین کا ایک گروہ تھا۔ ان کے خیال میں حقیقت تک رسائی ناممکن امر ہے۔ وہ شک میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے کہا: "لا ندری" (ہم نہیں سمجھتے) اور انہوں نے "لا ادریہ" بذات خود ایک فلسفیانہ مذہب قائم کر لیا۔

ان کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم اشیاء کو ان کے ظاہر کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ جب کہ وہ مختلف مظاہر میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور ہمارے پاس حقیقی و غیر حقیقی نظریہ میں امتیاز کا کوئی ذریعہ نہیں جیسے ہم نیند میں دیکھتے ہیں یا فریب حواس کے باعث تصور کر لیتے ہیں۔ اور حواس تو ہوتے ہی گمراہ کن ہیں جیسا کہ حسی ادراکات مختلف حالات و واقعات اور کیفیات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں نیز ادراکات حاصل کرنے والے اشخاص اور زیر مطالعہ اشیاء کے اختلاف سے بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر قانون علت کا بھی انکار کر دیا اور کہا کہ لوگ

اشیاء کے اسباب کا حکم ان کے ظواہر کی بنیاد پر لگاتے ہیں لیکن یہ ظواہر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی شے کے بارے میں یقینی اور قطعی رائے قائم نہیں ہو سکتی ان میں سے بعض نے قیاس و استقراء کی صحت سے انکار کر دیا اور بعض شک کی انتہا تک جا پہنچے اور کہا اولین عقائد مفروضے ہیں مصدقے (Proved) نہیں۔ اور یہ کہ اگر ہم برہان میں تسلسل سے اعراض کریں تو برہان دوری میں جا پڑیں گے جو مقدمہ کو نتیجہ پر اور نتیجہ کو مقدمہ پر قائم کرتا ہے حالانکہ وہ باطل ہے

لہٰذا برہان تب ناممکن ہوگا

احتمالیین ان شکاک میں سے اعتدال پر وہ ہیں جن پر احتمالیین کے نام کا اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بعض حقائق جو انہیں واضح نظر آتے ہیں کی بنیاد ترجیح پر رکھی ہے بغیر اس کے کہ ہم اس ترجیح سے تجاوز کر کے حقائق کی صحت کے باوجود دلیل کی طرف بڑھیں۔ لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم تجربہ سے اخذ کریں اور جب ہم فطرت کے ظواہر اور ان کے اسباب کو باہم مربوط پائیں تو نتائج کے ظہور کی امید رکھیں اس اعتقاد کے بغیر کہ یہ نتائج قانون علت کی اساس پر مرتکز ہیں۔

حیران: یہ حقیقت ہے کہ حقائق کے انکار میں ان شکاک کا غلو زیادہ خطرناک ہے بہ نسبت سوفسطائیوں کی بہکی ہوئی باتوں کے۔ وہ حقائق کا انکار کرتے ہیں اور اس بات کے معترف ہیں کہ ان کا انکار بحث و مباحثہ میں مہارت کی اساس پر قائم ہے۔ مگر یہ شکاک جزئیات کے بغیر سنجیدگی کے ساتھ عقلی مبادیات کے منکر ہیں۔

الشیخ: ان کا اولین عقلی مبادیات (جس کو انہوں نے غیر ثابت شدہ مفروضے کہا ہے) سے انکار میں غلو شدید قباحت اور نامعقولیت کا حامل ہے۔ مگر ان میں سے احتمالیوں کو اپنی بصیرت کے ساتھ فطری ظواہر سے متعلق اپنے بعض نظریات میں کچھ نہ کچھ مقام حاصل ہے۔ جدید علمی نتائج نے احتمال کے ساتھ اس قول کے وجوب کی تائید کی ہے جس کی صحت پر قطعی عقلی دلیل قائم نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ اگر تم زمین، سورج، ستاروں، مادہ اور اس کی حقیقت سے متعلق متقدمین کی آراء کا ہمارے اس زمانے کے علمی حقائق سے تقابل کرو تو ان میں بڑا فرق پاؤ گے۔ جس سے تمہیں معلوم ہوگا کہ احتمال و ترجیح کے ساتھ قول میں زیادہ غلو نہیں ہوتا لیکن غلو ان کے اس زعم سے پیدا ہوا کہ اولین عقلی عقائد ثبوت کے محتاج ہیں

کیونکہ مثلاً اگر ہم کل کے جزو اور حادی کے محوی سے بڑا ہونے ایک دو کا نصف ہونے اور دو متضاد چیزوں کے اجتماع کے جواز کا ثبوت مانگیں تو ہم عقل سے عاری ہو جائیں گے اور ہم نے فکر کی میزان گویا ان عقلوں کے ساتھ طلب کی جو بشری عقلوں سے ورے ہیں اور یہ موضوع سے باہر نکل جانے والی بات ہے۔ ہم تو حقائق کی تحقیق انہی عقلوں کے ساتھ کر رہے ہیں جو اپنی فطرت کے لحاظ سے اولین بدیہی عقائد پر مشتمل ہیں۔ ممکن نہیں کہ عقل سے اس کا اپنا ثبوت طلب کیا جائے اور یہی وہ بنیاد ہے کہ جس پر تمام عقلی ادراک کا حکم مرکوز ہے۔ ان کا انکار عقل کو معطل کر دینے کے مترادف ہے اور ان کے قول میں تضاد پائے جانے کے علاوہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ جب تمہارے نزدیک معرفت ناممکن ہے تو اولین عقائد کا غیر ثابت شدہ ہونا، حواس کا فریب دہ ہونا، عقلوں کا خطا کار ہونا، تسلسل کا باطل ہونا اور دوری برہان کا غیر صحیح ہونا تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ تو وہ مذاق کا نشانہ بن جائیں گے یہ سارے قول معارف ہی تو ہیں اگر تمہارا یہ قول صحیح ہے کہ معرفت ناممکن ہے تو تم نے حقیقت کی معرفت حاصل کر لی۔ لہٰذا تمہارا وہ قول کہ معرفت ناممکن ہے قول باطل ہے اور اگر تمہارا قول صحیح نہیں ہے تو پھر معرفت غیر ممکن نہیں رہتی۔ اور اگر تم یہ کہو کہ دور و تسلسل کا باطل ہونا بروئے عقل واضح ہے تو تم نے اولین عقلی قضیے کے وجود کا اعتراف کر لیا، جس کی صحت کا عقل قطعی فیصلہ کرتی ہے۔ اور اگر تم اس بداہت کا انکار کرو تو تمہارے تمام دلائل جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں۔

حیران: جدید افلاطونی ایمان ان مادی رواقی ابیقوری کاسوں اور عقل کے معطل کر دینے والے شک کے درمیان کیسے پیدا ہوا؟

الشیخ: کیا تمہیں اس پر تعجب ہے؟ حالانکہ وہ قضیہ ایمان کے لیے دائمی دوری ارتقاء ہے جس کا گرنے کے بعد اٹھنا اور غفلت سے بیدار ہونا عقل کے ذریعے ہو یا وحی کے ذریعے شک و الحاد کے دور کے بعد ہی ہوتا ہے؟

جدید افلاطونیت کے لیے عقل اور روحی دونوں امر جمع ہو گئے۔ اور وہ مذہب افلاطون اور نصرانیت کا آمیزہ بنا۔ جس کی ابتداء فیلون اسکندری نے کی اور اس کے بعد افلاطین نے اس کی تجدید کی۔ فیلون اسکندریہ میں حضرت مسیح علیہ السلام سے بیس سال قبل پیدا ہوا اور ۵۰ء میں فوت

ہو گیا۔ یعنی ایسے وقت میں جب شہر اسکندریہ اپنے عظیم عالمی مرکز میں اثینیا[1] کا وارث بن چکا تھا۔ اور اس دوران اس میں مذہب افلاطون کا تسلط تھا اور کائنات کی حقیقت اور اس کے قدیم یا حادث ہونے سے متعلق بحث و مباحثہ جاری رہتا۔ چنانچہ فیلون اسکندریہ نے افلاطون کی آراء کی خوب تشریح کی۔ پھر اس کے بعد افلاطین ۲۰۷ء سے ۲۷۰ء تک آیا۔ جس نے اس مذہب کی تجدید کی جو اس کے بعد "جدید افلاطونیت" کے نام سے مشہور ہوا۔

نظریہ وجود اور تخلیق کائنات میں جدید افلاطونیت کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ کثیر ظواہر اور دائمی تغیر کی حامل یہ کائنات ممکن نہیں کہ خود بخود وجود میں آ گئی ہو بلکہ ناگزیر ہے کہ اس کا کوئی خالق ہو اور وہ خالق اللہ ہے اور وہ واحد، احد، ازلی، ابدی، قائم بالذات ہے۔ اور وہ مادہ اور روح سے بالاتر ہے۔ اور جب اس کے اور اشیاء کے مابین تشبیہ قطعاً نہیں ہو سکتی تو اس کی تعریف سلبی صفات کے بغیر ممکن نہیں۔ پس وہ مادہ نہیں اور نہ ہی اسے متحرک یا ساکن کہا جا سکتا ہے۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ زمان یا مکان میں موجود ہے اور نہ اس کی طرف کسی صفت کی اضافت ممکن ہے۔ کیونکہ یہ اضافت اس کی مخلوقات میں سے کسی شئے کے ساتھ تشبیہ ہوگی اور اس کی تحدید۔ وہ بے نہایت اور کامل ہے۔ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں اور ہم اس کی حقیقت کو سوائے اس کے نہیں جانتے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز سے اعلیٰ و ارفع ہے اور عقلیں اس کی حقیقت کو پانے سے عاجز ہیں۔

یہ کلام اگرچہ اس میں کچھ حقیقت ہے تنزیہہ میں بکثرت غلو پر مشتمل ہے۔ حتیٰ کہ وہ اللہ کو موجود بلا ماہیت بنا دینا چاہتا ہے۔ محض سلبی صفات پر اکتفا درست نہیں۔ کیونکہ اگرچہ اس تعریف میں اللہ کے وجود، اس کے قدم و بقا اور قائم بذات ہونے اور حادث نہ ہونے پر ایمان و اعتراف ہے مگر یہ تعریف اللہ کے علم، قدرت اور ارادہ کی صفات کو ثابت نہیں کرتی۔ حالانکہ وہ اللہ کے لیے عقل کی رو سے واجب ہیں۔

بہرحال یہ بات اہم ہے کہ یہ مذہب اللہ کے وجود کا معترف ہے اور یہ بھی کہ کائنات کا خالق اللہ ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی بروئے عقل واجب بعض صفات سے افلاطین کی غفلت پر تنقید کو وسعت دینے سے غرض نہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ان دوسری غلطیوں سے آگاہ کروں

---

[1] اثینیا: وسطی یونان کا ایک شہر جس میں ارسطو کے مطالعہ کا خاص مرکز افلاطونی مدرسہ تھا۔

جس میں اس مذہب کا حامل افلاطین مبتلا ہوا۔ افلاطین نے جب تخلیق کی کیفیت بیان کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی سوچ بے لگام ہو گئی اور وہ اوہام کی گھاٹی میں دھکیل دیا گیا۔ وہ کہتا ہے "اللہ کے لیے یہ ناممکن ہے کہ کائنات کو مباشرۃً (براہ راست) پیدا کرے۔ کیونکہ اگر وہ اسے مباشرتاً پیدا کرتا تو اسے اس کے ساتھ اتصال لازم آتا حالانکہ وہ واحد ہے اور اس سے عالم متعدد کا صدور نہیں ہوتا۔

حیران: تب تخلیق کیسے ہوئی؟

الشیخ: افلاطین ہمیں کہتا ہے: اللہ کی اپنی ذات میں تفکیر سے "فیض" نکلا اور یہ فیض ہی عالم ہے۔ اور پہلی شئے جس کا اللہ سے ظہور ہوا وہ "عقل" ہے اور اس عقل کے دو وظائف ہیں اللہ کے بارے میں غور و فکر اور اس کے اپنے بارے میں غور و فکر۔ عقل سے "نفس عالم" صادر ہوا اور نفس عالم سے نفوس بشری کا ظہور ہوا اور نیز اس سے نفس ثانی صادر ہوا جو فطرت ہے۔ اور جو نفس عالم ہے وہ عالم روحانی میں سے ہے بجز اس کے کہ اس کا مرکز عالم محسوس کے قریب اس کی سرحد پر ہے اور وہی عالم محسوس اور عقل کے مابین واسطہ ہے۔

میں نے تخلیق، فیض، ظہور و صدور اور عقول و نفوس کی کیفیت سے متعلق ان کے ان خیالات کا ذکر اس لیے کیا ہے تاکہ تمہیں ان حماقتوں سے آگاہ کروں جن میں وہ مسلمان فلسفی جا پڑے جنہوں نے جدید فلاطونیت سے بکثرت اخذ کیا اور اس پر "اسکندرانین مذہب" کے نام کا اطلاق کیا اور افلاطین کا نام الشیخ الیونانی رکھا۔

* * *

toobaa-elibrary.blogspot.com

نور علی نور

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران ابن الاضعف کہتے ہیں: "میں شیخ کی بات سے سمجھ گیا تھا کہ آج رات وہ مسلمان فلاسفہ کے بارے میں گفتگو کریں گے میرے پاس ایک کتاب تھی جو مجھے اپنے ابا کی الماری سے ملی تھی۔ اس میں رازی، فارابی اور ابن سینا کا ذکر تھا اور میں نے دن بھر اس کا مطالعہ کیا تھا، چنانچہ میں کتاب اٹھائے وقت مقررہ پر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انہوں نے دیکھ کر مجھ سے پوچھا یہ کون سی کتاب ہے؟

حیران: میں نے سمجھا کہ اب آپ مسلم فلسفیوں کے بارے میں گفتگو کریں گے اور یہ کتاب ہے جس میں رازی، فارابی اور ابن سینا کا ذکر ہے۔

الشیخ: کیا تم نے اسے پڑھا ہے؟

حیران: میں نے اس کا ایک حصہ پڑھا ہے، اسے کچھ سمجھا ہے اور بعض باتیں مجھے سمجھ نہیں آئیں۔ جو مشکل اور پیچیدہ کلام میں نے پڑھا ہے اس میں جدید افلاطونیت کی کچھ بیہودگیاں پائی جاتی ہیں۔ جن کا آپ نے ذکر کیا تھا کیا یہ تینوں حضرات ضعف ایمانی کا شکار ہیں؟ جیسا کہ ان کے بارے میں عام تاثر پھیلا ہوا ہے۔

الشیخ: پناہ بخدا! اے حیران! وہ اللہ پر ایمان رکھنے والے عظیم ترین لوگوں میں سے تھے اور اللہ کے وجود پر برہان کے ساتھ سب سے سچی بات کہنے والے تھے۔ اور کیوں نہ ہوں۔ وہ بھی تو مسلمان فلسفی ہی تھے۔ انہوں نے ایمان صادق بالوحی اور ایمان بذریعہ عقل سلیم کو جمع کر دیا "نور علی نور"۔ لیکن انہوں نے تخلیق کے مراتب اور اس کے واسطوں کو جدید افلاطونیت کی بیہودہ باتوں اور اس کے نظریات سے اخذ کیا اور مسئلہ ان کے ہاں خلط ملط ہو گیا۔ انہوں نے سے ارسطو کی بات شمار کر لیا اور ان کے ذہنوں پر مسلط ارسطو کی عظمت نے انہیں اس کی تحقیق سے روک دیا۔ لہٰذا ان کے بارے میں لکھنے والوں کو چاہیے تھا کہ ان کے اقوال کی چھان پھٹک کرتے اور ان میں پائے جانے والے واضح حق اور تاریک باطل کے مابین تمیز سے کام لیتے۔ اور یہی وہ کام ہے جو انہوں نے صلاحیت تمیز سے محرومی یا نصرت ایمان سے بے نیازی یا ایمان کی مخالفت کے باعث نہیں کیا۔

رازی (۲۵۰ھ-۳۱۳ھ) صادق ترین اہل ایمان میں سے تھا۔ اگر ہمارے پاس اس کے صدق ایمان پر اس کے اس قول کہ "اس زندہ کائنات کی مہارت اور عمدگی کے ساتھ بناوٹ

میں عقل اور اس کی قدرت کا وجود اس خالق کے وجود کا پتہ دیتا ہے جس نے ہر چیز کو عمدہ صورت پر پیدا فرمایا" کے علاوہ دیگر کوئی دلیل نہ بھی ہو تو ہمارے لیے کافی ہے۔ یہ کلام میرے نزدیک ہر مرکب نظری دلیل سے زیادہ مدلل ہے کیونکہ یہ کلام ایسی واضح اور جامع دلیل پر مبنی ہے کہ جس میں کہنے اور سننے والے کسی کے لیے شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ جو شخص لوگوں کی رہنمائی اس طرح سے کرے وہ ایمان میں ضعیف تو نہیں ہو سکتا۔

حیران: فارابی کے متعلق شیخ محترم کیا فرماتے ہیں؟

الشیخ: فارابی (۲۶۰-۳۳۹ھ) عظیم اہل ایمان فلسفیوں میں سے ہے۔ وہ منطق میں سب سے زیادہ صحیح اور اللہ کے وجود پر برہان لانے میں سب سے زیادہ سچا ہے۔ اس نے عقل کے دفاع کے ساتھ آغاز کیا تو اس کے لیے واضح اولین احکام ثابت کیے جن پر تمام براہین کا انحصار ہے۔ اس نے اسی سے اللہ کے وجود کے اثبات کا راستہ نکالا، معرفت اور وجود سے متعلق اس کے اقوال آج تک علماء و فلاسفہ اور متکلمین کے ذہنوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ فارابی کہتا ہے: علم تصور مطلق اور تصور مع تصدیق میں منقسم ہے۔ اور کوئی تصور ایسا بھی ہوتا ہے جو تصور ماقبل کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جس طرح کہ جسم کا تصور اس کے طول، عرض اور گہرائی کے تصور کے بغیر مکمل نہیں ہوتا لیکن یہ ہر تصور کے لیے لازم نہیں بلکہ تصور کے بارے میں انتہاء سے وقوف ضروری ہے۔ جس طرح کہ الوجود، الوجوب، الامکان جیسے معانی کے تصور سے ماقبل کا تصور نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کے تصور سے قبل کسی شے کے تصور کی حاجت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ذہن میں مرکوز ظاہر اور صحیح معانی ہیں۔ مگر جہاں تک تصور مع تصدیق کا تعلق ہے تو اس کا ادراک ممکن نہیں جب تک کہ اس کے ماقبل اشیاء کا ادراک نہ کر لیا جائے۔ مثلاً اگر تم یہ جاننا چاہو کہ عالم محدث ہے تو یہ اس بات کا محتاج ہے کہ تم پہلے یہ تصدیق حاصل کرو کہ عالم مؤلف ہے اور ہر مؤلف محدث ہوتا ہے اور یہ اولین عقائد ہیں جو عقل پر واضح ہیں۔ جس طرح کہ دو قطعاً متخالف فریق ہوں تو ان میں سے ایک سچا ہوگا اور ایک جھوٹا اور یہ بھی کہ کل جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ پس یہ وہ معانی ہیں جو ذہنوں میں مرکوز ہیں جن کا اظہار توجہ سے ممکن ہوتا ہے۔ اگرچہ کوئی چیز ان میں سے ظاہر نہ ہو اور نہ ہی ان پر دلالت کرنے والی ہو۔ کیونکہ وہ خود بخود واضح بھی ہوتے ہیں اور کامل

طور پر یقینی بھی - اور کسی بھی قضیہ پر دلائل قائم کرنے کے لیے ان سے صرف نظر ممکن نہیں ہوتا کیونکہ وہ بدیہی اساس و اصول ہیں-

حیران والله! یہ کلام یقین کے اعلیٰ مراتب کا حامل ہے-

الشیخ اسی یقین کے ساتھ فارابی نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلیل قائم کی' اس نے کہا ہے ''موجودات کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک ''ممکن الوجود'' ہے اور دوسری ''واجب الوجود''۔ اور ممکن الوجود کو جب غیر موجود فرض کر لیا جائے تو اس سے محال لازم نہیں آتا اور اس کے وجود کے لیے علت سے مستغنی نہیں ہوا جا سکتا اور جب وجود میں آ گیا تو وہ واجب الوجود ہو گیا' اپنے ماسوا کے بل بوتے پر نہ کہ بذات خود- مگر جب (واجب الوجود) کو غیر موجود تصور کیا جائے تو محال لازم آئے گا اور اس کے وجود کے لیے کوئی علت بھی نہیں اور نہ ہی اس کا وجود اپنے ماسوا کا محتاج ہے- اور (ممکنہ) اشیاء اپنے علت و معلول (Cause and effect) کے لحاظ سے لامتناہی نہیں ہوتیں اور نہ ہی ان کا وجود دوری طریقہ پر ہوتا ہے- ضروری ہے کہ ان کا منتہاء جب ہو وہ موجود اول ہے' جو جملہ اشیاء کا اولین سبب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے-

حیران' والله! یہ کلام یقین کے اعلیٰ مراتب کا حامل ہے-

الشیخ یہ کافی نہیں کہ تم کہہ دو کہ یہ کلام یقین کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہے- بلکہ اسے اپنے سینے میں محفوظ رکھو اور اللہ تعالیٰ کے متعلق بحث کرنے والوں میں سے کسی ایک کو بھی علم و ہدایت پر پرکھے بغیر نہ چھوڑو ورنہ وہ تمہیں تمہاری بے خبری میں ابتری اور ہلاکت سے دو چار کر دے گا- ہم جائزہ لیں گے کہ یہ برہان عقلوں پر کس طرح چھائی رہی- حتیٰ کہ سات سو سال بعد عظیم لیبنیز (Leibniz ۱۶۴۶-۱۷۱۶ء) اس کی تجدید و تجدید کے ساتھ آیا-

حیران تب آپ نے کیسے کہا کہ فارابی نے جدید افلاطونیت کی خرافات سے اخذ کیا-

الشیخ مجھے یقین ہے کہ اس کا جدید افلاطونیت کی بیہودگیوں سے تخلیق و تکوین کے راز اور اس کے مراتب سے اخذ کرنا اپنی مہارت اور اپنے فلسفہ کے اظہار و تفاخر کے لیے محض زبان سے تھا نہ کہ دل سے- اگر تم اسرار الٰہی اور اللہ کی ذات و صفات کی حقیقت کے ادراک میں عقل کے عجز سے متعلق اس کے اقرار پر غور کرو اور تم دیکھو کہ وہ کس طرح اعتدال' حکمت

اور اللہ کے ادب و احترام کو اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتا تو تخلیق اور اس کے اسباب کے مراتب میں اس کے ساتھ منسوب خرافات کو تم جھوٹ ہی سمجھو گے

وہ کہتا ہے جب موجود (باری) موجودات میں کامل ترین ہے تو اس سے متعلق ہماری معرفت بھی کامل ترین ہونی چاہیے جیسا کہ ریاضیات کے بارے میں ہماری معرفت طبعیات کی معرفت کی بہ نسبت کامل تر ہے- کیونکہ پہلا موضوع بہ نسبت موضوع ثانی کامل تر ہے- لیکن ہم موجود اول کے سامنے اس طرح ہیں گویا کہ انوار کی تیز ترین رو کے سامنے کھڑے ہوئے ضعف بصارت کے باعث اسے برداشت کرنے سے قاصر ہوں- کیونکہ ہماری مادی معاشرت سے پیدا ہونے والا ضعف ہمارے معارف کو مقید کر دیتا ہے اور ہمارے اور ہمارے معارف کے درمیان حائل ہو جاتا ہے-

اس طرح یہ شخص اپنے ایمان اور اپنے توازن کے باعث اور عجز کا اقرار کر کے جس کا اقرار ہر عاقل شخص نے کیا ہے فوقیت حاصل کر لیتا ہے- حتیٰ کہ جب اس نے تخلیق کائنات کی کیفیت کے بارے میں جدید افلاطونیت کی قیاس آرائیوں کی تقلید کرنا چاہی تو مہارت اور فلسفہ دانی کے اظہار کے شوق نے اس کی ناک میں پھونکا لہٰذا اس نے عقول' نفوس اور افلاک سے متعلق جدید افلاطونیت کی جدت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس لحاظ سے اس نے اس میں اضافہ کیا- یہاں تک کہ تم خیال کرو گے کہ اس قسم کے خیالات کا حامل شخص فارابی نہیں کوئی اور ہوگا-

حیران کیا ابن سینا بھی جس کے متعلق سنا ہے کہ وہ فارابی سے مرتبہ میں بڑا ہے اس قسم کی صورت حال سے دو چار ہوا ہے؟

الشیخ ابن سینا (۳۷۰-۴۲۸ھ) بلاشبہ بڑے اہل ایمان فلاسفہ میں سے ہے اور معرفت اور الوجود پر بحث کے دوران تمام لوگوں سے بڑھ کر اپنے استاد فارابی سے مشابہ اور صدور' عقول اور افلاک کے مراتب پر کلام کے وقت اس سے قریب تر ہے-

دھیان سے سنو! معرفت کی بحث میں وہ کہتا ہے ''حیوانی ادراک یا تو ظاہر میں ہوتا ہے یا باطن میں- ظاہر ادراک بذریعہ حواس خمسہ ہوتا ہے- اور ظاہری محسوسات سے ورے حس کی لائی ہوئی صورتوں کے شکار کے لیے جال اور رسیاں ہیں- ان میں سے ایک قوت مصورہ ہے جو محسوسات کی صورتوں کو ان کے زائل ہونے کے بعد قائم رکھتی ہے اور ایک وہم نامی قوت ہے جو

اس محسوس کا ادراک کرتی ہے جس کا ادراک بذریعہ حس نہیں ہوتا - جس طرح ایک بکری کی وہ حس کہ جب وہ بھیڑیے کی شبیہ دیکھتی ہے تو قوت "وہم" اس کے لیے فرار کا ادراک کرتی ہے جب کہ محض حاسۂ بصارت اس دشمنی کا ادراک نہیں کر پاتی - قوت حافظہ وہم کی ادراک کردہ چیزوں کا خزانہ ہے جب کہ قوت مصورہ حس کی ادراک کردہ چیزوں کا خزانہ - اور قوت "متفکرہ" مصورہ اور حافظہ دونوں خزانوں کی امانتوں پر مسلط ہے - وہ بعض ادراکات کو بعض سے ملاتی ہے اور بعض کو بعض سے جدا کرتی ہے -

پھر وہ کہتا ہے اور کیا خوب اور عظیم بات کہتا ہے "حس" خالص اور بے آمیز معانی کا ادراک نہیں کرتی اور نہ ہی مادہ اور مادہ کے متعلقات مثلاً کتنا' کیسے' کہاں' اور وضع کے بغیر صورت کا ادراک کر پاتی ہے - وہ روح انسانی ہے جو نظری عقل نامی قوت کے ساتھ بکثرت شریک ہونے والے اجنبی احقوں سے مبرا تصور معنی پر مع اس کی حد و حقیقت کے قادر ہے اور محسوس جب تک وہ محسوس ہو معقول نہیں ہوتا - اور معقول جب تک وہ معقول ہو محسوس نہیں ہوتا حس کا تصور صرف خلق کے عالم تک ہے اور عقل کا تصور صرف امر کے عالم تک ہے - اور جو خلق و امر سے ورے ہے وہ حس و عقل سے چھپا ہوا ہے - اور جو ذات واحد ہے اس کی ذات کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں بلکہ اس کی صفت کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور ہماری عقلیں حکم بننے کے قابل نہیں کہ ہم ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اعمال' اس کی تخلیق' اس کی تدبیر اور اس کے قضا و قدر پر حکم لگائیں -

حیران واللہ! یہ سحر انگیز اور حیران کن بیان ہے -

الشیخ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اللہ کے وجود پر اس کی برہان ہے وہ فارابی ہی کے مسلک کا سالک ہے - وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے اسباب پر دلیل کا جوہر لے کر آتا ہے اور کہتا ہے یہ مناسب نہیں کہ ہم خالق کے اثبات پر اس کی مخلوقات میں سے کسی شے کو دلیل کا ذریعہ بنائیں - بلکہ مستحسن یہ ہے کہ جو موجود ہے کہ "امکان" سے اور جس کے وجود کا عقلاً "جواز" ہے' سے موجود اول "واجب الوجود" کے اثبات کا نتیجہ اخذ کریں پس یہ کائنات "ممکن" ہے اور کسی علت کی محتاج ہے جو اسے وجود میں لے آئے - کیونکہ اس کا وجود خود اپنے سے نہیں - لہٰذا ہم "الاول" کے اثبات میں خود الموجود کی حقیقت میں ہی غور و فکر کے حاجت مند ہیں سوائے اس کے کہ اس کی مخلوقات میں سے کسی شے کو اس پر دلیل

بنا کر لائیں بشرطیکہ وہ دلیل بن سکتی ہو ورنہ پہلا استدلال ہی زیادہ مضبوط و افضل ہے - یہ دونوں استدلال اللہ کے اس قول میں موجود ہیں سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (فصلت ۴۱:۵۳) عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے - کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر شاہد ہے" - یہ عقل معرفت اور وجود سے متعلق اس کے سحر انگیز اور واضح برہان پر مبنی کلام کا ایک حصہ ہے اسے یاد رکھو - میں تمہیں بتاؤں گا کہ بعد کے بعض بڑے فلاسفہ نے کس طرح سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر اس کے برہان سے اقتباس کیا ہے' جو اقتباس کہ حرف بحرف دکھائی دیتا ہے -

حیران میں نے پڑھا ہے کہ ابن سینا قدیم عالم کے بارے میں ارسطو کا ہم رائے ہے -

الشیخ ابن سینا کے کلام سے بظاہر یہی نشاندہی ہوتی ہے کہ وہ اس کا ہم رائے ہے - لیکن میں اس کے کلام کے باطن کو سمجھتا ہوں کہ ارسطو کے کلام سے مختلف ہے اور وہ قدیم عالم کو نئے معانی پہناتا ہے جو اس کی دقت نظری' سلامت فکری اور صدق ایمانی کی دلیل ہے - وہ کہتا ہے قدیم کی بات بعض وجوہ سے کی جاتی ہے - "قدیم بالقیاس" وہ چیز ہے جس کا زمانۂ ماضی کسی دوسری چیز کی بہ نسبت زیادہ ہو - پس وہ اس دوسری چیز کی بہ نسبت قدیم ہے - اور جو قدیم مطلق ہے وہ بھی دو وجوہ پر مبنی ہے - زمانے کی رو سے اور ذات کی رو سے' قدیم بحساب زمانہ وہ ہے جس کی کوئی زمانی ابتداء نہیں اور قدیم بحساب ذات وہ ہے جس کی کوئی ابتداء نہیں اور وہ "الواحد الحق" ہے' بہت بلند و برتر ہے ان باتوں سے جو ظالم کہتے ہیں -

اس کے اس کلام میں قدیم کے معنی جس سے وہ ایک متعین زمانے کی طرف اشارہ کر رہا ہے جسے بعد میں غزالی نے واضح کیا ہے ظاہر کرتا ہے کہ اس کی رائے میں کائنات اپنی ذات میں قدیم نہیں ہے اور نہ ہی اللہ کے بغیر پیدا ہو گئی ہے بلکہ قدیم عالم سے مراد یہ ہے کہ اسے قدیم مطلق کا نام دیا جائے کیونکہ اللہ نے اسے زمانے سے پہلے پیدا فرمایا - لہٰذا اس کی کوئی زمانی ابتداء نہیں ہے - اور قدیم مطلق زمانی کو قدیم مطلق ذاتی پر بھی قیاس نہ کیا جائے - جس سے اللہ القدیم

مطلق' ازلی الحق کی تعریف کی جاتی ہے۔ تحقیق اللہ تھا اور کائنات تھی اور نہ زمانہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا فرمایا۔ تو زمانے کی ابتداء ہوئی اور کائنات کی جو یہ تعریف کی جاتی ہے کہ وہ قدیم ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ زمانے کے حساب سے قدیم ہوتی ہے نہ کہ ذات کے حساب سے۔

حیران استاد محترم میں زمانے کے تصور کے بارے میں جس کا کوئی وجود نہ تھا الجھن اور ناسمجھی سے دوچار ہوگیا ہوں۔

الشیخ اے حیران! تم مایوس نہ ہو تم دیکھو گے کہ غزالی' ابن طفیل اور ایمونل کانٹ جیسے عظیم فلسفی بھی عقلوں کو لاحق ہونے والی اسی الجھن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حیران استاد محترم آپ غزالی سے متعلق گفتگو کیوں نہیں کرتے جب کہ آپ اس کا بکثرت ذکر کرتے ہیں

الشیخ میں غزالی کے بارے میں اس ترتیب کے مطابق گفتگو کروں گا جو میں نے تمہارے پیش نظر تجویز کی ہے۔ چنانچہ میں اس کی گفتگو سے قبل ابن مسکویہ' ابن خلدون اور ابن طفیل سے متعلق گفتگو کروں گا

حیران: میں نے ابن مسکویہ سے متعلق ایسی کوئی شہرت نہیں سنی۔

الشیخ ابن مسکویہ (وفات ۴۲۱ھ) نے اخلاق' معرفت اور وجود کے فلسفہ میں جو گفتگو کی ہے وہ اپنی رفعت و وضاحت میں عظیم فلاسفہ کی گفتگو سے کم نہیں۔ معرفت اور وجود سے متعلق اس کی آراء کا ایک پہلو میں تمہیں بتاؤں گا۔ مگر اخلاقی فلسفہ جس میں اس نے زیادہ شہرت حاصل کی' سے متعلق گفتگو نہیں کروں گا کیونکہ وہ ان موضوعات سے نہیں جو ہمارے ہاں زیر بحث ہیں۔ لیکن میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم اسے پڑھو کیونکہ فلسفہ اقدار سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر وہ ایک اضافہ ہے۔

ابن مسکویہ نفس کے بارے میں وضاحت سے کلام کرنے کے بعد کہ نہ تو وہ جسم ہے نہ کوئی مرئی چیز' معرفت کے متعلق کہتا ہے "قوئے جسمانی کو صرف حواس سے ہی معلومات حاصل ہوتی ہیں مگر نفس اگرچہ اس کو حواس کے ذریعے بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں تاہم اس کو اپنی ذات میں دیگر اعلیٰ و ارفع قواعد حاصل ہیں جو حواس پر مبنی نہیں۔ اور جن پر صحیح قیاسات کی بنیاد رکھی

جاتی ہے اور وہ یہ کہ جب اس نے یہ فیصلہ کیا کہ متضاد کی طرفین کے مابین کوئی واسطہ نہیں ہوتا تو اس نے یہ فیصلہ کسی دیگر چیز سے حاصل نہیں کیا کیونکہ یہ (دلیل) ہے اور اگر اس نے یہ فیصلہ کسی دیگر شے سے حاصل کیا ہوتا تو یہ اولین نہ ہوتا۔

حواس فقط محسوسات کا ادراک کرتے ہیں لیکن نفس محسوسات کے تفاوت و اختلافات کے اسباب کا ادراک کرتا ہے اور وہ اس کے معقولات ہیں' جن کے لیے وہ جسم اور محسوسات جسم سے کوئی مدد نہیں لیتا۔ اس طرح جب وہ حس پر حکم لگاتا ہے کہ آیا وہ سچ ہے یا جھوٹ تو وہ اس کا فیصلہ حس سے نہیں لیتا کیونکہ حس اپنی تردید نہیں کرتی اور ہمارے اندر نفس عاقل ہے جو حواس کی کثیر خطاؤں کا ادراک کر لیتا ہے پھر جب نفس کو اپنے معقولات کے ادراک کا علم ہو جاتا ہے تو اس علم کو کسی دوسرے علم کا حصہ نہیں سمجھتا اور اگر وہ اس علم کو کسی دیگر علم میں سے سمجھے تو اس علم کے متعلق بھی دیگر علم کا محتاج ہو جائے گا اور یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔ تب اس کا یہ علم کہ اس کو علم ہے وہ اس کی ذات اور اس کے جوہر سے ہے یعنی عقل سے اور وہ اپنی ذات کے ادراک میں اپنی ہی ذات کے سوا کسی دیگر شے کا محتاج نہیں

اس طرح سے ابن مسکویہ حسی و عقلی نظریہ کی تفصیل بیان کرتا ہے جو دقیق بھی ہے اور حیرت انگیز بھی اور ڈیکارٹ' لاک اور ایمونل کانٹ جیسے عظیم متاخرین کی آراء کے موافق ہے۔ بلکہ ان پر سبقت اور فوقیت حاصل کر چکا ہے۔ یہ ان کے مابین فکری موافقت کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے اور دلوں پر یکساں واردات کا بھی۔ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ ان مسلمان فلاسفہ کے اقوال نے متاخرین کی آراء کو بہت قوت بخشی ہے۔ اگرچہ متاخرین ان کی اس فضیلت کے اعتراف میں بخل کا مظاہرہ کرتے رہیں۔

الوجود سے متعلق ابن مسکویہ معترف ہے کہ کائنات مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے عدم سے پیدا فرمایا ہے جب کہتا ہے "الصانع" جل جلالہ چھپا ہوا ظاہر ہے۔ اس کا ظاہر ہونا اس طرح کہ وہ اپنی قدرت کے ساتھ محقق ہے اور محقق روشن ہوتا ہے اور یہ کہ وہ چھپا ہوا ہے تو وہ ہمارے ضعف عقل کے باعث یا اس کے جوہر پر کثرت سے مادی پردے پڑے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ واحد ازلی ہے اور تمام اشیاء کو لاشئ سے معرض وجود میں لاتا ہے اور اگر وہ موجود شے سے ہوں تو پھر ابداع (Innovation) بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے

ابن مسکویہ مخلوقات کے تسلسل اور ان کی نشو و ارتقاء میں نئی رائے کا حامل ہے جس میں وہ نظریہ ارتقاء کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے اور متاخرین سے اس پر سوائے تفصیل کے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ وہ کہتا ہے موجودات تمام کی تمام مراتب کا ایک متصل سلسلہ ہے اور موجودات کی ہر قسم سادگی کے ساتھ پیدا ہوتی ہے پھر مسلسل ترقی کرتی رہتی ہے اور پیچیدہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اپنے بعد میں آنے والی نوع کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا نباتات جمادات کی افق میں ہے۔ پھر ترقی کرتی رہتی ہے حتیٰ کہ اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور جب مزید ترقی کرتی ہے تو حیوان کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جس طرح حیوان سادگی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے پھر ترقی کرتا ہے حتیٰ کہ انسان کے قریبی مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر ابن مسکویہ اس قول کو ترک کر کے یہ قول اختیار کر لیتا ہے کہ خود انسان مسلسل ترقی کرتا رہتا ہے اور وہ اپنی ذہانت، صحت فکری اور اپنے فیصلے کی صلاحیت میں اضافہ کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ افق اعلیٰ تک جا پہنچتا ہے جہاں اسے دو منزلوں میں سے ایک منزل کا سامنا ہوتا ہے۔ یا تو موجودات میں دائمی غور و فکر کی صلاحیت کا تا کہ وہ اس کے حقائق کی منزل تک پہنچ جائے جس کے نتیجے میں اسے لاھوتی امور کے اشارے ملتے ہیں اور یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوشش کے بغیر اس کی طرف وہ امور آتے ہیں۔ پہلی منزل والا فلسفی ہوتا ہے اور دوسری منزل کا حامل شخص نبی ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیض القاء ہوتا ہے۔ پس جس نے فلسفہ کے ذریعے زیر آسمان (یہ علم) حاصل کر لیا اور جس نے اوپر سے بذریعہ فیض حاصل کر لیا اور وہ باہم متفق ہو گئے تو انہوں نے ان حقائق میں اتفاق کے باعث ایک دوسرے کی ضرور تصدیق کی۔

حیران۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ استاد محترم نشو و ارتقاء سے متعلق ابن مسکویہ کی بات کا ذکر اس پر تبصرہ کیے بغیر کر رہے ہیں اور نبی اور فلسفی کی برابری سے متعلق اس کے کلام کا بغیر تنقید کیے ذکر فرما رہے ہیں۔ کیا جناب اس قول سے متفق ہیں؟

الشیخ جہاں تک نشو و ارتقاء کا تعلق ہے اس کا جواب میں اپنے شیخ "جسر" پر چھوڑتا ہوں جن پر بر موقع گفتگو کروں گا۔ نشو و ارتقاء کے فلسفہ میں جسر نے کلام کیا ہے جو فلسفہ کہ آج کل تم نوجوانوں کے ذہنوں پر مسلط ہے۔ ان کے کلام میں فکری بلندی کے بکثرت نشانات موجود ہیں۔

اور جہاں تک ایک فلسفی کی ایک نبی کے ساتھ حق پر جمع ہونے سے متعلق ابن مسکویہ کی بات ہے تو تم نے کیسے سمجھ لیا اس کی مراد قدر و قیمت، بزرگی و عصمت اور علم میں فلسفی اور نبی کی برابری ہے۔ اس کی مراد امر واحد یعنی "الحق" پر ان کا جمع ہونا ہے۔ اور وہ اللہ کے وجود پر ایمان ہے۔ اس کے علاوہ جو امور نبوت اور احکام شرائع ہیں جن کی تصدیق کے لیے ایک سلیم الفکر فلسفی مستعد رہتا ہے وہ وحی و رسالت کے بغیر بذات خود اس کے ادراک کی استطاعت سے محروم ہوتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان صحیح نظریاتی غور و فکر کے راستے اپنی عقل کے ساتھ اللہ واحد احد ازلی ابدی قادر خالق باری مصور متصف بہ صفات کمال کے وجود پر ایمان تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور شریعت میں اہل ایمان سے یہی خالص عقلی ایمان مطلوب ہے۔ اس سے نبوت کی عدم ضرورت مراد لینا ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ جو ایمان باللہ تک بذریعہ غور و فکر رسائی حاصل کر سکتے ہیں وہ قلیل بلکہ نادر ہیں۔ لہٰذا نبوت ناگزیر ہے تا کہ پوری نوع انسانی کے درمیان اس ہدایت کریمہ کو نشر کیا جائے

یہ ہے وہ کچھ جو میں ابن مسکویہ کے کلام سے سمجھتا ہوں اور اس پر مجھے مسرت و فخر ہے کیونکہ وہ میری قطعی رائے کی تائید کرتا ہے جس کی طرف مجھے ہدایت دی گئی ہے پھر میں نے اپنی طویل زندگی اور گہری سوچ کے ساتھ بذات خود اس کا تجربہ کیا ہے کہ صحیح فلسفہ کے ثمرات اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے اثبات میں دین حق کے منافی نہیں بلکہ وحی کے ذریعے آنے والے حق کی خالص عقلی نظریہ سے تائید کرتے ہیں اور تم دیکھو گے کہ ابن طفیل قصہ ایمان و عقل میں اس رائے کی تائید کرتا ہے۔

حیران ابن طفیل کیا کہتا ہے؟ اور وہ قصہ ایمان و عقل کیا ہے؟

الشیخ "قصہ ایمان و عقل" کو ابن طفیل (وفات ۱۱۰۵ء۔۱۱۸۵ء) نے خالص عقلی نظریہ اور وحی کے مابین موافقت کی صورت کو حی بن یقظان کے معروف قصے میں مرتب کیا ہے۔ جس کا خلاصہ تمہیں آئندہ شب بتاؤں گا کیونکہ آج کی رات کا بقایا حصہ اس کے لیے تنگ ہے اور میں نہیں چاہتا کہ سرسری طور پر اس پر سے گذر جاؤں۔

حیران آقا! آپ نے مجھ سے ابن خلدون کا ذکر کس لیے کیا ہے حالانکہ وہ مؤرخ ہے نہ کہ فلسفی۔

الشیخ۔ ابن خلدون (۱۳۳۲۔۱۴۰۶ء) وسیع معلومات اور توازن فکر کا حامل ایک بڑا عالم ہے اس نے فلسفہ اجتماع (عمرانیات) و تاریخ میں اپنی مساعی صرف کیں اور لوگوں کے لیے عظیم تاریخی مقدمہ لکھا جس کی بنیاد پر علماء مغرب نے اسے بجا طور پر فلسفہ تہذیب کا بانی قرار دیا۔ اجتماعیت میں اس کے نادر و اعلیٰ فلسفہ کا نچوڑ تمہیں اختصار کے ساتھ مختص شدہ نسخہ میں مل جائے گا جسے میں نے بیس سال قبل وضع کیا تھا۔ رہے دیگر فلسفیانہ مباحث تو اس نے ان سے کوئی خاص مدد نہیں لی۔ گو کہ اس کا مقدمہ معرفت اور الوجود کے مباحث میں قیمتی آراء سے خالی نہیں۔ بہتر ہے کہ تم اور میں ان سے متعارف ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ حق جس میں کوئی شک نہیں پر کس طرح اکابر علماء اور عظیم مفکر متفق ہو گئے۔

معرفت کے موضوع پر اس کا کلام نہایت عمدہ اور خوبصورت ہے۔ اس کی رائے میں ادراک کی بنیاد محسوسات ہیں اور جملہ حیوانات ناطق ہوں یا غیر ناطق اس حسی ادراک میں مشترک ہیں لیکن ان میں سے انسان کلیات کے ادراک کے باعث جو محسوسات سے ماوراء ہوتے ہیں امتیاز کا حامل ہے۔ پھر وہ اولین عقائد "مبادی الاولیہ" پر گفتگو کرتا ہے جو اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہماری عقلوں میں مرکوز ہیں وہ کہتا ہے فکری تصورات جتنا بھی انہیں سابقہ تصورات کی طرف لوٹایا جائے سب کے سب تصورات جو ذہن میں آتے ہیں کا سبب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص بھی نفسانی امور کی مبادیات اور ان کی ترتیب پر مطلع نہیں ہوتا۔ یہ محض حواشی ہوتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ فکر میں القاء فرماتا ہے اور وہ یکے بعد دیگرے آتی رہتی ہیں اور انسان ان کی ابتداء و انتہاء کی معرفت سے عاجز ہے۔ علماء زیادہ سے زیادہ ان کے طبعی اور ظاہری اسباب کا احاطہ کر سکتے ہیں۔

ابن خلدون خود اشیاء کی حقیقت کے ادراک سے متعلق عقل کے عجز کا اعتراف کرتا ہے اور کہتا ہے۔ تیری فکر کا یہ زعم کہ وہ کائنات اس کے اسباب اور موجودات کی مکمل تفصیل کی واقفیت پر محیط ہے بے بنیاد ہے اور اس زعم نے تیری رائے کو حماقت سے ہم کنار کر دیا ہے اور جان رکھو کہ ہر ادراک کرنے والے کے نزدیک اس کی بادی الرائے میں موجودات اس کی ذہنی صلاحیتوں پر منحصر ہے۔ ان سے آگے نہیں بڑھتیں اور امر فی الحقیقت اس کے خلاف ہے اور حق اس سے ورے ہے۔

یہ کچھ وہ کہتا ہے پھر اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کے کلام سے عقل پر عجز مطلق کی تہمت

سمجھی جائے گی جیسا کہ شکاک اور سوفسطائیوں نے کیا۔ لہٰذا وہ اپنے اس قول کی طرف لوٹتا ہے: "یہ عقل اور اس کی صلاحیتوں کی تنقیص نہیں بلکہ عقل صحیح میزان ہے اور اس کے فیصلے یقینی ہوتے ہیں اور ان میں جھوٹ کی ملاوٹ نہیں ہوتی لیکن اگر تم اس سے یہ امید رکھو کہ وہ توحید آخرت، حقیقت نبوت اور اللہ کی صفات کی حقیقت اور جو کچھ اس عقل کے دائرہ سے باہر ہے کا وزن کرے تو یہ امید محال ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک میزان دیکھا جس سے سونے کا وزن کیا جاتا ہے تو اس نے اس کے ساتھ پہاڑ کو تولنے کی امید باندھ لی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میزان اپنا فیصلہ دینے میں درست نہیں۔ لیکن عقل اپنی حد پر رک جاتی ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی کہ اس کے لیے ممکن ہو جائے کہ وہ اللہ اور اس کی صفات کا احاطہ کرے کیونکہ وہ اس کے پیدا کردہ وجود کے ذرات میں سے ایک ذرہ ہے"

اس طرح سے ابن خلدون اس مسئلہ میں غزالی اور دیگر بہت سے متقدمین اور متاخرین دانشوروں سے متفق ہو جاتا ہے جو عقل کی قدرت اور اس کے عجز کے مسئلہ میں اس رائے سے باہر نہیں گئے۔ لیکن الوجود سے متعلق اس کی رائے دلیل حدوث و مشہور دلیل پر تھی ہے۔ وہ کہتا ہے "عالم میں حوادث خواہ ذوات سے متعلق ہوں یا افعال سے ناگزیر ہے کہ ان سے قبل اسباب ہوں اور ان اسباب میں ہر سبب حادث ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے دیگر اسباب ہونے ضروری ہیں اور یہ اسباب ترقی کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کی انتہا مسبب الاسباب تک جا پہنچتی ہے جو ان کا موجد ان کا خالق سبحانہ وتعالیٰ ہے جو الٰہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

❋ ❋ ❋

toobaa-elibrary.blogspot.com

بَیْنَ وَحُیَیْنِ

(وحی اور عقلِ سلیم)

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران ابن الاضعف کہتے ہیں اگلے دن کی شام مسجد کے بوڑھے خادم نے مجھے ایک چھوٹی سی کتاب دیتے ہوئے کہا کہ کتاب مولانا کو دے دیجئے گا - دو دن سے وہ اسے باصرار مانگ رہے ہیں - میں نے اس سے کتاب لے لی اور جب شیخ کے ہاں حاضر ہوا اور انہوں نے کتاب میرے ہاتھ میں دیکھی تو ان کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہو گئے اور کہا:

الشیخ بالآخر انہوں نے اسے ڈھونڈ نکالا بہر حال اس میں ان کا کوئی قصور نہیں میرا ہی قصور ہے - اے حیران اور تصور کرو کہ میرے خیال میں دس سال قبل میں نے فلسفہ میں یہ مختصر کتاب وضع کی تھی اور میری اجازت سے اسے چھپوا گیا اور آج میرے پاس ایک ہی نسخہ ہے جو معلوم نہیں کہاں رکھا ہوا ہے۔

حیران اس مختصر کتابچے کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے کہ آپ نے اسے باصرار طلب فرمایا۔

الشیخ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن میں چاہتا ہوں کہ حی بن یقظان کے قصے کا خلاصہ تمہیں بیان کروں اور وہ قصہ اس کتابچے میں ملخص ہے لہٰذا از سر نو اسے ذہن میں تازہ کرنے اور اس کی تلخیص کی مشقت میں پڑنے کی بجائے اسے ترجیح دی ہے۔

حیران میں شیخ محترم کی بات سے یہ سمجھتا ہوں کہ وہ خیالی قصہ ہے جسے ابن طفیل نے وضع کیا ہے تو گویا فلسفہ جو حق سے بحث کرتا ہے، وہ خیال ہی کا تانا بانا ہے۔

الشیخ اس قصے میں کردار (Chief Actor) اور سٹیج کے خیالی ہونے کے علاوہ کچھ بھی خیالی نہیں - اگر تم حی بن یقظان کے الفاظ کو "عقل" کے لفظ سے بدل دو اور جزیرہ الثانیہ کو بھی زمین جو ہمارا مسکن ہے تصور کر لو تو وہ صحیح تاریخی قصہ میں تبدیل ہو جائے گا - اس میں تخیل کا کوئی اثر نہیں سوائے اس کے کہ "عقل" کو اس کی متعین دا کاری کے باعث کردار فرض کر لیا جائے۔

حیران: وہ کیسے استاد محترم!

الشیخ معرفت الوجود، ایمان باللہ اور فضیلت سے متعلق ابن طفیل کی آراء قصہ کے دوران واضح ہیں - اگر ان میں ابن سینا وغیرہ کے ساتھ تخلیق کائنات کے مراتب کے وہم میں موافقت نہ ہوتی تو وہ فلسفہ میں قصہ حق بلکہ قصہ عقل ہوتا - کس طرح سے وہ معرفت کا راستہ طے کرتا ہو اور مراتب فلسفہ میں ترقی کرتا ہوا اللہ الحق، الخیر اور الجمال کی معرفت کے

مرتبے تک جا پہنچتا ہے۔

در قبل اس کے کہ تمہیں اس قصہ کا خلاصہ بیان کروں میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے وہ آراء رکھ دوں جن کی وضاحت ابن طفیل اپنے اس قصہ کے دوران کرنا چاہتا ہے تا کہ اس کے بین السطور اس کے مقاصد اور افکار معلوم ہو جائیں - وہ اس قصے میں درج ذیل حقائق واضح کرنا چاہتا ہے۔

(ا) وہ مراتب جن کے ساتھ عقل جزئی محسوسات سے افکار کلی کی طرف معرفت کے زینے پر بتدریج چڑھتی رہتی ہے۔

(ب) انسانی عقل تعلیم و ارشاد کے بغیر اللہ کے وجود کے ادراک پر اس کی مخلوقات کے آثار سے اور اس پر صحیح دلائل قائم کرنے کے ساتھ قادر ہے۔

(ج) یہ عقل جب چاہتی ہے کہ دلیل کے ذریعے مطلق ازلیت، مطلق عدم لانہایت زمان قدم، حدوث اور اس طرح کے دیگر حقائق کا تصور کرے تو اسے عجز و ضعف لاحق ہو جاتا ہے

(د) عقل کے ہاں خواہ تقدیم عالم قابل ترجیح ہو یا حدوث عالم، ان دونوں نظریات میں سے ہر ایک کے لیے ایک شے لازم ہے اور وہ ہے اللہ کا وجود۔

(ہ) انسان اپنی عقل کے ساتھ فضائل کی بنیادوں، عملی و اجتماعی اخلاق کے اصولوں اور ان کے ساتھ تزئین کے ادراک پر قادر ہے، نیز وہ جسم کی حق تلفی کے بغیر جسمانی شہوات کو عقل کے فیصلے کے آگے جھکا دینے پر قادر ہے۔

(و) حق، خیر اور جمال سے متعلق شریعت اسلامیہ کے احکام اور عقل سلیم کا ادراک بغیر کسی اختلاف کے ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں۔

(ز) حکمت ساری کی ساری وہی ہے جسے شریعت نے لوگوں کو ان کی عقلوں کے موافق اس کے حقائق و اسرار کھولے بغیر مخاطب کیا ہے اور لوگوں کی پوری کی پوری بھلائی شریعت کی حدود کے التزام میں اور ان میں زیادہ غور و فکر کو ترک کر دینے میں ہے۔

حیران. اس قصہ کو پڑھنے کے لیے میرا شوق بڑھ گیا ہے۔

الشیخ: اس قصہ کی تلخیص یوں ہے

ابن طفیل ہمارے تصور کے سامنے حی بن یقظان نامی ایک شیر خوار بچے کو پیش کرتا ہے

جسے نوعِ انسانی سے خالی ایک جزیرے میں پھینک دیا گیا۔ ایک ہرنی کو جس کا اپنا بچہ گم ہو گیا تھا اس پر رحم آ گیا اس نے اسے دودھ پلایا اور اس کی نگرانی کی۔ حتیٰ کہ وہ سنِ بلوغت کو پہنچ گیا اور اس نے حیوانوں کی آوازیں سیکھ لیں۔ اس نے انہیں ملبوس اور مسلح دیکھا جب کہ وہ خود برہنہ اور غیر مسلح تھا۔ اس نے پتوں اور پروں کو اپنے ستر اور لباس کے لیے استعمال کیا اور عصا کو اپنا اسلحہ بنا لیا۔

پھر وہ ہرنی مر گئی اور اس کا خاموش اور بے حرکت ہونا اس کے ذہن میں جم کر رہ گیا۔ اس نے اس کا سبب معلوم کرنا چاہا مگر بظاہر اسے کوئی تغیر نظر نہ آیا۔ اس نے سمجھا کہ سبب کسی ایسے عضو میں ہے جو اس کی نظروں سے چھپا ہوا ہے۔ لہٰذا اس نے اس کا سینہ تیز دھار پتھر اور خشک لکڑی سے چیر کر چاک کیا حتیٰ کہ اس کے دل تک رسائی حاصل کر لی۔ مگر اس میں اسے بظاہر کوئی بیماری نظر نہ آئی۔ جب اس نے اسے چیرا تو اس کا بایاں حصہ خالی پایا اور کہا "جو چیز اس خانہ میں تھی یہاں سے رحلت کر گئی، وہی ہرنی کو زندگی سے محروم کر گئی۔ لہٰذا اس نے اس شے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ہرنی درحقیقت وہ رحلت کرنے والی چیز تھی اور جسم تو ایک آلہ ہی ہے۔ جب اس نے جسم کو بدبو چھوڑتے ہوئے دیکھا تو اس کا یقین اس میں مزید پختہ ہو گیا۔ اس نے ایک کوے کو اپنے بھائی کی نعش کو مٹی میں دباتے ہوئے دیکھا تو اس نے ہرنی کو اسی طرح مٹی میں دبا دیا۔

پھر اس نے آگ دریافت کی، اسے آزمانا شروع کیا۔ سمندر کے باہر پھینکے ہوئے حیوانات کو آگ میں ڈال کر تجربہ کیا۔ اس طرح اس نے گوشت کے بھوننے اور پکانے میں رہنمائی حاصل کی اور آگ کی بہت ساری قوتوں نے اسے مزید حیرت میں ڈالا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ جو چیز ہرنی کے دل سے رخصت ہوئی وہ آگ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے حیوانات کو چیر پھاڑ کر تحقیق شروع کر دی۔ اور ان کے اعضاء کے وظائف سے متعلق بہت سی معلومات حاصل کیں۔ پھر سوچا کہ وہ اپنی رہائش کے لیے گھر بنائے۔ اور اپنی حفاظت اور حیوانات کو شکار کرنے کے لیے ہتھیاروں کا انتظام کرے۔

جب وہ اپنی عمر کے اکیسویں سال میں پہنچا تو اس نے اس کائنات اور کائنات میں پائے جانے والے حیوانات، نباتات اور معدنیات کے متعلق غور کرنا شروع کر دیا۔ اس نے ان میں بہت سے اوصاف اور اعمال دیکھے اور یہ بھی دیکھا کہ وہ بعض صفات میں مختلف ہیں اور بعض

میں متفق تو اس نے نظریہ کثرت قائم کیا۔ پھر اس نے حیوانات و نباتات میں غور کیا اور اس میں کہ وہ سب کے سب کسی چیز میں متفق ہیں اور سب کے سب کسی چیز میں مختلف ہیں۔ اس طرح اس کے ہاں نظریہ نوع اور نظریہ جنس قائم ہوا۔ پھر اس نے حیوان اور نبات کی دو جنسوں میں دیکھا کہ وہ بعض امور میں باہم متفق ہیں، مثلاً غذا میں، تو اس نے قرار دے لیا کہ یہ ایک ہی چیز ہیں۔ پھر ان میں اور جمادات میں غور کیا تو دیکھا کہ تینوں جسم کے معاملہ میں متفق ہیں لیکن دوسرے خواص میں باہم مختلف ہیں تو اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ تمام اشیاء ہیں تو ایک ہی شے گرچہ اس کی کثرت عام ہو گئی ہے۔ اس نے ان تمام چیزوں میں غور کیا تو اس نے جسم کے مفہوم میں انہیں متحد پایا لیکن صورت میں مختلف۔ اس نے اس سے شعور پایا کہ روحِ حیوانی اس جسمیت سے لازماً کوئی زائد چیز ہے اور اسی میں عجیب و غریب اعمال سرانجام دینے کی صلاحیت ہے۔ اور وہ ادراکات کی اقسام کو سمجھتی ہے۔ پس روح اس کی نظر میں عظمت اختیار کر گئی اور اس نے باور کر لیا کہ روح جسمِ فانی سے اعلیٰ و ارفع چیز ہے۔ پھر اس نے اشیاء کی حقیقت میں سوچنا شروع کیا تو اس کو یہ گمان ہوا کہ پانی، مٹی، ہوا اور آگ سب سے بسیط (سادہ) ہیں تب اس نے ان اجسام کے لیے کوئی جامع صفت پانے کی کوشش کی مگر "امتداد" (Extent) کے سوا دیگر کوئی خصوصیت نہ پا سکا لیکن اس "امتداد" سے اور دوسرا اہم مفہوم "صورت" ہے جو تبدیل ہوتی اور متغیر ہوتی ہے لہٰذا اس کے ہاں "مادہ و صورت" کا نظریہ قائم ہوا اور اس کے ساتھ وہ عالمِ عقل کی حدود سے مطلع ہوا۔

اس کے بعد وہ سادہ اجسام کی طرف لوٹا، اس نے دیکھا کہ وہ متغیر ہوتے ہیں جیسا کہ پانی بخارات میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر پانی بن کر لوٹتا ہے۔ لہٰذا اس نے سمجھا کہ صورتوں کا اختلاف شے کی اصل نہیں۔ اسے معلوم ہوا کہ ہر حادث کا کوئی محدث ہونا ناگزیر ہے اور اسے تحقیق ہو گئی کہ افعال جو اشیاء کی طرف منسوب ہوتے ہیں درحقیقت وہ ان اشیاء کے افعال نہیں ہوتے وہ کسی دیگر فاعل کے افعال ہوتے ہیں جو وہ ان اشیاء کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ اس پر اسے اس فاعل کی معرفت کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے اسے محسوسات میں سے تلاش کرنا شروع کیا لیکن محسوسات میں کوئی چیز اسے حدود سے مبرا اور فاعل سے بے نیاز نظر نہ آئی۔ لہٰذا وہ انہیں چھوڑ کر اجرام کی طرف متوجہ ہوا اور ان میں غور کیا اور اپنے آپ سے مخاطب ہوا "کیا ان کی امتداد لانہایت ہے" اس کی عقل حیرت کا شکار ہو گئی۔ پھر اس نے اپنی قوتِ بصیرت سے سمجھ لیا کہ جسم کا

بے نہایت ہونا دونوں باطل، ناممکن اور نامعقول تصور ہے۔ پھر اس کائنات پر من حیث المجموع نظر ڈالی کہ آیا وہ حدث (Innovation) شئ ہے اس کے بعد کہ وہ پہلے نہ تھی اور عدم سے وجود میں آئی ہے یا وہ ایک ایسی حقیقت ہے جو موجود تھی اور عدم اس کا سابق نہ تھا۔ پس اس میں اسے شک لاحق ہو گیا اور ان دونوں نظریات میں سے کوئی ایک بھی اس کے ہاں راجح نہ تھا۔ اس لیے کہ جب اس نے "قدم" (Antiquity) کے نظریے کا ارادہ کیا تو اسے وجود کے لانہایت ہونے کے عدم امکان جیسی بہت سی رکاوٹیں پیش آ گئیں۔ اور یہ کہ یہ وجود حوادث سے خالی نہیں لہٰذا وہ بھی محدث ہے۔ مگر جب اس نے "حدوث" (New Creation) کے نظریہ کا ارادہ کیا تو اسے دیگر رکاوٹیں پیش آ گئیں۔ اس کی رائے میں وجود کے حدوث کے معنی اس کے بعد کہ پہلے نہ تھا سمجھ میں نہیں آتے مگر اس معنی میں کہ زمانہ اس سے مقدم تھا اور زمانہ جملہ عالم میں سے ہے اور اس سے لاینفک ہے۔ ایسی صورت میں عالم کے زمانے سے متاخر ہونے والی بات سمجھ آنے والی نہیں۔ کہا کرتا کہ وقوع کے فاعل نے اسے اس آن کیوں پیدا کیا اور اس سے قبل پیدا نہ کیا۔ کیا حادثہ کہیں باہر سے اس پر واقع ہو گیا یا یہ کہ حدث خود بخود وقوع پذیر ہو جب کہ وہاں کوئی شے نہ تھی

دلائل اس کے ذہن میں باہم ٹکراتے رہے حتیٰ کہ وہ حیرت میں ڈوب گیا اور سوچتا رہا کہ ان دونوں نظریوں میں سے کون سا نظریہ لازم آتا ہے اور دونوں میں سے ایک تو لازم ہو گا ہی۔ اس نے خیال کیا کہ اگر وہ حدوث عالم اور عدم سے معرض وجود میں آنے کا نظریہ قائم کرے تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ اس کے لیے ناممکن ہے کہ خود بخود وجود میں آئے لہٰذا ناگزیر ہے کہ اس کا کوئی فاعل ہو جو اسے وجود میں لائے اور یہ کہ وہ جسم نہیں کیونکہ اگر وہ جسم ہو تو محدث کا محتاج ہو گا اور اگر محدث ثانی جسم ہو تو محدث ثالث کا محتاج ہو گا اور ثالث رابع کا ... اور یہ سلسلہ لانہایت چلتا رہے گا۔ جب کہ یہ باطل ہے اور اگر وہ قدم عالم کا نظریہ قائم کرے تو اس کی حرکت کا قدیم ہونا لازم آئے گا اور ہر حرکت کے لیے ناگزیر ہے کہ اس کا کوئی ضرور محرک ہو اور محرک یا تو جسموں میں جاری قوت ہو یا یہ کہ ایسا نہ ہو اور ہر قوت جو جسم میں جاری ہوتی ہے وہ اس کے تقسیم ہونے سے تقسیم ہوتی ہے اور اس کے کمزور ہونے سے کمزور ہوتی ہے اور ہر جسم لامحالہ متناہی ہے۔ لہٰذا ہر قوت متناہی ہے پس ناگزیر ہے کہ محرک مادہ اور صفات اجسام سے مبرا ہو۔ اس طرح سے حی بن یقظان کی نظر وہاں جا پہنچی جہاں پہلے طریقے سے پہنچی تھی اور قدم عالم یا اس کے

حدوث میں شک و ریب نے اسے کوئی نقصان نہیں دیا۔

پھر اس نے جان لیا کہ عقلی طور پر فاعلِ عظیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ جملہ صفات کمال، علم، قدرت، ارادہ، اختیار، رحمت اور حکمت سے متصف ہو۔ اور جب اسے اس فاعل عظیم کی معرفت حاصل ہو گئی تو اس نے چاہا کہ اسے معلوم ہو کس شے نے اسے فاعل عظیم سے متعارف کروایا ہے۔ حواس کے ذریعے اس ادراک کی اسے کوئی سبیل نظر نہ آئی کیونکہ حواس اجسام کا ادراک کر سکتے ہیں جب کہ وہ صفات اجسام سے مبرا ہے۔ اس نے یہ بھی جان لیا کہ جس جوہر کے ساتھ اسے فاعل کا ادراک ہوا ہے وہ بھی جسم سے مبرا ہے اور اس پر فنا وارد نہیں ہوتی اور وہ دائمی زندگی میں حیات دنیا میں اپنے بخت کے حصہ کے لحاظ سے فاعلِ عظیم کی نگرانی اور اس کی نگاہوں کے سامنے نعمتوں میں یا عذاب کے ساتھ باقی رہے گا۔ اس اعتقاد سے اسے ترغیب ملی کہ وہ اس خالق سے متعلق غور و فکر کرنے کے لیے اپنی زندگی کو وقف کرنے کی خاطر اس طریقہ کو تلاش کرے جس کے ساتھ زندگی کو اس مقصد کے لیے منظم کرے۔

اور جب اس نے اپنی ذات میں غور کیا تو اس میں اسے ایک حقیر جزو جملہ حیوانات کے ساتھ مشترک نظر آیا اور وہ ہے تاریک و کثیف بدن جو اس سے محسوسات کا مطالبہ کرتا ہے نیز اسے معلوم ہوا کہ یہ بدن اس کے لیے بے مقصد نہیں بنایا گیا اور اس پر واجب ہے کہ اس کی حالت کو درست کرے اور ایسا صرف اس فعل کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے جو سارے حیوانات کے افعال سے مشابہ ہو۔ اس نے مشاہدہ کیا کہ وہ ایک دوسری جہت سے کواکب سے مشابہ ہے اس لحاظ سے کہ ان کے بھی اجسام ہیں اور ذرات ہیں جو الموجود الواجب الوجود سے متعارف ہیں اور اس نے ایک تیسرے پہلو سے دیکھا کہ وہ اپنے اعلیٰ جزو کے ساتھ جس کے ذریعے اس نے واجب الوجود کی معرفت حاصل کی اس کے ساتھ ایک مماثلت رکھتا ہے۔

پس ان تینوں کے ساتھ تشبیہ کا وجوب اس کے ذہن میں بیٹھ گیا جو حیوانات کے ساتھ ان کے اس فعل میں حسب ضرورت و کفایت جسم کی درستی اور بقاء پر مشتمل ہے لہٰذا نباتات سے غذا حاصل کرنے پر اکتفا کر سکتا ہے۔ نباتات نہ پائے تو حیوانات سے غذا حاصل کرے بشرطیکہ نباتات کے بیجوں کو بچا کر رکھے۔ اگر حیوانات کا زیادہ تر انتخاب کرے تو ان کا استحصال ہی نہ کر ڈالے۔ وہ اجرام سماویہ سے اس لحاظ سے مشابہ ہے کہ وہ شفاف ہیں روشن ہیں اور پاکیزہ ہیں اور

ان کی حرکت دورانیہ ہے- اور اس لحاظ سے کہ وہ اپنے سے نیچے والوں کو روشنی اور حرارت مہیا کرتے ہیں اور اس لیے کہ ان کا وجود (واجب الوجود) کا شاہد ہے نیز یہ کہ ان کا تصرف اس کی حکمت سے ہے اور ان کا تحرک اس کی مشیت سے ہے- لہٰذا اس نے اپنے آپ پر لازم کر لیا کہ اگر وہ کسی کو حاجت مند' آفت زدہ یا کسی اذیت میں مبتلا دیکھے گا تو حیوان ہو یا نبات' اس کے ازالہ پر قادر ہونے کی صورت میں ضرور ازالہ کرے گا- اس طرح اگر اس کی نظر کسی نبات پر پڑتی کہ کسی چیز نے اس سے دھوپ کو روک دیا ہے- یا دیگر پودا اس سے الجھا ہوا ہے جس سے اس کے نقصان کا احتمال ہے یا پانی کی نایابی کے باعث اسے نقصان کا اندیشہ ہے تو ازالہ کر دیتا- اگر وہ دیکھتا کہ کسی حیوان پر کوئی درندہ حملہ آور ہوا یا وہ کسی تیر انداز کے تیر سے زخمی ہوا یا اسے کانٹا چبھ گیا یا اسے بھوک اور پیاس لاحق ہو گئی تو ہر تکلیف کا ازالہ اپنے ذمے سمجھتا' اسے کھلاتا اور پلاتا- جب وہ دیکھتا کہ کسی حیوان یا نبات کی سیرابی کے لیے بہنے والے پانی میں کوئی رکاوٹ ہے تو اس کو دور کر دیتا- کواکب کی مشابہت میں اس نے اپنے آپ پر طہارت و نظافت لازم کر لی- نیز ان کے ساتھ مشابہت قائم رکھنے کے لیے وہ جزیرہ میں پھرتا رہتا اور اس کے ساحل اور اپنے گھر کے درمیان عام چال یا دوڑ کے ساتھ چکر لگاتا رہتا اور الموجود الواجب الوجود سے متعلق غور و فکر کرتا رہتا اور کوشش کرتا کہ حواس بندی اور اپنی ذات کی مرکزیت کے ساتھ عالم محسوسات سے کٹ جائے اور غور و فکر میں ڈوبا رہے- حتیٰ کہ اپنے احساسات سے دوری اور اپنے نفس کی رکاوٹوں سے نجات حاصل کرے تا کہ اس کے لیے الموجود الواجب الوجود کے مشاہدے میں آسانی پیدا ہو جائے-

جہاں تک اللہ کے ساتھ تشبیہ کا تعلق ہے تو حی بن یقظان کی رائے میں ایجابی صفات میں ماسوائے صفت علم کے یہ میسر نہیں- اور وہ یہ کہ اس کو پہچانے اور اس کے ساتھ ذرہ بھر شرک نہ کرے- مگر صفات سلبی میں جو جسمیت سے مبرا ہوتی ہیں حی نے کوشش کی کہ اپنی جسمانیت سے الگ اللہ کے متعلق غور و فکر میں یکسو ہو جائے- دن گذرتے گئے اور وہ عالم بے خودی کی طرف بڑھتا گیا اور اپنی ذات کی فنا اور مشاہدہ حق میں یکسوئی اس کا مطلوب بنی رہی- حتیٰ کہ یہ مطلوب اس کے لیے آسان ہو گیا اور اس کی ذات مجموعہ ذوات میں گم ہو گئی اور الواحد الحق' الموجود ثابت الوجود کے سوا کوئی باقی نہ رہا اور اسے ایسی لذت حاصل ہوئی کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی' نہ کسی کان نے سنی' اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گذرا- حی کا کہنا ہے کہ یہ ایسی حالت ہے کہ اس کا

بیان ممکن ہے نہ اس کی تعبیر- اور جس نے اس کے بعض کو اپنا ہدف بنایا اس مرتبہ میں ہے کہ گویا اس نے رنگوں کو چکھنے اور سیاہی (کالک) کے میٹھا یا ترش ہونے کی خواہش کی پھر ابن طفیل حی بن یقظان کی زبان میں فلک اعلیٰ اور دیگر افلاک میں کیے گئے اس کے مشاہدہ کی عجیب و غریب خیالی تصویر پیش کرتا ہے' ایسے کلام میں کہ جس کے متعلق اسے خود اعتراف ہے کہ وہ سمجھ میں نہ آنے والا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں تعبیر کا راستہ تنگ ہے اور الفاظ بے حقیقت تخیل ہیں-

اس کے بعد ابن طفیل قصہ کے سیاق میں حی بن یقظان کے جزیرے کے قریب دیگر جزیرے کی توصیف کی طرف منتقل ہو جاتا ہے- اس جزیرے میں ایسے لوگ ہیں جو ایک نبیؐ کے دین کے پیروکار ہیں یعنی ملت محمدیہ (علی صاحب الصلوٰۃ والسلام) کے متبعین- اس دین جدیہ کے مومنین میں سے دو نوجوان ابسال اور سلمان نامی تھے انہوں نے اس دین کا فہم حاصل کرنا شروع کر رکھا تھا اور اس کی شریعت سے ماوراء اللہ کی صفات' ملائکہ اور آخرت کی معلومات میں لگے رہتے- ان میں سے ابسال زیادہ تر باطن کی طرف مائل تھا جب کہ سلمان شریعت کے ظاہر پر عامل' تاویل سے دور تھا- ابسال نے شریعت میں وارد ان اقوال کی بنیاد پر جو عزلت کی ترغیب دیتے ہیں لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور سلمان نے ان اقوال کے پیش نظر جو جماعت کی مدارات کی طرف راغب ہیں لوگوں سے میل جول شروع کر دیا- یہ اختلاف ان دونوں میں تفریق کا باعث بنا- پھر ابسال حی والے جزیرے میں منتقل ہو گیا کہ لوگوں سے الگ عبادت میں منہمک ہو جائے- وہاں اس کی ملاقات حی سے ہوئی- جب حی بن یقظان نے ابسال کی قرأت سنی اور اس کی نماز' تسبیح اور دعا کو دیکھا تو اس نے سمجھ لیا کہ وہ اہل معرفت میں سے ہے' اگرچہ اس کے کلام کو نہ سمجھ سکا- ابسال نے اسے تمام چیزوں کے نام سکھائے- حتیٰ کہ وہ بولنے اور کلام کرنے کے قابل ہو گیا- حی نے اپنے نئے دوست کو اپنی زندگی کے واقعات سنائے اور بتایا کہ کس طرح اس نے غور و فکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت تک رسائی حاصل کی- جب ابسال نے حی سے ذات حق کی تعریف سنی تو اسے کوئی شک نہ رہا کہ وہ سب کچھ جو شریعت میں وارد ہوا ہے وہی ہے جس کی معرفت حی بن یقظان کو حاصل ہے اور جس کا ادراک اس نے بذریعہ عقل کیا ہے تو اس کے نزدیک معقول اور منقول میں مطابقت ہو گئی- اور تاویل کے طریقے اس کے ہاں مزید مقبول ہو گئے اور جب ابسال نے اپنے دوست حی کو وہ کچھ بتایا جو شریعت میں وارد ہوا ہے تو حی نے اس میں

اپنے مشاہدے کے خلاف اور بذاتِ خود حاصل کردہ معرفت کے خلاف کچھ نہ پایا۔ اسے معلوم ہوا کہ جو اسے (شریعت کو) لے کر آیا اور اسے بیان کیا اس نے حق ہی بیان کیا۔ وہ اپنے قول میں سچا ہے اور اپنے رب کی طرف سے رسول ہے۔ چنانچہ وہ اس پر ایمان لایا۔ اس کی تصدیق کی اور اس کی رسالت کی گواہی دی۔ پھر اس نے اس رسولؐ کے لائے ہوئے اوامر و نواہی کو سیکھا اور ان کا پورا پورا التزام کیا۔ لیکن حی کے ذہن میں دو مسئلوں کی حکمت واضح نہ ہو پائی ایک یہ کہ اس رسولؐ نے الٰہیات کے احوال کی معرفت میں لوگوں کو زیادہ تر مثالیں ہی کیوں بیان کیں۔ مکاشفہ سے کیوں احتراز کیا۔ حتیٰ کہ بعض لوگ تجسیم میں جا پڑے اور ذاتِ حق سے متعلق ایسے اعتقادات بنا لیے جن سے وہ منزہ ہے اور دوسرا یہ کہ اس رسول نے انہی فرائض پر اکتفا کیوں کر لیا اور لوگوں کو حصولِ مال اور اس میں توسیع کی اجازت کیوں دی کہ وہ باطل کی طرف مائل ہو گئے اور انہوں نے حق سے اعراض کر لیا۔ حی بن یقظان نے سوچا کہ لوگوں سے ملے اور مشاہدہ کے طریقہ سے جو کچھ اس پر منکشف ہوا ہے وہ لوگوں کو بتائے۔ اس کا دوست ابسال اس معاملے میں اس کے ساتھ شریک ہو گیا۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک کشتی مہیا فرما دی جو اس جزیرہ کے قریب سے گذر رہی تھی جس نے انہیں ابسال کے جزیرہ میں پہنچا دیا۔ وہاں پر ابسال نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور انہیں حی بن یقظان کے حال اور مقام سے متعارف کرایا۔ انہوں نے اس کی تعظیم کی اور اسے خوش آمدید کہا۔ حی نے ان کی تعلیم کا آغاز کر دیا اور ان پر اسرارِ حکمت کھولنے اور ظاہر کی بہت کم مخالفت کی۔ مگر لوگوں نے اس سے گریز کی راہ اختیار کی اور حی ان سے مایوس ہو گیا حالانکہ وہ اپنی قوم کے مخصوص لوگ تھے اور عوام کا تو کہنا ہی کیا جن کو اس نے دنیا پر گرتے ہوئے اور جہالت میں ڈوبے ہوئے دیکھا۔ لہٰذا اسے یہ بات محقق ہو گئی کہ لوگوں کا مکاشفہ کے طریقہ پر مخاطب کرنا انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا اور انہیں ان کی استطاعت سے زیادہ مکلف بنانا ممکن نہیں اور اس سے سمجھ لیا کہ پوری کی پوری حکمت، ہدایت و توفیق وہی ہے جس کے ساتھ رسولوںؑ نے بات کی ہے اور جس کے ساتھ شریعت وارد ہوئی ہے اور یہ کہ ہر کام کے لیے مخصوص لوگ ہی ہوتے ہیں اور جو جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہی اس کے لیے آسان ہے۔ چنانچہ وہ سلمان اور اہلِ ظاہر ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور جس اسلوب کے ساتھ ان سے گفتگو کرتا رہا تھا اس میں معذرت کی اور انہیں بتایا کہ وہ بھی ان کا ہم رائے ہو گیا ہے اور ان کے طریق کی ہدایت کو اس نے اپنا لیا اور انہیں وصیت کی کہ وہ

حسبِ سابق شریعت کی حدود کے پابند رہیں اور متشابہات پر ایمان رکھیں اور اس کی آیات کو تسلیم کریں۔ لایعنی چیزوں میں پڑنے سے اجتناب کریں۔ اور کہا کہ اس کے بغیر نجات کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اور اگر انہوں نے گہرے غور و فکر کی بلند چوٹی سر کرنا چاہی تو ان کے دین میں خلل پیدا ہو جائے گا اور وہ تذبذب میں پھنس کر الٹے پھر جائیں گے اور ان کی عاقبت خراب ہو جائے گی۔ اور اگر وہ اپنے دین کے معاملہ میں اسی راستے پر قائم رہے جس پر ہیں تو کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اس نے انہیں الوداع کہا اور اپنے ساتھی ابسال کے ساتھ اپنے جزیرے کی طرف لوٹ گیا۔ وہاں دونوں اپنی موت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

خصومة المؤمنين

(اہل علم میں اختلاف رائے)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران بن الاضحی کہتے ہیں کہ میں نے سارا دن حی بن یقظان کے قصے پر جسے کل سنا تھا نشہ سے مخمور آدمی کی طرح انہماک سے گزارا اور رات تک اسی کو بار بار پڑھتا رہا — اور ابن طفیل نے قدم و حدوث کے بارے میں جو حقیقت بیان کی اس پر اور خاص طور پر اس کے اس قول کہ: عقل کی الجھن اور نارسائی قدم و حدوث کے دونوں نظریات کی رو سے ایمان باللہ میں دراڑ نہیں ڈالتی کیونکہ جب عقل نے حدوث عالم کو مان لیا تو اللہ کے وجود پر ایمان لائی جسے اس نے حدوث بخشا اور اگر وہ تصور حدوث سے کوتاہ رہ گئی اور قدم عالم کا نظریہ اپنایا تو اس کی نہایت بھی لازمی طور پر اللہ کے وجود پر ایمان پر ہی ہوئی جس نے مادہ کو حرکت دائمی عطا کی..... پر غور کرتا رہا — اور نماز عشاء کے بعد جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے میرے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھے تو مسکراتے ہوئے کہا:

الشیخ: اے حیران! اب فجر کی سفیدی نکل رہی ہے۔

حیران: شیخ محترم! وہ کون سی فجر ہے؟

الشیخ: تمہارے ایمان کی فجر اور وہ یہ کہ فلسفہ اور دین عقل سلیم والے لوگوں کے ہاں متضاد نہیں۔ اگر ایسا نہیں تو تمہیں خوش خوش کیوں دیکھ رہا ہوں۔

حیران: آقا! یہ حقیقت ہے۔

الشیخ: آج میں تمہارے ساتھ غزالی پر گفتگو کروں گا — جسے سننے کے لیے تم بے تابی کا مظاہرہ کرتے رہے ہو۔

حیران: آپ کی زبان سے غزالی کی بات سننے کا مجھے بہت شوق ہے۔

الشیخ: میں خود بھی تمہارے ساتھ غزالی پر گفتگو کا بڑا اشائق ہوں۔

حیران: آپ کے ہاں اس شوق کی کیا وجہ ہے؟

الشیخ. غزالی (۱۰۵۸–۱۱۱۱ء) اپنے عہد شباب میں تمہاری طرح اور تم جیسے نوجوانوں کی طرح شک و حیرت میں مبتلا فلسفہ کا دلدادہ اور معرفت حق کی طرف راغب تھا — جب تم اس کے احوال سے متعارف ہو جاؤ گے اور تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ شک جس میں تم مبتلا ہو اس میں بڑے متوازن عقل والے اور ایمان میں صادق لوگ بھی مبتلا ہوئے تھے تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں اطمینان نصیب ہو جائے — یہ ہے میرے نزدیک اس شوق کی وجہ — اور تمہارے شوق کی وجہ کیا ہے؟

حیران: میں نے سن رکھا ہے کہ غزالی کی شہرت شرق و غرب میں پھیل گئی تھی حتیٰ کہ اسے حجۃ الاسلام کا لقب دیا گیا ہے — پھر دیکھتا ہوں کہ علماء دین کی ایک بڑی تعداد غزالی کے طریقے کو پسند نہیں کرتی۔

الشیخ: یہ وہ علماء سلف ہیں جو اللہ کے وجود پر فلسفیانہ استدلال اور اس کی صفات کمال کی بحث میں فلسفیانہ موشگافیوں کو ناپسند کرتے ہیں — اور جب وہ فلسفیوں سے متعلق گفتگو اگرچہ وہ ان کی تردید میں ہی ہو غزالی کی طرف سے ہو یا علماء کلام کی طرف سے پسند ہی نہیں کرتے تو وہ غزالی جیسے بڑے عالم دین سے کیسے پسند کریں گے کہ وہ فلسفہ میں گفتگو پر یہاں تک جا پہنچے کہ فلاسفہ کی آراء ان کے دلائل ان کے شبہات اور ان کے اشکالات پر ایک مخصوص اور مبسوط کتاب اس طرح تالیف کرے گویا کہ وہ انہی میں سے ایک ہے۔

حیران: کیا آپ ان سلفی علماء کو برسر حق سمجھتے ہیں جو فلاسفہ پر گفتگو میں کراہت کا مظاہرہ کرتے ہیں جب کہ وہ گفتگو فلاسفہ کے شکوک کی تردید میں ہو۔

الشیخ. بلاؤں کے عام ہونے سے پہلے وہ اس بارے میں برسر حق تھے — اسلام کے عہد اول کے مسلمان اللہ کے وجود اور اس کی صفات کے متعلق اس قسم کی بحثوں سے ناواقف تھے لیکن اس کے بعد جب یونانی فلسفہ ترجمہ میں آ گیا اور بہت سارے مسلمان علماء اس میں کود پڑے اور تالیفات کیں فلسفیوں کا التباس لوگوں میں عام ہو گیا تو علماء دین کی کثیر تعداد اس التباس کی تردید کے لیے آگے بڑھی۔ لہذا فلسفہ میں گفتگو ایک امر لابدی بن گیا — بلکہ علماء دین کے لیے بالخصوص واجب ہو گیا کہ وہ اس سے بخوبی واقف ہوں تا کہ ایمان باللہ کی طرف دعوت بطریق احسن دے سکیں۔

حیران. لیکن آپ نے فرمایا کہ غزالی نے ایک مخصوص کتاب تالیف کی جس میں اس نے فلسفیوں کی آراء کو مفصل بیان کیا ہے — اور اس میں ان کی کوئی تردید نہیں کی۔

الشیخ: غزالی کہتا ہے اور کتنی سچی بات کہتا ہے کہ کسی مذہب کی تردید اس سے متعارف ہوئے بغیر اور اس کی حقیقت معلوم ہونے سے قبل اندھی تردید ہے — لہذا اس کی رائے ہے کہ وہ الٰہیات کے فلسفیوں کی آراء ان کی تردید سے پہلے مکمل طور پر سمجھے — اس لیے اس نے

"مقاصد الفلاسفہ" کے نام سے ایک کتاب وضع کی جس میں اس نے فلسفیوں کی آراء، شبہات، اشکالات مفصل طور پر اس طرح بیان کیے گویا کہ وہ انہیں میں سے ہے۔ یہ کام اس نے ایک مضبوط، راسخ اور حق کی چٹان پر جم کر کھڑے ہونے والے کی طرح کیا نہ کہ کمزور کانپتے ہوئے اس شخص کی طرح جو خوف کے باعث اپنے مخالف کے بعض دلائل کو لپیٹ دے یا ابہام کے پردے میں چھپا دے۔

اور اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان پر واضح کر دے کہ وہ ان کے اقوال سے پورے طور پر واقف ہے اور ان کے شبہات کا گہرا شعور رکھتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی مشہور کتاب "تہافت الفلاسفہ" وضع کی جس کے ساتھ اس نے اللہ کے وجود اور اس کے ساتھ قدم عالم کے قائل فلسفہ، الٰہیات کے حاملین کے عقل و دین کے مخالف اقوال کے ابطال کی ذمہ داری قبول کی۔ ان کے علاوہ اس نے مادہ پرستوں کا ابطال کیا۔ جو صانع کے وجود کے منکر تھے اور ان کے مذہب کے متعلق کہا: اس مادی مذہب کا ایک نہایت ناقابل ذکر کج فہم اور واہی آراء کے حامل مٹھی بھر گروہ کے سوا کوئی قائل نہیں۔

حیران: میرے آقا! یہ کیسے؟ میری رائے میں ان مادہ پرستوں کا مذہب ایمان کے لیے زیادہ خطرناک ہے۔

الشیخ: تم اسے ہمارے زمانے میں زیادہ خطرناک دیکھ رہے ہو مگر غزالی کے زمانے میں اللہ کے وجود پر ایمان اس سے زیادہ قوی تھا کہ اس پر شک وارد ہوتا۔ یہ شبہ تو لوگوں کو فلاسفہ، الٰہیات کی کتابوں کے ترجمہ ہونے کے بعد لاحق ہوا۔ بالخصوص ارسطو اور جدید افلاطونیت کی کتابوں سے جو تخلیق کی کیفیت، زمانہ اور قدم عالم وغیرہ سے متعلق ہیں۔ چنانچہ غزالی جیسے عالم دین نے اس بلوی کے علاج اور اس شبہ کے ابطال کا بیڑا اٹھایا۔

حیران ارسطو پر گفتگو کے دوران آپ نے تخلیق عالم کے مسئلہ پر ارسطو پر غزالی کی نکیر کا کچھ ذکر کیا تھا۔ اب "تہافت الفلاسفہ" میں وارد غزالی کی آراء کو بالوضاحت سننے کا متمنی ہوں

الشیخ۔ اس کی کتاب "التہافت" میں سے حدوث عالم اور عالم کا اللہ کا خلق کیا ہوا ہونا نیز اس بارے میں فلاسفہ پر اس کی نکیر سے متعلق اس کے کلام کی وضاحت کروں گا۔ لیکن دوسرے ابواب میں فلاسفہ پر اس کی تردید پر گفتگو نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ وہ تمام کے تمام ان

اہم ترین مباحث میں سموئے ہوئے ہیں۔ اللہ کے وجود پر جب ایمان کی تکمیل ہو جائے اور اس پر کہ وہ اس کائنات کا خالق ہے تو دیگر امور میں بحث بہت ہلکی ہو کر رہ جاتی ہے۔ لیکن اولاً میں معرفت میں اس کی رائے پر گفتگو کروں گا تاکہ تمہیں اندازہ ہو جائے کہ کس طرح وہ اپنے حواس اور اپنی عقل سے متعلق شک میں مبتلا تھا اور کس طرح اس نے اولین بدیہی عقلی دلائل سے اس کا علاج کیا۔ جس طرح کہ اس کے چھ صدیاں بعد میں آنے والے ڈیکارٹ نے کیا

غزالی اپنے شک سے متعلق کہتا ہے کہ حقائق کے ادراک میں اس کی تشنگی اس کی فطرت ثانیہ بن گئی۔ اور اس نے کوشش کی کہ اخلاقی عادات سے قبل انسان کی فطرت کی حقیقت معلوم کرے تاکہ وہ اس یقینی علم تک پہنچ پائے جس پر شک وارد ہو سکے اور نہ ہی دل میں شک کی گنجائش باقی رہے چنانچہ اس نے اپنے علوم کا جائزہ لیا تو ان میں اس نے حسیات اور عقلیات کے علاوہ کوئی ایسا علم نہ پایا جو یقین کے مرتبے تک پہنچ سکے۔ لیکن جب اس نے محسوسات میں غور کیا تو وہ ان سے مطمئن نہ ہوا۔ کیونکہ آنکھ دھوکہ دیتی ہے وہ سایہ کو ساکن دیکھتی ہے جب کہ وہ متحرک ہوتا ہے اور کواکب اسے چھوٹے نظر آتے ہیں حالانکہ وہ زمین سے بڑے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ جس چیز نے حس کو جھٹلایا اور اس کے فریب کی اطلاع دی وہ عقل ہے اور جب محسوسات پر اس کا اعتماد نہ رہا اور اس کے ہاں محسوسات کی ثقاہت باطل ہو گئی تو اس کے پاس صرف عقلیات ہی رہ گئے۔ لہٰذا اس نے کوشش کی کہ ان میں وہ اپنی ذات کو مشکوک سمجھے۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ محسوسات کے بارے میں واثق تھا حتیٰ کہ عقل نے اس کی تکذیب کر دی اگر عقل نہ ہوتی تو وہ ہمیشہ اس کی تصدیق ہی کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ عقل سے ماوراء کوئی دیگر فیصلہ کرنے والی قوت ہو جب وہ ظاہر ہو تو وہ عقل کے فیصلے کی تکذیب کر دے جیسا کہ عقل نے ظاہر ہو کر حس کی تکذیب کر دی۔ اس کی عقل جواب میں خاموش ہو گئی اور مشکل اور اشکال اس کے نزدیک تائید شدہ بن کر رہ گئے۔ جیسا کہ سونے والا نیند میں کچھ امور دیکھتا ہے اور خیال کر لیتا ہے کہ وہ حقیقت ہیں، بیدار ہونے پر اسے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محض خواب و خیال ہی تھے۔ چنانچہ اس کے اپنے بیان کے مطابق سوفسطائیوں کے مذہب پر حال میں نہ کہ قول و قال میں دو مہینے مسلسل شک میں مبتلا رہا۔

پھر وہ مسلسل غور کرتا رہا۔حتیٰ کہ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اس کا علاج صرف دلیل ہی ہے۔ چنانچہ اس نے اسی چیز کا ادراک کیا جس کا ادراک ایمینوئل کانٹ نے چھ صدیوں کے بعد کیا یعنی فطری افکار کا وجود۔ اور وہ بدیہی ضروری مبادیات ہیں جن کے بغیر کوئی دلیل قائم نہیں ہو پاتی اور نہ ہی عقل کو یقین تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔اس نے اپنے پیش رو فارابی کی طرح یہ رائے قائم کی کہ یہ اولیات وہ معلومات ہیں جو ذہن میں مرکوز ہوتے ہیں' کوئی چیز ان سے زیادہ واضح نہیں ہوتی۔ اور نہ ان پر برہان قائم ہوتی ہے کیونکہ وہ بذات خود یقینی ہیں اور یقین کی آخری حد تک یقینی ہیں۔کسی بھی مسئلہ میں دلائل قائم کرتے وقت ان سے بے نیاز ہونا ممکن نہیں۔ چونکہ وہ بدیہی قواعد و اصول ہیں اور کسی عقل مند شخص کے لیے ان میں شک کی گنجائش نہیں ہوتی۔

پھر اس نے ادراک حسی اور ادراک عقلی میں غور کیا تو اسے معلوم ہوا کہ حواس حسی مدرکات کو مجموعی طور پر پیش کرتے ہیں۔اور عقل انہیں تفصیل اور تقابل کے ساتھ اخذ کرتی ہے۔ لیکن اس نے اپنے پیش رو ابن سینا کی طرح یہ رائے قائم کی کہ عقل شئی کے ثبوت کے ساتھ حکم لگاتی ہے نہ کہ اس کی کسی علامت سے نہ اپنی اختراع سے اور نہ ہی وہ حکم حس کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔وہ بذات خود معقول ہوتا ہے نہ کہ مواد سے ادراک کیا ہوا۔یعنی اس نے وہی کچھ سمجھا جو کچھ اس کے بعد ایمینوئل کانٹ نے سمجھا کہ عقل کو خاص فطرت حاصل ہے جس کے بل پر وہ جدید انشائیہ احکام صادر کرنے پر قادر ہوتی ہے' جو نہ تو حس کے پیدا کردہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کا ادراک بذریعہ مواد ممکن ہوتا ہے۔اس طرح سے وہ عقل اور اس کے فیصلوں کے باعث اپنے یقین کی طرف لوٹ آیا جس طرح کہ ڈیکارٹ لمبے راستوں سے طویل اقوال کے ساتھ لوٹا تھا۔

اور اگرچہ ان بدیہی اولیات کے ادراک میں کہ وہ حس کی پیداوار نہیں ہیں غزالی کو سبقت حاصل نہیں۔تاہم جب وہ زمان و مکان کے معانی میں ارسطو کی تردید میں بحث کرتا ہے اور الزمان کے اس تصور پر کہ اس سے قبل کوئی زمان نہ تھا اور المکان کے اس تصور پر کہ اس کے بعد کوئی مکان نہیں' عقل کے الجھاؤ پر گفتگو کرتا ہے تو اپنے سابقین اور لاحقین سے بلند تر ہو جاتا ہے۔اے حیران! تم دیکھو گے کہ ایمینوئل کانٹ جو غزالی سے کئی نسلیں بعد آیا' نے زمان و مکان کے قضیے میں اور ان دونوں کے بارے میں عقل کے الجھاؤ میں وہی کچھ کہا جو غزالی نے کہا تھا۔

حیران: مجھے اس سبق پر بڑا فخر ہے اور اس باب میں اس کا کلام سننے کا مجھے بڑا شوق ہے۔

الشیخ پر قدم عالم کے قائلین کے رد میں غزالی کے دلائل کا جوہر ارادہ کی تعریف جس کے معنی کی تحدید میں ارسطو وغیرہ غافل رہے اور الزمان کے معنی کی حقیقت سے متعلق کلام پر مرکوز نظر آتا ہے۔

غزالی ارسطو اور الہیات کے فلسفیوں سے کہتا ہے۔ تم اللہ کے وجود کا اعتراف کرتے ہو اور اللہ کو کمال کی جملہ صفات سے متصف قرار دیتے ہو لیکن تم نے قدم عالم کی بات کی ہے اور یہ کہا ہے کہ وہ ہمیشہ سے اللہ کے ساتھ زمانے میں اس سے متاخر ہوئے بغیر اس کے متناسب معلول کی حالت میں علت سے معلول کی نسبت کے ساتھ موجود رہا ہے اور یہ کہ عالم پر اللہ کا تقدم نتیجہ پر مقدمہ کے تقدم کی مانند ہے۔یعنی وہ تقدم بر ذات اور مرتبہ کا تقدم ہے' زمانے کے لحاظ سے نہیں اور یہ کہ اللہ سے عالم کا صدور ضروریا ہوا...... تمہارا یہ زعم تمہاری اس بات کی بنیاد بنا جو تم نے کہی۔ قدیم سے حادث کا صدور ناممکن ہے کیونکہ جب پہلے قدیم سے عالم کا صدور نہ ہوا پھر وہ صادر ہو گیا تو اس صدور کے لیے مرجح کا ہونا ناگزیر ہے تو اس مرجح کا محدث کون ہے؟ اور عالم کو اس کے حدوث سے پہلے وہ کیوں نہ وجود میں لایا؟ اور یہ کہ ناممکن ہے کہ قدیم کے احداث سے عجز اور حدوث کے عدم امکان کے باوجود یہ احداث ہوا ہو اور یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ پہلے وہ پیش نظر ہدف نہ تھا۔پھر وہ ہدف بنا اور نہ یہ کہ وہ بغیر کسی آلہ کے ہو گیا اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے اس کا ارادہ نہ کیا گیا تھا اور بعد میں اس کا ارادہ کر لیا گیا کیونکہ ارادہ کا حدوث بذات خود محال ہے۔نیز مدۃ الترک کے بارے میں' جو اللہ کے عالم کو وجود میں لانے سے پہلے گزری' تمہیں اشکال پیدا ہو گیا۔ اور تم نے کہا کہ اگر اللہ تخلیق عالم سے پہلے اس کی تخلیق پر قادر تھا تو گویا اس سے صبر کیا اور تخلیق سے کی اور پھر تخلیق کر دی۔اور یہ مدۃ الترک اگر متناہی تھی تو خالق کا وجود متناہی اول ٹھہرا۔ حالانکہ بروئے عقل غیر متناہیت کا کوئی جواز نہیں۔

اس کے بعد کہ غزالی فلسفیوں کے اقوال بالتفصیل بیان کر دیتا ہے اور ان کے دلائل وارد کرنے میں ایک ایسے شخص کی شان کے ساتھ جو ان کے ابطال پر پوری طرح قادر ہو ذرا کمی نہیں کرتا اور آسان ترین طریقہ سے سادگی اور اختصار کے ساتھ خود انہی کے اقوال و دلائل اور منطق کے انہی اصولوں کی بنیاد پر جن کو انہوں نے وضع کیا تھا ان کی تردید کرتا ہے۔اور ان کے اس اعتراف کی بنیاد پر جو انہوں نے اللہ کے وجود کا کیا اور ان کے اس اقرار کے ساتھ جو انہوں

نے اللہ کے کمال کی صفات کا کیا ان سے کہتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

تم نے قدیم سے حادث کا صدور بعید جانا ہے حالانکہ اس کا اعتراف تمہارے لیے ناگزیر ہے اس لیے کہ عالم (حوادث) ہیں' اس کے کچھ اسباب ہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ حوادث کا انحصار بے نہایت حوادث پر ہے تو یہ محال ہے اور کوئی عقل مند شخص اسے تسلیم نہیں کرے گا۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو صانع کا اعتراف اور واجب الوجود کے اثبات سے تم مستغنی ہوتے اور اگر حوادث کی کوئی حد ہو جہاں پر اس کا تسلسل جا کر انجام کو پہنچے تو یہ حد القدیم ہی ہے۔ تب تمہاری اپنی قائم کردہ بنیاد پر حادث کا قدیم کی تجویز کردہ ہونا ناگزیر ہو گیا۔ رہا تمہارا یہ قول کہ صدور عالم اللہ سے ضروریا ہوا تو اس ضروریا صدور کو "فعل" کا نام نہیں دیا جا سکتا جس شخص نے کہا کہ چراغ روشنی کا فعل کرتا اور آدمی سائے کا فعل کرتا ہے تو اس نے بے تکی بات کی اور بڑے بھلکے پن کا مظاہرہ کیا۔ فاعل کو محض اس کے کسی چیز کا سبب ہونے کی وجہ سے فاعل نہیں کہا جاتا بلکہ اس کو بطور خاص اس کا مسبب ہونے کے باعث کہا جاتا ہے نیز یہ کہ فعل کا وقوع اس کے ارادہ اور اختیار سے ہوتا ہے اور معلول کا صدور اس کی علت سے ضروریا نہیں ہوتا سوائے اس صورت میں کہ معلول علت کا ہم پلہ ہو اور اللہ کے اور عالم حقیر کے مابین کوئی برابری نہیں کہ عالم کا صدور اس سے ضروریا ہو۔

نیز تم اللہ کے وجود کے معترف ہو اور تم اللہ کو کمال کی جملہ صفات سے متصف گردانتے ہو اور صفات کمال میں سے اولین صفت تو قدرت اور ارادہ ہے۔ اور ارادہ وہ صفت ہے جس کا مقام یہ ہے کہ وہ دو متضاد چیزوں میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ اگر اس کی یہ اہمیت نہ ہوتی تو ہم اللہ کے وصف قدرت پر ہی اکتفا کر لیتے لیکن جب قدرت کی دو ضدوں یعنی ایجاد اور عدم کے ساتھ نسبت برابر ہے تو پھر وہ صفت ناگزیر ہو جاتی ہے جو کسی چیز کو اس کے متضاد سے ممیز کر دے اور وہ ارادہ ہے۔

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ عقل کی رو سے صفت ارادہ اللہ تعالیٰ کی دیگر جملہ صفات کمال کے ساتھ واجب ہے۔ اور یہ کہ عدم کے بعد تخلیق محض قدرت سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ارادہ کا ہونا ناگزیر ہے جس نے ایجاد کو عدم پر ترجیح دی تو پھر تم اس شخص پر کیوں نکیر کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ عالم بارادہ قدیمہ واقع ہوا۔ اس کو وجود میں لانے کا فیصلہ اسی وقت کے لیے ہوا جس متعین وقت پر اسے وجود میں لایا گیا اور یہ کہ عدم کے اس حد تک جاری رہنے کا فیصلہ کیا گیا جس حد تک وہ

جاری رہا اور وجود کی ابتداء وہاں سے ہوئی ہے جہاں سے اس کی ابتداء کا فیصلہ کیا گیا اور یہ کہ وجود اس سے قبل مطلوب تھا ہی نہیں۔ اس لیے اس کا حدوث نہ کیا گیا اور یہ کہ جس وقت پر وہ حادث ہوا وہی وقت اس کے حدوث کا ارادہ قدیمہ نے متعین کیا تھا۔ اس اعتقاد میں کیا چیز رکاوٹ ہے اور اسے اختیار کرنے میں کیا چیز حائل ہے؟

حیران، بخدا! یہ کلام تو بالکل واضح ہے۔ الٰہیات کے فلسفیوں نے کہا کہ عالم "متغیر" ہے اور انہوں نے ہی کہا کہ عالم "حوادث" ہے اور اس کے اسباب و علل ہیں اور انہوں نے ہی کہا کہ "تسلسل" کا بے نہایت ہونا محال ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے معترف ہیں اور ان کا اقرار ہے کہ عقل کی رو سے اللہ تعالیٰ کے لیے جملہ صفات کمال واجب ہیں جب کہ ارادہ بیّن اور واضح صفات کمال میں سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ صاحب ارادہ ہے اور اس کا اختیار ہے کہ چاہے تو تخلیق کرے اور چاہے تو تخلیق نہ کرے۔ اور جب اس نے تخلیق کا فیصلہ فرما دیا تو اس کا ایک وقت متعین کر دیا۔ اور اس ارادہ قدیمہ کے ساتھ تجدید مرجح یا تجدید ہدف سے متعلق ان کے بیان کردہ تمام شبہات کی نفی ہو جاتی ہے۔

یہ بات واضح ہے مگر غزالی نے مدت ترک سے متعلق جو تخلیق عالم سے قبل گزری ان کے اشکال کی تردید کیسے کی؟ میرا ذہن مدت ترک کے متناہی ہونے کے تصور سے عاجز ہے کیونکہ یہ نظریہ زمانے میں اللہ کے وجود کے متناہی اول ہونے کی تعبیر کی طرف لے جاتا ہے اور اگر آپ کہیں کہ مدت ترک زمانے میں غیر متناہی ہے تب تخلیق عالم کیسے ہوئی؟

الشیخ اس مرحلہ پر غزالی اپنی سوچ کی بلندیوں پر ہے اور ایک ایسی نئی بات نکال لاتا ہے جس کے ساتھ وہ اولین و آخرین پر سبقت حاصل کر لیتا ہے۔ وہ زمانے کے یہ معانی بیان کرتا ہے کہ تخلیق عالم سے پہلے زمانے کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

حیران، تخلیق عالم سے پہلے زمانے کا کوئی وجود ہی نہ تھا؟

الشیخ ہاں! ہاں! زمانے کا کوئی وجود تھا اور نہ تخلیق عالم سے پہلے اس کا کوئی تصور کیا جا سکتا ہے۔ زمانہ ہے کیا؟ کیا وہ اس نظریہ کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے کہ ہم اس کا تصور کائنات میں حوادث کے یکے بعد دیگرے وقوع سے کرتے ہیں اور اگر کائنات نہ ہوتی' اور نہ یکے بعد

دیگر ے حوادث ہوتے تو ہم زمانے کا تصور کیسے کر پاتے؟ لیکن تم اپنے ذہن کے عجز میں معذور ہو کہ تصور کرو کہ زمانہ ایک ابتداء کے ساتھ حادث ہو جب کہ اس سے قبل کوئی زمانہ نہ ہو مگر غزالی اور اس کے بعد ہی تو کل کانٹ نے بھی سمجھا ہے۔

حیران: غزالی کیا کہتا ہے؟

الشیخ: مدۃ الحرک اور اس کے متناہی یا غیر متناہی ہونے سے متعلق جن لوگوں کی عقلیں اشکال کا شکار ہو گئیں وہ ان سے کہتا ہے: "زمانہ حادث ہے اور مخلوق اور اس سے قبل ہرگز کوئی زمانہ نہ تھا..... وجود زمانہ کے بارے میں تمہارا تصور بجز تخیل کے سوا کچھ نہیں کیونکہ خیال ابتداء کے ساتھ وجود کے فہم سے عاجز ہے سوائے اس کے کہ اس کے "قبل" ہونے کو فرض کرے اور وہ "القبل" جو خیال کے ساتھ چمٹا رہتا ہے اس کے متعلق یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ حقیقتاً موجود چیز ہے اور وہ ہے "الزمان" اور خیال کا یہ عجز اس شخص کے عجز کی مانند ہے جو مثلاً یہ فرض کر لیتا ہے کہ جسم کا آخر سر کی طرف ہے مگر اس کی سطح اوپر ہے۔ لہٰذا خیال کر لیتا ہے کہ عالم سے ورے کوئی مکان ہے خلا کی صورت میں یا پر شدہ۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ سطح عالم کے اوپر کوئی اوپر نہیں اور نہ اس سے بعید تر کوئی بُعد ہے تو تخیل اسے تسلیم کرنے سے کترا رہ جاتا ہے۔

اور تخیل کا فرض کر لینا کہ عالم سے اوپر خلا ہے غلط ہے کیونکہ خلا تو بُعد ہے جس کی کوئی نہایت نہیں اور خلا بذات خود نا قابل فہم ہے۔ پس بُعد جسم کے تابع ہے جب جسم متناہی ہوا تو بُعد جو اس کا تابع ہے متناہی ہوا اور خلا ختم ہو گیا پس ثابت ہو گیا کہ عالم سے ورے نہ کوئی خلا ہے نہ ملاء۔ لیکن تخیل اسے تسلیم کرنے میں اپنی شکست نہیں مانتا۔ اور جس طرح سے یہ ممکن ہے کہ تخیل بُعد المکانی کے مفروضے میں غلطی پر ہوتا ہے اسی طرح بعد زمانی کے مفروضے میں بھی غلطی پر ہو گا۔ بُعد مکانی جسم کے تابع ہے اور بُعد زمانی حرکت کے تابع کیونکہ بُعد مکانی جسم کی اطراف کے طول سے عبارت ہے اور بُعد زمانی حرکت کی وسعت سے عبارت۔ اور جس طرح جسم کی اطراف کی نہایت سے ورے بُعد مکانی کے اثبات پر دلیل قائم نہیں ہو سکتی اسی طرح حرکت کی نہایت سے ورے بُعد زمانی کو بھی فرض نہیں کیا جا سکتا۔

اس طرح غزالی زمان و مکان سے متعلق دو نظریوں کی وضاحت کرتا ہے اور ان کو تخلیق

عالم اور اس کی حرکت کے لاحقوں سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کی رائے ہے کہ زمانے کے مسئلہ کو قدم عالم یا اس کے حدوث پر دلیل کی بنیاد بنانا درست نہیں۔ اے حیران! تم دیکھو گے کہ غزالی بُعد مکانی اور بُعد زمانی کے تصور میں تخیل کی تاثیر پر بات کرتے ہوئے اپنے ہم عصروں سے بلند تر ہو جاتا ہے اور اپنی بصیرت کے ساتھ وہاں تک نفوذ کرتا ہے جہاں ما تو کل کانٹ کی عقل نے اس کے چھ صدیاں بعد رسائی حاصل کی۔ حتیٰ کہ یہ دونوں نہ صرف معانی میں بلکہ الفاظ میں بھی ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔ اس سے کیا سمجھا جائے؟ کیا یہ سمجھا جائے کہ بعد والے نے پہلے سے اخذ کیا یا یہ کہ حق پر یہ دونوں سلیم عقلیں جمع ہو گئیں؟

پھر غزالی خلق و صدور کے مراتب میں جدید افلاطونیت کی رائے اختیار کرنے والوں کا زبردست مذاق اڑاتا ہے جب ان کے اس خیال سے متعلق کہ واحد سے واحد ہی کا صدور ہوتا ہے کہتا ہے: "تمہارے اس قول سے لازم آتا ہے کہ کائنات میں افراد سے مرکب کوئی ایک شئے بھی نہ ہو بلکہ پوری کی پوری کائنات وحدات (Units) کی صورت میں ہو مگر کائنات میں یہ جو مرکبات پائے جاتے ہیں اور ہمیں نظر آ رہے ہیں یہ کیسے ہو گئے؟ کیا علت واحد سے؟ اس طرح تمہارا وہ قول کہ واحد سے واحد ہی صادر ہوتا ہے باطل ہو گیا' یا علت مرکبہ سے' ایسے میں تو سوال خود ترکیب علت کی طرف پھر جاتا ہے.....

اور ان کے اس قول سے متعلق کہ مبداء اول سے (عقل اول) نکلا اور اس کے تعقل کے ساتھ اس کی علت سے ثانی و ثالث عقل' اور افلاک اور نفوس کا صدور ہوتا ہے' ان سے کہتا ہے کہ (جن کو تم نے تحکمات کے طور پر پیش کیا ہے وہ بالتحقیق اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ اگر انسان انہیں خواب میں دیکھا ہوا بیان کرے تو اسے اس کے سوئے مزاج پر محمول کیا جائے گا۔ تمہاری اس رائے کی رو سے معلول علت سے اشرف ہو جاتا ہے اس لحاظ سے کہ علت سے تو ایک ہی ظاہر ہوا اور معلول سے تین یعنی عقل' نفس اور فلک ظاہر ہوئے اور اس لحاظ سے بھی کہ اول تو صرف اپنی ہی ذات کا شعور رکھتا ہے اور ثانی اپنی ذات' مبداء اور معلولات کی حقیقت کا عارف بن گیا۔ تو جس نے اللہ تعالیٰ سے متعلق اس حد تک گر کر بات کی تو اس نے (معاذ اللہ) اسے ہر موجود سے جو اپنا اور اپنے سے غیر کا شعور رکھتا ہے' حقیر تر بنا دیا اور تعظیم کے مفہوم میں تم اس گڑھے میں گرے کہ تم نے عظمت کا مفہوم ہی باطل کر دیا۔ تم نے اسے مردے کی حالت تک پہنچا دیا۔ اللہ

تعالیٰ کج فہموں کے ساتھ یہی کچھ کیا کرتا ہے۔ (یعنی ان کی عقل ماری جاتی ہے)

حیران ابن الاضعف کہتے ہیں. اس مرحلہ پر شیخ المحوروں خاموش ہو گئے آنکھیں بند کر لیں' سر جھکایا اور گہری خاموشی میں ڈوب گئے حتیٰ کہ میں نے سمجھا کہ انہیں کوئی تکلیف پہنچ گئی ہے۔ میں نے ان کے اس سکوت پر احتراماً صبر کیا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے سر اٹھایا تو میں نے پوچھا:

حیران: کیا شیخ محترم کو کوئی تکلیف پہنچ گئی ہے؟

الشیخ. اے حیران! ایسا نہیں ہے مگر میں نے غزالی سے متعلق اپنی بات مکمل کر لی۔ اب ابن رشد پر گفتگو کروں گا۔ چنانچہ میری رائے ہے کہ اس سے متعلق بات کو آئندہ رات تک ملتوی کر دیں۔

حیران امید ہے کہ شیخ محترم ان دو باہم جھگڑنے والوں سے متعلق سلسلہ کلام منقطع نہیں کریں گے۔

الشیخ کون سے دو جھگڑنے والے اے حیران! یہ تو اہل ایمان کا اختلاف ہے۔

حیران: اہل ایمان کے اختلاف سے کیا مراد ہے؟

الشیخ ابن رشد کائنات' تخلیق اور خالق سے متعلق جملہ آراء میں غزالی سے اتفاق کرتا ہے۔

حیران وہ کیسے؟ حالانکہ میں نے سنا ہے کہ ابن رشد غزالی کا دشمن ہے اور اس کی تمام آراء کا ناقد و مخالف ہے۔ حتیٰ کہ اس نے اس کی تنقید میں اپنی مشہور کتاب "تہافت التہافت" وضع کی ہے اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ ابن رشد قدم عالم کا قائل ہے نیز روح' عقل اور انسانی شخصیت کا منکر ہے۔ اس لیے اس پر ضعف ایمانی کا الزام لگایا جاتا ہے اور اس راستے میں اسے بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

الشیخ ابوالولید ابن رشد (۱۱۲۶-۱۱۹۸ء) بلاشبہ علماء دین میں سے ایک ہے اور صادق الایمان فلسفی ہے اس پر تمہیں یقین ہونا چاہیے اور بعض قائلین لاہوت یا علماء کلام نے اس پر جو الزامات عائد کیے ہیں یا عوام میں اس کے متعلق جو نارروا باتیں پھیلی ہوئی ہیں تم ان سے دور رہو۔ اس عبقری مومن مفکر کو سمجھنے میں سب سے غلطی ہوئی ہے۔

اس کے خلاف لوگوں کی بدگمانیوں کے بہت سے اسباب ہیں' ان میں سے کچھ غیر اہم ہیں اور کچھ اہمیت کے حامل۔ غیر اہم میں سے ایک یہ کہ ابن رشد ارسطو کے فلسفہ اور اس کی تشریح کا

بیڑا اٹھائے ہوئے تھا۔ اور اس سے اس کی تین شرحوں کی روایت کی جاتی ہے۔ شرح مختصر اس میں ابن رشد کا کلام ہے۔ شرح متوسط اس شرح میں ابن رشد ارسطو کے کلام سے مختلف ابواب کے مطالعہ کے دوران فقرے لیتا گیا اور ان کی تشریح کرتا گیا۔ اور تیسری طویل شرح ہے۔ اس میں ابن رشد ارسطو کے کلام کے ایک ایک فقرہ کی مکمل تشریح کرتا گیا اور تم جانتے ہی ہو کہ دو مختصر شرحوں کا طریقہ قاری کے لیے اس گمان کا باعث بنتا ہے کہ وہ کلام خود ابن رشد کی رائے سے عبارت ہے حالانکہ درحقیقت ابن رشد تمام تر ارسطو کے کلام کی ہی تفسیر کر رہا تھا۔

ایک سبب ترجمہ کی غلطیاں ہیں۔ ابن رشد نے ارسطو کے فلسفہ کو اس کی یونانی کتابوں سے اخذ نہیں کیا' بلکہ اس نے اس کی معرب اور مخلوط صورت سے اخذ کیا جو اسکندر الافرودیسی Alexandred Aphrodse) دو صدیاں قبل مسیح) اور دامسطیوس الاسکندری کی تحریریں تھی۔ پھر اسے جب اہل یورپ نے ابن رشد کے فلسفہ سے اخذ کیا تو انہوں نے اس کی عربی کی کتابوں سے نہیں لیا بلکہ لاطینی اور عبرانی تراجم سے اخذ کیا۔ اس سلسلہ میں تعریب ترجمہ اور ابہام و بے یقینی کے ساتھ نقل کرنے میں اور ابن رشد کی مخصوص آراء کو ارسطو' افلاطون اور جدید افلاطونیت کی آراء کے ساتھ خلط ملط کرنے سے جو کچھ ہوا اس کا نہ پوچھئے۔

یہ سب کچھ لاہوتی فلسفی تھومس اکویناس (Aqumas Thomas ۱۲۲۵-۱۲۷۴ء) نے ابن رشد پر الحاد کا تیر چلا کر اور اس پر ایک شدید حملہ کر کے کیا جو یورپ کے عوام میں اشتہار کی صورت میں پہنچا۔ ایک مصور نے ایک بڑی تصویر وضع کی' جس میں اس نے اکویناس کو اونچی کرسی پر بیٹھا ہوا اور ابن رشد کو اس کے سامنے زمین پر گرا ہوا دکھایا۔ اس سے یہ اشارہ ملتا تھا کہ اکویناس نے ابوالولید پر فتح حاصل کر لی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس تصویر میں ارسطو اور افلاطون کی تصویریں بھی دکھائی گئی ہیں جو اکویناس کے قریب بنی ہوئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں کتاب ہے جس سے اکویناس کے سر کی طرف شعاع اٹھ رہی ہے اس علامت کے طور پر کہ اس نے ان دونوں کے فلسفہ سے استفادہ اور ان دونوں کے نور سے اقتباس کیا ہے۔ لیکن ابن رشد جس کا کام ہی ارسطو کی شرح تھا اور جس کی دستیاب ہونے والی کتابوں سے واضح ہے کہ ابن رشد ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے حامل عظیم لوگوں میں سے تھا فلسفی مصور نے اسے ایک مغلوب و مقہور شخص کی حالت میں زمین پر گرا پڑا دکھایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تھومس اکویناس نے اللہ کے وجود

اس کی وحدانیت اور حدوث عالم کے قوی کے ساتھ جب غلبہ حاصل کیا تو وہ غلبہ صرف ارسطو اور افلاطون پر تھا۔ ان دونوں سے مصور نے اسے نور کا اقتباس کرتے ہوئے دکھایا اور یہ غلبہ اس نے صرف ان دلائل کی بنیاد پر کیا جن پر ابن رشد کا غزالی کے ساتھ اتفاق ہے۔

ابن رشد کی بدنصیبی و پریشانی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ وہ ارسطو کو تقدیس کی حد تک پسند کرتا تھا اور اس وجہ سے وہ ارسطو کی آراء اور ان کی تاویل کے دفاع کا شدید حریص تھا۔ جب غزالی نے اپنی کتاب "التہافت الفلاسفہ" وضع کی۔ اور اس میں اس نے قدم عالم اور تخلیق کے مسئلہ پر ارسطو وغیرہ کی تردید کی تو ابن رشد نے "التہافت التہافت" نامی اپنی کتاب میں غزالی کی تردید کرنا چاہی۔ چنانچہ لوگوں میں یہ بات عام ہوگئی کہ حجۃ الاسلام دین کا دفاع کرتا ہے اور ابن رشد اس کی تکذیب کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن رشد نے نہ غزالی کی تکذیب کی اور نہ ہی اس نے متکلمین اشاعرہ کو اہم امور میں جھٹلایا لیکن اللہ اسے معاف فرمائے وہ اس کتاب کے لکھنے اور اس کا نام رکھنے میں پورے طور پر مخلص نہ تھا اور نہ ہی وہ فلسفہ کے میدان میں مہارت کے شوق اور فضیلت اور سبقت کے اظہار سے بری تھا۔ اس نے امام غزالی پر ہر اس مسئلہ میں تنقید کی جس میں امام نے فلسفیوں کی تردید کی تھی مگر وہ ایسی تنقید تھی جس سے اس کا مقصود ان حقائق کا ابطال نہ تھا جن کا امام نے دفاع کیا تھا۔ بلکہ وہ اس سلسلہ میں امام کے طریق استدلال اور مقاصد فلسفہ کے فہم میں امام کی کوتاہی کا اظہار کرنا چاہتا تھا حالانکہ وہ اللہ اس پر رحم فرمائے! اس شخص پر طعن و تشنیع اور عیب چینی سے مستغنی تھا جس نے دین کی مدافعت کی تھی اور اس کے لیے کافی تھا کہ اللہ کے وجود اور تخلیق کائنات جیسے بڑے بڑے مسائل کو لیتا اور ایک مخلص اور پاک زبان عالم کے اسلوب میں واضح کرتا کہ فلسفیوں نے ان کا انکار نہیں کیا اور غزالی پر طعن و تشنیع کیے بغیر فلسفیوں کے اقوال کی تاویل کرتا۔ نیز غزالی کی کتاب کے نام کے مقابلے میں اپنی کتاب کا نام "تہافت التہافت" نہ رکھتا۔ جب کہ ایسا کرنا ظلم و کوتاہ نظری تھا اور حق، حکمت، اخلاص اور اللہ کے ادب کے منافی تھا۔ غزالی نے اپنی کتاب کا نام "تہافت الفلاسفہ" اس لیے رکھا تا کہ وہ ان لوگوں کے اقوال کا ابطال کرے جو اللہ کے وجود اپنے اس زعم کے ساتھ جو وہ قدم عالم اور اللہ تعالیٰ کے علم و ارادہ کے بارے میں رکھتے تھے انکار کرتے نظر آتے تھے۔ غزالی خواہ ان کے اقوال کے فہم میں برسر حق تھا یا ابن رشد کے خیال کے مطابق

برسر غلط، بہرحال وہ مخلص تھا، اس نے اللہ کی راہ کا اخلاص کے ساتھ دفاع کیا اور ایمان باللہ کی دعوت دی اور لوگوں پر شبہات کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ کون ہے جو اس کے اس کام کو بغیر سوچے سمجھے تہافت قرار دینے کا دعویٰ کرے جس سے اس کتاب کی ناقدری ہو لوگ اس سے اجتناب کریں اور جس حق اور خیر پر وہ کتاب مشتمل ہے اس میں شک کا شکار ہو جائیں۔

اے حیران! یوں ابو الولید ابن رشد پر پریشانی آئی اور اس پر مصیبت مسلط ہوگئی اور اسی وجہ سے اس کے مخالفوں اور حاسدوں کے لیے اس کے خلاف اذیت اور حملہ آوری کے دروازے کھلے اور لوگوں میں بلا تحقیق اس سے متعلق ناروا باتیں پھیل گئیں۔ لیکن مخلص اور محقق لوگ جنہیں تادیب علم نے کتمان حق سے بالاتر کر دیا تھا وہ جانتے تھے کہ ابن رشد ایک صادق الایمان مفکر تھا اور اللہ کے بارے میں استدلال کے طریقوں کا سب سے بڑا عارف تھا۔ لیکن اے حیران! اس کا علم اس کی عقل سے بڑا تھا۔

حیران: ابن رشد پر تہمت کے وہ جوہری اسباب کیا ہیں جن کا آپ نے ذکر فرمایا ہے۔

الشیخ: جوہری اسباب سے میری مراد اس شخص کے فلسفہ کا مرکزی نقطہ ہے جو ایک ہی امر پر منحصر نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ ابن رشد کو اپنی ذات کے لیے اور صحیح تر یہ کہ دوسروں کے لیے دلیل الحدوث اور دلیل الوجوب جیسے دلائل کے مرکب نظریات جن پر اللہ کے وجود پر استدلال کے سلسلہ میں فلاسفہ اور متکلمین نے زیادہ تر انحصار کیا ہے مشکل نظر آئے ہیں اور اس نے ان دونوں کے مقابلے میں "دلیل الانعام" جسے اس نے "دلیل عنایت و اختراع" کا نام دیا افضل قرار دیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی فضیلت میں برسر حق ہو لیکن اس نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے استدلال کے پہلے دو طریقوں کو طعن کا ہدف بنایا اور ان دونوں کو نادرست سمجھا اور "حدوث و قدم" اور "ارادہ" کے معنی میں زیادہ تر جدل کے اسلوب میں کلام کیا اور متکلمین کی تردید میں بعض مواقع پر اس نے ان کے استدلال کے معیار کی کمزوری کو نشانہ بنایا۔ حالانکہ اسے یہ ادراک تھا کہ اس کے اپنے کلام میں ضعف موجود ہے۔ گویا کہ وہ تاجر ہوا کہ اپنے مال کا نرخ بالا کرنے کے لیے پڑوسی کے مال کے لیے کساد پیدا کرے۔ اللہ کی رضا کے طالبوں، اس کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور نصرت حق کے لیے کمربستہ لوگوں کی یہ شان نہیں ہوتی۔ اس کے لیے تو اتنا کافی تھا کہ استدلال کے

التزام کی نصیحت کرتا بغیر اس کے کہ اس دلیل کے ابطال کی کوشش کرتا جس کی صحت پر علماء کے نزدیک قطعی عقلی برہان قائم ہے۔

حیران: کیا ابن رشد قدمِ عالم کا قائل اور اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ کا منکر تھا؟

الشیخ: ہرگز نہیں، اس نے کبھی قدمِ عالم کی بات نہیں کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ کا کبھی انکار نہیں کیا لیکن قدم کے معنی اور ارادہ کے معنی میں فلسفہ بگھارتا رہا اور محض اس لیے کہ وہ ثابت کرے کہ ارسطو اور فلسفی اللہ کے وجود اور اللہ کی صفت ارادہ کے منکر نہ تھے۔ اے حیران! کیا عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ ابن رشد قدم مادہ کے ان معنی کا قائل ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ نہیں اور بذات خود وجود میں آیا اور کسی پیدا کرنے والے کا محتاج نہ تھا۔ خود ارسطو نے بھی یہ بات نہیں کی، اس نے اس کے قدم کی بات ان معانی میں کی کہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہمیشہ خالق رہا ہے۔

وہ اپنی کتاب "فصل المقال" میں اپنے اس قول کو یوں بیان کرتا ہے: جہاں تک عالم کے قدم اور اس کے حدوث کے مسئلہ کا تعلق ہے اس میں اشعری متکلمین اور حکماء متقدمین کے درمیان جو اختلاف ہے وہ میرے نزدیک اور بالخصوص بعض قدماء کے نزدیک تسمیہ میں اختلاف کی طرف لوٹتا نظر آتا ہے اور وہ یوں کہ اس پر ان کا اتفاق ہے کہ موجودات تین قسم کی ہیں دو طرفین اور ایک دو طرفین کے درمیان واسطہ۔ دو طرفین کے تسمیہ میں وہ متفق ہو گئے اور واسطہ میں مختلف۔ ایک طرف وہ موجود ہے جو اپنے سوا کسی غیر کے سبب اور غیر شئے سے وجود میں آئی یعنی فاعل کے سبب اور مادہ سے، اور زمانے کا اس سے متقدم ہونے سے میری مراد اس کے وجود سے زمانے کا مقدم ہے۔ یہی حال پانی، ہوا، زمین، حیوان اور نبات وغیرہ اجسام کی تکوین کا ہے جن کی تکوین بذریعہ حس ادراک میں آتی ہے اور موجودات کی یہ وہ قسم ہے جس کے تسمیہ "محدثہ" پر جملہ قدماء و اشعری متفق ہو گئے۔ اور جو طرف اس کے بالمقابل ہے وہ موجود ہے جو نہ غیر شے کے سبب سے ہے اور نہ کسی غیر شے سے ہے اور نہ زمانہ اس سے متقدم ہے۔ اس کے تسمیہ "قدیما" پر بھی ہر دو فریق من جملہ متفق ہو گئے اور اس الوجود کا ادراک بذریعہ برہان ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہے جو ہر شے کا فاعل، موجد اور حافظ و نگران ہے اور ہر کمزوری سے پاک و مبرا اور اعلیٰ قدرت کا مالک ہے۔ اور موجودات کی وہ قسم جو ان طرفین کے درمیان ہے وہ موجود ہے جو کوئی شے نہ تھا اور

زمانہ اس سے متقدم نہیں لیکن اس کا وجود کسی غیر شے کے سبب سے ہے یعنی فاعل کے سبب سے اور وہ ہے پورے کا پورا عالم۔ یہ جو موجود آخر ہے اس کا حال واضح ہے یہ کہ اس نے الموجود الکائن حقیقی (عالم شہادت) اور الموجود القدیم (اللہ) سے شبیہ اخذ کی ہے تو جس پر اس کی القدیم سے مشابہت محدث کی نسبت غالب ہو گئی اس نے اس کا نام قدیم رکھا اور جس پر اس کی محدث سے مشابہت غالب آ گئی اس نے اس کا نام محدث رکھ لیا۔

اس کلام سے تم نے دیکھا کہ وہ حدوث عالم کا معترف ہے اور اسے یہ بھی اعتراف ہے کہ وہ اپنے مادہ اصلیہ کے ساتھ اپنی موجودہ صورت میں اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے لیکن وہ متکلمین اور ارسطو کی آراء کو باہم قریب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے اس کلام اور اس کے دوسرے اقوال سے جو کچھ میں سمجھا ہوں وہ یہ کہ اس کی فکر بالکل اسی مشکل میں پھنس گئی جس میں ابن طفیل اور دیگر فلاسفہ عدم سے تخلیق کے معانی کے تصور اور زمان کے معنی کے تصور میں پھنس کر رہ گئے۔ لہٰذا اس نے قرآن میں پناہ لی۔ اور اس نے قرآن سے یہ فہم حاصل کیا کہ علیم و حکیم خالق نے جو اس حقیقت سے واقف ہے کہ ان امور کے تصور میں ہماری عقلوں کو عجز لاحق ہو جاتا ہے، ارادہ فرمایا کہ ایمان کے امر کو لوگوں پر آسان فرما دے۔ لہٰذا اس نے انسانوں کو ان کی عقلوں کی استطاعت کے مطابق خطاب فرمایا جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس حاضر و موجود عالم کی تخلیق مادہ سے ہوئی جس کو اللہ نے اس سے قبل پیدا فرمایا تھا۔ اللہ اس پر رحم فرمائے۔ اس نے اپنی کتاب "فصل المقال" میں کہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔ اپنے ظاہر میں اس وجود سے قبل کے وجود کا تقاضا کرتا ہے اور وہ ہے عرش اور پانی اور وہ اس زمانے سے قبل کے زمانے کا تقاضا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ۔ اپنے ظاہر میں تقاضا کرتا ہے کہ آسمان کسی چیز سے پیدا کیے گئے۔

اللہ اس پر رحم فرمائے! ایسا لگتا ہے کہ گویا وہ اس بات سے خوف زدہ تھا کہ ان پیچیدہ امور کے تصور میں عقل کی کم مائیگی تہمت کا سبب بن جائے گی۔ چنانچہ وہ اپنے اور دوسروں کی طرف سے معذرت کے طور پر کہتا ہے: ان پیچیدہ مسائل میں اختلاف کرنے والے درست رائے پر اجر کے مستحق ہوں یا خطا کرنے والے معذور ہوں، یہ ایک ہی طرح کی صورت ہے کیونکہ کسی شے

کی تصدیق خود قائم شدہ ثبوت کے مقابلے میں اضطراری ہوتی ہے' اختیاری نہیں۔ یعنی یہ کہ ہمارا کسی چیز کا تصدیق کرنا یا نہ کرنا اس طرح کا نہیں ہوتا جیسا کہ ہمارا کھڑا ہونا یا نہ کھڑا ہونا۔ جب مکلف ہونے کی شرط اختیار ٹھہری تو اہل علم میں سے کوئی صاحب شبہ کے باعث خطاء کا مرتکب ہو جائے تو اسے معذور سمجھا جائے گا۔

اس کا یہ اعتذار مجھے شیخ محمد عبدہ کی اس تحریر کی یاد دلاتا ہے جس میں شیخ نے "شرح العقائد العضدیہ" کے حاشیہ میں حدوث عالم پر دلائل پیش کرنے کے بعد ان لوگوں کے بارے میں اعتذار کرنا شروع کیا جن کی عقلیں حدوث و زمان کے معنی کے تصور سے عاجز رہ جاتی ہیں۔ کہتے ہیں: "جان لو کہ جب میں نے حدوث عالم کو ثابت کر دیا ہے اور اس میں اپنی فکر و نظر کی رسائی کی حد تک تحقیق حق کر دی ہے تو میں نہیں کہتا کہ قدم کے قائلین نے اپنے اس مذہب کو اختیار کر کے کفر کیا یا یہ کہ انہوں نے اس کے ساتھ دین قویم سے لازماً انکار کر دیا۔ بلکہ صرف اتنا کہتا ہوں کہ انہوں نے اپنی رائے میں خطاء کی اور انہوں نے اپنے افکار کے مقدمات کا رخ سیدھا نہیں کیا۔ اور یہ تو معلوم شدہ نظریہ ہے کہ جو اجتہاد کا راستہ اختیار کرے گا اور اعتقاد میں تقلید پر انحصار نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کی معصومیت واجب کرے گا تو اسے خطا سے دو چار ہونا پڑے گا لیکن اللہ کی نظر میں اس کے قدم قبولیت کے مقام پر جا پڑیں گے کیونکہ اس راہ میں اس کے چلنے کی غایت اور رائے کی تحقیق کا مقصد حق تک رسائی اور مقام یقین کا حصول ہوتا ہے۔

یہ شیخ محمد عبدہ کے کلام کا ایک حصہ ہے اور میں اس میں خود ابن رشد کے لیے اعتذار اور قدم مطلق' نہایت مطلق اور زمان و مکان کے معنی کے تصور میں عقلوں کے الجھاؤ اور اس کے علاوہ وہ جس کو خود غزالی' ابن طفیل اور متاخرین نے اہمیت دی ہے' کی طرف اشارے کے سوا کچھ نہیں پاتا۔ اے حیران! کیا تم نے ابن رشد کے کلام میں کہیں پایا کہ اس نے کہا ہو کہ مادہ اصلیہ جس سے تخلیق عالم کی گئی اللہ کا تخلیق کردہ نہیں ہے اور کیا تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی جو ایمان باللہ کے ضعف کی نشاندہی کرتی ہو۔

حیران: ہرگز نہیں شیخ محترم! ہرگز نہیں بلکہ اس میں وہ کچھ ہے جو ایمان باللہ کی تقویت پر دلالت کرتا ہے اور اس میں ایمان میں اضافے کی خواہش اور تمام انسانوں کے لیے ایمان کو آسان بنانے اور اس بارے میں ان کی عقلوں کو الجھن سے دور رکھنے کی رغبت پائی جاتی

ہے۔

الشیخ: یہ جو ابن رشد کو صفت ارادہ کے انکار سے منسوب کیا جاتا ہے صحیح نہیں ہے۔ لیکن جب وہ غزالی اور متکلمین پر "ارادہ" کے معنی میں نکیر کرنا چاہتا ہے تو حسب عادت تفاخر کے اسلوب سے کام لیتا ہے اور اس نے ارادہ کے معنی کو ارادہ "بالفعل" اور ارادہ "بالقوۃ" میں تقسیم کیا ہے۔ پھر اس نے اس بات کی نفی کی اور انکار کیا کہ قدیم فلاسفہ نے یہ کہا ہے کہ عالم اللہ تعالیٰ سے بلا ارادہ طبعی طور پر صادر ہوا ہے اور اس نے اپنی بات کو اللہ کے ارادہ کے اثبات پر تمام کیا' بالکل انہی دلائل کے ساتھ جو غزالی کے دلائل تھے۔ ابن رشد غزالی پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے' اس کا فلاسفہ سے متعلق یہ قول کہ ان کی رائے میں باری تعالیٰ سے جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ طبعی طور پر صادر ہوتا ہے باطل ہے۔ ان کی درحقیقت رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے موجودات کا صدور اس جہت سے ہوتا ہے جو انسانی طبیعت اور انسانی ارادہ سے بالاتر ہے۔ چونکہ یہ دونوں جہتیں ناقص ہیں اور جب برہان قائم ہو گیا کہ اس سے کسی فعل کا صدور طبعی صدور نہیں ہوتا اور نہ ارادی صدور' ارادے کے اس مفہوم کے ساتھ ہوتا ہے جو یہاں انسانوں کے ہاں مروج ہے۔ اس سے صدور ارادے کی اشرف جہت کے ساتھ ہوتا ہے اور اس جہت کو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور اس پر بھی برہان قائم ہو چکا ہے کہ وہ صاحب ارادہ ہے اور وہ ضدین کا عالم ہے لہٰذا اگر وہ فقط عالم ہونے کی جہت سے فاعل ہوتا تو وہ ضدین کو بیک وقت فعل میں لاتا۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ پس واجب ہوا کہ ضدین میں سے ایک پر اختیار کے ساتھ اس کا فعل وارد ہو۔

اے حیران! اس سے سمجھ لو کہ یہ شخص اپنی مہارت کے اظہار اور فلاسفہ کے دفاع میں کوشاں ہے۔ پھر وہ ارادہ کے معنی کے اثبات اور اس کا اللہ کے لیے واجب ہونے کی دلیل میں وہیں جا پہنچتا ہے جہاں پر اس کا دوست یا دشمن (غزالی) پہنچا تھا اور یہی حال اس کا اس وقت ہے جب وہ مسببات کا اسباب کے ساتھ تعلق کے بارے میں غزالی سے جھگڑتا ہے۔

حیران: کیا غزالی اسباب و مسببات کا منکر ہے کہ ابن رشد کو اس معاملہ میں اس سے جھگڑنا پڑا؟

الشیخ: غزالی ہرگز انکار نہیں کرتا اور نہ ہی یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ وہ سبب کا مسبب کے

ساتھ تعلق سے انکار کرے یا ان خواص سے انکار کرے جو اللہ نے اشیاء کے اندر وضع فرما دیئے ہیں بلکہ اس کی خواہش تھی کہ فکر انسانی ہمیشہ اشیاء، خواص اور نوامیس کے خالق کی طرف متوجہ رہے تاکہ وہ ملحدانہ مادی نظریہ کی شکل سے دور رہے جو نظریہ کائنات کے تحولات کا اسکے اپنے مادی عناصر کے باہمی تعامل کے ساتھ اور ان کی قوت کے ساتھ اتفاق سے وجود میں آنے کا قائل ہے۔ لہٰذا اس نے اس "عقلی ضرورت" کا انکار کر دیا جو اشیاء میں موجود ان کے خواص کو واجب قرار دیتی ہے تاکہ اسے اپنے اس قول تک رسائی ہو کہ اشیاء اپنے وجود بخشنے اور خواص و طبائع عطا کرنے والے کی محتاج ہیں۔ پس اس نے کہا کہ جائز نہیں کہ ہم سبب اور مسبب میں نظر آنے والے باہمی تعلق کو ظواہر کا قطعی سبب سمجھ لیں بسا اوقات ہمارے علم سے ورے پوشیدہ واسطے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہرہ کے ظہور میں اصل سبب وہی ہو۔ غزالی اس پر اس اندھے کی مثال دیتا ہے جو اچانک بینا ہو جائے اور وہ سمجھ لے کہ اس کی بینائی کا واحد سبب اس کی آنکھوں سے پردے کا ہٹ جانا ہے حتیٰ کہ دن بیت جائے اور اندھیرا چھا جائے تو اسے پتہ چلے کہ چشم بینا کے علاوہ بینائی کا دوسرا سبب بھی تھا جو آنکھوں کو بینائی بھی عطا کرتا ہے اور اس سے محروم بھی کر دیتا ہے اور وہ ہے روشنی۔

لیکن ابن رشد اس منطق سلیم اور ایمان کامل سے ہرگز باہر نہیں ہوتا جب کہتا ہے کسی موجود شئ سے صادر ہونے والے افعال آیا فعل کی حاجت کے مطابق ہیں یا زائد یا اس میں دونوں عمل جمع ہیں تو جو مطلوب ہے وہ گہری نظر کا مستحق ہے کیونکہ موجودات کی ہر دو چیزوں کے درمیان فعل اور انفعال واحد و متناہی اضافتوں میں سے کسی ایک ہی اضافت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی اضافت کے عقب میں کوئی دوسری اضافت ہو اس لیے یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ آگ جب ایک حساس جسم کے قریب ہوگی تو لازماً فعل کرے گی (جلائے گی) کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی وجود ہو جیسے جسم حساس سے اضافت ہو جو آگ کی فاعل اضافت کے آگے رکاوٹ بن جائے۔ جس طرح مثلاً ابرق پتھر کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ آگ سے جلانے کی صفت کا چھن جانا واجب نہیں کر دیتا جب تک کہ اس کا نام آگ ہے اور جب تک اس میں حدت باقی رہتی ہے"۔ پھر کہتا ہے اور کتنی محکم بات کہتا ہے۔ "عقل موجودات کو ان کے اسباب کے ساتھ

ادراک کر لینے سے زائد کوئی چیز نہیں اور اسی کے ساتھ وہ دیگر ادراک کرنے والی قوتوں سے منفرد ہے۔ لہٰذا جس نے اسباب کی نفی کی اس نے عقل کی نفی کر دی۔ اگر اسباب اور مسببات نہ ہوں تو منطق کی عمارت دھڑام سے نیچے آ رہتی ہے اور مسببات کی معرفت اسباب کی معرفت کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اسباب کی نفی علم کو باطل کر دیتی ہے اور اس سے صرف نظر کے مترادف ہے کیونکہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ کوئی چیز بھی اپنی حقیقت کے ساتھ معلوم ہی نہ ہو سکے اور ہو گی تو صرف گمان کردہ ہو گی، نہ اس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے گی اور نہ اس کی کوئی حد متعین ہو گی۔ اور جو اس کا قائل ہو کہ کسی ایک کا علم ضروری نہیں تو لازم آتا ہے کہ اس کا یہ قول ضروری یا نہ ہو لیکن جس نے تسلیم کر لیا کہ اس صفت کی حامل اشیاء ہیں جو ضروریہ نہ ہوں تو فلاسفہ کو اس سے کوئی انکار نہیں.....

پھر وہ اپنی بات کو آخر تک پہنچاتا ہے اور کتنی عظیم بات کہتا ہے اور یقیناً کس صدق سے غزالی کے مقصد سے اتفاق کرتے ہوئے اشیاء کے خالق اور اشیاء کو طبائع اور خواص عطا فرمانے والے کی طرف دائماً متوجہ رہنے کی رغبت کے ساتھ کہتا ہے۔ اس میں شک کرنا درست نہیں کہ موجودات ایک دوسرے کے باعث فعل کرتی ہیں۔ اس فعل میں ان کا انحصار اپنے آپ پر نہیں ہوتا بلکہ خارج سے فاعل کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کا فعل ان کے فعل کے لیے شرط ہے بلکہ اس کے فعل کے علاوہ خود ان کا وجود بھی اس فاعل کے فعل سے مشروط ہوتا ہے۔

حیران یہ حقیقت ہے کہ ابن رشد نتائج کے لحاظ سے غزالی سے ذرا بھی مختلف نہیں اور نہ ہی ایمان میں اس سے کم تر ہے تو براہ کرم مجھے بتائیں کہ وہ اللہ کے وجود پر کس طرح استدلال کرتا ہے۔

الشیخ ابن رشد کی رائے میں جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ دلیل حدوث یا دلیل وجوب کے ساتھ استدلال کے طریقے نہ تو یقینی ہیں اور نہ شرعی اس لیے کہ وہ مرکب ہیں اور کئی مقدمات پر مشتمل ہیں۔ اور یقینی شرعی طریقہ استدلال دلیل النظام کے ساتھ ہے جسے دلیل العنایت والاختراع کا نام دیا جاتا ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس پر قرآن کریم کا اعتماد ہے کیونکہ اس میں دو وصف جمع ہیں ایک یہ کہ وہ یقینی ہے اور دوسرا یہ کہ وہ غیر مرکب اور سادہ ہے۔ یعنی قلیل المقدمات ہے۔ لہٰذا اس کے نتائج غیر مرکب اور سادہ ہوتے ہیں۔

حیران۔ کیا یہ درست ہے کہ استدلال کے دوسرے طریقے غیر یقینی ہیں؟

الشیخ یہ بات ہرگز صحیح نہیں' قرآن خود ان ہر دو طریقہ ہائے استدلال کو ترک نہیں کرتا بلکہ ان سے کام لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نزول قرآن سے قبل اللہ کے وجود' تخلیق و تکمیل کائنات اور حدوث و قدم کے بارے میں قائم شدہ نزاع سے بخوبی واقف تھا اور وہ جانتا ہے کہ آئندہ بھی جب تک غور و فکر کرنے والا یہ انسان اس زمین پر موجود ہے اور جیسے اس نے اکثر شیء جدلا (بڑا جھگڑالو) کہا ہے' یہ نزاع جاری رہے گا لیکن قرآن نے مرکب نظری استدلال کے طریقوں کی طرف دقیق اشاروں کے ساتھ ساتھ' جن کو وہ فلسفی اور متکلمین سمجھتے ہیں جو مسلسل ان کے ساتھ مشغول رہتے ہیں' تمام انسانوں کو مخاطب کرنے میں زیادہ تر نظام اختراع اور عنایت کی دلیل پر اعتماد کیا ہے جو دیگر عقلی نظری مرکب دلائل سے مختلف نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ یقین کے حصول میں زیادہ سادہ' زیادہ سہل اور آسان تر ہے جیسا کہ ابن رشد نے کہا ہے۔ ابن رشد پر اللہ رحم فرمائے! اگر وہ اس سادہ اور آسان دلیل کو دلیل مرکب پر ترجیح دینے میں اکتفا کر لیتا اور دلیل مرکب کا مشکل ہونا اس کی صحت پر تیر اندازی کیئے بغیر بیان کر دیتا تو اس کے کلام پر کوئی گرفت نہ ہو پاتی کیونکہ ہر دو دلیل جس پر اول و آخر عظیم فلسفی اور متکلمین جمع ہو گئے یقین تک لے جانے والی ہے۔ مثلاً یہ کہ ریاضی کے کسی صحیح قضیہ پر اگر کئی جہتوں سے دلائل کام دیتے ہوں اور معلم کو یہ بہتر لگے کہ وہ سہل تر اور قریب تر دلیل اختیار کرے یا کسی طالب علم کے ذہن نے سہل تر اور قریب تر دلیل کو اختیار کرنا بہتر سمجھا تو اس کے لیے کوئی جواز نہیں کہ قضیہ کی صحت کے دیگر دلائل کو تنقید کا نشانہ بنائے اور انہیں معطل کرے ورنہ یہ تعطل خود عقل پر لوٹ آئے گا۔ بلکہ خود ایمان پر جس کا ستون عقل ہی ہے۔

یہ ہے ابوالولید کی خطا۔ لیکن اگر تم غور کرو کہ وہ کس طرح اختراع کی دلیل کو پیش کرتا ہے اور اس کی تفصیل بیان کرتا ہے تو تم دیکھو گے کہ ایک مومن صادق کی طرح وہ اس میں کتنا قوی' مخلص اور سچا ہے اور کسی بھی فقیہ سے زیادہ فقیہ ہے اور علماء میں ایک ممتاز عالم اور فلسفیوں میں ایک حکیم فلسفی نظر آتا ہے۔

حیران ابن رشد کی رائے میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر زیادہ سادہ' زیادہ آسان اور زیادہ یقینی

استدلال کا جو طریقہ ہے براہ کرم اس پر کچھ گفتگو فرمایئے۔

الشیخ میں تمہیں اس کا کلام اس کی کتاب "الکشف عن المناھج الادلۃ" سے نقل کراتا ہوں۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب یہ واضح ہو گیا کہ سارے کے سارے طریقے ایک ہی طرح کے نہیں اور ان میں سے ایک وہ طریقہ ہے جس کے ساتھ شریعت نے اللہ سبحانہ کے وجود کے اقرار کی طرف تمام انسانوں کو ان کے فطری اختلاف کے باوجود دعوت دی ہے' جس کی نشاندہی کتاب عزیز نے کی اور اسے اختیار کیا ہے اور جس پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اعتماد تھا وہ کون سا طریقہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جب ہم کتاب عزیز کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ وہ طریقہ جس کی کتاب عزیز نے خبر دی اور سب کو جس دروازے سے پکارا وہ دو انواع میں محدود ہے' اول یہ کہ انسان کی معرفت اور جملہ موجودات کا اس کی خاطر تخلیق کیے جانے میں غور و تحقیق جسے ہم "دلیل العنایت" کا نام دیتے ہیں اور طریقہ ثانی وہ ہے جو اشیاء موجودات کی ماہیت کی اختراع میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً جمادمیں حیات کی اختراع اور ادراکات حسی اور عقل جسے ہم "دلیل الاختراع" کہتے ہیں۔ جہاں تک پہلے طریقے کا تعلق ہے تو اس کی بنیاد کی دو اصلیں ہیں۔ ایک اصل یہ کہ تمام موجودات انسان کے وجود کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں اور دوسری اصل یہ کہ یہ موافقت لازماً اس کا قصد کرنے والے کی قدرت اور ارادے سے ہے جب کہ ناممکن ہے کہ یہ موافقت اتفاقاً ہو گئی ہو۔ اور موجودات کی انسان کے وجود کے ساتھ موافقت کا یقین اس کے وجود کے ساتھ رات' دن' سورج اور چاند کی موافقت کے اعتبار سے حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے ساتھ چار موسموں کی موافقت سے بھی نیز وہ مکان جس میں وہ رہتا ہے یعنی زمین۔ اور ایسے ہی بکثرت حیوانات' نباتات' جمادات اور دیگر بہت سی جزئیات مثلاً بارش' دریا اور سمندر اور بالجملہ زمین اور (پانی اور آگ) کے ساتھ اس کی موافقت کا اظہار ہوتا ہے اور اسی طرح سے انسانی بدن کے اعضاء اور حیوانوں کے اعضاء میں غور و فکر سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی موجودات کی تکوین' انسان کی زندگی اور اس کے وجود کے ساتھ موافقت پر مبنی ہے۔ اور بالجملہ یہ کہ موجودات کی افادیت کی معرفت اس نوع میں داخل ہے اور اس لیے ہر شخص پر جو اللہ تعالیٰ کی پوری کی پوری پہچان کرنا

چاہیے واجب ہے کہ وہ موجودات کے افادات کی تلاش کرے۔

لیکن دلیل اختراع میں جنس حیوان اور جنس نبات کا پورا پورا وجود اور آسمانوں کا وجود داخل ہے۔ اور اس نوع میں مخترعات کی تعداد کے مطابق بکثرت دلائل وارد ہوتے ہیں لہٰذا ہر اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کی کما حقہ معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو واجب ہے کہ وہ اشیاء کی معرفت حاصل کرے تاکہ جمیع موجودات میں حقیقت اختراع سے واقف ہو سکے۔ کیونکہ جس نے شی کی حقیقت کو نہ جانا اس نے اختراع کی حقیقت کو نہ سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے:

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ

(الاعراف ۱۸۵)

"کیا ان لوگوں نے آسمان وزمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو اللہ نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا۔"

ابن رشد متعدد آیات قرآنیہ جو دلیل العنایۃ والاختراع کی طرف اشارے پر مشتمل ہیں ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے: "ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ وجود پر دلیل ان دو قسموں میں محصر ہے۔ دلیل عنایت و دلیل اختراع اور واضح ہو گیا کہ یہی دو طریقے خواص اور جمہور کا طریقہ ہیں۔ اور خواص سے میری مراد خواص العلماء ہیں اور ان دو قسموں کی معرفت کا اختلاف تفصیل کے ساتھ صرف اتنا ہے کہ جمہور دلیل عنایت و دلیل اختراع میں سے اس معرفت پر اکتفا کرتے ہیں جو علم حسی پر مبنی اولین ذریعہ معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور علماء حس کے ذریعے حاصل ہونے والے اشیاء کے ادراک پر برہان کا اضافہ کرتے ہیں"۔

ابن رشد اپنی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر خالق حکیم کے وجود پر مخلوقات میں کارفرما اس کے قصد اور حکمت کی دلیل کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے جب انسان کسی مخصوص شے کو دیکھتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ وہ شے جس شکل، جس مقدار اور وضع میں بنائی گئی ہے وہ اس مخصوص شے میں موجود منفعت اور مطلوب مقصد کے موافق بنائی گئی ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اگر وہ شے اس شکل، اس تعداد اور اس وضع کے بغیر بنائی گئی ہوتی تو اس سے مطلوبہ منفعت نہ حاصل ہو سکتی۔ حتیٰ کہ اسے قطعی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ اس شے کا ایک صانع ہے جس نے اس کو بنایا ہے اور اسی لیے وہ اس شکل، مقدار اور وضع کے ساتھ مطلوبہ منفعت کے موافق ہے اور ناممکن ہے کہ اس

مطلوبہ منفعت کے وجود کے لیے ان اشیاء میں یہ خصوصیات اتفاقاً جمع ہو گئی ہوں۔

پھر قرآن کریم کی ان متعدد آیات کا ذکر کرتا ہے جس کے ضمن میں دلیل عنایت و اختراع آ جاتی ہے اور اس کے بعض مفید پہلو واضح کرتا ہے جن تک اس کے زمانے میں سائنس نے رسائی حاصل کر لی تھی اور اپنی بات کو یہاں تک پہنچاتا ہے کہ "اگر ہم ان آیات کی تعداد اور ان تفصیلات کا احاطہ کریں جن میں عنایت (اہتمام، تدبیر) کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے تو یہ سلسلہ کئی جلدوں میں پھیل جائے گا۔ اور اس کتاب میں ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہلت دی اور توفیق عطا فرمائی تو ہم العنایۃ کے موضوع پر جس کی طرف کتاب عزیز نے رہنمائی فرمائی ہے ایک مبسوط کتاب لکھیں گے۔

حیران۔ یہ شخص واقعی بڑا اہل ایمان ہے، کیا آپ کے علم میں ہے کہ اس نے اپنی اس آرزو کے مطابق کوئی کتاب وضع کی ہو۔

الشیخ اے حیران! مجھے معلوم نہیں کہ اس نے اس باب میں بالخصوص کتاب لکھی ہو، مجھے اللہ کے فضل نے یہ راہ دکھائی ہے کہ میں قرآن کریم کی ان اکثر آیات کو جمع کروں جو نظام، قصد، حکمت اور تدبیر کے دلائل پر مشتمل ہیں اور اپنے علم کی حد تک تکوین و تخلیق کے اسرار کے ساتھ ان کی مطابقت کے وہ پہلو واضح کروں جن تک جدید سائنس نے رسائی حاصل کی ہے۔

حیران میرا ایک سوال باقی ہے وہ یہ کہ میرے مطالعے کی حد تک ابن رشد نے "انسان کی منفرد شخصیت" کے وجود سے انکار کیا ہے اور اس کے بدن کے ساتھ اس کی فنا کی بات کی ہے۔ یہ ان الزامات میں سے ایک الزام ہے جو اس کے مخالفین نے اسے الحاد کے ساتھ اور انکار بعث کے ساتھ متہم کیا۔ یہ نارواایات اس شخص کے بارے میں کہاں تک درست ہے جو اللہ اور اس کی کتاب پر اس درجے کا ایمان رکھتا ہے۔

الشیخ ابن رشد پر الحاد اور انکار بعث کا الزام لگانے والا تو اس ایکویناس ہے جو خود روح کے بارے میں تردد کا شکار ہے۔ اور میں اسے اس الزام میں برسر حق نہیں سمجھتا اس نتیجہ کی بنیاد پر جو ابن رشد کے اقوال میں غور کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ ارسطو کے اس قول سے متفق ہے کہ روح جسم کے وظیفہ سے عبارت ہے اور اس کے علاوہ اس کا دیگر کوئی

وجود نہیں اور شخصی فردی عقل انسان کی غور و فکر کی استعداد و قدرت سے عبارت ہے اور یہ کہ وہ اس کی فنا کے ساتھ فنا ہو جاتا ہے تو اس سب کچھ میں الحاد کا الزام کسی بھی معنی کی رو سے اس پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ روح و عقل کی حقیقت ہم پر مخفی چلی آ رہی ہے اور میرے خیال کے مطابق ابد تک یہ راز سربستہ ہی رہے گا۔ لہٰذا جب تک کوئی کہنے والا اس بات کا انکار نہ کرے کہ عقل اور روح اللہ کے امر سے ہیں اس وقت تک اس سلسلہ میں کہی ہوئی کوئی بات اس کے ایمان کو ناقص نہیں کر دیتی۔ اور یہی حال منفرد شخصیت کے فنا کے قول میں ہے کہ اس سے بعث کی نفی واجب نہیں آتی کہ وہ اللہ کی قدرت سے حیات جدید اور تخلیق جدید ہو گی جس نے اجسام و ارواح کو پیدا فرمایا اور انہیں ہر اول حیات سے نوازا۔

اگر تم غور کرو گے تو تم اس کی رائے کو نفس کے بارے میں متردد اور غیر واضح پاؤ گے جب تم دیکھو گے کہ وہ شخصیت کی تعریف نفس و جسم کے امتزاج سے کرتا ہے۔ اس کے بعض اقوال میں تم دیکھو گے کہ وہ جسم و نفس کو حقیقت واحدہ سے تعبیر کرتا ہے نیز جب تم اسے ایک دیگر جہت سے نفس کو ایک غیر جسمانی حقیقت قرار دیتے ہوئے پاؤ گے کہ وہ ایک روحانی شے ہے جسے اللہ ہمارے اندر ودیعت فرماتا ہے۔ تم اسے یہ کہتے ہوئے بھی سنو گے کہ ہمارے اندر موجود یہ روحانی قوت جسم کی موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور یہ بھی کہ روح بغیر شخصیت کے ہوتی ہے۔ اسے حس، ارادے یا تفکر کی قدرت حاصل نہیں بلکہ وہ ایک تخیل ہے جس میں کوئی قوت نہیں اور نہ ہی جسم کے بغیر کسی عمل کے قابل ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کوئی دائمی منفرد شخصیت بنتی ہے الا یہ کہ وہ جسم کے ساتھ متحد ہو۔

روح کا انحصار جسم پر ہونے یا اس کا جسم سے الگ ہو جانے کے بعد احساس و ارادہ اور غور و فکر سے محروم ہو جانے سے متعلق اس کا قول صحیح ہے یا غیر صحیح ہم نہیں جانتے۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ہم روح سے متعلق اس کے اللہ کا امر ہونے کے سوا کچھ نہیں جانتے لیکن روح کے بارے میں تو ماس کی یہ رائے ہو جانے کے بعد ہم سوال کرتے ہیں کہ اس نے ابن رشد کے خلاف وہ نارو اطوفان کیوں بپا کیا اور ابن رشد کے اقوال سے کیسے یہ نتیجہ نکال لیا کہ وہ زندگی بعد از موت کا منکر ہے۔

ابن رشد کی جو کتابیں ہمیں دستیاب ہوئی ہیں ان میں اس کے اقوال سے تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ زندگی بعد موت کا منکر نہیں بلکہ اس کی تصدیق کرتا ہے اور اس کے منکرین کو زنادقہ قرار دیتا ہے۔ غزالی کے ساتھ اس کا جھگڑا زندگی بعد موت کی محض جہت اور اس کی کیفیت میں تھا۔ وہ کہتا ہے کہ حیات اخروی جسم کی جدید تخلیق کے ساتھ ہوگی۔ یہ بات دین سے ذرہ بھر مخالف نہیں۔ غزالی سے رد و کد کے بعد ابن رشد نے روح کی صراحت یوں کی ہے کہ اس کا معاملہ اخفا میں ہے۔ اس نے کہا روح کے مسئلے میں کلام نہایت مبہم ہے اور اللہ نے لوگوں میں سے صرف علماء راسخین کو اس کے لیے مختص فرمایا ہے۔ اور میرا یہ گمان نہیں کہ ابو الولید ابن رشد اپنے آپ کو علماء راسخین میں شمار کرتا تھا اور شاید وہ روح و نفس کے امر کے علاوہ دیگر تمام امور میں علماء راسخین میں سے ہی تھا۔ اور جو امور متشابہات کی صورت میں باقی ہیں وہ اسرار غیب ہی رہیں گے۔ جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

لیکن راسخون "الراسخون تو وہ ہیں" جو کسی آیت میں ایک موقف اختیار کرتے ہیں پھر کہتے ہیں اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ہمارا ان پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔) (آل عمران: ۷)

حیران: میں نے روح کے بارے میں آکویناس کی رائے سن لی ہے۔ تو کیا شیخ محترم اللہ تعالیٰ کے وجود اور تخلیق عالم کے بارے میں اس کی رائے سے آگاہ فرمائیں گے؟

الشیخ: اگر تم اللہ کے وجود اور تخلیق عالم کے بارے میں اس کا کلام سنو تو تم سمجھو گے کہ تم غزالی، ابن سینا اور ابن رشد کو کلام کرتے سن رہے ہو۔ وہ کہتا ہے: "ہماری عقل، حواس سے معرفت حاصل کرتی ہے مگر یہ عقل جو اللہ نے ہمارے اندر پیدا فرمائی ہے وہ ایک منظم قوت ہے جو حسی معلومات کی تنظیم کی استطاعت رکھتی ہے اور انہیں کلی افکار یا مجرد افکار میں تبدیل کرنے کی استطاعت بھی رکھتی ہے۔ لیکن عقل کی براہ راست معرفت عالم حس تک محدود ہے اور عالم محسوس آگے اور طبیعیات سے ماوراء کی براہ راست معرفت اس کے مقدور میں نہیں اگرچہ تقابل اور تطابق کے ذریعے اس کے مقدور میں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی بالواسطہ معرفت حاصل کر لے اور اسے ادراک حاصل ہو جائے کہ جملہ

کائنات کا خالق و موجد وہی ہے اور وہ واحد و احد غیر منقسم غیر متحول اور زمانے میں غیر محیط ہے کیونکہ عالم مربوط (Integrated Universe) کا راز عقل واحد اور قانون واحد ہی کھلتا ہے۔ لیکن اس سے ورے جو غیبی اسرار ہیں عقل ان کے ادراک سے عاجز ہے جس طرح روح جیسے غیر مادی امور کا تصور اس کے لیے مشکل ہوتا ہے کیونکہ ہمارے تمام خارجی تجربے مادی اشیاء تک محدود ہوتے ہیں بلکہ وہ زندگی کے بیشتر حقائق کے ادراک سے عاجز ہیں اور کوئی ایسا صاحب علم نہیں ہے جو آج تک کسی کی حقیقت سے آگاہ ہو گیا ہو۔

حیران: واللہ! یہ کتنی عظیم بات ہے۔

الشیخ: اس سے عظیم تر استدلال کے وہ طریقے ہیں جو اکویناس نے اللہ کے وجود کے اثبات میں اختیار کیے ہیں۔ وہ اللہ کے وجود کے اثبات اور اس کے کائنات کو پیدا کرنے کے استدلال میں تین طریقوں پر انحصار کرتا ہے جنہیں غزالی ابن سینا ابن رشد اور متکلمین نے اختیار کیا ہے۔ وہ دلیل حدوث کے متعلق کہتا ہے: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کا اثبات طبعی اسباب سے ممکن ہے۔ پس تمام حرکات سابقہ حرکات اور اپنے سے قبل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان کی نہایت یا تو محرک اول پر جا کر ہوتی ہے یا ایک لامحدود تسلسل کے ساتھ اپنے سے سابقہ حرکات سے پیدا ہوتی رہتی ہیں اور یہ عقلاً محال ہے۔ یہی بات وہ "دلیل وجوب" سے متعلق کہتا ہے یہ کہ اس عالم میں جو کچھ ہے "ممکن الوجود" میں سے ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ حتمی نہیں کہ ہو۔ لازم ہے کہ اس ممکن کا انحصار اس "الضروری" پر ہو۔ جس کا ہونا ناگزیر ہے اور وہ عقل کی رو سے "واجب الوجود" ہے اور وہ اللہ ہے۔ اس طرح وہ "دلیل نظام" سے متعلق کہتا ہے کہ اس عالم میں ان گنت شواہد ہیں جو اس میں نظام کی نشاندہی کرتے ہیں حتیٰ کہ جمادات میں بھی جو ایک منظم طریقہ سے حرکت کرتے ہیں۔ اس نظام و استحکام کا ہونا اس قوت عاقلہ کے بغیر کیسے ممکن ہے جو ان اشیاء کی خالق ہو۔ اس کا کہنا ہے "یہ ہماری پہنچ میں ہے کہ ہم طبعی فہم کے طریقوں سے معرفت حاصل کر لیں کہ اللہ موجود ہے اور یہ کہ وہ واحد ہے کیونکہ اس کا وجود اور اس کی وحدانیت عالم کے عجائب اور اس کے حسن تنظیم میں جھلک رہی ہے"۔

اگرچہ اکویناس جب ایک معین زمانے میں اللہ کے عالم کو تخلیق کرنے پر اور "عدم الترک" میں فلسفیوں کے اشکال پر بحث کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ عقل اس کے تصور سے عاجز دکھائی دیتی ہے تو وہ اپنی رائے میں تردد کا شکار ہو جاتا ہے تاہم وہ غزالی کے ساتھ ہم خیال اور اس کی رائے کے ساتھ حرف بحرف متفق ہو جاتا ہے جب کہتا ہے: اس امر میں بحث بے معنی ہے کیونکہ عالم سے قبل زمانے کا کوئی تصور حرکت و تغیر کے بغیر ممکن نہیں بلکہ وہ جیسے اس قول میں کہ عالم اس وقت پیدا ہو جس وقت وہ ارادہ قدیمہ کے ساتھ پیدا کیا گیا غزالی کے دوش بدوش کھڑا نظر آتا ہے وہ کہتا ہے "تخلیق کا عمل اگرچہ وہ ازلی ہو ارادہ پر ہی منحصر ہے اور کائنات کی تخلیق کے وقت کا تعین اللہ کے ارادے کے ساتھ ہی تھا۔

حیران: شیخ محترم! یہ عظیم بات ہے مجھے یہ کچھ سننے کی امید نہ تھی۔ میں تو پڑھا کرتا تھا کہ تو ماس اکویناس ابن سینا غزالی اور ابن رشد کی آراء کا ناقد ہے وہ ان آراء پر کیسے تنقید کرتا ہے جنہیں وہ حرف بحرف اخذ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

الشیخ: تو ماس اکویناس مسلمان فلاسفہ پر بعض امور میں تنقید کرتا ہے مگر وہ بصراحت اعتراف کرتا ہے کہ اس نے ابن سینا غزالی اور ابن رشد سے اقتباس کیا ہے۔ اور یہاں ہم اس مخلص کے محض فلسفیانہ اقوال کا ذکر کر رہے ہیں جن میں وہ اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے بارے میں ایک ہی طرح کے دلائل کے ساتھ عقل سلیم کے طریقوں سے جن کو اس نے نہایت مضبوطی سے تھام رکھا تھا ان تین فلسفیوں کے ساتھ حق پر متفق ہے ان طریقوں سے اس کے تمسک کی وجوہ کی تفصیل میں ہم نہیں جانا چاہتے۔ تم انہیں اس کی بڑی کتاب کے مطالعہ سے سمجھ لو گے اور دیکھ لو گے کہ تجدید میں اس کی صراحت کس حد تک عقل پر منطبق ہوتی ہے اور کس حد تک ان امور میں منطبق نہیں ہوتی جن کے باعث وہ اپنے اہل مذہب میں تنقید کا نشانہ بنا۔ اس گفتگو میں ہمارے پیش نظر ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ تمہیں دکھاؤں کہ تمام مذاہب میں تمام سلیم عقلیں خالص عقلی نظریہ کی راہ میں جو خواہشات کے کانٹوں سے پاک ہو اللہ کے وجود کے اثبات پر متفق ہیں اور اس صریح اقرار میں متفق ہیں کہ وہ واحد ہے، احد ہے غیر منقسم اور غیر محول ہے اور استدلال کے طریقوں میں اس حق پر متفق ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔

★ ★ ★

اختلاف الحظوظ

(نصیبوں کا تفاوت)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران شیخ محترم! آپ نے جملہ مسلمان فلاسفہ کا ذکر کیا ہے ماسوائے المعری کے۔ کیا آپ ابوالعلاء معری کے بارے میں گفتگو کا ارادہ نہیں رکھتے؟

الشیخ میں ابوالعلاء کا ذکر کیوں نہ کروں حالانکہ میرے پاس بیت القصید (منتخب کلام) ہے جس کا نصف حصہ ابوالعلاء کے ذکر پر مشتمل ہے لیکن میں اس کا ذکر بطور فلسفی نہیں کروں گا کیونکہ فلسفہ کے بڑے مسائل میں اس کی مفصل اور مدلل رائے سے میں واقف نہیں کہ اس کی وضاحت کروں۔ اگر ہم اس لفظ (فلسفہ) کے لغوی معنی لیں تو ابوالعلاء کو فلسفی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ فلسفی لغت کے مطابق ''محبِ حکمت'' ہے اور معری بلاشبہ حکمت سے محبت رکھتا تھا اگرچہ وہ اپنی اس محبوبہ کو وہ خدمت پیش نہیں کر سکا جو اس کی کامل خوش نودی کا باعث بنتی اور اگر ہم فلسفہ کو صحیح اصطلاحی معنی میں لیں تو ہم ابوالعلاء کو فلاسفہ کی صف میں شمار نہیں کر سکتے کیونکہ فلسفی کا نام حقیقتاً اس شخص پر منطبق ہوتا ہے جو معرفت پر مبنی خالص عقلی سوچ رکھتا ہو اور فلسفہ کے بڑے بڑے مسائل میں یا ان میں سے بعض میں بحث کی صلاحیت رکھتا ہو اور ان میں واضح اور فیصلہ کن فلسفیانہ رائے قائم کرنے کے قابل ہو۔ فلسفے کا کوئی شائق اپنے اندر اگر اتنی استطاعت پیدا کر لے تو وہ حقیقی اصحاب فلسفہ میں شمار ہو گا قطع نظر اس سے کہ اس کی رائے صحیح ہو یا غلط اور جو شخص فلسفہ میں بعض مسائل پر متفرق آراء کا حامل ہو وہ نصف فلاسفہ میں شمار کیے جانے کا مستحق ہے۔

ابوالعلاء معری میری نظر میں نصف فلاسفہ میں سے ہے۔ اس کی ایک عقلی سوچ ہے جو معرفت کے سوا کسی دیگر شے پر مبنی ہے اور بہت سے فلسفیانہ مسائل میں اس کی متفرق آراء ہیں جن کا اظہار اس نے غیر مرتب، غیر مربوط اور غیر محقق طور پر بغیر کسی دلیل کے کیا ہے۔ ابوالعلاء دنیا میں زاہد تھا، تہی دست تھا بلکہ دنیا کی نعمتوں اور اس کی مسرتوں سے محروم تھا۔ زندگی میں بدنصیبی نے اسے زیادہ تر حیرت، قلق اور شک ہی کا وارث بنایا اور اپنی اذیت سے راحت پانے کے لیے اس کے پاس شکوہ، تمسخر اور طنز کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسے اپنے مغموم اور نفرت بھرے دل میں جو خیال بھی آیا اس نے اسے شعر کی صورت میں ڈھال دیا اور شعر کو اس نے طرز تزئین اور فن آرائش سے مزین کیا تاکہ اس کے شوق شہرت کی جبلت کو تسکین حاصل ہو اور اس کے لغت اور ادب میں ید طولیٰ رکھنے اور فلسفہ کے عارف ہونے کی دلیل ہو۔ لہٰذا اس کا دیوان اس کے مافی الضمیر کی سچی

تصویر کے ساتھ اپنے اندر رنج و غم، نفرت، حیرت، طنز و تمسخر اور زہد میں مستور جاہ طلبی اور جاہ طلبی پر لپٹا ہوا زہد، شک کے ساتھ لوٹا ایمان اور ایمان کے ساتھ بندھا ہوا شک لے کر آیا۔

یہ درست نہیں کہ جو شخص بھی اپنے دل میں گزرنے والے خیالات پر مشتمل شعر میں شک کے ساتھ اپنی زبان ہلا دے جو دلیل پر مبنی منظم فلسفیانہ بحث کے ساتھ لگا نہ کھاتی ہو ہم اسے فلاسفہ میں شمار کر لیں۔ شکوک، زندگی کی مشکلات و مصائب میں اکثر لوگوں میں در آتے ہیں اور کثیر عقلوں کو متاثر کر دیتے ہیں لیکن ہر وہ شخص جسے شک لاحق ہو گیا ہو یا بدنصیبی نے اسے دکھ دیا ہو اور اس کی ذات پر شومئی قسمت کا بادل چھا گیا ہو اسے یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کائنات کے بڑے بڑے حقائق سے متعلق اپنے مافی الضمیر کو شعر کی زبان میں کسی بحث، غور و فکر، تعلیل و دلیل کے بغیر اپنے رائے کی بنیاد بنا لے۔ اور جو شخص لوگوں کے درمیان اپنی تنگ دلی کے باعث شکوک و آلام کی حالت میں پایا جائے اور وہ شکوک و آلام کو ایمان کے ملغوبے کے ساتھ لوگوں میں شعروں کی صورت میں پھیلائے تو کیا وہ اس کا مستحق ہے کہ اسے ان افراد میں شامل کر لیا جائے جنہوں نے اپنی عمریں منظم، مجرد اور خالص عقلی سوچ و فکر میں کھپا دی ہوں۔ نیز انہوں نے لوگوں کے سامنے واضح، صریح، مرتب اور ہمہ پہلو مربوط فلسفہ پیش کیا ہو جس کے نتائج صاف و شفاف ہوں جو یکسو ہوں اور برہان پر مبنی ہوں۔

جب ہم ابوالعلاء کے دیوان اور رسالہ ''الغفران'' اور ''الداعی الدعاۃ'' کے جوابات پر غور کرتے ہیں اور یہی وہ سب کچھ ہے جس سے ہم اس کی آراء اخذ کر سکتے ہیں، تو ہم اس کی مبنی بر دلائل و علل مربوط، منظم اور صریح رائے نہیں دیکھتے، نہ معرفت کی بحث میں نہ وجود کی بحث میں، نہ روح کی بحث میں اور نہ اخلاق و اجتماع میں بلکہ ہم اسے مایوس، افسردہ خاطر، ترش رو اور مردم آزار ہی پاتے ہیں جو شک و یقین کے درمیان متردد ہے۔

اور میں اس مایوسی کے اسباب کے بیان میں طوالت سے بچنا چاہتا ہوں جس میں یہ شخص ڈوبا ہوا تھا کیونکہ تم جانتے ہو کہ یہ مایوسی بہت سارے خوش حال نعمت یافتہ، دانا و بینا لوگوں کو لاحق ہو جاتی ہے ان پر نازل ہونے والی مصیبت کے باعث یا کسی امید کے بر نہ آنے پر، تو تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنے سینے میں عبقریوں میں شمار ہونے کی آرزو اور جابروں کا سا دل رکھتا ہو جب کہ اس نے ابتدائی زندگی ہی سے خود کو بینائی سے محروم، قبیح شکل

گوشہ نشینی پر مجبور' چلنے پھرنے سے محروم' بد بختی کا شکار' زہد میں پناہ گزین' بزرگی سے دور' لوگوں سے ناامید اور اللہ کی رحمت سے مایوس پایا؟

فطری امر تھا کہ یہ سب کچھ ابوالعلاء میں شک پیدا کرنے پر منتج ہوتا۔ زندگی میں شک قسمتوں کے اختلاف سے لاحق ہوتا ہے' جس سے تقدیر کے اسرار میں غور کرنے والوں میں صرف صدیقین ہی نجات حاصل کر پاتے ہیں۔ کیونکہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کے وجود کی گواہی دیتا ہے۔ لیکن شک زندگی کی نعمتوں' صحت و مرض' فقر و غنا' عزت و ذلت اور عمر کی کمی بیشی وغیرہ کے ساتھ ہماری قسمتوں کے اختلاف کے باعث در آتا ہے۔

اے حیران! اس کو ہمیشہ یاد رکھو اور ہرگز نہ بھولو میں تمہارے ساتھ دوبارہ اس موضوع کی طرف رجوع کروں گا جب اللہ نے توفیق دی تاکہ تمہیں واضح کروں کہ جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے وہ اللہ کے وجود کی گواہی دیتا ہے۔

حیران: لیکن ابوالعلاء کو شک کس حد تک لاحق تھا؟

الشیخ: اب ابوالعلاء سے متعلق میری گفتگو میں بقیہ راز کا مرحلہ ہے۔ میں نے اس کے شک کا سبب بتایا ہے جو تمام مایوس لوگوں کو لاحق ہو جاتا ہے۔ اب میں اس کے ایمان کی حقیقت کھولوں گا جو تمام سلیم عقلوں کو لازم ہوتا ہے۔ بلاشبہ ابوالعلاء معری نے ماسوائے ایک امر کے ہر شے میں شک کیا ہے۔ جس امر کے بارے میں اس کی عقل پر شک کا کبھی گزر نہیں ہوا وہ ہے اللہ تعالیٰ کا وجود' اس کے خلاف کہنے والے کی کبھی تصدیق نہ کرنا۔ معری نے قضا و قدر' ارادہ کے اختیار' حکمت تخلیق' حقیقت روح اور بعث کی کیفیت میں تردد کا اظہار کیا ہے لیکن اللہ کے وجود پر اپنے ایمان کو اس نے مضبوطی سے تھامے رکھا۔ کیونکہ اس کی عقل سلیم نے برہان کے ساتھ اس یقین کی طرف رہنمائی کی جس سے سلیم عقلوں کے لیے' خواہ وہ ذات احدیہ کی حقیقت کے ادراک' حدوث و قدم اور عدم سے وجود اور زمان و مکان کے تصور سے جس قدر بھی عاجز رہ گئی ہوں اور قسمتوں کے اختلاف اور راز تقدیر کے اخفا کا پیدا کیا ہوا شک خواہ کتنا ہی زور لگائے' مفر ممکن نہیں۔ یہ ہے اس چیز کی حقیقت جس کا نام معری کا فلسفہ رکھ دیا گیا ہے اور اگر تم خود اس کے بارے میں تحقیق کرنا چاہو تو اس کے دیوان کی طرف رجوع کرو اور اس کے اقوال جمع کرو اور انہیں ان کی اقسام کے مطابق

الگ الگ مرتب کرو' ان کے مابین تقابل کرو' بہ نظر تعمق دیکھو تو تمہیں واضح ہو جائے گا کہ یہ وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

حیران: شیخ محترم یہ عجیب بات ہے' جہاں تک میں نے لوگوں کو ابوالعلاء سے متعلق گفتگو کرتے سنا ہے یا جس نے اس کے متعلق لکھا یا جس نے اس کی شاعری کا حوالہ دیا ہے اس سے اس کے ایمان باللہ کی ضعف کی نشاندہی ہوتی ہے۔

الشیخ: اس کا باعث لوگوں کا ابوالعلاء کے شعر شوق کے ساتھ پڑھنا ہے' اس کے ہر شعر میں کچھ نہ کچھ مقدر کا شکوہ یا اس پر احتجاج' تعجب اور اس کی حکمت میں شک ہوتا ہے۔ یہ بھی زندگی میں قسمتوں میں اختلاف کے اثر سے ہے۔ ہر وہ شخص جس کی اپنی ذات اس کے اہل خانہ' اولاد اور احباب میں سے کسی پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اسے اپنی شومئی قسمت کا شکوہ کرنے میں لذت محسوس ہوتی ہے تاکہ اسے اس باب میں شعروں کے تکرار کے ساتھ اپنی اذیت سے افاقہ ہو۔ لیکن اس قسم کے مفرد اشعار کہنے والا کوئی شخص جب اپنی زندگی کے مصائب میں سے کسی مصیبت میں افاقہ حاصل کرنے کے لیے اس طرح کے اشعار کہتا ہے تو ان کی بنیاد پر اس کے کفر و شرک کا حکم لگا دینا درست نہیں بلکہ ضروری ہے کہ ہم وہ سب کچھ جمع کریں جو شاعر نے اس باب میں کہا ہے اور اس میں بہ نظر عمیق غور کریں تاکہ صحیح اور قطعی رائے قائم کر سکیں اور اگر ہم ابوالعلاء کو فلاسفہ میں شمار کرنا چاہیں اور المعرفت اور الوجود میں اس کی رائے کو انہی کے شعر میں اور اس کے مضمرات میں تلاش کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ اس شخص کو مایوسی نے شک و تردد کی طرف دھکیل دیا تھا مگر وہ اسے ثقاہت عقلی اور ایمان باللہ سے خارج کرنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہوئی۔ ایسا صرف عقل کی بنیاد پر ہے اور تم اس حقیقت میں کوئی شبہ نہ کرو جب تم اسے یہ کہتے ہوئے سنو اور کیسی سچی بات کہتا ہے۔

ولیس یظلم قلب ۰ وفیه للب جذوة

(وہ دل کب تاریک ہوتا ہے جس میں عقل کا شعلہ موجود ہوتا ہے۔)

ہاں اے حیران! اس شخص کا دل تاریک نہیں ہوتا جس کے سر میں عقل سلیم کی چنگاری موجود ہو اور ابوالعلاء اس عقل میں نہایت پختہ تھا۔ اسے عقل پر عظیم اعتماد تھا اور وہ ہر اس رائے کا

باغی اور ہر اس خبر کا منکر تھا جس کی عقل کے قطعی فیصلے سے نفی ہوتی ہو- جیسا کہ تمہیں اس کے اس قول سے واضح ہوگا۔

فلا تقبلن ما یخبرونك ضلة
اذا لم یوید ما اتوك به العقل

(کسی گمراہ کن خبر کو مت قبول کر جب تک کہ عقل اس کی تائید نہ کرے-)

وقولہ۔

و ما تریك مرائی العین صادقة
فاجعل لنفسك مرآة من الفکر

(آنکھ کی بینائی جو کچھ سچ بنا کر دکھائے تو تو اسے اپنے لیے غور و فکر کا آئینہ بنا-)

وقولہ۔

سأتبع من یدعو الی الخیر جاهدا
و ارحل عنه ما امامی سوی عقلی

(میں اس کی پیروی میں سر توڑ کوشش کروں گا جو مجھے خیر کی طرف بلائے گا اور جب میرے سامنے میری عقل کے خلاف کوئی بات ہوگی تو میں اس سے جدا ہو جاؤں گا-)

اور اس عقل کے ساتھ یہ محروم و صابر عبقری ایمان لے آیا' اللہ کے وجود پر اور اس پر کہ اللہ سبحانہ' الالہ' الواحد الاحد' الاول' الازلی' السرمدی' العلام' القادر' المصور' المبدی' المعید ہے اور اس کی مثل کوئی شے نہیں- کیا ہمارے لیے اس کامل و اکمل ایمان میں شک کی کوئی گنجائش ہے؟ جب ہم ابوالعلاء کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں۔

بواحدیة العلام دنیا   تدعنی اقطع الایام وحدی

(میں العلام کی وحدانیت کے جوار میں ہوں' مجھے رہنے دو کہ میں تنہا ہی دن گذاروں-)

گویا وہ ہمیں اللہ اور اس کی وحدانیت پر اپنے ایمان کا اشارہ دے رہا ہے کہ اللہ اور اس کی وحدانیت نے اسے لازم کیا ہے کہ وہ اکیلا' تنہائی' وحشت و افسردگی میں رہے اور ہم اسے یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں۔

یموت قوم و رله قوم   و یثبت الاول العزیز
یجوز ان تبطی المنایا   و الخلد فی الدهر لا یجوز

(قوم کے بعد قوم موت کا لقمہ بنتی رہتی ہے اور باقی رہنے والا اول العزیز ہی ہے- چاہیے کہ موتیں آہستہ آہستہ آئیں زمانے میں دوام تو ہے ہی نہیں)

اور ہم اسے اللہ کی قدرت سے متعلق کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ وہ مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور بے جوہر مردہ مادہ سے جوہر حیات ایجاد فرماتا ہے- پھر جب چاہتا ہے اس سے جوہر نکال لیتا ہے اور وہ اس کی قدرت سے بے جوہر مردہ بن کر لوٹتا ہے-

حیران لیکن میرے آقا! مجھے تو اس کے کلام سے یہ یاد ہے۔

قلتم لنا خالق علیم   قلنا صدقتم کذا نقول
زعمتموه بلا مکان   و لا زمان الا فقولوا
هذا کلام له خبی   معناه لیست لنا عقول

(تم نے ہمیں یہ کہا کہ وہ خالق ہے اور علیم ہے- ہم نے کہا تم سچ کہتے ہو' ہم بھی ایسا ہی کہتے ہیں تم نے اسے لامکان و لازمان خیال کیا- ہاں اس کے متعلق یہ کلام اخفا میں ہے- جس کا معنی ہماری سمجھ میں نہیں آتا)

شیخ محترم! کیا یہ کلام اس کی ضعف ایمانی پر دلالت نہیں کر رہا-

الشیخ اے حیران! مجھے اس پر کوئی تعجب نہیں کہ تمہیں یہ یاد ہے اور تمہیں اس کا یہ قول یاد نہیں۔

و اللّٰه اکبر لا یدنو القیاس له
و لا یجوز علیه کان او صارا

(اللہ بہت بڑا ہے قیاس کی اس تک رسائی نہیں اور نہ ہی اس پر "کان" یا "صارا" کا اطلاق ہوتا ہے)

تم نوجوان لوگ ہمیشہ ہر اس چیز کے شائق ہوتے ہو جو شک کی طرف لے جائے مگر مجھے حیرانی ہے کہ تم کیوں نہیں سمجھ پائے- حالانکہ زمان و مکان کے معنی کے تصور میں عقل کی کوتاہی و عجز پر طویل گفتگو تمہارے ساتھ ہو چکی ہے- ان اشعار سے معری کا مقصد زمان حادث جس سے قبل کوئی زمان نہ تھا اور مکان حادث جس کا تخلیق عالم سے قبل کوئی وجود نہ تھا کے معنی کے تصور میں اپنی عقل کے عجز کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ غزالی نے کہا ہے اور عقل کے عجز کا یہ اشارہ اللہ تعالیٰ

کے وجود سے انکار کی ہرگز نشاندہی نہیں کرتا جس کے بارے میں ابوالعلاء کا ادراک یہ ہے کہ۔

اکبر من ان یدنو القیاس لہ　　ولا یجوز علیہ کان لو صارا

یعنی اس کے وجود ازلی کا قیاس اجسام محدثہ کے وجود پر نہیں کیا جا سکتا جن کا حدوث لازماً مکان و زمان کے ساتھ لازم ہے۔ اگر ان کا حدوث نہ ہوتا تو زمان و مکان کا کوئی وجود نہ ہوتا اور نہ ہی ان کے معانی کا تصور ممکن ہوتا۔ اس طرح مردوں کے جی اٹھنے کے بارے میں اس کی رائے کا کھوج کیونکہ شک و تشکیک کے شائق تو اس کا صرف یہ قول یاد رکھتے ہیں۔

تحطمنا الایام حتی کاننا　　زجاج ولکن لا یعاد لنا سبک

(زمانہ ہمیں توڑ دیتا ہے گویا ہم شیشہ ہوں لیکن پگھلا کر ہمیں شکل و صورت میں ڈھال کر لوٹاتا نہیں۔)

لو کان جسمک متروکا بہیئتہ　　بعد التلاف طمعنا فی تلافیہ

(اگر تیرا جسم تلف ہونے کے بعد اسی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو ہمیں اس کی تلافی کی امید ہوتی۔)

مگر اس کے یہ قول ہرگز نہ یاد رکھیں گے۔

اذا ما اعظمی کانت ہباء　　فان اللہ لہ یعییہ جمعی

(جب میری ہڈیاں گرد و غبار بن جائیں گی تو اللہ ان کو جمع کرنے میں عاجز نہ ہوگا۔)

و متی شاء الذی صورنا　　اشعر الموت نشورا فانتشر

(جب ہماری صورتیں بنانے والے نے موت کو نکل جانے کا حکم دیا تو وہ نکل جائے گی)

قد یمکن البعث ان قال الملیک بہ
و لیس منا الدفع الحشر امکان

(اگر ملیک (اللہ) نے حکم دیا تو مردوں کے زندہ ہو کر اٹھنے کا امکان ہے اور ہم حشر کو دور کر سکیں اس کا کوئی امکان نہیں)

و اعجب ما نخشاہ دعوۃ ہاتف
اتیتم فہبوا یا نیام الی المحشر
فیا لیتنا عشنا حملۃ بلا ردی
ید الدھر او متنا مماتا بلا نشر

(بڑی عجیب بات ہے کہ ہم آواز غیب سے نہ ڈریں جو تم پر پڑے گی کہ اٹھو حشر تک سونے والو!

اے کاش! اگر ہم دست دہر کی ہلاکت سے بچ کر زندہ رہتے یا ایسی موت مرتے کہ پھر اٹھنا نہ ہوتا۔)

اور مومن خائف کی زبان سے نقل ہوئی یہ بات:

و ان کان نقلی من الدنیا یعود لی
خیر و لرحب فانقلنی علی عجل
و ان علمت ما لی عند آخرتی
شرا و اصیق فانساء رب فی الاجل

(اگر دنیا سے میرا انتقال خیر و بھلائی کی طرف ہے تو مجھے جلد منتقل فرما دے۔ اور اگر تیرے علم میں میرا انجام آخرت میں برا ہے تو اے میرے رب میری اجل کو ٹلا دے۔)

یہ کسی انصاف پسند انسان کے لیے مناسب نہیں کہ اس شخص کی رائے کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے شک و گمان کی طرف تو اس قدر بڑھے مگر جہاں دلیل کے ساتھ ایمان ہو اس سے کنی کترا جائے۔ حق کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کے جملہ اقوال کو بغور دیکھیں اور دلیل کے ساتھ ان میں سے منتخب کریں۔ اس کے قول "لا یعاد لنا سبک" اور اس کے مماثل اقوال کو انکار بعث پر محمول کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اس لحاظ سے کہ انہیں ان علماء کی رائے کی طرف پھیرا جائے جنہوں نے کہا کہ مردوں کا جی اٹھنا تخلیق جدید کے ساتھ ہوگا۔ لیکن اس کا قول، وہ ہستی جس نے ہماری صورتیں بنائی جب چاہے گا تو مردوں کو زندہ ہو جانے کا حکم دے گا تو زندہ ہو جائیں گے۔

(اپنی گہرائیوں میں بعث اجسام کے امکان پر برہان عقلی کا حامل ہے اس ہستی کی قدرت کے ساتھ جس نے اسے خلق کیا اس کی صورت بنائی اور اسے بار اول پیدا کیا)۔ اے حیران! غور کرو اس کا ایسا ہی قول روح کے بارے میں ہے۔

اما الجسوم فللتراب مآلہا　　وعییت الارواح انی تذہب

(جسموں کا انجام مٹی ہو جاتا ہے اور روحوں کے بارے میں جاننے سے عاجز ہوں کہ کہاں چلی جائیں گی۔)

روح اذا اتصلت بجسم لم یزل
ہو و ہی فی مرض الفناء المکمد
ان کنت ریح فاریح اسکنی

او کنت من النار فیہا نار احمدی

(روح جب جسم سے ملتی ہے تو وہ اور یہ دائما مرض فنا کے باعث مغموم رہتے ہیں - اے روح! اگر تو ہوا ہے تو اے ہوا تو رک جا اور اگر تو آگ ہے تو اے آگ تو بجھ جا -)

ان یصحب الروح عقلی بعد مظعنہا
لـلـمـوت عنی فاجدر ان تری عجبا
و ان مضت فی الھواء الرحب ہالکۃ
ہلاک جسمی فی تربی فواشجبا

(میری روح اگر موت کے لیے روانگی کے بعد میری عقل کے پاس رہے تو بہت خوب اور اگر وہ فضائے بسیط میں ہلاک ہو کر رہ جائے تو قبر میں میرے جسم کی ہلاکت پر ہائے افسوس!)

یہ وہ سب اقوال ہیں جن کے ساتھ اس شخص کے ایمان میں کوئی نقص نہیں آتا اور نہ ہی اس بات کا کوئی امکان ہے کہ ہم ان سے اس اشارہ کے سوا کچھ سمجھیں کہ روح جسم کے علاوہ کوئی دیگر چیز ہے اور وہ اس سے ملتی ہے تا کہ وہ قید کی تکلیف برداشت کرے اور یہ زندگی کی تکلیف برداشت کرے - ابوالعلاء کو ادراک نہیں تھا کہ روح کیا ہے؟ آیا روح جسم سے الگ وجود کی حامل ہے یا یہ کہ وہ زندگی کے دوران جسم کا وظیفہ ہے اور اس کی موت کے ساتھ مر جاتی ہے - ابوالعلاء کو شوق مروض کی کشش تھی اور وہ زندگی کو ہوا یا آگ فرض کرنے پر مجبور ہوا - جیسا کہ دوسروں نے گمان کیا تھا تا کہ اس کے ساکن ہونے یا بجھ جانے کی آرزو کرے - اور یہ سب کچھ تم اس کی رائے کو جس رخ سے بھی دیکھو ایمان میں کوئی رخنہ نہیں ڈالتا - کیونکہ ہم روح کی حقیقت سے ناواقف ہیں - اور ہم پر لازم نہیں کہ اس کے بارے میں سوائے اس کے کچھ کہیں کہ وہ اللہ کے امر سے ہے -

اے حیران! جب تم نے معری کے کلام کو بنظر غائر دیکھ لیا اور اس شخص کا اللہ کی جناب میں تذلل و خضوع کے ساتھ بے دریا جھکنا جان لیا تو تمہیں یقین ہو جائے کہ ابوالعلاء اپنی مایوسی اور زندگی کے شدائد کے ساتھ اور مقدر کے اسرار میں اپنے تعجب کے باوجود مومن ہی تھا - بلکہ سب سے زیادہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر سچا ایمان رکھنے والا اور اس کی آزمائش پر سب سے زیادہ صبر کرنے والا تھا -

***

تلاقی العباقرہ

(عباقرہ کی ہم آہنگی)

(۱)

toobaa-elibrary.blogspot.com

نمازِ عشاء کے بعد میں مقررہ وقت پر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا' دیکھا کہ شیخ نے اپنے سامنے ایک بڑا ورق پھیلا رکھا ہے جو کالموں میں تقسیم ہے اور اس میں شیخ دائیں اور بائیں کے متقابل فقرات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور ان کے نیچے خطوط کھینچ رہے ہیں۔ میری نظر غزالی' ابن طفیل اور دیگر عربی ناموں پر پڑی جن کو انگریزی ناموں کے بالمقابل کر رہے تھے' میں شیخ کے کام میں مخل ہوئے بغیر خاموش ان کے سامنے فرش پر اپنا رجسٹر کھول کر بیٹھ گیا۔

مختصر وقفے کے بعد شیخ الموزون نے اپنا سر اٹھایا اور مسکراتے ہوئے کہا: الحیران کے لیے اھلا۔

میں نے پوچھا اس تعریف سے میرے آقا کی کیا مراد ہے؟ میں اس قدر حیرت زدہ نہیں ہوں جتنا اس دن تھا جب میں شیخ کے پاس آیا تھا اگرچہ بعض تصورات میں میری فکر متردد ہے۔

الشیخ: ہاں ہاں! مجھے معلوم ہے کہ یہ تردد نا گزیر ہے' لیکن میں نے تمھیں الحیران اس لیے کہا ہے کہ میں نے تمھیں اپنے فعل پر متحیر پایا۔

حیران: ہاں! جب میری نظر اس نقشے پر پڑی تو مجھے حیرت ہوئی' کیا غزالی اور ابن طفیل پر دوبارہ گفتگو ہوگی؟

الشیخ: ہرگز نہیں' مگر یہ تقابل ہے جو تمہارے لیے تیار کر رہا ہوں۔ یہ تقابل ہے ان مسلمانوں کے اقوال اور ان کے پانچ سو سال بعد مغرب کے عبقری فلاسفہ کے اقوال کے مابین۔

حیران: میرا گمان درست نکلا کہ آج شیخ فلسفہ کی اٹھان (نہضت) کے بارے میں گفتگو فرمائیں گے۔ میں اپنے بعض رفقاء کے ہاں اس نام سے موسوم کتابیں دیکھا کرتا تھا جن کا تعلق آخری زمانہ کے فلاسفہ سے تھا۔ میں ان سے مستعار لے لیا کرتا اور انھیں جاسعہ لاتا تو میرے ساتھ یہ قصے کا سب سے بڑا سبب بن جاتا' کتابیں مجھ سے لے لی جاتیں' انہیں پھاڑ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ ان میں الحاد ہی الحاد ہے۔

الشیخ فلسفہ کی اٹھان کی بات نہ کرو' فلسفہ کی اٹھان تو پہلے ہی تھی بلکہ یوں کہو کہ میدان فلسفہ میں اہل مغرب کی اٹھان۔

حیران۔ میں ان دو باتوں میں فرق کو نہیں سمجھ سکا۔

الشیخ یورپ اور اس کی تاریکی کے حوالہ سے جو یورپ پر محیط تھی یہ کہنا ممکن ہے کہ وہاں پر فلسفہ میں اٹھان ہوئی بلکہ بیداری ہوئی اور گہری نیند کے بعد عبقریوں کی آنکھیں حسب عادت مشرق سے آنے والی روشنی کے ساتھ کھلیں۔ اور اگر تم یہ کہو کہ وہ اہل مشرق کے ساتھ حق پر جمع ہو گئے تو یہ بعید نہیں اور اگر تم میرے ساتھ یہ کہنا پسند کرو کہ انہوں نے اس روشنی سے بہت کچھ حاصل کیا تو یہ زیادہ قرین حقیقت ہے۔

حیران تب تو جناب کا ان اہل مغرب کے فلسفہ پر میرے ساتھ گفتگو کا ارادہ نہیں۔

الشیخ اے حیران! میں ان سے متعلق تمہارے ساتھ گفتگو کیوں نہ کروں حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ تمھیں مرغوب ہے۔

حیران میں نے آپ کو ان سے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے اپنے اقوال کا اقتباس اہل مشرق سے کیا ہے۔ تو میں نے سمجھا کہ آپ ان کی قدر و منزلت گھٹائیں گے تاکہ آپ مجھے ان کے شک والحاد سے متعلق اقوال سے دور رکھیں۔

الشیخ کیا تم نے مجھے شکاک و ملحدین کی رائے کو چھپاتے دیکھا ہے۔

حیران۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ آپ نے جن عظیم فلسفیوں کا زیادہ تر ذکر کیا ہے وہ مومن و موحد ہی تھے۔

الشیخ اس میں میرا کیا گناہ ہے کہ اگر شکاک و ملحدین تعداد میں قلیل ہوں اور ہوں بھی بونے (اصاغر) بہ نسبت اکابر کی کثرت کے اور تم دیکھو گے وہ سب جن کا میں ذکر کرنے والا ہوں ان میں یہی نسبت قائم رہتی ہے اور جب میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ انہوں نے بعض اقوال کا اقتباس اہل مشرق سے کیا ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھیں یہ گمان کیسے ہو گیا کہ میں ان کی قدر و منزلت کم کر رہا ہوں؟ تاریخ فلسفہ ایک سلسلہ سے عبارت ہے جس کے حلقے اس اقتباس کے ذریعے باہم جڑے ہوئے ہیں جو بعد والا پہلے سے حاصل کرتا ہے پھر اس میں تحقیق کرتا ہے تو جسے اس کی عقل نے حق ہونے کا فیصلہ دیا اس سے مطمئن ہو گیا اور اس کے ماسوا کو رد کر دیا۔ جب حق واضح ہو جاتا ہے تو کم ہی عقلیں اس میں اختلاف کرتی ہیں۔ یہ اس راز کی تفسیر ہے جس پر اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے بارے میں مشرق کے مسلمان فلسفی اور مغرب کے عیسائی فلسفی زیادہ تر یکجا

ہو گئے۔

اور برابر ہے یہ موافقت خواہ اقتباس کے باب سے ہو یا حق پر دلوں کے توارد کے باب سے۔ وہ سب جن کا میں ذکر کرنے والا ہوں' عقل کے دفاع' اللہ کے وجود اور اس کی صفات کمال کے اثبات میں باہم متفق ہیں جس سے عقلیں حیرت زدہ ہیں اور سینوں میں کشادگی ہے۔

حیران یہ بات تعجب انگیز ہے۔

الشیخ یہ بات عجیب ہے نہ غریب' میں تمہیں دس عظیم ترین اور معروف ترین فلسفیوں سے متعلق بتاؤں گا جو سارے کے سارے اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ ان میں صرف ایک متشکک ہے اور دوسرا حیرت کا شکار۔ اللہ پر ایمان رکھتا ہے مگر نہیں جانتا کہ کیسے اس کی صفت کرے اور اس طرح تم دیکھو گے کہ اہل ایمان اور شکاک کے مابین نسبت ایک ہی رہتی ہے۔

حیران وہ کون کون ہیں جن کا ذکر شیخ محترم کرنا چاہتے ہیں؟

الشیخ: تم بتاؤ کہ وہ کون ہیں جن کے نام تمہیں محبوب و محترم ہیں۔

حیران میں نے زیادہ تر بیکن' ڈیکارٹ' کانٹ' سپائی نوزا' برگسان اور ڈارون کی شہرت سنی ہے۔ اور میں نے ان کے بارے میں کچھ پڑھا بھی ہے۔

الشیخ میں تمہارے سامنے ان سب یعنی بیکن' ڈیکارٹ' کانٹ' سپائینوزا' برگسان' پاسکل' ملبرانش' لوک' لائبنیز اور ہیوم کا اختصار سے ذکر کروں گا۔ جہاں تک ڈارون کا تعلق ہے اس کے متعلق گفتگو خصوصیت کے ساتھ ہے۔تم دیکھو گے کہ ان دس میں سے آٹھ مسلمان فلسفیوں کے ساتھ جن کا میں نے ذکر کیا ہے ایمان بذریعہ عقل' اللہ کے وجود' اس کی وحدانیت اور اس کے وجود کی دلالت کرنے والے دلائل پر متفق ہیں۔ اور یہ باہمی اتفاق حرف بحرف دکھائی دیتا ہے۔

حیران: میں سنتا ہوں کہ جدید فلسفے کے بانی بیکن نے منطق کا ابطال کیا ہے اور ارسطو پر شدید حملہ کیا ہے۔ آپ کیسے کہتے ہیں کہ وہ عقل کے دفاع میں اولین کے ساتھ متفق ہے؟

الشیخ. فرانسیس بیکن (Francis Bacon: ۱۵۶۱-۱۶۲۶ء) نے احکام منطق کا ابطال نہیں کیا اور نہ ہی ان کا ابطال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ عقل سلیم کے احکام میں لیکن وہ راجر بیکن کا اس کے اس قول کے ساتھ کہ علوم طبیعی میں تجربہ ہی واحد برہان ہے ہم مذہب ہے اور ارسطو پر حملہ آور ہونے میں اس سے متفق ہے۔

حیران' وہ راجر بیکن کون ہے؟

الشیخ: کیا تم نے اس کے بارے میں نہیں سنا وہ ازمنہ وسطیٰ کے علماء میں سب سے زیادہ مشہور فرنسیسکانی انگریزی راہب تھا جو دنیا میں فرانسیس بیکن سے ایک طویل عرصہ قبل آیا تھا لیکن یہ دونوں اشخاص اپنے نام اور وطن کی طرح رائے میں بھی باہم مشابہ ہیں۔ راجر نے اپنے دور کے مروجہ فلسفیانہ طریقہ پر حملہ کیا۔ اور دعویٰ کیا کہ علوم طبیعی میں تجربہ واحد برہان ہے اس نے ارسطو کی منطق کی پرزور تردید کی اور خواہش ظاہر کی کہ اگر اس کا بس چلے تو ارسطو کی کتابوں کو جلا ڈالے اگرچہ وہ خود اپنے کلام میں اس عقلی منطق سے ہرگز بے نیاز نہ تھا نیز اس نے خود اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے' جن کے بارے میں فرانسیس بیکن نے کہا کہ وہ ہمیں خطا کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

لیکن فرانسیس بیکن جو راجر بیکن (Rojer Bacon) سے دو صدیوں سے زائد عرصہ بعد آیا' نے ان آراء کی ابتداء کے طور پر یا راجر کی آراء کو قبول کر کے طبعی علوم میں تجربے کی بات کی اور ارسطو کی منطق کی تحقیر کی اور معلم اول کو قبیح سوفسطائی کہا اگرچہ وہ بھی راجر بیکن کی طرح اس کی منطق سے اخذ کرنے سے بے نیاز نہ تھا۔ اس نے اسباب کو خطا کی طرف کھینچ کر لے جانے والے قرار دیا اور انہیں "اصنام" کا نام دیا اور انہیں بتوں کے ساتھ تشبیہ دی جو ہمیں عبادت حق سے منحرف کرتے ہیں اور اس کے ہاں اسباب کی حقیقت وہی دکھائی دیتی ہے جس کا ذکر اس سے قبل راجر نے کیا تھا یہ کہ وہ ہمیں خطا کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔

مگر فرانسیس بیکن نے مباحث کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اس تجربہ پر جس کی اساس قطعی تحقیق اور دقیق معائنہ پر ہے یعنی استقرائی طریقہ (Induction) جس سے عقل جزئیات سے کلیات کی طرف صعود کرتی ہے بجائے استخراجی طریقہ (Deduction) کے جس سے عقل کلیات سے جزئیات کی طرف نازل ہوتی ہے اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ برہان صاعد اور برہان نازل قدماء کے ہاں معروف تھے اور اس طرح سے احوال فطرت کے مطالعہ کے لیے انسان

نے سب سے پہلے تجربے سے ہی کام لیا لیکن بیکن نے اسے فلسفہ کا رنگ دیا' اسے منظم کیا اس کے خطوط متعین کیے اس کے مراحل مقرر کیے اور اس کے شیڈول وضع کیے۔ مباحث کے طریقوں میں یہ تنظیم اس کے لیے دنیائے فلسفہ میں شہرت کا ستون ثابت ہوئی۔

حیران استنتاج یعنی نتیجہ کے حصول کے لیے جزئیات سے کلیات کی طرف صعود کا یہ منظم طریقہ بلاشبہ طبعی امور اور حسی اشیاء سے متعلق حقیقت تک رسائی کا باعث ہے لیکن ہم اس کا اطلاق ان امور کی معرفت میں کیسے کریں جو محسوس مظاہر سے ورے ہیں۔

الشیخ بیکن کی رائے میں تعلیمات فلسفہ میں پہلا قدم فطرت کا مطالعہ ہے اور اس کے بعد کہ ہم فطرت کے ظواہر کے مطالعہ کو مکمل کریں اور اس کے مخصوص قوانین سے واقفیت حاصل کر لیں' ہمارا عمومی قوانین کے مطالعہ کی طرف منتقل ہونا درست ہوگا جن کے ضمن میں مخصوص قوانین آ جاتے ہیں اور مسلسل آگے بڑھتے رہیں حتیٰ کہ سب سے بڑے عمومی قانون تک رسائی حاصل کریں جو تمام قوانین پر مشتمل ہے اور ان (البدیہیات) تک رسائی حاصل کر لیں جو ہر علم میں صحیح ہوتی ہیں اور ان بدیہیات کے ساتھ ہمارے لیے ان اسباب کا مطالعہ ممکن ہو جائے گا جن سے کائنات وجود میں آئی اور نیز اس طرح بلند پایہ فلسفہ مابعد الطبیعات (Metaphysics) تک رسائی ممکن ہوگی۔

اور جس طرح فرانسیس بیکن' ابن رشد کے ساتھ فلسفہ کے اس جامع نظریہ میں متفق ہے کہ کامل نظم اور جامع قوانین پر مبنی اللہ کی تخلیق کردہ مخلوقات میں موجود اس کی آیات کی (جزیات کے مطالعے) کی راہ اللہ کی معرفت کی طرف جاتی ہے۔ اسی طرح وہ ابن مسکویہ اور ابن طفیل کے ساتھ ان کے اس قول سے متفق ہے کہ عقل کے ساتھ خالص فلسفیانہ سوچ سے اللہ کے وجود کا ادراک ممکن ہے وہ اپنی مشہور حکیمانہ بات کہتا ہے (فلسفہ کا قلیل علم اللہ سے دور لے جاتا ہے اور اس کی کثرت اللہ کی طرف واپس لے آتی ہے۔) راجر بیکن ایمان باللہ اور اللہ سبحانہ کی ذات کی حقیقت کے ادراک سے عجز کے اعتراف میں اپنے ہم عصر توماس اکویناس اور قرآن کریم کے ساتھ متفق نظر آتا ہے جب وہ مکھی کی حقیقت میں غور کرتے ہوئے کہتا ہے "طبیعیات کے علماء

میں کوئی ایسا عالم نہیں پایا جاتا جو ایک مکھی کی حقیقت اور اس کی خصوصیات کی معرفت کی استطاعت رکھتا ہو چہ جائیکہ وہ اللہ کی ذات کی حقیقت کو پائے" گویا وہ اللہ کے اس ارشاد میں نص قرآن تلاوت کر رہا ہو "يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ" (الحج ۷۴) (لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو۔ جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اسے چھڑا نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو اللہ ہی ہے۔) اے حیران! غور تو کرو۔

حیران آقا! یہ عظیم بات ہے۔

الشیخ اے حیران! تم دیکھو گے کہ ڈیکارٹ وغیرہ کے ہاں حق پر اتفاق کتنا عظیم اور کتنا واضح ہے۔

حیران عالم فلسفہ میں ڈیکارٹ بڑی شہرت کا مالک ہے۔ مجھے اس وجہ کو معلوم کرنے کا بڑا شوق ہے جس کے باعث اس کا مسلمان فلاسفہ اور قرآن کے ساتھ اتفاق ہے۔

الشیخ ڈیکارٹ (Rene Descartes، ۱۵۹۶-۱۶۵۰) نے شک سے یقین کا استخراج کیا اور شک سے ہی اس نے اللہ کے وجود کے اثبات اور اس کی صفات کمال کی معرفت کی راہ نکالی ہے۔ وہ اپنے شک اور یقین بلکہ جملہ احوال و اقوال میں غزالی سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ اس نے معرفت کے وسائل میں غور کرنے کے بعد رائے قائم کی کہ وہ حواس خمسہ جن سے ہم محسوسات کا اثر لیتے ہیں اور عقل جس سے ہم معقولات کا ادراک کرتے ہیں' سے عبارت ہیں۔ اس کی رائے میں حواس اکثر ہمیں دھوکہ دیتے ہیں اور عقل اکثر غلطی کرتی ہے' حتیٰ کہ جس چیز کو ہم نے دراصل خواب میں دیکھا ہو سمجھتے ہیں کہ اسے بیداری میں دیکھا ہے اور جہاں تک حواس فریب دیتے رہیں اور عقل خطا کرتی رہے ہمارے پاس حق و یقین کی معرفت میں وثوق و اعتماد کے لیے کوئی ذریعہ باقی نہیں رہ جاتا۔

اور اس شک کے بعد جس کے ساتھ اس نے معرفت کے تمام وسائل کو رد کر دیا

ڈیکارٹ ایک سحر انگیز بیان اور ایک ایسی دلیل اور واضح حجت کے ساتھ جو شک کے بے یقین کی برہان بن گئی غزالی کی طرح یقین کی طرف لوٹا - اس کا قول ہے. میں نے اپنے حواس' عقل اور وجود عالم پر جس قدر بھی شک کیا ایک حقیقت بہر حال میرے لیے باقی رہی جس پر شک کرنا ممکن نہ ہوا - اور شک میں جتنا میں آگے بڑھا اتنا ہی یقین میں اضافہ ہوا اور وہ حقیقت یہ ہے (میں شک کرتا ہوں) اور میں شک کرتا ہوں کے معنی یہ ہیں کہ میں سوچتا ہوں کیونکہ شک ایک سوچ ہے اور سوچ سوچنے والے کے بغیر نہیں ہوتی اور وہ سوچنے وال (میں) ہوں - حتی کہ اگر میں کوشش کروں کہ میں اس میں شک کروں کہ میں سوچتا ہوں تو یہ شک بذات خود دلیل ہے اس پر کہ میں سوچتا ہوں اور اس مرحلہ پر اس نے اپنا وہ مشہور مقولہ وضع کیا (میں سوچتا ہوں تب تو میں موجود ہوں)

اور اس مقولہ کے ساتھ اس نے صحت حواس اور صدق عقل پر اپنی برہان کی بنیاد رکھی اور اللہ تعالی کے وجود کے اثبات تک رسائی حاصل کی اور اس کے کمال کی جملہ صفات جو عقلاً واجب ہیں کی معرفت حاصل کی -

اور اس قاعدہ کے ساتھ ڈیکارٹ نے عقلی اولیات کے وجود کو تسلیم کیا - پھر اس کے بعد وہ حدوث و دلیل وجود کے ساتھ اللہ پر استدلال کی طرف بڑھا جب کہا کہ میرے بے اس قول میں (میں سوچتا ہوں تب میں موجود ہوں) سے انکار کیوں محال ہے - میرے لیے اس کا انکار اس لیے محال ہے کہ وہ بالکل واضح ہے اور ایسے قضیے ہیں جو بروئے عقل اس قضیہ سے کم واضح نہیں - مثلاً ہمارا یہ قول " کوئی شے لاشے سے صادر نہیں ہوتی " اور ہمارا یہ قول " یہ ممکن نہیں کہ نتیجہ مقدمہ سے بڑا ہو اور یہ ممکن نہیں کہ مسبّب سبب سے بڑا ہو " -

ڈیکارٹ ہماری عقلوں میں مرکوز وہ بدیہی ابتدائی قضیوں کے اثبات میں اس یقین تک رسائی حاصل کرنے کے بعد افکار کو تین اقسام میں تقسیم کرتا ہے: اتفاقی یہ براہ راست افکار اور وہ وہ ہیں جو ذہنی عمل کے بغیر براہ راست خارجی اشیاء سے ہمارے ہاں بنتے ہیں - اور مصنوعیہ افکار یہ وہ ہیں جن کو ہم مختلف افکار سے بناتے ہیں اور افکار فطریہ جو ہماری عقلوں میں مرکوز ہوتے ہیں' پھر کہتا ہے کہ پہلی دو قسموں میں احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ ان میں حواس کی غلطیوں یا ان کے وہموں میں سے کوئی چیز سرایت نہ کرے - مگر افکار فطریہ وہ عقل کی سلامتی کی حالت میں خطا سے محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہماری عقلوں کی تکوین کے اساسی جز ہوتے ہیں - اور ہم ان سے اپنے

جملہ یقینی احکام حاصل کرتے ہیں اور اللہ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں - اس کے بعد ڈیکارٹ اللہ کے وجود کے اثبات کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کہتا ہے " میں موجود ہوں' کس نے مجھے ایجاد کیا اور کس نے مجھے پیدا کیا؟ میں نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا - لہٰذا ناگزیر ہے کہ میرا کوئی خالق ہو اور ناگزیر ہے کہ وہ خالق " واجب الوجود " ہو اور وہ کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو جو اسے پیدا کرے یا اس کے وجود کی حفاظت کرے - اور ناگزیر ہے وہ کمال کی جملہ صفات سے متصف ہو اور وہ خالق اللہ ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے " - اس کے بعد وہ اپنی ذات' اپنے وجود اور وجود عالم سے اللہ پر دلیل لیتا ہے اور وہی راستہ اختیار کرتا ہے جو اس سے چار صدیاں پیشتر رئیس ابن سینا نے اختیار کیا تھا - اور اللہ اور اس کے کمال کی صفات سے عقلوں کی صداقت اور ان کے احکام کی صحت پر نیز اپنے وجود اور وجود کائنات پر دلیل لیتا ہے اور کہتا ہے " عقل کی رو سے اللہ کے لیے واجب صفات کمال میں سے اس کی ایک صفت الصدق ہے' اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اللہ سبحانہ نے ہمیں گمراہ کن اور فریب دہ عقلیں عطا فرمائی ہوں لہٰذا ضروری ہے کہ ہمیں وثوق ہو کہ یہ عقلیں جن پر اللہ نے ہمیں پیدا فرمایا ہے صادقہ ہیں - اور ادراک حق کے لیے صالح ہیں اور یہ عقلیں واضح اور جلی ادراک حاصل کرتی ہیں اور وہ بدیہی اوّلیت کی طرح بلاشبہ حق ہی ہوتا ہے - اور ہماری عقلیں جنہیں ہم نے صادقہ اور حقائق اوّلیہ کا ادراک کرنے والی قرار دیا ہے وہی اللہ کے وجود اور اس کے کمال کی صفات کی طرف نیز یہ کہ وہی کائنات کا خالق اور اس کے امور کا مدبر ہے' کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہیں -

اس طرح سے ڈیکارٹ منزلیں طے کرتا ہوا بلند تر ہوتا جاتا ہے' اس نے اپنے وجود اور وجود عالم سے اللہ اور اس کے کمال پر استدلال کیا. پھر اس نے اللہ کے وجود اور اس کی صفات کمال کے ساتھ عقلوں اور وجود عالم کی سچائی پر استدلال کیا اور اس کے بعد اس نے اللہ کی مخلوقات کو اس کے وجود پر دلیل بنایا' اللہ کو اس کی مخلوقات پر دلیل و شاہد بنایا اور بالکل وہی طریقہ اختیار کیا جو ابن سینا نے اختیار کیا تھا جیسا کہ تم نے ملاحظہ کر لیا اور اس سلسلے میں اس پر اللہ کا وہ قول صادق آیا.

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (حم السجدہ ۵۳)

(عن قریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس

میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟)

اللہ نے اسے اپنی آیات دکھا دیں اور حجت بالغہ کی طرف اپنے اس ارشاد میں "اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ" (کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟) اس کی رہنمائی فرمائی جب اس نے کہا: میں نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا ناگزیر ہے کہ میرا کوئی خالق ہو۔ غور کرو......

بعد میں جب نقادوں نے یہ کہتے ہوئے اس پر حملہ کیا کہ اس نے وہ نتیجہ نکالا ہے جس کو اس نے پہلے استدلال میں اس مقدمہ کی اساس کے طور پر ظاہر کیا تھا جس سے اس نے یہ نتیجہ برآمد کیا ہے۔ ڈیکارٹ نے ان سے جواباً کہا: عقل اپنے اولین استدلال میں بدیہی قضیے پر انحصار کرتی ہے اور اپنی ذات کو بلا تفکیر اس میں فرض کر لیتی ہے کیونکہ عقلی (نفسی) وجود بدیہی قضیہ ہے۔ مگر استدلال ثانی میں عقل جب اس کے لیے ممکن ہوتا ہے کہ وہ اس سبب پر جس کے باعث اس پر ادراک و فیصلہ کے لیے بطور وسیلہ انحصار کیا جاتا ہے ثبوت لائے تو ثبوت میں وہ اپنے استخراج پر اعتماد کرتی ہے۔ گویا وہ ان سے کہہ رہا ہو میں نے اپنی ذات میں اللہ کی آیت واضح طور پر دیکھی ہے پھر میں نے اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات کمال کے ساتھ دیکھا ہے جو میری عقل کی صحت پر شاہد ہیں جس کے ساتھ میں نے حق کی معرفت حاصل کی ہے۔ پس میرے لیے ہر چیز پر اللہ کی شہادت کافی ہے۔ اور اے حیران! غور کر، یہ آیت کا مفہوم ہے۔

حیران: واللہ! یہ تو عظیم بات ہے آقا! مزید فرمائیے۔

الشیخ: تیرے لیے میں اس پر کیا اضافہ کروں، اضافہ تمہیں ہرگز پسند نہ آئے گا کیونکہ وہ اس صورت کے حسن کو تیری نظر میں گہنا دے گا جو تم نے اس بلند مرتبہ عقل میں دیکھی ہے۔

حیران: کیسے؟

الشیخ: عقل سلیم کا حال یہ شخص منطقی بنا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنا کچھ فکر میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ احتیاط بھول جاتا ہے جس کی ہدایت الافکار المباشرہ اور الافکار الصناعیہ کے مسالک میں ہمیں کی تھی۔ اور جس وقت تخلیق عالم، کیفیت حیات اور جسد مادی کے ساتھ عقل روحانی کے اتصال کی تفسیر کرتا ہے تو اوندھے منہ جا گرتا ہے جس طرح کہ سخت پتھریلی زمین پر گھوڑا

اوندھے منہ گرتا ہے۔ اس کا زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مادہ کو اجزاء میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے کوئی بڑا ہے اور کوئی چھوٹا، پھر ان میں مختلف اطراف سے حرکت ڈالی اور وہ دوڑے اور باہم ٹکرائے، ان میں سے کچھ باہم جڑے اور مجتمع ہو کر ڈھیر بن گئے اور ان میں سے کچھ ذرات اور گرد و غبار میں تبدیل ہو گئے۔ بڑے تودوں سے مٹی بن گئی اور ذرات سے ہوا بن گئی اور گرد و غبار سے اثیر (ایتھر) بن گیا اور دیگر سے آگ، سورج اور ستارے بن گئے... کیا جمال ہے اس خیال میں ...اور اس کا زعم ہے کہ زندگی کی اصل خون ہے.... اور خون کے دل تک پہنچنے کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ خون اپنی حرارت کے ساتھ شدید گرم ہو جاتا ہے اور بخارات بن کر پھیپھڑوں کی طرف بلند ہوتا ہے۔ پھر ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور دل کی طرف لوٹتا ہے ... دوران خون کی کیا خوب علت بیان کرتا ہے۔ شاید وہ اس سے اپنے ہم عصر ولیم ہاروے (William Harvey) جو اس سے آٹھ سال قبل پیدا ہوا اور اس کے سات سال بعد فوت ہوا کو خوش کرنا چاہتا تھا اور شاید ڈیکارٹ نے (ہمثال سرقہ) کے ساتھ ہونے والے واقعہ سے بدشگونی لی۔ لہٰذا اس دوران خون سے متعلق جو اللہ کی صنعتوں میں سے ایک عجوبہ ہے اور اس کے وجود اور اس کی قدرت پر بدرجہ اولیٰ ایک دلیل ہے، حق کہنے سے ہچکچا گیا۔ اور عقل روحانی اور جسد مادی کے مابین اتصال کیسے ہوا؟ تو ڈیکارٹ نے اس اتصال کے لیے (صنوبریہ گلینڈ) کو بطور واسطہ دریافت کریا۔

لیکن یہ شخص ان خیالات کی فضاؤں میں سیر کرنے کے بعد اپنی معقولیت کی طرف لوٹ آیا اور اس احتیاط کی طرف مراجعت کی جس کی ہدایت اس نے ہمیں الافکار المباشرہ اور الافکار الصناعیہ کے جائزے کے وقت کی تھی۔ وہ کہتا ہے: ہمیں اس کی استطاعت نہیں کہ معلوم کر لیں کہ روح اور مادہ کیسے باہم ملتے ہیں، ہمارے لیے اس کو اس صاحب قدرت و حکمت، خالق عظیم کی نشانیوں میں سے ایک نشانی سمجھنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

اور ڈیکارٹیہ مکتب فکر کے دو مشہور ترین طالب پاسکل (Paskel) اور مالبرانش اپنے استاد سے ایمان باللہ کی رو سے کمتر نہیں۔ لیکن مالبرانش اپنی سوچ میں اپنے اس "باالجبر المحض" کے قول تک گیا بلکہ اس نے اپنے ہم عصر لائبنیز سے "بالتناسق السابق الوضع" (توافق ازلی)

کے قول کی طرف پیش قدمی کی۔

حیران: یہ الحناسق السابق المتوطید کیا ہے؟

الشیخ اس کا جائزہ اور وضاحت ہو جائے گی ٗفی الحال تم پاسکل (Paskel، ۱۶۲۳-۱۶۶۲) کی بات سنو کیونکہ وہ بیان و برہان میں ڈیکارٹ سے کمتر نہیں۔ معرفت سے متعلق اس کا قول ہے ''حواس فریب دیتے ہیں اور عقل خطا کار ہے' ہم تنہا قلب کے ساتھ حق کو پہچانتے ہیں۔ قلب کے ساتھ ہم مبادی اولی کی معرفت حاصل کرتے ہیں نیز زمان و مکان اور حرکت کے معانی کو بھی اسی سے سمجھتے ہیں۔

عقل اپنے ادراک کی بنیاد انہی معارف پر رکھتی ہے جو بنیادی احکام ہیں۔ اگر ہم ان پر برہان قائم کرنا چاہیں تو ہمیں بعد والے قضیوں کو سابق قضیے فرض کرنا پڑے گا۔ اور اگر ایسے کریں گے تو یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔ اور بنیادی احکام تک رسائی ممکن نہ ہو سکے گی۔ پس ہم قلب کے ساتھ ہی ان حقائق کا ادراک کرتے ہیں اور قلب کے ساتھ ہی اللہ کے وجود کا ادراک کرتے ہیں۔

حیران قلب کے معنی کیا ہیں؟

الشیخ پاسکل کے ہاں اس سے مراد وہ فطری افکار ہیں جو ہماری عقلوں میں مرکوز ہیں جنہیں ہم واضح اور روشن دیکھتے ہیں اور ان پر کسی دلیل کے محتاج نہیں ہوتے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ قلب میں ہوں' دماغ میں یا روح میں ۔ لیکن قلب کا لفظ ماضی میں دماغ سے عبارت تھا اور عرب اس کے یہی معنی لیتے ہیں۔

حیران کیا تب پاسکل کی یہ رائے ہے کہ انسان اپنے قلب یا اپنی عقل کے ساتھ وجود کے جملہ حقائق کے ادراک پر قادر ہے؟

الشیخ ہرگز نہیں' پاسکل ایسی بات کہنے سے بالاتر ہے' وہ فارابی اور ابن سینا کا ہم رائے ہے اور کہتا ہے ''عقل اپنے بنیادی' فطری افکار کے ساتھ حق' (جس حد تک اس کا تعلق مبادی اولی سے ہو) کا ادراک کر سکتی ہے اور انہی کے ساتھ اللہ کے ادراک کی استطاعت رکھتی ہے لیکن اس سے ورے جو وجود مخلوق اور خالق کے اسرار ہیں وہ ہمارے لیے پردہ غیب میں ہیں۔ پاسکل کی رائے میں ہم ان کی کنہ اور حقیقت کے ادراک سے عاجز ہیں کیونکہ

ہمارے حواس اشیاء کی غایات کا ادراک نہیں کر پاتے۔ آواز کو لیجئے' جب اس کی شدت بڑھ جاتی ہے تو ہمارے کانوں کو بہرا کر دیتی ہے' روشنی جب افراط میں ہوتی ہے تو ہماری آنکھوں کو چندھیا دیتی ہے اور قرب جب بڑھ جاتا ہے تو ہمیں دیکھنے سے محروم کر دیتا ہے اور ایسا ہی بُعد کرتا ہے لہٰذا ہماری نسبت سے اشیاء کی غایات گویا ناموجود ہوتی ہیں۔

پھر وہ ہمارے اس عالم اور عالم سے ماوری عوالم کی نسبت سے انسان کی درماندگی کی بات کرتا ہے۔ اور زمان و مکاں کی نہایت میں غور و فکر کے وقت عقل کے عجز کی طرف اشارہ کرتا ہے اور سحر انگیز اسلوب میں اس رعب کا ذکر کرتا ہے جو انسان پر اس وقت طاری ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ کو دو ہاویوں: لانہایت اور عدم کے مابین معلق تصور کرتا ہے۔ وہ اپنی بات یہ کہتے ہوئے ختم کرتا ہے' ہمیں اپنی قدر جان لینا چاہیے کہ ہم کسی شے کا کوئی جزو تو ہیں مگر پوری شے نہیں ہیں اور معقولات میں ہماری عقل کا مقام ایسا ہی ہے جیسا کہ آفاقی وسعت میں ہمارے جسم کا۔

حیران یہ عمدہ بات ہے۔

الشیخ اس سے بھی اعلیٰ اس کا وہ قول ہے جس میں فارابی اور ابن سینا کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے کہتا ہے ''اللہ کے وجود کا ادراک اولین ادراکات میں سے ہے جو عقلی دلائل کی مشق کا محتاج نہیں ہے۔ (کیونکہ یہ ممکن تھا کہ میں نہ ہوتا اگر میری ماں جننے سے پہلے فوت ہو گئی ہوتی) لہٰذا میں واجب الوجود نہیں ہوں اور نہ ہی میں دائم اور لانہایت ہوں' لہٰذا کوئی واجب الوجود' دائم اور لانہایت لازماً ہونا چاہیے' جس پر میرے وجود کا انحصار ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہے' جس کے وجود کا ادراک ہم بنیادی ادراک کے طور پر رکھتے ہیں' بغیر اس کے کہ ہم عقلی دلائل کے حضور میں پڑیں۔ لیکن وہ لوگ جنہیں یہ قلبی ایمان نصیب نہ ہو ان پر لازم ہے کہ وہ اپنی عقلوں کے ساتھ اس تک رسائی حاصل کریں۔

اس میں پاسکل اپنی ایک بلیغ حکمت اجتماعیہ کا اظہار کرتا ہے جو عارفوں کے کلام سے مشابہ ہے' کہتا ہے: لوگوں کی فقط دو ہی قسمیں ہیں جنہیں عقل مند کہنا جائز ہے' ایک وہ جو اپنی پوری جدوجہد کے ساتھ اللہ کے خدمت گار ہیں کیونکہ انہوں نے اسے پہچان لیا ہے اور دوسرے وہ جو اس کی تلاش میں جدوجہد کر رہے ہیں کیونکہ وہ اسے جانتے نہیں۔

حیران بخدا! یہ قول کریم ہے۔ لیکن پاسکل اللہ پر استدلال میں دلیل وجوب سے باہر نہیں آتا'

حالانکہ وہ بدیہی اولیات پر قائم مرکب عقلی دلیل ہے اور اسی سے استخراج کرتا ہے۔

الشیخ: یہ صحیح ہے مگر پاسکل کی رائے میں دلیل وجوب ذہنوں میں سرعت نفوذ اور شدت ظہور کے باعث گویا کہ عقلی اولیات میں سے ہے۔ پھر اسے سوجھا کہ یہ بداہت ہر انسان کی رسائی میں نہیں۔ لہٰذا اس نے اس تک رسائی کے لیے عقلی برہان کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ دیا اور جس شخص نے اس دلیل کا انکار کیا اور اللہ کے وجود پر صرف اور صرف "الہام" پر انحصار کیا وہ (مالبرانش) ہے جس نے (الرؤیۃ باللہ) کا نظریہ وضع کیا۔

حیران: اس کے کیا معنی ہیں؟ کیا اس کی اس سے مراد وہ ہے جو ڈیکارٹ نے کہا ہے کہ ہم اللہ کو ہر چیز میں ظاہراً دیکھتے ہیں یا یہ کہ ہم اس عقل کے ساتھ اس کا ادراک کرتے ہیں جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے؟

الشیخ: نہ یہ نہ وہ۔

حیران: تب وہ ایسا شخص ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اسے معطل کرنا چاہتا ہے۔

الشیخ: ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ وہ اللہ کے وجود پر ایمان رکھنے والے مخلص ترین لوگوں میں سے ہے لیکن اس شخص کی عقل بعض دوسرے لوگوں کی طرح ایک گرہ پر آ کر جب رک جاتی ہے تو وہ اسے ایک دوسری شدید تر گرہ کے ساتھ ہی کھولتا ہے جیسا کہ افلاطون نے اپنی (مثل) میں کیا ہے۔ مالبرانش نے ڈیکارٹ کے اس قول میں جو عقل روحانی اور جسد مادی میں اتصال سے متعلق ہے، غور کیا مگر اس کی عقل اس اتصال کے امکان کا ادراک نہ کر پائی تو وہ اپنے اس قول تک پہنچ کر تنہا افکار الٰہیہ ہی وجود سے استفادہ کرتے ہیں اور یہ افکار ہمیں اللہ کے ساتھ نظر آتے ہیں اور ہماری عقلوں میں مرکوز کوئی افکار فطری نہیں اور نہ ہی ساختہ افکار ہیں جنہیں ہماری عقلیں بناتی ہوں اور نہ ہی کوئی ادراکات حسی ہیں جنہیں یہ عقلیں اشیاء سے حاصل کرتی ہوں۔ لیکن اموجود وہی افکار الٰہیہ ہیں اور ہم عالم خارجی کو بذاتہٖ نہیں جان سکتے بلکہ اس کا ادراک اللہ سے حاصل کرتے ہیں جس کے پاس کلی علم ہے۔

یہ "الرؤیۃ باللہ" کا نظریہ ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے یہ نظریہ افلاطونی المثل کے ساتھ بڑے وثوق سے متعلق ہے اور (مالبرانش) اس کے تقاضے کے طور پر اللہ کے وجود پر برہان کے قیام کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ (اس کی رائے میں) ہم اسے دیکھتے ہیں اور اسی کے

ساتھ ہر شے کو دیکھتے ہیں اور ہم اسے افکار فطریہ اور بدیہی اولیات کے طریقہ سے جو برہان کے ساتھ اس کے وجود کے اثبات تک رسائی حاصل کرتا ہے، نہیں پہچانتے بلکہ ہم اسے رویت کے ساتھ اور براہ راست واضح طور پر پہچانتے ہیں۔ لہٰذا اس کے وجود کے اثبات کے لیے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔

حیران: اس ایمان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

الشیخ: اس کا کلام صوفیہ میں ہوتا زیادہ صحیح ہے نہ کہ فلاسفہ و متکلمین کے کلام میں جو صرف خالص عقلی نظریہ اور عقلی برہان قاطع پر انحصار کرتے ہیں اور یہ ناممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اس "مشاہدہ" کی نعمت سے سرفراز فرما دے۔ مگر ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ ایمان اس عقل کے ساتھ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ نیز وہ عقلی دلائل کے ساتھ ہوتا ہے جن کے مقدمات کی ترکیب اور ان سے نتائج برآمد کرنے کی توفیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے رسولوں کی زبان پر اپنی کتابوں میں ان دلائل کی نشاندہی نہ کرتا۔

اگر (مالبرانش) اس صوفیانہ ایمان پر رک جاتا تو معاملہ آسان تھا مگر وہ اس سے آگے نکل گیا اور اس نے روح وجسم کے اتصال کا سرے سے ہی انکار کر دیا اور اپنی بات کو جبریت تک پہنچایا جب کہتا ہے "فعل صرف اللہ سے ہے، ارواح عمل کرتی ہیں اور نہ اجسام۔ یہ نظام جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ روح وجسم کا اتصال ہے محض ارواح کی رغبتوں اور اجسام کی حرکات کا باہمی تناسق ہے اور یہ سارا کچھ تنہا اللہ کے فعل سے ہے۔ وہی ارواح میں رغبات پیدا کرتا ہے اور وہی اجسام میں ارواح کی رغبات کے مطابق حرکت پیدا کرتا ہے ... ایک ہی جملہ میں اس کی بات یہ ہے کہ اللہ ہی ہمارا خالق ہے اور وہی ہمارے افعال کا خالق ہے۔ یہ "الجبر" میں بہت بڑا غلو ہے جو حماقت اور ہذیان میں اس کے ہم عصر سپائی نوزا کے قول "وحدۃ الوجود" سے کسی طرح کم نہیں۔

حیران: وحدۃ الوجود کے کیا معنی ہیں؟

الشیخ: "وحدۃ الوجود" کے قائلین وہ لوگ ہیں جن کا خیال ان کی عقل پر غالب آ گیا اور ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ عالم کی روح ہے اور عالم اس کا جسد ہے، اللہ ہی ان

کے ہاں الکل ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تمام اشیاء جو فطرت میں ہیں ان کی اللہ کے اپنے وجود کے سوا کوئی حقیقت نہیں- ان کے نزدیک "الکل" اللہ ہی ہے-

حیران سپائی نوزا کیسا مومن ہے؟ حالانکہ وہ اس ہذیانی فکر میں شہرت رکھتا ہے- جناب نے اس کو کیسے مومن باللہ کہہ دیا؟

الشیخ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ اللہ پر ایمان تو رکھتا ہے لیکن جانتا نہیں کہ اسے کس طرح بیان کرے اور اس سے میری مراد یہ تھی کہ اس نے اللہ کے وجود کا ایک دفعہ بھی انکار نہیں کیا کہ اسے ان نیچریوں میں شمار کر لیا جائے جو کائنات کی اتفاقیہ تکوین کے قائل ہیں- اس میں ہذیان کی اس حد تک رسائی نہیں کہ وہ کہے کہ عالم اللہ کا جسد ہے لیکن اس نے کہا کہ تنہا اللہ ہی موجود ہے اور عالم اس کی صفات کا مظہر ہے-

حیران جناب اپنے آپ کو اس مذہب کے ذکر اور اس کی تردید میں کیوں مشقت میں ڈال رہے ہیں؟

الشیخ بلاشبہ یہ ایک احمقانہ مذہب ہے اور بڑے فلاسفہ میں کوئی ایک بھی اس کا قائل نہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے یا کروں گا- لیکن کیا تمہیں غزالی کا وہ قول یاد نہیں "کسی مذہب کی تردید اس کے فہم اور اس کی حقیقت سے واقفیت کے بغیر اندھی تردید ہے"-

حیران: کیوں نہیں؟

الشیخ میں "وحدۃ الوجود" میں سپینوزا کا کلام تمہارے لیے ملخص کیے دیتا ہوں تاکہ میں تمہیں اس کے مذہب سے متعلق اندھیرے میں نہ چھوڑوں، جسے میں سمجھتا ہوں کہ اس کی شہرت تمہیں مسحور کرے گی اور اگر تم اس کا سبب نہ جانو گے تو وہ تمہیں ضرور گمراہ کرے گی-

حیران: آقا! اس شہرت کا کیا سبب ہے؟

الشیخ: اس کا سبب معرفت و اخلاق میں اس کی بلند پایہ آراء نہیں کہ مابعد الطبیعیاتی حماقت کو کسی قدر زائل کر دیں- میں معرفت میں اس کی بعض آراء کا ذکر کرتا ہوں تاکہ تم دیکھ لو کہ ان میں کتنا حق ہے اور یہ کہ اس کے بعد یہ صاحب قضیہ وجود کے مسئلہ پر بحث کے دوران کس طرح اپنی ذات میں تناقض کا شکار ہو جاتا ہے-

سپینوزا تجربہ کو بیکن کی طرح بڑا اور اولین مقام نہیں دیتا اور نہ ہی برہان صاعد کو جس

میں عقل جزئیات سے کلیات کی طرف ترقی کرتی ہے پورے اعتماد کا حامل سمجھتا ہے بلکہ وہ اس برہان پر انحصار کرتا ہے، جس میں عقل استدلال میں عام سے خاص اور کلیات سے جزئیات کی طرف نزول کرتی ہے- اور وہ زیادہ تر اولیات و بدیہیات پر انحصار کرتا ہے لیکن بیکن کا نہج اختیار کرتے ہوئے ہمیں تحقیق سے قبل عقل کے اوہام سے تطہیر کی ہدایت کرتا ہے تاکہ ہم اپنے معارف کو معلوم کر لیں کہ کون سا قوی ہے کہ ہمیں "یقین" تک پہنچا دے- اور کون سا کمزور ہے کہ اس پر اعتماد نہ کیا جائے اور ہمیں اسی احتیاط کی ہدایت کرتا ہے، جس کی اس کے استاد ڈیکارٹ نے کی تھی- پھر ان معارف کو اسی کی طرح اقسام میں تقسیم کرتا ہے- ان میں سے ایک قسم ضعیف ہے جو ہمیں "اشاعت" (Hearsay) کے ذریعے یا "غیر واضح" تجربہ کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اور اس پر اعتماد و انحصار کرنا درست نہیں ان میں سے دوسری قسم وہ ہے جو ہمیں استدلال و استنتاج سے حاصل ہوتی ہے- وہ پہلی قسم سے قوی تر ہوتی ہے لیکن اس میں تغیر و تبدل کا احتمال ہوتا ہے- مگر تیسری قسم جسے ہم بذریعہ "بداہت" حاصل کرتے ہیں مثلاً ہمارا یہ ادراک کہ کل جزو سے بڑا ہوتا ہے معرفت کی یہ قسم سب سے زیادہ ترقی یافتہ سب سے زیادہ بلند پایہ اور سب سے زیادہ یقین پرور ہے-

حیران: یہ بلاشبہ صحیح بنیادیں ہیں تو اس شخص نے کیسے وحدۃ الوجود میں اپنی رائے کی بنیاد رکھ دی اور کہاں ہے وہ بداہت جو ہمیں یہ اشارہ دیتی ہو کہ اللہ اور عالم متغیر واحد شئی ہے؟

الشیخ سپائی نوزا عقلی استدلال والی دلیل حدوث اور دلیل وجوب کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے "سب کچھ جو کہ موجود ہے اور جس کے موجود ہونے کا ادراک عقل کی رو سے ممکن ہو تین قسموں میں منحصر ہے- ۱- جوہر قائم بذاتہ (Substance) ۲- صفات یا خواص (Attributes) ۳- اعراض (Modes)

الجوہر اس کے نزدیک وہ ہے جو بذات خود ہست اور قائم بالذات اور واجب الوجود ہے اور اس کا وجود بذات خود واجب ہے اور وہ ازلی ابدی، سرمدی، واحد اور احد اللہ ہے اور صفات یا خواص وہ ہیں جن کا عقل کو ادراک ہو جائے کہ وہ الجوہر میں اس کی ذات کے لیے قوام کی مانند ہیں- اور جہاں تک الاعراض کا تعلق ہے تو سپائی نوزا ان سے الجوہر کے انداز مراد لیتا ہے جو ہمیں ان اشیاء کی شکل میں نظر آتے ہیں جنہیں ہم دیکھتے ہیں اور ان کے ساتھ ہم اس الجوہر، الواجب الوجود کا

ادراک حاصل کرتے ہیں۔

حیران اس تقسیم میں ہذیان ہے اور نہ کوئی کمزوری بلکہ وہ پورا پورا حق ہے اور ایمان ہی ایمان کیونکہ وہ اللہ واجب الوجود کے وجود کا اعتراف کر رہا ہے اور عقل کی رو سے اس کے لیے واجب صفات کمال کا اقرار کر رہا ہے اور اسے اعتراف ہے کہ اللہ نے اس عالم کے ذریعے سے اپنی صفات کمال کے ظہور کا ارادہ فرمایا ہے اور اس کی صفت خلاقی کے ظہور سے عالم وجود میں آیا اور اس کائنات میں جو تنظیم مہارت اور استحکام ہے وہ اس کی صفت قدرت و حکمت سے ہے اور اس نے اپنے اس ارادہ کے ساتھ کہ اس ظہور کا ادراک کیا جائے انسان کو پیدا فرمایا اور اسے یہ عقل عطا فرمائی تاکہ وہ اس کے وجود و صفات کا ادراک کر سکے اور اس کی بندگی اختیار کرے جیسا کہ اس کی بندگی کا حق ہے۔ اور یہی معنی اس مشہور حدیث کے ہیں (كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِيَعْرِفُوْنِيْ) "یعنی میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پھر میں نے مخلوقات کو پیدا کیا تاکہ وہ مجھے پہچانیں"

الشیخ یہ درست ہے کہ سپائی نوزا نے اپنی متوازن فکر سلیم کے اولین مراحل میں یہی معنی مراد لیے لیکن تعجب ہے کہ وہ اس توازن کو کھو بیٹھتا ہے جب کہتا ہے "اللہ کوئی شے پیدا نہیں کرتا لیکن اس کی فطرت ہے کہ "ضرورتاً" اس سے (تخلیق) کا ظہور ہو اور اس کے ظہور سے عالم بنتا ہے جو اس کی صفات کا خاصہ ہے۔

حیران میں نہیں سمجھا کیا سپنوزا اللہ کی صفات میں سے صفت خلاقی کا منکر ہے جب کہ اس نے اس کی صفات کمال کا اقرار کیا ہے؟۔

الشیخ سپائی نوزا کہتا ہے کہ عقل "ضرورتاً" الجوہر یعنی اللہ کے وجود کا حکم لگاتی ہے اور ضرورتاً یہ حکم لگاتی ہے کہ اس کے خواص اور صفات ہیں۔ لیکن ہم ان صفات میں صرف دو صفتوں کا ہی مشاہدہ کرتے ہیں جو الاعراض میں یعنی ان اشیاء میں جن سے کائنات کی تکوین ہوتی ہے ظاہر ہوتی ہیں اور وہ صفت فکر اور صفت امتداد (پھیلاؤ) ہیں اور عالم اور جو کچھ کہ اس میں ہے انہی دو صفتوں کے آشکار ہونے کا انداز ہے اور وہ صرف انسان ہی ہے جس میں فکر اور امتداد کے اعراض جمع ہوتے ہیں۔

حیران لیکن وہ بداہت جسے سپنوزا نے معرفت کی سب سے بلند اور سب سے زیادہ یقین پرور

قسم شمار کیا تھا اور جس نے اس کے الجوہر یعنی اللہ پر ایمان رکھنے والے کا فتویٰ دیا تھا اور یہ کہ اس کے خواص ہیں اور اس کی صفات ہیں وہی بداہت خود اس کی متقاضی ہے کہ اللہ کے لیے قدرت اور ارادہ کی صفات ہوں اور ان دونوں کے ساتھ کار تخلیق ہو اور جب ہم اپنی آنکھوں سے اجسام کے ظہور اور ذہنوں میں فکر کے ظہور کا مشاہدہ نہ بھی کرتے ہوں تو بھی ہم عقلوں کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ یہ دو اعراض قدرت اور ارادہ کے اثر سے ہیں۔ جس طرح ہم نظام و استحکام کو حکمت کے اثر سے دیکھتے ہیں لہٰذا سپائی نوزا کس طرح اپنی اس منطق سلیم سے محروم ہو گیا جب وہ کہتا ہے کہ خود اللہ کی ذات کے لیے صفت امتداد ہے بجائے اس کے کہ وہ یہ کہتا کہ اللہ کی صفت قدرت ہے جس سے وہ امتداد اور فکر کو پیدا فرماتا ہے۔

الشیخ میں نے قبل ازیں تمہیں یہ بتایا تھا کہ یہ مفکرین سنجیدہ فکر کی راہوں میں اس عقدہ کے سامنے آ کر رک جاتے ہیں جس کے تصور سے ان کی عقل درماندہ اور اس کے حل سے عاجز رہ جائے۔ تو جس کے نصیب میں ہدایت ہوتی ہے وہ اسے ترک کر دیتا ہے اور اس سے صرف نظر کرتے ہوئے بدیہی ضروری عقلی دلیل کی طرف لوٹ جاتا ہے اور اس سے فیصلہ لیتا ہے اور اس فیصلے کے ساتھ وہ نور حق کی طرف نکل آتا ہے۔ لیکن جن کے نصیب میں ہدایت نہیں ہوتی وہ عقدہ کے سامنے کھڑے رہ جاتے ہیں اس سے ہٹتے نہیں اور وہم انہیں یہ تصور دلاتا ہے کہ یہ عقلی ضرورت ہے اسے ترک نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ وہ عقلی ضرورتوں میں سے ہرگز نہیں ہوتا اور وہم کا کیا دھرا ہوتا ہے جس کی طرف اولاً غزالی نے اور بعد میں ایمیونئل کانٹ نے اشارہ کیا۔

اور جہاں تک میرا خیال ہے سپائی نوزا کی فکر دو نظریے کے مابین رک گئی۔ ان میں سے ایک کا انحصار ضروری عقلی اولیات پر ہے اور دوسرا عقلی وہم پر مشتمل ہے۔ وہ یہ کہ عالم اشیاء متغیر ہے۔ لہٰذا اس نے حکم لگایا کہ وہ حادث ہے اور یہ کہ ہر حادث کے لیے کوئی محدث ہوتا ہے اور فیصلہ کیا کہ بے نہایت تسلسل عقلاً محال ہے۔ لہٰذا ناگزیر ہے کہ محدثات بذات خود موجود قائم بالذات اور قدیم کے ہاں جا کر رک جائیں۔ اسی پر ان کے وجود کا انحصار ہے اور وہی ان کے حدوث کی علت ہے۔

پھر اس کی عقل عدم سے وجود کے تصور سے عاجز رہ گئی۔ جیسا کہ دیگر بہت سے عقلوں کے ساتھ اس وہم کے باب سے ہوا جو ہمارے ہاں مماثلت سے در آتا ہے۔ لہٰذا اس نے عدم سے تخلیق کو ناممکن سمجھ لیا حالانکہ (عقلاً) وہ ناممکن نہیں اگرچہ (عادت) کی رو سے وہ محال ہی نظر آتی ہو اور وہ اس وہمیہ عقدہ سے انحراف کی راہ نہ پا سکا۔ جیسا کہ عباقرہ سابقین اور لاحقین نے وہ راہ پالی تھی جن کا ذکر میں کروں گا۔ وہ اس اشکال سے نکلنے کی راہ نہ پا سکا سوائے اس کے کہ اس نے کہا کہ موجود صرف اللہ ہے اور عالم سوائے اس کے اور کوئی دیگر چیز نہیں کہ وہ ضرورتاً اس کی صفات کے ظہور کا مظہر ہو۔ اس طرح اس نے اللہ اور عالم کو شئی واحد بنا دیا۔

اور ایسا لگتا ہے کہ اس نے اس حماقت کا ادراک کر لیا تھا جو الجوہر (اللہ) واحد احد' واجب الوجود' ازلی ابدی' لانہایت' قائم بذات اور متنوع' ممکن محدود' متغیر اور متبدل مادی عالم کے مابین اختلاط میں ہے۔ لہٰذا اس نے ایک معذرت خواہ شخص کی طرح کہا "اللہ اور عالم میں فرق نکتہ ہائے نظر کے اختلاف سے آتا ہے"۔

اور اس طرح یہ عبقری جس نے اپنی سوچ و فکر کی ابتداء اپنی عقل کا دامن تھامے ہوئے کی تھی اور ہمیں اوہام سے ڈرایا تھا اور بصراحت ہمیں بتایا تھا کہ ہمارے لیے استدلال میں صرف بدیہیات پر انحصار کرنا کس قدر ضروری ہے۔ وہ ہمیں اپنے عجیب و غریب نظریہ کی بنیاد پر اللہ اور اشیاء عالم کے درمیان وحدۃ الوجود کی طرف کھینچ لے جانا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہماری عقلیں اس کے باوجود کہ وہ بداہت کی بنیاد پر احدیت' اور تعدد' ازلیت اور نہایت' وجوب اور امکان' قدرت اور عجز' خیر اور شر' علم اور جہل کے مابین تضاد کو بخوبی سمجھتی ہیں' یہ سمجھنا شروع کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے کمال اور اپنی احدیت کے اتمام میں ان تمام متناقضات کو جمع کر لیا ہے اور وہ احد متعدد' ازلی متناہی' واجب ممکن' صغیر کبیر' عاجز قدیر' خیر شریر' جاہل عالم' جانی اثیم' نبی کریم اور شیطان رجیم بن جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ العظیم)

* * *

تلاقی العباقرہ

(عباقرہ کی ہم آہنگی)

(۲)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران بن الاضعف کہتے ہیں کہ میں نے پورا دن قرآن کریم کی آیات پر غور کرتے ہوئے گذارا اور ان کا دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ابن سینا و غزالی اور سترھویں صدی عیسوی میں ڈیکارٹ پاسکل اور الیبنیز کے اقوال سے تقابل کرتا رہا- میں نے ان عقلوں کو ایک ہی طریقہ استدلال میں قرآن کے ساتھ متفق ہونے پر فرحت و عجب کے ساتھ ایک جھرجھری محسوس کی اور درس کے وقت پر جب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ شیخ کے سامنے سوئیاں ہیں-- جن کو لکیروں کے ساتھ رنگ دے رہے ہیں- میں نے سلام عرض کیا- شیخ مسکرائے اور کہا: اے حیران تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارا شیخ استاد سے درزی یا شعبدہ باز بن گیا ہے؟

حیران پناہ بخدا میرے آقا!

الشیخ: ہاں! یہ سوئیاں ہیں میں ان کے ساتھ اوہام کے ناسور کی مناسبت سے برہان کو ٹانکے لگاتا ہوں اور ان کے ساتھ غافل اور اونگھنے والے کو کچوکے لگاتا ہوں اور ان کے ساتھ شعبدہ بازوں کے جادو کا توڑ کرتا ہوں اور میں ان سے کئی دیگر کام میں بھی لیتا ہوں جو جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائیں گے-

حیران' میرے آقا! کیا برہان کو ٹانکے لگائے جاتے ہیں؟

الشیخ: ہاں! برہان کو مخاطب کی عقل کے مطابق ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے جس طرح درزی جسم کے مطابق کپڑے کو کاٹتا ہے- پھر اس کے اجزاء کو اولیات بدیہیات کے ساتھ جوڑا جاتا ہے- کیا ہمیں لوگوں کی عقلوں کے مطابق انہیں مخاطب کرنے کی ہدایت نہیں کی گئی؟

حیران۔ برہان میں یہ نیا اسلوب ہے-

الشیخ یہ نیا اسلوب نہیں ہے- بعض علماء نے "المصادفہ" کے نظریہ (نظریہ' اتفاق) کو بعید از حقیقت ثابت کرنے کے لیے اس کا ذکر کیا ہے- لیکن میں نے اسے تمہارے لیے ایک جدید معمہ کی شکل دی ہے-

حیران۔ میرے آقا! وہ جدید معمہ کیا ہے؟

الشیخ وہ ایک معمہ ہے جس کی نہایت ریاضی کی دلیل پر ہے جس سے (المصادفہ) کے نظریہ کی نفی ہوتی ہے-

حیران' ہاں بخدا! میں پریشانی و انقباض میں مبتلا ہو گیا ہوں-

الشیخ کس لیے؟ کیا تم نے اس کے کلام میں وحدۃ الوجود سے متعلق معقولیت دیکھی ہے؟

حیران۔ بخدا! ایسا نہیں ہے- لیکن میں آپ سے ایسی حالت میں جدا ہوا تھا کہ مجھے تعجب تھا کہ یہ بڑے بڑے دانشور تردد کے ساتھ گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں تو شیطان نے میرے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ شخص مجھ سے عقل میں بڑا' فکر میں زیادہ سلیم اور علم میں بڑھا ہوا کس طرح ان براہین کو سمجھنے سے قاصر رہا جن کا ذکر آپ نے کیا-

الشیخ۔ پھر تو تمہیں اپنے شیخ الموزون کے دلائل کی صحت میں شک ہو گیا ہے!

حیران- استغفر اللہ' یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ میں شیخ محترم کے ساتھ اس شخص کے کلام پر تنقید میں شریک رہا ہوں-

الشیخ۔ تم اپنے ذہن پر اس مشہور فلسفی کے مسلط رعب کے مقابلے میں اپنی اور اپنے استاد کی سوچ پر تو شک کر سکتے ہو لیکن سپائی نوزا کے دیگر ہم عصر اور اس سے زیادہ مشہور فلسفیوں سے متعلق کیا کہو گے جنہیں دیکھو گے کہ وہ تمام کے تمام خلاق عظیم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وجود پر ایمان میں قطعی عقلی دلائل پر متفق ہیں- اے حیران میں جانتا ہوں کہ تمہارے اور تمہارے ہم عمر نوجوانوں کے دلوں پر مشہور فلاسفہ میں سے ہر ایک کا رعب طاری ہے لہٰذا تمہارے لیے مجھ پر نہ متدین فلاسفہ پر' نہ تمہاری اپنی ذات اور عقل پر انحصار کوئی فائدہ دے سکتا ہے- تمہارے لیے صرف کسی ایسے دیگر فلسفی کا موقف ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے جو اپنی شہرت و منزلت کے لحاظ سے فلسفی اول کا ہم پلہ ہو- تمہاری ان کے بعد دیگرے آنے والے تین فلسفیوں کے بارے میں کیا رائے ہے جن میں سے ہر ایک سپائی نوزا کی نسبت اپنے مقام میں زیادہ بڑا' وسیع تر شہرت کا مالک' اپنی بات میں زیادہ سچا' دلیل میں زیادہ قاطع اور بیان میں زیادہ واضح ہے اور ان میں سے ہر ایک اللہ پر ایمان رکھنے والا ہے جس طرح یہ بندہ فقیر تمہارا شیخ' اور جس طرح غزالی اور دیگر فلاسفہ اور علمائے کلام اللہ پر ایمان رکھتے ہیں-

حیران۔ یہی میری خواہش تھی ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میرے آقا! شیخ محترم اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں-

الشیخ لیکن اے حیران! تمہارا خواب سچا ہے قرآن میں دو آیات میں جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد

الشیخ سپنوزا المولا ندی الیہودی جب اپنی متضاد میتافزکس کے ساتھ وحدۃ الوجود میں غرق تھا اس وقت سپائی نوزا کا ہم عمر لاک انسانی ادراک میں اپنی تحقیقاتی رپورٹ کو بغل میں دبائے اپنی عقل سلیم پر مبنی منطق کو مضبوطی سے تھامے تخیلات واوہام سے دور اللہ کے وجود کے اعتراف اور اسرار غیب کے ادراک کہ جس کے لیے عقل پیدا نہیں کی گئی سے عقل کے عجز کے اقرار کے ساتھ الماؤں سے ندی کے دوسرے کنارے پر کھڑا ہے۔ مگر معرفت میں لاک بظاہر فطری افکار سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ افکار اپنی انواع کے اختلاف کے باوجود تمام کے تمام تجربہ سے آتے ہیں لیکن بعض قضیے ہمیں بدیہی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ عقل ان میں غور کر کے سمجھ نہیں سکتی لہٰذا ہم انہیں فطری افکار شمار کر دیتے ہیں۔ اگر ہم بے سمجھ لوگوں اور بچوں میں غور کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ وہ اس بداہت کو نہیں جانتے۔ اس سے ہمیں یہ دلیل ملتی ہے کہ ہماری عقلیں ہر فکر سے خالی سفید تختی کی طرح پیدا کی گئی ہیں اور زندگی میں ہمارے افکار و معارف تجربہ سے بنتے ہیں اور یہ تجربہ احساس کے ساتھ خارجی ہوتا ہے پھر غور و فکر سے باطنی بن جاتا ہے۔ پس حواس عقل کو احساسات کا مجموعہ مہیا کرتے ہیں اور عقل ان کی حفاظت کرنے انہیں جمع کرنے ان میں تقابل کرنے اور ان کے مابین تعلق کے ادراک میں لگی رہتی ہے۔ اس باطنی غور و فکر کے ساتھ عقل اولین بدیہیات کے ادراک تک رسائی حاصل کرتی ہے جنہیں ہم فطری افکار شمار کر لیتے ہیں' حالانکہ درحقیقت وہ تجربہ سے بنائے ہوئے ہماری عقل کے افکار ہوتے ہیں۔

حیران جب لاک فطری افکار کا انکار کرتا ہے حالانکہ وہ ہماری عقلوں میں مرکوز اولیات ہوتے ہیں تو ہم کیسے حق کو پہچان سکتے ہیں اور وہ کون سا احساس ہے جس پر ہم صحت فکر یا اس کے عدم صحت کے حکم کی بنیاد رکھیں۔

الشیخ میرے نزدیک یہ سوال بے اصل ہے کیونکہ نتیجہ کے لحاظ سے یہ اوّلیات فطری طور پر ہمارے اندر مرکوز ہوں یا ہماری عقلوں کے بنائے ہوئے ہوں اس میں کوئی فرق نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم بشر اس پر متفق ہیں کہ ہماری عقلوں میں بدیہی اوّلیات ہیں جنہیں ہم فکر کی صحت یا عدم صحت پر تحقیق و تامل اور بحث کی بنیاد بناتے ہیں۔ اور ان بدیہی

سے شروع ہوتی ہیں من یُجادلُ فِی اللّٰہ بغیرِ علمٍ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ سورۃ لقمان میں ہے (و من النّاسِ مَنْ یُجادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیرِ عِلْمٍ وَّ لا ھُدًی وَّ لا کِتابٍ مُّنِیرٍ) یعنی انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا ہدایت یا روشنی دکھانے والی کتاب۔ اور دوسری آیت سورۃ حج میں ہے (وَ مِنَ النّاسِ مَنْ یُّجادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیرِ عِلْمٍ وَّ یَتَّبِعُ کُلَّ شَیطانٍ مَّرِیدٍ کُتِبَ علیہِ اَنَّہٗ مَنْ تَوَلّاہُ فَاَنَّہٗ یُضِلُّہٗ وَ یَھْدِیْہِ اِلٰی عَذابِ السَّعِیرِ) یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرنے لگتے ہیں حالانکہ اس کے تو نصیب ہی میں یہ لکھا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا وہ اسے گمراہ کر کے چھوڑے گا اور عذاب جہنم کا راستہ دکھائے گا" اور جو خواب تم نے دیکھا وہ تمہیں یہی اشارہ کر رہا ہے کہ سپائی نوزا اور اس قسم کے لوگ وہ ہیں جو اللہ کے بارے میں علم' ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑتے ہیں اور شیطان نفس کے پیروکار ہیں جو برائی کی طرف ابھارتا رہتا ہے۔ اور تمہارے بابا کی تمہیں قرآن پڑھنے کی ہدایت انہی آیات کے فہم کی ترغیب ہی تھی جو اللہ کی طرف رہنمائی کرنے والے روشن دلائل اور قاطع براہین پر مشتمل ہیں' استدلال کے ان تمام طریقوں کے ساتھ جن کی طرف فلاسفہ و متکلمین میں سے جن کو اللہ نے چاہا ہدایت مل گئی۔

حیران۔ اللہ تعالیٰ آپ سے ہر طرح کی تنگی و تکلیف کو دور فرمادے جیسا کہ آپ نے مجھے ذہنی اذیت سے نجات دلائی لیکن آپ اللہ کی طرف رہنمائی کرنے والی آیات کی وضاحت کیوں نہیں فرماتے؟

الشیخ ان آیات کی وضاحت ان کی باری پر میں اس ذہنی ترتیب کے مطابق کروں گا جو میں نے تمہارے لیے مقرر کی ہے۔ فی الحال صبر کرو۔

حیران وہ تین فلاسفہ کون سے ہیں جن کے ذکر کا آپ ارادہ فرما رہے ہیں؟

الشیخ وہ لاک ٹیبیز اور ایمونئل کانٹ ہیں۔

حیران واقعی میں ان کے نام فلسفہ کے طلبہ کی زبانوں پر طویل عرصہ سے سنتا آیا ہوں۔ لاک کیا کہتا ہے؟

اولیات کی سچائی پر متفق ہیں تاہم لاک نے رجوع کر لیا اور اس نے ضمناً فطری افکار کا اعتراف کیا اور ان کا نام "تمثیلی افکار" رکھا۔ جب اس نے کہا "ہماری عقلوں میں اشیاء کے حقائق کے نمونے ہیں اور انہی نمونوں پر فکر کو قیاس کیا جاتا ہے اور اس کے غلط یا صحیح ہونے کا فہم حاصل کیا جاتا ہے تو کسی شے کے متعلق غور و فکر اور اس شے سے متعلق ہماری عقلوں میں قائم نمونے کے مابین جس قدر کامل و واضح مطابقت ہو گی اسی قدر ہماری معرفت صحت سے قریب تر ہو گی۔ اس سے لاک معارف کو تین اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔ معرفت "بدیہیہ" اس کا اہتمام ادراک عقل سے بداہۃً یعنی فکر اور نمونہ کے مابین مطابقت کے ثبوت کے بغیر ہوتا ہے۔ اور معرفت "برہانیہ" اس کا اہتمام فکر اور نمونہ کی مطابقت کے ثبوت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور معرفت "عاطفہ" اس پر کوئی برہان نہیں اور یہ ہماری عالم مادی سے متعلق معرفت ہے۔ ہم اشیاء کی معرفت ان کے احساس سے حاصل کرتے ہیں لیکن ہماری یہ معرفت بدیہی نوع سے نہیں ہوتی اور نہ ہی برہانی نوع سے ہوتی ہے کیونکہ ہم اس مادی عالم کی حقیقت کی معرفت پر کوئی برہان قائم نہیں کر سکتے۔ اور یہ مادی شے جس کا خارج میں ہم حقیقی وجود خیال کرتے ہیں یہ اس شے کی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ ہم اس کے مظاہر کا ادراک کرتے ہیں اور ہم اس کی اصلیت اور حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اس لیے عالم مادی سے متعلق ہماری معرفت "معرفت عاطفہ" ہوتی ہے۔

حیران: کیا لاک حقیقت کی معرفت کے امکان سے انکار کرنا چاہتا ہے جیسا کہ سوفسطائیوں اور شکاک نے کیا ہے؟

الشیخ: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہر وہ کلمہ جسے میں کہتا ہوں یا تم اپنے ہاتھ سے لکھتے ہو پر دھیان نہیں دیتے ہو۔ لاک کہتا ہے کہ کچھ بدیہیات ایسی ہیں جنہیں ہم کسی قلیل تر دلیل کے بھی بغیر براہ راست سمجھتے ہیں جیسا کہ ہمارا یہ قول: کل جزو سے بڑا ہوتا ہے اور یہ کہ: دو متضاد فریقوں میں سے ایک فریق سچا اور دوسرا جھوٹا ہوتا ہے اور کچھ معارف ایسے ہیں جنہیں ہم دلیل اور ثبوت کے ذریعے سمجھتے ہیں، مثلاً ریاضی کے فارمولے۔ ہم ان کے ذریعے پوری پوری حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں لیکن مادی اشیاء کی معرفت بدیہیہ نہیں ہوتی اور نہ ہی ان پر دلیل کا قیام اس طرح ممکن ہوتا ہے جس طرح کہ ہم ریاضی کے مسئلہ پر قائم

کرتے ہیں۔ بلکہ وہ سطحی اور مبہم معرفت ہوتی ہے۔ مگر وہ یہ نہیں کہتا کہ عالم مادی سے متعلق ہماری معرفت وہمی ہے اور صحت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ معرفت کی یہ قسم مبہم ہے اور بدیہی یا برہانی معرفت کی حد تک نہیں پہنچ پاتی بلکہ وہ ایک ہی طرح کی حسی صورتوں کے ادراک اور ایک ہی طرح کی صفات رکھنے والی اشیاء کی تعریف میں تمام انسانی سلیم عقلوں کے کلی اتفاق کی دلیل کے ساتھ صحت کی طرف راجح ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ ذہنی صورتیں اشیاء کے ظاہر کے مطابق ہوتی ہیں لیکن اس پر دلیل لانا ممکن نہیں ہوتا۔ لہٰذا خود مادی اشیاء کی حقیقت کے متعلق ہماری معرفت اس یقین کے ساتھ نہیں ہوتی جس کے ساتھ ہماری معرفت بدیہی قضیوں سے متعلق ہوتی ہے اور اس پر برہانی قضیے بھی مرتکز نہیں ہوتے۔

حیران: اللہ کے وجود اور امور غیبی سے متعلق ہماری فکر کو لاک کس قسم میں شمار کرتا ہے۔

الشیخ: اس مرحلہ پر لاک کی بلند فکری اور صحت فیصلہ تم پر روشن ہو جائے گی۔ جب وہ اللہ کے وجود سے متعلق ہمارے ادراک اور امور غیب سے متعلق ہمارے ادراک میں تفریق کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ہم اللہ کے وجود کے مسئلہ میں کامل یقین تک رسائی اس وقت حاصل کرتے ہیں جب ہم اپنی ذات میں، اپنے حواس میں، اپنی ذکاوت اور عقل میں غور کرتے ہیں تو طبعاً سمجھ لیتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ یہ انسان عدم سے وجود میں آئے۔ لہٰذا ہماری اللہ کے وجود کی معرفت "معرفت برہانیہ" ہے جو معرفت بدیہیہ کی بنیاد پر قائم و مرتکز ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارا وجود جو بدیہی معرفت کی قسم میں داخل ہے جیسا کہ ڈیکارٹ نے کہا ہے، اللہ کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح ہماری ذات اور اس عالم میں موجود ترتیب، مہارت اور استحکام پایا جاتا ہے ازلی علیم و حکیم خالق کے وجود کا محتاج ہے۔ مگر خالق کی حقیقت، روح کی حقیقت اور خود اشیاء کے حقائق کی تلاش سے متعلق جو امور غیبی ہیں، لاک ان کے بارے میں اس حکمت کے ساتھ جواب دیتا ہے جو اہل حکمت علماء کی حکمتوں کے ساتھ محفوظ کرنے کی مستحق ہے جب وہ کہتا ہے: اگر لوگ اپنی عقلی قوتوں کا اچھی طرح سے جائزہ لے لیں اور اس افق سے پردہ ہٹا دیں جو روشن و تاریک حصوں کو الگ الگ کر دیتی ہے اور نیز یہ کہ وہ قابل فہم اور ناقابل فہم اجزاء کے مابین امتیاز کریں تو وہ تاریک پہلو سے اپنی لاعلمی پر

مطمئن اور راضی ہو جائیں- اور اپنے افکار و تحقیقات کو دوسری جانب استعمال کریں ایسا استعمال جو زیادہ فائدہ مند ہو اور اطمینان تک پہنچانے والا ہو-

حیران شیخ محترم! میں اپنے ملک کی انہی معنی و الفاظ کی طرح کی ہندی حکمت سے واقف ہوں-

الشیخ یہ صحیح ہے وہ لاک کے کلام سے الفاظ و معانی میں ملتی جلتی ہے- البیرونی نے اپنی کتاب (تحقیق ما للھند من مقولۃ) میں اس حکمت کیوں اظہار کیا ہے ہمارے لیے اس مقام کی معرفت کافی ہے جہاں تک روشنی کی شعاع پہنچ پائے اور جہاں تک شعاع نہیں پہنچتی وہ احساس کے ادراک میں نہیں آ سکتا اور جس کا احساس نہ ہو وہ نامعلوم ہوتا ہے"- اس طرح سے اے حیران! مشہور و معروف سلیم عقلیں بلا اختلاف باہم مل جاتی ہیں اور حق پر متفق ہو جاتی ہیں- جب تک اس حد کے اندر رہتی ہیں جہاں تک شعاع کی رسائی ہوتی ہے اور جونہی اس سے تجاوز کرتی ہیں تو پھسلتی ہیں اور منہ کے بل گرتی ہیں- جس طرح سپائی نوزا پھسلا اور منہ کے بل جا گرا-

حیران مزید ارشاد فرمایئے! میرے آقا! لائبنیز اور کانٹ کی بات کیجئے!

الشیخ میں تمہیں مزید بتاؤں گا حتیٰ کہ تم خوش ہو جاؤ گے لیکن کانٹ کے لیے آج رات کا وقت کافی نہیں- اس میں صرف لائبنیز کا ذکر کروں گا-

حیران: کیا لائبنیز اپنے ساتھی لاک کی بلند پایہ آراء سے متفق ہے؟

الشیخ ایک شے میں اس سے متفق ہے اور دوسری میں متعارض' ایک پہلو میں اس سے بلند تر ہے اور ایک میں فروتر-

حیران وہ کیسے؟

الشیخ وہ ایمان میں اس کا ہم قدم ہے' برہان میں اس سے بلند تر ہے- "لوحۃ المجرداۃ" (سادہ تختی) کے بارے میں اس سے متعارض ہے لیکن جب وہ اس کی حکمت کی مخالفت کرتا ہے تو شعاع کی رسائی کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے پھسلتا ہے اور منہ کے بل گرتا ہے- درحقیقت یہ جرمن عبقری علم میں وسعت اور فکر میں گہرائی رکھتا تھا' خاص طور پر جب اس نے معرفت' وجود' خالق اور مخلوق کے فلسفہ میں بحث کی تو اپنے وسیع علم اور گہری فکر کا ثبوت

دیا- لیکن جب اس نے مادی پہلو اور روحانی پہلو کی حقیقت کے بیان میں نفوذ کی کوشش کی اور روح و مادہ میں اتصال کی تفسیر کرنا چاہی تو پھسل گیا- لائبنیز نے شروع میں فکری افکار میں ڈیکارٹ کی رائے کو گلے لگا رکھا تھا اور لاک سے اس کے اس قول میں متعارض تھا کہ ہماری عقلیں سادہ سلیٹ ہوتی ہیں اور معارف اور عقلی اولیات محض تجربہ سے حاصل ہوتی ہیں- لیکن وہ اپنی کتاب (الحبارۃ الجدیدہ للعقل البشری)[1] میں ایک درمیانی رائے لے آیا جس میں ڈیکارٹ اور لاک کے ساتھ بطریق احسن موافقت کر لی- جب کہ کہتا ہے' محض تجربہ پر انحصار کر کے ہمارے لیے معرفت کی تفسیر ممکن نہیں- کیونکہ معرفت میں سب کچھ تجربہ ہی نہیں- جیسا کہ لاک کا خیال ہے- حالانکہ ہمارے ہاں کلیہ کے طور پر حقائق ضرور یہ پائے جاتے ہیں جو تجربہ سے بلند تر ہوتے ہیں لیکن ان کا انکشاف تجربہ ہی سے ہوتا ہے- یعنی یہ اولین ضروری حقائق ہماری عقلوں میں فطرت و قوت کی بنیاد پر موجود ہوتے ہیں لیکن ہم تجربہ کے بغیر ان کو دریافت نہیں کر سکتے- اگر تجربہ نہ ہو تو وہ ہم پر منکشف نہیں ہوتے لیکن وہ تجربہ سے نہیں اور ان عمیق معانی کے ساتھ کہ جنہیں بعد میں کانٹ نے اختیار کر لیا لائبنیز اپنے اس مشہور قول کی تعبیر کرتا ہے- "عقل میں کوئی ایسی شے نہیں جو حواس سے نہ آتی ہو سوائے اس کے کہ وہ خود عقل ہو" لائبنیز فطری افکار یعنی ضروری عقلی عقائد پر زور دینے کے بعد ان ضروری عقلی عقائد کی بنیاد پر ایجاد' موجود اور موجد کے قضیہ کے حل کے حصول کے لیے آگے بڑھا- پس اس نے اللہ سبحانہ کے وجود اور اس کی صفات کمال کے ساتھ متصف ہونے کا اثبات کیا اور اقرار کیا کہ عالم اللہ کی تخلیق ہے نیز اس نے عدم سے تخلیق کا اقرار کیا-

حیران وہ اس عقدہ کے حل تک کیسے پہنچا- جس سے بڑے بڑے دانشور رک گئے؟

الشیخ وہ اس عقدہ کے حل تک استدلال کے طریقہ سے پہنچا جس کا ذکر فارابی' ابن سینا اور ڈیکارٹ نے کیا ہے لیکن وہ اپنے بیان میں حیرت انگیز اور ایمان میں عظیم تھا- اس نے

(1) New essays concerning human understaning (Translated by Langley chicago 1924)

استدلال کو عقل کے ساتھ ایک انوکھے قوی، قاطع اور واضح طریقہ سے استعمال کیا ہے جسے تسلیم کرنے سے کسی عقل سے کام لینے والے کو مفر نہیں- وہ کہتا کیا ہے؟ سنو! اے حیران!

حیران میرے آقا! میں ہمہ تن گوش ہوں-

الشیخ لائبنز کہتا ہے: ہر وہ عقلی حقیقت جس کے نفی یا اثبات کا عقل اقرار کرے اس کا انحصار دو ضروری اصولوں پر مبنی ہونا ناگزیر ہے اور وہ یہ ہیں:

مبداء التناقض- (The Principle of Contradiction)

مبداء العلۃ الکافیۃ- (The Principle of Sufficient Reason)

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ کوئی بھی تصور جو ہم کریں اس کا ممکن یا محال یا واجب ہونا ضروری ہے اور ہر وہ شے جس کے وقوع کے تصور سے عقلی تناقض واجب ہوتا ہو وہ (محال) ہے اور ہر وہ شے جس کے وقوع کے تصور سے عقلی تناقض واجب نہ ہوتا ہو وہ (ممکن) ہے اور ہر وہ شے جس کے عدم وجود کے تصور سے عقلی تناقض واجب ہوتا ہو وہ (واجب) ہے- اس طرح ہر وہ واقعہ جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ علت ضروریہ کے قانون کی بنیاد پر اس کی کوئی (علت) جو اس کے وقوع کا سبب ہو ناگزیر ہے- اور لازم ہے کہ یہ علت اس کے وقوع کے لیے کافی ہو اور اس کے وقوع کے لیے (علت کافیہ) کے نہ ہونے کی بات عقل کے متناقض ہونا واجب ہے- اور ان دو اصولوں' مبداء التناقض اور مبداء العلۃ الکافیۃ کی بنیاد پر ہمارے لیے (الممکن) کی معرفت ممکن ہے- اور (الواقع) کی علت معلوم کرنا ممکن ہے- کسی شے کے حصول کے امکان پر حکم لگانے کے لیے ہمارے لیے کافی ہے کہ ہم "مبداء التناقض" کی اساس پر سوال کریں- "کیا اس کے حصول و وقوع کے تصور کا عقل کے ساتھ متناقض ہونا لازم ہے یا نہیں؟ اگر عقل کے ساتھ اس کے وقوع کے تصور کا تناقض لازم ہوا تو ہم فیصلہ کریں گے کہ وہ ناممکن ہے اور اگر عقل کے ساتھ اس کے وقوع کے تصور کا تناقض لازم نہ ہوا تو ہمارا فیصلہ ہوگا کہ وہ (ممکن) ہے- اگرچہ عقل اس سے بُعد کا تقاضا کرتی ہو اور اس کے تصور سے عاجز و درماندہ رہ گئی ہو- اسی طرح کسی شے کے وجود کے وجوب پر حکم لگانے کے لیے ہم سوال کریں گے کیا اس کے وجود کے عدم تصور کا عقل کے ساتھ متناقض ہونا واجب ہے یا نہیں؟ اگر اس کے وجود کا عدم تصور عقل سے متناقض ہونا واجب ہوا تو ہمارا فیصلہ ہوگا

کہ وہ (واجب الوجود) ہے ورنہ نہیں- اس کے بعد جب ہم زیر مشاہدہ (الواقع) کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو علت کافیہ کی بنیاد پر دیکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے وقوع کے لیے کسی کا ہونا ناگزیر ہے اور یہ بھی ناگزیر ہے کہ وہ علت (علت کافیہ) ہو- پس عقل کی رو سے علت کافیہ کا وجود امر واجب ہے اور اس (علت کافیہ) کا انکار عقل سے متناقض ہونا واجب ہے- کیونکہ وہ (الواجب) کی قسم سے ہے-

اس مضبوط عقلی اساس پر لائبنز نے وجود، عدم، موجود اور موجد سے متعلق اپنی آراء کی تعبیر کی اور اللہ پر ایمان لایا' عالم کے عدم سے وجود میں آنے پر ایمان لایا اور ایمان لایا کہ اس عالم کا خالق کامل اللہ ہے جو کمال کی جملہ صفات سے متصف ہے-

اس کے بعد اس نے دلیل دی کہ اللہ کے وجود کا نظریہ (ممکن) ہے کیونکہ یہ کسی بھی عقلی تناقض کے لیے واجب نہیں- اور اس نے دلیل دی کہ عدم سے تخلیق (ممکن) ہے کیونکہ اس کے تصور کے لیے عقلی تناقض واجب نہیں آتا- اگرچہ عقل اس کے تصور سے عاجز ہو' پھر وہ اس عالم (الواقع) کی طرف منتقل ہوا اور کہا کہ وہ واقع ہے' نظر آتا ہے' موجود ہے- اور اس نے خود اپنے آپ کو نہیں بنایا کیونکہ یہ قول کہ اس نے اپنے آپ کو بنایا (عقلی تناقض) کو واجب کرتا ہے- لہٰذا لازم ہے کہ اس کے وجود کے لیے کوئی (علت کافیہ) ہو کیونکہ علت کافیہ کے بغیر وہ ممکن نہیں ہو سکتا- جب کہ وہ واقع اور موجود ہے اور اس کے وجود کے انکار کی کوئی صورت نہیں اور جب تک وہ موجود ہے اور اس میں یہ نظام و احکام کمال کی حد تک موجود ہے' ناگزیر ہے کہ اس کے وجود کے لیے کوئی (علت کافیہ) ہو اور وہ انتہائی قدرت' حکمت اور صفات کمال کی مالک ہو اور یہ علت کافیہ اللہ ہی ہے "الواجب الوجود" جس کے وجود کے انکار سے عقلی تناقض واجب آتا ہے-

حیران یہ عظیم کلام ہے' میں نے اس سے قوی دلیل اور زیادہ قاطع برہان کبھی نہیں سنی-

الشیخ کیا قرآن میں نہیں- اس قرآن میں جس کی قرأت کی ترغیب تمہارے ابا نے تمہیں دی ہے-

حیران یہ میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حجت میں بلیغ ترین اور دلیل میں انتہائی صادق ہے لیکن میں اس کی بلاغت کے اسرار کو اس باب میں' جو ہمارے پیش نظر ہے نہیں سمجھ سکا اگرچہ لغت کے اعتبار سے ان میں سے بعض کو سمجھ پایا ہوں' لہٰذا آپ وہ اسرار مجھ پر کھول

منکشف نہیں فرماتے؟

الشیخ علماء کی کثریت قرآن کی بلاغت کو اس کی لغت میں تلاش کرتی ہے حالانکہ قرآن کی عظیم بلاغت اس کا سحر انگیز بیان اور اس کا روشن ترین اعجاز اسی باب (اللہ کے وجود' اس کی صفت کمال' اور تخلیق عالم پر دلائل اور منکرین و ملحدین کی تردید میں دلائل) میں اظہر' اکبر' اعظم و اوفر ہے۔ جہاں تک اس کے انکشاف کا تعلق ہے' حسب وعدہ اس کا بیان تم جلد ہی اس کے موقع پر سنو گے۔

حیران اگر اللہ کے وجود' اس کے کمال اور اس کی تخلیق پر لائبنز کی رائے یہ ہے تو اس کے کلام میں پھر لغزش کہاں ہے؟

الشیخ وہ فقط اس مقام پر پھسلا جہاں عقلیں حیرت و تردد کا شکار ہو جاتی ہیں' یعنی روح و جسم کے اتصال کی علت کے بیان کے موقع پر' اس نے وہ تفسیر اختراع کی جو بڑی حد تک مالبرانش کی توافق و تناقض والی رائے سے ملتی جلتی ہے لیکن اس نے اس کا مفصل تجزیہ کیا ہے۔ اس نے اس کا آغاز عقلی امکان کی حدود کے ضمن میں کیا اور اس کا اختتام اپنے دوست کی طرح (جبریہ) پر جا کیا جس کی مناسبت اللہ کی حکمت اور اس کے کمال کے ساتھ نہیں۔

اس نے کہا کہ عالم اور عالم میں جو اجسام و ارواح ہیں وہ (روحی ذرات) سے بنتے ہیں اور ہر ذرہ ہر دوسرے ذرے سے اپنا الگ وجود رکھتا ہے اور کسی دوسرے سے ملے بغیر اپنے قوانین کے مطابق چلتا ہے۔ اور ہر ذرے کا ایک مادی (منفعل) رخ ہے اور دوسرا روحانی (فاعل) رخ۔

حیران اگر ذرے باہم ملتے نہیں تو ان کا باہمی عمل اور ردعمل کیسے ہوتا ہے؟

الشیخ یہ چیز اس کے جواب میں "التناسق السابق التوطید" (توافق ازلی) کا نظریہ اختراع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ذرات اللہ کے ارادے سے چلتے ہیں اور اس کی قدرت سے اس طرح عمل کرتے ہیں کہ بظاہر باہم متصل معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ باہم متصل نہیں ہوتے۔ لیکن اللہ کی قدرت ہر ذرے کو اس طرح چلاتی ہے کہ اس کی چال دوسرے ذرات کی چال کے موافق ہوتی ہے۔

اور یہی حال عقل اور جسم کا ہے۔ عقل کا اپنا خاص نظام ہے۔ اور جسم کا اپنا نظام لیکن وہ

دونوں اللہ کے ارادے سے پہلے سے طے شدہ موافقت اور مطابقت میں الگ الگ اس طرح چلتے رہتے ہیں کہ ایک کا عمل دوسرے کے عمل سے پیچھے رہ جانا ناممکن ہے۔ لہٰذا ہر عقلی احساس کے بالمقابل جسمانی حرکت موجود ہوتی ہے گویا ان کے درمیان علاقہ و اتصال کی صورت ہے۔ حالانکہ وہ دونوں درحقیقت غیر متصل اور غیر متفاعل ہوتے ہیں اور یہ مطابقت جو ہمیں نظر آتی ہے وہ "التناسق السابق التوطید" کے اثر سے ہوتی ہے جو اللہ نے ان کے اندر وضع فرما دی ہے۔

حیران یہ نظریہ ناممکن نہیں بلکہ یہ اس اصول کی بنیاد پر ممکن ہے جس کو لائبنز نے (الممکن) کی شکل میں وضع کیا ہے۔ کیونکہ اس کا تصور عقل کے تناقض کا موجب نہیں بنتا۔ لیکن میں اسی اصول کی بنیاد پر سوال کرتا ہوں کہ کیا روح و جسم میں حقیقی اتصال کا تصور عقلی تناقض میں سے ہے اور جب اس اتصال کا تصور عقلی تناقض کا موجب نہ بنتا ہو اور (ممکن) ہو اور وہی ظاہر کے زیادہ قریب' نتیجہ کے لحاظ سے زیادہ محکم اور اپنے انجام میں خوب تر ہو تو جب وہ ہمیں روح و جسم کے اتصال کے بارے میں پائی جانے والی مشکل سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ہمیں اس سے شدید تر اور نتیجہ اور انجام کے لحاظ سے خراب تر مشکل میں کیوں دھکیل دیتا ہے؟

الشیخ تم نے حق بات کہی ہے..... جب ہم نہیں سمجھ پاتے اور ممکن ہے کہ کبھی نہ سمجھ پائیں کہ روح و جسم میں اتصال کی تکمیل کیسے ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ ممکن ہی نہیں' ہمارے لیے تو اتنا کافی ہے کہ ہم لائبنز کے ساتھ یہ کہیں کہ وہ (ممکن) ہے کیونکہ اس کا تصور عقل کے متناقض نہیں اور جب وہ ممکن ہوا تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی چیز مانع نہیں کہ "وہ اللہ کی قدرت سے مکمل ہوتا ہے"۔ بجائے اس کے کہ ہم اس کی تفسیر و تعلیل زیادہ مشکل' بظاہر بعید تر اور (الجبریہ) کے قریب تر نظریہ سے کریں جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے عدل و حکمت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

حیران شیخ محترم میں نے آپ سے سنا ہے کہ لائبنز کی رائے میں عالم اپنے کمال کی نہایت پر ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ حالانکہ ہم اس میں بہت سے شر دیکھ رہے ہیں۔

الشیخ لائبنز جو اپنی روشن بینی کے لیے معروف ہے اس عالم میں (مجموعی طور پر) پائے جانے والے نظام و احکام اور جمال سے (العلۃ الکافیۃ للواقع) کے اصول پر اللہ کے کمال پر استدلال کرتا ہے۔ پھر اللہ کے کمال' جس میں کوئی شک نہیں' کے ساتھ استدلال کرتا ہے

کہ یہ عالم ویسا ہی ہے جیسا کہ عقل کی رو سے اس کا افضل ہونا ممکن ہے۔ لیکن ہمیں چاہیے کہ ہم کائنات کو کسی محدود وقت میں کسی مخصوص واقعے کے زاویے سے نہ دیکھیں کہ ہم اپنی آنکھیں اس میں موجود شر پر مرکوز کو لیں اور اس سے ورے جو خیر ہے اس سے آنکھیں بند کر لیں۔ بلکہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم "کل" میں جو حکمت ہے اس کا ادراک کریں۔ اگر عالم کو کلی آنکھ کے ساتھ دیکھیں تو ہمیں شر نظر آنے والے امور خیر تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ دکھائی دیں گے۔

اور شرور سے متعلق اس کا اور اس سے قبل بہت سے فلاسفہ و متکلمین کا یہ قول مجھے بلاغت و حکمت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز جاحظ کے کلام کی یاد دلاتا ہے جب وہ کہتا ہے "دنیا کی ابتداء سے اس کے آخر تک یہ مصلحت اس میں مضمر ہے کہ خیر کا شر کے ساتھ، ضار کا نافع کے ساتھ، مکروہ کا محبوب کے ساتھ، پستی کا بلندی کے ساتھ، کثرت کا قلت کے ساتھ امتزاج ہو۔ اگر صرف شر ہوتا تو مخلوق ہلاک ہو جاتی اور اگر محض خیر ہوتا تو محنت ساقط ہو جاتی اور فکر کے اسباب منقطع ہو جاتے اور فکر نہ ہوتی تو حکمت معدوم ہو جاتی۔ جہاں تخییر (آزادی اختیار و انتخاب) نہ ہو وہاں تمیز (امتیاز کرنے کی صلاحیت) نہ ہوگی۔ اور اگر عالم میں تحقیق، توقف اور تعلم نہ ہو تو علم نہ ہوگا اور نہ تدبیر کا باب وا ہوگا۔ نہ مضرت کا دفاع ہوگا نہ منفعت کا حصول، نہ مکروہ پر صبر ہوگا نہ محبوب پر شکر، نہ بیان میں ایک دوسرے پر فضیلت، نہ درجات میں ایک دوسرے پر سبقت، کامیابی پر مسرت ہوگی نہ غلبے پر احساس رفعت، کوئی برسر حق نہ ہوگا جو حق کی عزت حاصل کرے اور کوئی برسر باطل نہ ہوگا جو باطل کی ذلت سے دوچار ہو۔ نہ کوئی موافقت کرنے والا ہوگا جو موافقت کی ٹھنڈک محسوس کرے اور نہ کوئی شک کرنے والا جو شک کے نقصان اور رنج و غم کی اذیت سے دوچار ہو۔ دلوں میں امیدیں نہ ہوں گی اور حرص و ہوا کی سیری نہ ہوگی۔ پس ہر خامی و کوتاہی سے پاک ہے وہ جس نے عالم کے فائدوں کو نعمت بنایا اور اس کی مضرتوں کو بڑے فائدوں کی طرف لوٹنے والی بنایا..... اور ہر ایک میں پوری پوری مصلحت بنائی اور ان کے مجموعہ کو کامل نعمت بنایا۔

حیران: بے شک یہ کلام بلاغت و حکمت کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے۔

الشیخ: جاحظ دنیا میں لیبنیز سے قریباً نو صدیاں پہلے آیا اور رخصت ہو گیا۔ اور اے حیران کیا تم نے دیکھا کہ عبقریوں کی عقلیں کس طرح باہم متفق ہو جاتی ہیں۔

تلاقی العباقرہ

(عباقرہ کی ہم آہنگی)

(۳)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران بن الاضعف کہتے ہیں میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں خوش وخرم پایا' ان کے پاس ایک کتاب تھی' جونہی میری نظر اس پر پڑی تو میں سمجھ گیا کہ وہ اردو زبان میں ہے۔ مجھے تعجب ہوا' میرے چہرے پر شوق و بشاشت کی علامات ظاہر ہو گئیں۔ شیخ نے میری طرف دیکھا اور کہا "کیا وجہ ہے کہ میں تجھے گذشتہ شب کے برخلاف خوش دیکھ رہا ہوں؟ تمہارا نام ابو الاحوال رکھ بیٹھا ہوں یا یہ کہ تیری نظر کتاب پر پڑ گئی ہے جو تمہارے وطن کی زبان میں ہے اس لیے تمہارے اندر شوق وطن جاگ اٹھا ہے۔

حیران میرے آقا حقیقت تو یہی ہے لیکن یہ کتاب کون سی ہے؟

الشیخ: یہ میرے شیخ الجسر کی کتاب ہے۔

حیران: کیا وہ علماء ہند میں سے ہیں؟

الشیخ: نہیں' بلکہ وہ دیار شام کے علماء میں سے ہیں لیکن یہ کتاب اردو اور ترکی میں ترجمہ شدہ ہے۔

حیران: کیا الجسر" سے متعلق گفتگو کا وقت آ گیا ہے جن کا ذکر آپ سے ایک عرصہ سے سن رہا ہوں؟ لیکن آپ نے تین میں سے تیسرے (ایمیونل کانٹ) کا ذکر نہیں کیا جس سے متعلقہ گفتگو سننے کا مجھے بہت شوق ہے۔

الشیخ الجسر کی باری ابھی نہیں آئی لیکن ان سے متعلق گفتگو کی تیاری میں آئندہ رات میں کروں گا لیکن آج رات میں "ہیوم" اور "ایمیونل کانٹ" سے متعلق گفتگو کروں گا۔ اول الذکر جدید شکاک کا قائد ہے اور موخر الذکر عقل کے ماننے والے اور عقل کے خالق اللہ پر ایمان رکھنے والے متاخر فلاسفہ کا قائد ہے۔

حیران قائد شکاک کے ذکر سے میرا کیا تعلق ہے؟ میں نے شکاک کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ ان کے اقوال میں نہ سلیم منطق پائی ہے اور نہ صحیح فلسفہ۔

الشیخ یہ درست ہے' "ہیوم" نقاد فلسفیوں کے ہاں صحیح معنوں میں فلسفی شمار نہیں کیا جاتا کیونکہ اس نے محدود ایجابی فلسفہ ایجاد نہیں کیا بلکہ وہ شک کا گرویدہ رہا۔ لہٰذا اس نے ہر شے کا انکار کیا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنی عقل اور اپنے رب کا بھی انکار کر دیا لیکن اگر میں "ہیوم" کا ذکر نہ کروں تو عقل اور ایمان باللہ کے دفاع میں کانٹ کی فضیلت تم پر واضح نہ ہو سکے گی اور نہ ہی فلسفہ میں خود "ہیوم" کی فضیلت تم پر واضح ہو گی۔

حیران: کیسے؟

الشیخ اگر ہیوم شک نہ کرتا تو کانٹ اپنی عمر کا ایک طویل حصہ عقل کے دفاع میں اپنی بڑی بڑی تالیفات میں صرف نہ کرتا۔

حیران۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ہیوم نے اپنی عقل اور اپنی ذات کا انکار کیسے کر دیا؟

الشیخ کیا دور اول کے سوفسطائیوں اور اولین شکاک نے ہر چیز کا انکار نہیں کیا؟

حیران: یہ صحیح ہے لیکن سوفسطائی لوگوں کو بہت بڑا دھوکہ دے رہے تھے مگر شکاک نے اپنا معاملہ منفی انداز میں "لاادریہ" پر ختم کر دیا اور وہ ایسے دور میں آئے جب کہ فلسفہ کو یہ آفاقی وسعت حاصل نہ تھی۔ اور نہ ہی اس کے اس قدر وسیع ثمرات ظاہر ہوئے تھے جس سے بڑی بڑی عقلیں پیدا ہوئیں جن کا آپ نے مجھ سے ذکر کیا ہے مثلاً ڈیکارٹ' لاک اور لائبنز جو اس کے ہمعصر تھے جسے آپ نے شیخ الشکاک کا نام دیا ہے' لہٰذا مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہیوم ان کے بعد کس طرح اپنی عقل اور اپنی ذات سے متعلق شک میں پڑ گیا؟

الشیخ: ہیوم نے معرفت میں آغاز کیا اور لاک کی پیروی کی اور فطری افکار کے انکار میں اس سے اتفاق کیا اور اس کا ہم خیال ہوا کہ جتنی بھی معرفت کی قسمیں ہمارے ہاں ہیں وہ سب احساس و تجربہ پر مبنی ہیں اور افکار مرکبہ محض مجموعہ افکار ہیں۔ لیکن جب محسوسات میں ہم ان کی تمثیل نہیں پاتے تو سمجھ لیتے ہیں کہ وہ عقل کی نئی ایجادات ہیں۔

اگر ہیوم اس پر رک جاتا تو معاملہ آسان تھا۔ فطری افکار طبعی افکار کا مجموعہ بن جاتے اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں کہ عقلی اولیات ہماری عقلوں کی بنائی ہوئی ہوں لیکن وہ اس میں بہت زیادہ نامعقول مبالغہ کرتا ہے حتیٰ کہ قانون سببیہ کا انکار کر دیتا ہے اور یہ خیال کر لیتا ہے کہ علت کا معلول کے ساتھ تعلق ایک خیالی تعلق ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں سوائے اس کے کہ ہم واقعات کو ظاہری طور پر دیکھتے ہیں' جن کے بعد دوسرے ظاہری واقعات آتے ہیں۔ تو ہم دوسرے کو پہلے کا سبب خیال کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ان دو ظاہری واقعات کے مابین عقلی رابطہ "ضروریہ" نہیں ہوتا کہ پہلا ظاہری واقعہ دوسرے کی علت ہو لیکن ہم عادی ہیں کہ اگر دو واقعات کو یکے بعد دیگرے دیکھیں تو سمجھتے ہیں کہ ان دو واقعات کا باہمی تعلق سبب کا ہے اور خیال کر لیتے ہیں کہ پہلا

واقعہ دوسرے واقعہ کی علت ہے حالانکہ نظریہ سبب ہمارا ذاتی نظریہ ہے اور اس کا وجود ہماری عقل کے سوا کہیں نہیں ہوتا اور قوانین علت سابقہ تجربات کا خلاصہ ہی ہوتے ہیں- اور مستقبل سے متعلق قلیل ترین تیقن کے قابل بھی نہیں ہوتے-

حیران دو واقعات کے مابین رابطہ کا ضروریہ نہ ہونے سے متعلق ہیوم کا قول غزالی کے قول سے مشابہ ہے- جس کا ذکر آپ نے ابن رشد پر گفتگو کے موقع پر کیا تھا-

الشیخ غزالی کی نظر میں قانون سبب پر میری تلخیص سے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے تو مجھے اس پر افسوس نہیں- اس غلط فہمی میں بہت سارے علماء تمہارے شریک ہیں جنہوں نے "تہافت الفلاسفہ" کا مطالعہ کیا ہے لہٰذا میری رائے ہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے اسے دہرائیں۔

حیران بن الاضعف نے کہا کہ میں نے رجسٹر کے وہ صفحات الٹے جہاں میں نے شیخ کی گفتگو درج کی تھی اور جو کچھ میں نے غزالی سے متعلق لکھا تھا اسے پڑھا تو شیخ نے کہا: تم نے کیا دیکھا؟

حیران: میں نے دونوں اقوال میں کوئی فرق نہیں دیکھا- غزالی نے کہا ہے کہ سبب اور مسبب (اثر) کے مابین جو رابطہ ہمیں نظر آتا ہے وہ اس قطعی فیصلے کا جواز مہیا نہیں کرتا کہ کہا جائے کہ واقعات (ظواہر) کا سبب وہی ہے- ہیوم بھی بالکل یہی بات کہتا ہے-

الشیخ. ایسا ہرگز نہیں' دونوں اقوال کے درمیان فی الحقیقت بڑا فرق ہے- تمہارے لیے از سر نو وضاحت کی ضرورت ہے- میری بات پر دھیان دو-

حیران میرے آقا! میں ہمہ تن گوش ہوں-

الشیخ آسان فہمائش کے لیے غزالی کی دی ہوئی آگ کی مثال کو میں مفید نہیں سمجھتا کیونکہ تم عاقل و بالغ ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ "آگ جلاتی ہے" کی معرفت یقین کے مشابہ ہے اور غزالی کے قول سے یہ معنی سمجھنا ممکن نہیں کہ کوئی عقلی ضرورت نہیں پائی جاتی جو "آگ جلاتی ہے" کو واجب کرتی ہو- اس لیے میں آگ کو ایک طرف رکھتا ہوں اور تمہیں ایک دوسری مثال دیتا ہوں- "یہ تیل ہے' زیتون کا تیل' اگر تم نے اسے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا ہوتا اور تمہیں کوئی شخص یہ خبر دیتا کہ اس میں آگ چھپی ہوئی ہے اور تم اس کے شعلے نکال سکتے ہو تو کیا تم تصدیق کرتے؟

حیران: اگر اس کا تجربہ میرے سامنے کیا جاتا تو میں مان لیتا-

الشیخ جب تمہارے سامنے اس کا تجربہ ہو جائے تو کیا تمہارے لیے کوئی عقلی ضرورت ہوگی جو یہ فیصلہ کرے کہ تیل میں شعلے کی قابلیت ہے-

حیران. ہرگز نہیں میرے آقا! جس طرح میں یہ سمجھنے کے لیے کوئی عقلی ضرورت نہیں محسوس کرتا کہ نائٹرو گلیسرین میں پھٹنے کی خاصیت ہوتی ہے' اس سے قبل کہ میں اسے اپنے مطالعہ و مشاہدہ کے ذریعے معلوم کروں-

الشیخ یہ بڑی عظیم بات ہے' یہ تمہاری دی ہوئی مثال تیل والی مثال سے بہتر ہے اور اب ایک اور سوال پوچھتا ہوں وہ یہ کہ اگر ہمارے پاس کوئی جسم لایا جائے جس سے تا حال تم واقف نہ ہو اور نہ ہی اس سے متعلق کچھ سنا ہو اور تم سے یہ سوال کیا جائے کہ کیا تمہارے لیے کوئی عقلی ضرورت ہے جو تمہارے لیے یہ باور کرنا لازم کر دے کہ "تحیز[1] اس جسم کا تقاضا ہے" تو تم کیا جواب دو گے؟

حیران میرا جواب ہوگا کہ یہ عقلی ضرورت ہے جو مجھ پر باور کرنا لازم کرتی ہے کہ تحیز ہر جسم کا تقاضا ہے-

الشیخ: وہ کیوں؟

حیران: کیونکہ میں اسے امر بدیہی پاتا ہوں-

الشیخ اور تم تیل میں شعلے کا تقاضا اور نائٹرو گلیسرین میں پھٹنے کا تقاضا' اسے کیوں امر بدیہی نہیں سمجھتے؟

حیران: اس لیے کہ میں اسے بدیہی نہیں پاتا اور نہ ہی اس میں ضرورت عقلیہ دیکھتا ہوں جو اس بداہت کو لازم کرے-

الشیخ. اے حیران! غزالی کی مراد یہی ہے' اس نے قانون سببیہ اور اس کے اصل و اساس کا ہرگز انکار نہیں کیا لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ ظاہرہ جس کو ہم سبب کہتے ہیں اس کے اثر (مسبب) کے حصول کے لیے ضروری عقلی تقاضہ لازم نہیں۔ لہٰذا عقل کو اس یقین کے لیے کہ آگ لازم لکڑی کو جلاتی ہے' عقلی ضرورت واجب نہیں ہوتی لیکن اس نے تجربہ سے لکڑی کو

---

1. تحیز: جگہ گھیرنا

آگ کے چھونے کے وقت جلنے کے ظاہرہ کو مسلسل دیکھا ہے۔ لہٰذا اس نے یقین کر لیا کہ آگ جلانے کا سبب ہے اور اگر یہ تسلسل نہ ہوتا جس کو عقل دیکھتی ہے تو اس کے لیے ضرور تھا لازم نہ آتا کہ وہ آگ کے جلانے کے لازمی امر کو باور کرے جس طرح اس پر یہ ضرور تھا واجب ہے کہ تحیزؔ کے لیے جسم کے ملازم ہونے پر یقین کرے اور غزالی اس سے اپنے اس قول تک رسائی چاہتا ہے۔ "جب آگ میں جلانے کی خاصیت کا وجود عقل کی رو سے ضروری طور پر لازم نہیں تو یہ ممکن تھا کہ جو خاصیت اس وقت اس میں ہے اس کے برعکس ہوتا" تو ناگزیر ہے کہ جس نے آگ کو اور جملہ اشیاء کو خواص و طبائع عطا کیے ہیں وہی ان کا خالق ہو اور اسی میں یہ قدرت ہے کہ وہ ان سے یہ خاصیت چھین لے"۔

مگر ہیوم قانون سببیہ کی اصل و اساس کا ہی منکر ہے بلکہ وہ اپنی ذات اپنی عقل اور جملہ عالم کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے "جب ہم کسی شے کے وجود پر یقین کرتے ہیں جو ہمیں محسوس ہوتی ہے تو یہ یقین ہمیں اس لیے ہوتا ہے جب ہمارے حواس اس شے کے اثر کو ہماری طرف منتقل کرتے ہیں اور ہمیں اس کے وجود کا شعور دلاتے ہیں۔ لیکن جب وہ ہمارے حواس سے غائب ہو تو اس کے وجود کے حتمی یقین کی کوئی دلیل نہیں ہوتی جس طرح کہ اس یقین کی کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ جس شے کو ہم نے آج دیکھ کر چھوڑا ہے اگلے دن اسے دیکھنے کے لیے پلٹیں تو بالکل وہی شے ہو جسے ہم نے پہلے دن دیکھا تھا اور سارا معاملہ تو یہ ہے کہ ہم نے دو چیزیں دیکھی ہیں اور سمجھ لیا کہ ہم نے ایک ہی چیز دیکھی ہے۔ لہٰذا ہم عالم ظاہر کے بارے میں سوائے ان وقتی حسی مدرکات کے کچھ نہیں جانتے جو ہمارے ذہنوں میں موجود ہوتے ہیں اور عالم میں یہی افکار ہیں جن کا ہم ادراک کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کائنات میں کچھ نہیں اور اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں خواہ وہ مادی ہوں یا روحانی۔

پھر ہیوم شک میں اور آگے بڑھتا ہے بلکہ بری طرح قعر مذلت میں جا گرتا ہے اور کہتا ہے "جب ہمارے معارف کا سرچشمہ حسی آثار ہی ہیں اور ہم محسوسات میں عقل اور ذات نام کی کوئی شے نہیں پاتے تو عقل اور ذات کا وجود نہیں جن کے وجود کا ہم دعویٰ کرتے ہیں اور میں اپنے قول کہ "میری ذات موجود ہے اور میری عقل موجود ہے" سے یہ سمجھتا ہوں کہ میرے داخل میں احساسات کا سلسلہ اور افکار کی متابعت پائی جاتی ہے اور اس مجموعہ کا نام "ذات عاقلہ" رکھ لیتا

ہوں۔ پس کلمہ ذات و عقل محض تخیلات اور اوہام ہیں۔

حیران: یہ عجیب ہے۔

الشیخ: اس طرح سے یہ دانشور شرمناک عقلی تناقض کا شکار ہے کہتا ہے کہ اشیاء ہمارے افکار کے سوا کچھ نہیں ہیں اور ہمارے افکار کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ اشیاء کے احساس کے آثار کے سوا کچھ نہیں۔ اشیاء کا تعارف کراتا ہے کہ وہ افکار سے عبارت ہیں اور افکار کا تعارف کراتا ہے کہ وہ اشیاء کے اثر سے عبارت ہیں پھر دونوں قسموں سے انکار کر دیتا ہے

حیران: یہ تو فطری بات ہے جب ہیوم نے اپنی ذات اپنی عقل اور کائنات کا انکار کر دیا تو اسی طرح بقول شیخ رب کا انکار کر دیتا ہے۔

الشیخ: ہاں! اجاذ بلاشبہ ہر وجود کے مطلق اور جامع انکار کا فطری نتیجہ ہے۔ لیکن اگر تم اللہ کے عدم وجود پر اس کی دلیل سے متعارف ہو جاؤ تو اس کی کج ذہنی سے متعلق تمہارے یقین میں اضافہ ہو جائے گا۔

حیران: اللہ کے عدم وجود پر اس کی دلیل کیا ہے؟

الشیخ: وہ کہتا ہے کہ ہم کسی شے کی علت سے متعلق سوائے اس کے کچھ نہیں جانتے کہ وہ اپنے معلول کے حدوث سے قبل حادثہ سابقہ ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم سابقہ و لاحقہ دونوں حادثوں کا مشاہدہ کریں۔ لہٰذا کائنات کا وجود اس کے صانع کے وجود کے لیے کوئی دلیل نہیں الا یہ کہ ہم صانع و مصنوع کو باہم دیکھیں۔

حیران: اس واضح گمراہی سے خدا کی پناہ!

الشیخ: اس کا درجہ گمراہی سے بڑا ہے یہ عناد ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے اپنی ذات دکھا دیتا جیسا کہ وہ چاہتا ہے اور کائنات سے متعلق اپنی صنائع کا مشاہدہ کرا دیتا جیسا کہ اس کا مطالبہ ہے تو وہ اپنے اس قول "یہ تو پے در پے مظاہر ہیں اور ان کے تعاقب میں کوئی عقلی ضرورت نہیں جو واجب کرتی ہو کہ کائنات کے وجود کی علت اور اس کا خالق اللہ ہو" سے رجوع کر لیتا اور قانون سببیہ میں لوٹ آتا۔

یہ احمقانہ اور کمزور آراء تمہارے سامنے اس لیے رکھ رہا ہوں تاکہ میں انہیں تمہارے سامنے لائبنز کی آراء جو ہیوم سے پہلے آیا تھا اور ایمینوئل کانٹ کی آراء جو اس کے بعد آیا تھا کے

ساتھ تقابل کی میزان میں رکھ دوں۔

حیران: میں ایک عرصہ سے آپ سے ایمینول کانٹ کا ذکر غزالی کے نام کے ساتھ سنتا آرہا ہوں۔ مجھے الوجود پر اس کا فلسفہ پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔

الشیخ: بہتر ہے کہ تم کانٹ کو بغیر استاد کے تنہا پڑھو' تمہیں منظم و مرتب کلام کے اس پہاڑ میں سرنگیں و تہ خانے واضح نظر آئیں گے جن کا کانٹ خود اعتراف کرتا ہے کیونکہ اس نے اسے پیچیدہ بنایا ہے اس لیے کہ اس نے اسے بڑے بڑے فلاسفہ کے لیے لکھا ہے۔ اس سے بھی زیادہ موزوں یہ ہے کہ تم کانٹ سے متعلق لوگوں کی تحریروں کو پڑھو۔ نتیجتاً تم اپنے آپ کو ان دو گروہوں کے درمیان حیران و ششدر پاؤ گے جن میں ایک کانٹ کو بہت بڑا مومن شمار کرتا ہے اور دوسرا اسے بہت بڑا کافر سمجھتا ہے۔

حیران: میرے آقا! حقیقت کیا ہے؟

الشیخ: حقیقت یہ ہے کہ کانٹ اللہ پر ایمان لانے والوں میں سے تھا اور اس ایمان کے خادموں میں سربرآوردہ تھا لیکن اس نے شک و الحاد کے خلاف جنگ کے لیے اسلحہ تیار کر لینے' اسے صیقل کر لینے' اسے تیز دھار اور قاطع بنا لینے کے بعد اسے استعمال کرنے میں عجز و درماندگی کا مظاہرہ کیا۔

حیران: تعجب ہے وہ اللہ پر کیسا ایمان لانے والا ہوا؟ جب کہ اس نے ایمان کے دفاع کے لیے اسلحہ تیار کیا لیکن اسے استعمال کرنے سے عاجز رہ گیا۔

الشیخ: ایمینول کانٹ کا عقل کے دفاع میں سقراط کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھا لیکن ایمان کے معاملہ میں اسے سب سے زیادہ ابن رشد کے ساتھ مشابہت تھی۔ وہ اس طرح کہ کانٹ کو اس مطلق احمقانہ شک نے متنبہ کر دیا تھا جس کے ساتھ شیخ شکاک ہیوم نے علم' دین اور اخلاق پر ہاتھ صاف کیا تھا جس طرح قبل ازیں سقراط کو سوفسطائیوں کے شک نے متنبہ کر دیا تھا لہٰذا اس نے سقراط کی طرح ارادہ کیا کہ وہ عقل کا دفاع کرے تاکہ بار دیگر ثابت کرے کہ معرفت تنہا احساس سے حاصل نہیں ہوتی اور وہ عقل سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسے احساسات سے اور احساسات سے ورے محسوس نہ ہونے والے علاقوں سے معقولات کی تکوین کی مخصوص صلاحیت حاصل ہے۔ اور اسے عقل کے دفاع میں بڑا ملکہ

حاصل تھا اور بڑی عمدہ توفیق سے بہرہ ور تھا لیکن اس کے بعد کہ جب اس نے عقل کی بنیاد اور اس کے ستونوں کو بے نقاب کر دیا اور اس کی قوت و قدرت کو ثابت کر دیا اور اس کے فطری قوانین اور اس میں مرکوز اولین بدیہیات کی وضاحت کر دی تو اس نے اپنے پیش رو ابن رشد کی طرح سوچا کہ مرکب عقلی نظریہ عقل کو شک و ریب اور حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے لہٰذا اس نے اپنے لیے اللہ کے وجود کے ثبوت میں دیگر طریقہ اختیار کیا جیسا کہ ابن رشد نے کیا تھا۔ لیکن وہ اس اختیار میں نہایت قلیل توفیق کا حامل نکلا۔ میں تمہارے لیے اس کلام کی سہل ترین اسلوب میں تلخیص و تشریح کیے دیتا ہوں۔ جیسا کہ تمہارا مطالبہ ہے۔

لہٰذا بغور سنو!

حیران: میں ہمہ تن گوش ہوں۔

الشیخ: کانٹ نے درج ذیل سوال اٹھایا۔

کیا عقل کی فطرت اور اس کی تکوین میں وہ مخصوص صلاحیت ہے جو اسے حواس و تجربہ کے بغیر بذات خود احکام انشائیہ کی تکوین تک رسائی کے قابل بنائے؟

اس سوال کے جواب کے لیے کانٹ نے اپنے فلسفہ کی تکمیل کے بعد (نقد العقل الخالص Critique of Pure Reason) نامی ایک کتاب تحریر کی۔ عقل کے دفاع میں وہ اس کی سب سے بڑی کتاب ہے۔ جہاں تک اس سوال کے طویل و عریض اور ضخیم جواب کا تعلق ہے وہ بعض اصولوں پر مرتکز ہے۔ سب سے پہلے میں اس کا خلاصہ بیان کیے دیتا ہوں تاکہ تم اسے اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو۔ وہی بحث و کلام کی بنیاد دینے گا۔ وہ کہتا ہے:

☆ معرفت کے سرچشمے حس و عقل ہیں' ہم نہ تو صرف احساس سے اپنے معارف کی تکوین کرتے ہیں اور نہ صرف عقل سے۔

☆ عقل کے فطری افکار ہیں جو اس میں مرکوز ہوتے ہیں جن کو کانٹ نے (منظم عقلی قوانین (Systematic laws) کا نام دیا ہے۔ عقل ان کے ذریعے اپنی طرف ہونے جانے والے حسی آثار کے درمیان قائم (علاقات) کے ادراک کے قابل ہوتی ہے اور احساسات سے حسی ادراک تشکیل دیتی ہے۔ پھر حسی مدرکات سے عقلی مدرکات بناتی ہے۔ اور ان فطری افکار و قوانین میں سے اہم ترین (نظریہ زمان و مکان اور قانون سببیہ)

ہیں۔

☆ عقل ان منظم قوانین کی قوت سے احکام انشائیہ کی تکوین میں احساس و تجربہ پر انحصار کیے بغیر بذات خود قائم ہو جاتی ہے۔

☆ لیکن عقل کی یہ قدرت محدود ہے اور محسوس ظواہر کے ساتھ مربوط ہے۔ جونہی وہ ظواہر کے میدان سے نکلنے اور خود اشیاء کی حقیقت میں داخل ہونے کی کوشش کرتی ہے تو خطائیں جا پڑتی ہے اور یہ مابعد الطبیعیات کا کام ہے کہ وہ اس مقام کی واضح نشاندہی کرے جہاں پر عقل عالم حس سے ورے داخل ہونے کی کوشش میں خطا کرتی ہے کیونکہ وہ عالم نامعلوم ہے۔

حیران۔ یہ سب کچھ جو میں نے سنا ہے اس میں کوئی نئی بات نہیں لیکن میں اس کے اس قول کے معنی نہیں سمجھ پایا کہ عقل میں یہ قدرت ہے کہ وہ احساس پر انحصار کیے بغیر احکام انشائیہ کی تکوین کرے۔ پھر اس کے بعد اس کا یہ قول کہ عقل میں احساس کے دائرے کو پھلانگ جانے کی استطاعت نہیں۔

الشیخ یہ درست ہے کہ کانٹ ان اصولوں کے ساتھ کوئی نئی اور انوکھی شے نہیں لایا لیکن انہیں پختہ کرنا اور ان کی صحت پر دلائل دینا نئی شے ہے۔ جہاں تک عقل کے عمل کو دائرہ احساس میں محصور کرنے کا تعلق ہے وہ درست ہے اس میں کوئی ابہام نہیں اگرچہ نتائج جو اس نے اس حصر سے برآمد کرنے چاہے وہ نادرست ہیں۔

حیران: میں نہیں سمجھا' براہ کرم وضاحت فرمایئے!

الشیخ کانٹ کہتا ہے کہ احساسات حواس کے راستوں سے بڑی تعداد میں باہم مسابقت کرتے ہوئے غیر منظم طریقے سے باہم گڈمڈ ہوتے ہوئے عقل کی طرف لوٹتے ہیں۔ عقل انہیں ترتیب' تنسیق اور تمیز کے ساتھ وصول کرتی ہے۔ بعض کو باہم ملا لیتی ہے اور بعض کو جدا کر دیتی ہے بعض کو مقدم کر لیتی ہے اور بعض کو موخر' بعض کو معنی پہنا دیتی ہے اور بعض کو مہمل چھوڑ دیتی ہے اور ان سے حسی ادراک کی تکوین کرتی ہے۔ پھر ان حسی مدرکات سے عقلی مدرکات اور جدید احکام انشائیہ تشکیل دیتی ہے۔ اور اس میں تجربہ و احساس پر انحصار نہیں کرتی ۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر کس قوت کے بل پر عقل یہ سب کچھ کرتی ہے؟

احساس ہماری عقلوں کی طرف اشیاء کی محض شکلیں اٹھا کر لاتا ہے لیکن اشیاء کے مابین جو علاقات قائم ہوتے ہیں خواہ وہ اپنی ترتیب میں مکانی ہوں یا اپنی ترتیب میں زمانی' یا بعض بعض کا سبب ہوں' یہ عقلی علاقات ہوتے ہیں۔ محسوس اشیاء کی صورت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا تو پھر عقل وہ احکام انشائیہ کہاں سے لے آتی ہے جو ان علاقات پر صادر کرتی ہے؟۔

ہم دو رقوم میں غور کرتے ہیں جو نتیجہ ہم ان کو جمع کر کے حاصل کریں گے وہ اس سے مختلف ہوگا جو ان کو باہم ضرب دینے سے حاصل ہوگا۔ اگر یہ ادراک صرف احساس سے پیدا ہونے والا ہوتا تو حسابی عمل ہرگز مختلف نہ ہوتا۔ کیونکہ ہماری بصارت' ہمارے سامنے ایک ہی شکل پیش کرتی ہے' اس میں تغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو تعلق سبب اور مسبب کے مابین قائم ہوتا ہے اس سے متعلق ہمارے ادراک کا بھی حال ہے اور یہی ہمارے ادراک کا علت اور معلول سے متعلق ہے اس لیے کہ ہمارے حواس ہمیں صرف ظواہر کی الگ الگ اور پے در پے شکلیں دکھاتے ہیں اور سبب کا تعلق ہرگز نہیں دکھاتے۔ لہٰذا ہم اس علاقہ کو کیسے جانیں اور بداہۃً ہم کیسے ادراک کر لیں کہ ہر معلول کی کوئی علت ہوتی ہے۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر کانٹ یہ کہتا ہے "عقل میں فطرتاً منظم قوانین ہیں جن کے ذریعے وہ احساس کا ادراک کر لیتی ہے۔ اور اسے حسی مدرکات میں تبدیل کر لیتی ہے اور پھر حسی مدرکات سے عقلی مدرکات بنا لیتی ہے اور جدید احکام انشائیہ صادر کرتی ہے اور اس میں وہ احساس پر انحصار نہیں کرتی۔

جملہ عقلی افکار اور فطری قوانین میں سے زمان و مکان کے دو نظریات میں عقل احساس کے راستوں سے مدد نہیں لیتی کیونکہ ان کا اشیاء میں کوئی وجود نہیں ہوتا کہ ان کا احساس ممکن ہو لہٰذا نظریہ زمان کے ساتھ انسان آ چھپے حسی فرض کر لیتا ہے اور انہیں ترتیب زمانی کے مطابق یکے بعد دیگرے ترتیب دیتا ہے۔ نظریہ مکان کے ساتھ عقل آثار حسی کو باہم ملاتی ہے یا انہیں جدا جدا کرتی اور مکانی ترتیب کے ساتھ انہیں ذہن میں ترتیب دیتی ہے جس سے ان کا ادراک کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اور اگر زمان و مکان کے مذکورہ دونوں نظریے فطری طور پر عقل میں ہوں تو عقل کسی چیز کا ادراک نہ کر پائے اور نہ ہی اشیاء کے مابین قائم عقلی تعلق کا استخراج کر سکے اور نہ احکام انشائیہ کے صدور کے قابل ہو جو اشیاء کے مکان اور ان کے زمان سے متعلق ہوں۔

اور چونکہ ریاضی کے جملہ قضیے محض زمان و مکان سے متعلق نسبتیں اور علاقات ہیں کیونکہ ہندسہ مکان سے مخصوص ہوتا ہے اور حساب جو مسلسل و متکرر عدد ہوتا ہے ادراک زمان پر موقوف ہے۔ لہٰذا ریاضی کے قاعدے ہماری عقلوں سے فطرتاً نکلے ہوئے فطری عقلی قاعدے ہوئے جنہیں ہم تجربہ کی ضرورت محسوس کیے بغیر جانتے اور سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہمیں یقین ہے کہ ریاضی کے قاعدے صحیح، یقینی اور ضروری ہوتے ہیں اور ان میں شک کرنا اور ان میں غلطی کا اثبات یا ان کے برعکس کا تصور کرنا محال ہے۔ مثال کے طور پر ہم بقول غزالی یہ تو تصور کر سکتے ہیں کہ آگ جلانے والی نہیں لیکن یہ تصور ہرگز نہیں کر سکتے کہ ایک دو کا نصف نہیں ہوتا اور یہ کہ دو نقطوں کا درمیانی خط مستقیم سب سے چھوٹا نہیں ہوتا کیونکہ ریاضی کے یہ قاعدے ہماری عقلوں سے فطری اور ضروری طور پر برآمد شدہ ہیں۔

اور جس طرح زمان و مکان کے دو نظریات کی بنیاد پر عقل احساسات کو حسی مدرکات میں تبدیل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے اسی طرح وہ اپنے فطری منظم قوانین کی بنیاد پر ان حسی مدرکات کے مقابل، تجزیہ اور تعلیل کی اہلیت بھی رکھتی ہے تاکہ ان سے عقلی مدرکات برآمد کرے اور احساس سے مدد لیے بغیر ان پر جدید احکام انشائیہ صادر کرے۔ اور منظم عقلی قوانین میں سے اہم ترین قانون سببیہ ہے جس سے ہم یہ ادراک کرتے ہیں: خالص ضروری ادراک، کہ ہر تغیر کے لیے کوئی سبب اور علت لابدی ہے، اور اس ضروری، فطری، عقلی قانون کی بنیاد پر ہم فطرت کے قوانین و نوامیس کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

حیران یہ صحیح اور واضح ہے لیکن جب ہماری عقلیں فطرتاً ریاضی کے قاعدوں کا ضروری ادراک رکھتی ہیں اور سائنسی قوانین کا ضروری عقلی قانون سببیہ کی بنیاد پر ادراک کر لیتی ہیں تو کانٹ نے کیسے کہہ دیا کہ عقل کی قوت محدود اور حسی ظواہر سے مربوط ہے۔

الشیخ اگر تم تھوڑا انتظار کرو تو میں اس سوال کے جواب تک رسائی حاصل کرنے والا ہوں۔ میں نے آغاز میں تمہیں عقل کی قدرت سے متعلق اس کی رائے کا خلاصہ بتا دیا تھا اور اب (عقل کے عجز) سے متعلق اس کے کلام کا موقع ہے۔

کانٹ ان لوگوں کے برعکس جنہوں نے تجربہ سے قبل عقل کو ایک صاف سلیٹ سمجھا ہے اور کہا ہے کہ اس میں کوئی شے نہیں ہوتی نیز ان لوگوں کے برعکس جنہوں نے عقل میں شک کیا

بلکہ اس کے وجود سے انکار کر دیا عقل کی قدرت کا دفاع کرنے اور عقل میں تنظیم، ترتیب، تحلیل، تعلیل، استنتاج اور صادق احکام انشائیہ کے صدور کی فطری قدرت ثابت کرنے کے بعد یہ کہتے ہوئے لوٹا کہ (خالص عقلی ادراک) پر عقل کی یہ قدرت (ادراک حسی) کی حدود کے ضمن میں محصور ہے یعنی (ظواہر) کی حدود کے ضمن میں، جس کا ادراک حس کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ عقل اگرچہ فطری افکار اور منظم قوانین کے ساتھ حسی ادراک اور پھر عقلی ادراک کی تکوین پر قادر ہے لیکن وہ ان ہر دو ادراک کی تکوین میں مواد کی محتاج ہے اور وہ مواد احساسات ہیں اور اس لیے کہ حس ظاہری اشیاء کے سوا کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتی اور نہ ہی محسوس کے علاوہ کوئی اور چیز اس میں نفوذ کرتی ہے۔ لہٰذا ہمارے عقلی ادراک کا بذات خود کسی شے میں نفوذ ممکن نہیں اور جب ہم خود ان عقلی قوانین کے ذریعے جن سے ہم ظواہر کا ادراک کرتے ہیں کسی شے کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم خلا میں جا پڑتے ہیں اور مابعد الطبیعیات کا کام ہے کہ وہ اس مقام کی نشاندہی کرے جہاں عقل، حس اور ظواہر کے دائرے کو پھلانگنے اور حس سے ورے انتہائی حقیقت تک رسائی کی کوشش کے دوران خلا میں جا پڑتی ہے۔

حیران۔ محسوسات کی حدود میں عقل کا یہ حصر صحیح اور واضح ہے اور اس میں کوئی ابہام نہیں تو کانٹ نے جو نتائج اس حصر سے نکالے ہیں وہ غیر صحیح کیسے ہو گئے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا۔

الشیخ کانٹ سے متعلق تمہارے ساتھ میری گفتگو کے لب لباب کا یہی مرحلہ ہے اور یہیں سے راستے جدا ہوتے ہیں اور یہیں سے کچھ لوگ اسے مومن باللہ شمار کرتے ہوئے اس سے جدا ہو گئے اور اسی مرحلہ پر پہنچ کر اس عظیم شخصیت کی فکر میں رخنہ پڑا۔

وہ اس طرح کہ کانٹ کو عقلی ضعف لاحق ہو گیا جس کی تعریف غزالی نے زمان و مکان سے متعلق بداہت اور لانہایت کے تصور میں کی ہے۔ لہٰذا اسے وہم لاحق ہو گیا جیسا کہ اس سے قبل ابن رشد کو لاحق ہوا تھا جب کہ اسے مرکب عقلی دلیل مشکل نظر آئی تو اس نے غزالی کی طرح کہا: جب عقل مکان کی نسبت سے یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ آیا عالم محدود ہے یا لانہایت تو تناقض و اشکال میں مبتلا ہو جاتی ہے، کیونکہ ہم ایک رخ سے ہر حد سے ورے اس سے بعید تر شے کا تصور کرتے ہیں اور دوسرے رخ سے ہمارے لیے ناممکن ہے کہ خود لانہایت کا تصور کریں اور اسی طرح سے اگر عقل کی یہ کوشش ہو کہ وہ زمانے میں عالم کی ابتداء کا تصور کرے تو

مشکل میں پھنس جائے گی کیونکہ ہم اس ازلیت کے تصور سے عاجز ہیں جس کی کوئی ابتدا نہیں جس طرح سے ہم اس لمحہ کے تصور سے عاجز ہیں جس کو ہم ابتدائے زمانہ کا نام دیں اس لیے کہ ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ سمجھیں کہ اس لمحہ سے قبل کوئی شے تھی اور یہی ہمارا حال علت و معلول کے سلسلہ کے لیے عقل کے تصور میں ہے۔ کیونکہ ایک جہت سے تو ہم ایسے کسی تسلسل کا تصور نہیں کر سکتے جس کی کوئی نہایت نہ ہو اور دوسری جہت سے ہماری عقلیں اس علت اولیٰ کے تصور سے عاجز ہیں جس کی کوئی علت نہیں اور یہ وہ تمام اشکال ہیں جن سے ہمیں خلاصی نہیں سوائے اس کے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ زمان و مکان کے دو نظریات قانون سببیہ اور جملہ منظم عقلی قوانین کا عمل ادراک حسی کی حدود میں منحصر ہے یعنی ظواہر کی حدود کے ضمن میں جن کا حس ادراک کر لیتی ہے۔ اور جونہی ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہم ماورائے حس کا ادراک کریں تو ہم عجز و اشکال میں جا پڑتے ہیں۔

حیران: اس حصر میں جیسا کہ پہلے بات ہو چکی ہے کوئی غیر صحیح شے نہیں تو استنتاج (Inference) میں وہ خطا کہاں ہے؟

الشیخ: <u>محسوسات کی حدود میں عقل کے لیے حصر صحیح ہے۔ لیکن کانٹ نے اس وقت استنتاج میں غلطی کی جب اس نے یہ خیال کیا "جب ہم نظری عقل کے ساتھ اللہ کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اشکال میں پڑ جاتے ہیں"۔</u>

ہم کانٹ کے اس قول میں اس کے ہم رائے ہیں۔ اس کے اس قول میں کہ منظم عقلی قوانین محض حسی ظواہر کے میدان میں منطبق ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ قانون ضروری سببیہ صرف محسوس ظواہر کی حدود میں منطبق ہوتا ہے۔ لیکن اے حیران! کیا تمام عالم اپنے اجزاء کے ساتھ بھی اور اپنے مجموعہ کے ساتھ بھی محسوسات کی قسم سے نہیں؟

کیا ہم ضروری قانون سببیہ کی بنیاد پر یہ فیصلہ نہیں کرتے جیسا کہ خود کانٹ کا کہنا ہے کہ ہر متغیر کا کوئی سبب ہوتا ہے اور ہر معلول کی کوئی علت ہوتی ہے؟

جب ہم اس کائنات کے ہر جزوی مظہر پر ضروریہ حکم لگاتے ہیں کہ اس کی لازماً کوئی علت ہے تو کیا ہماری عقل اس بات کا ضروری طور پر مطالبہ نہیں کرتی کہ اس محسوس و متغیر عالم کے وجود کی (مع اس کے مجموعے کے) کوئی علت کافیہ ہو؟

بے شک کانٹ نے پوری پوری حق بات کہی کہ عقل انتہائی حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کی جو بھی کوشش کرتی ہے وہ سعی لاحاصل ہے۔ اور اس نے حق ہی کہا جب اس نے کہا کہ عقلیں یہ استطاعت نہیں رکھتیں کہ وہ محسوس ظواہر کی حدود کو پھلانگ جائیں تا کہ ماورائے حس عالم کی حقیقت کا ادراک کریں کیونکہ وہ عالم عالم مجہول ہے۔ لیکن ہم اس عالم محسوس کی حدود میں اپنے نفسوں میں اس (المحسوس الاعظم) مع اس کے مجموعہ کے ادراک کے لیے عقلی ضرورت پاتے ہیں اور وہ یہ کہ اس کے وجود کے لیے کسی علت کا ہونا ناگزیر ہے۔ اور اس کے بعد اگر وہ وہم جو ہر علت کی علت، ہر زمانہ سے قبل زمانہ اور ہر مکان کے بعد مکان کا باصرار مطالبہ کرتا ہے ہماری عقلوں میں راہ بھی پا لے تو وہ ہمیں نقصان نہیں دیتا کیونکہ یہ وہم ہماری عملی و علمی زندگی میں جزوی ظواہر کے ادراک میں بھی ہمارے ساتھ چمٹا رہتا ہے۔ لیکن ہم اس وہم کے باوجود یہ ضرور سمجھ لیتے ہیں کہ ہر جزوی مظہر کسی علت کا نتیجہ ہے اور ہمارے دل میں اس کی علت کے انکار کا خیال اس بنیاد پر نہیں آتا کہ عقلی وہم ہم سے علتوں کے لانہایت تسلسل کا مطالبہ کرتا ہے یا یہ کہ ہمیں علت کی حقیقت معلوم نہیں۔ جب ہم اس عالم محسوس کو دیکھتے ہیں اور ہم اس کے وجود کی علت کافیہ تک نہیں پہنچ پاتے جو اس کے وجود کا سبب ہے یعنی اللہ کی ذات کی حقیقت تک، جس نے اسے تخلیق و ایجاد کیا ہے تو محض اس لیے کہ ہم اس کی ذات و صفات کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں اس کے وجود کا انکار نہیں کر سکتے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم اس قانون علت کا انکار و ابطال کریں گے جسے کانٹ اور ہر دیگر صاحب عقل محض نے کہا ہے کہ وہ ہماری عقلوں میں مرکوز عقلی ضروری قانون ہے۔

حیران: کانٹ تب کیسا صاحب ایمان ہوا اور آپ نے کس دلیل کی بنیاد پر اسے اللہ کے وجود پر ایمان رکھنے والا قرار دیا ہے؟

الشیخ: کانٹ نے مرکب نظری عقلی دلیل کو ابن رشد کی طرح مشکل پایا۔ لہٰذا اس نے اپنے لیے ایک دوسری دلیل اختیار کر لی۔ "دلیل الادراک المباشر" جس کو بیسویں صدی کے ایک عظیم صاحب ایمان فلسفی برگساں (Henry Burgson ۱۸۵۹-۱۹۴۱) نے اختیار کیا ہے۔

حیران: اور دلیل "نظام" جس کو ابن رشد نے اختیار کیا اور اسے دلیل العنایت والاختراع کا نام دیا۔ کیا کانٹ نے اسے اختیار نہیں کیا؟

الشیخ: ہرگز نہیں اے حیران! یہیں پر کانٹ کے ہاں ضعف کا رخنہ ہے۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ عبقری مرکب عقلی دلیل کو ابن رشد اور ابن طفیل کی طرح مشکل پاتا ہے تاکہ اس سے ہٹ کر اس کے علاوہ کوئی نسبتاً زیادہ واضح اور زیادہ سہل دلیل تلاش کر لے۔ لیکن عجب یہ ہے کہ اسے دلیل ''انتظام'' بھی پسند نہیں آئی اور اس نے اسے مرکب نظری عقلی دلیل کی طرح مشکل خیال کیا اور اس نے یہ دلیل اختراع کی کہ ایمان باللہ وجدان سے آتا ہے نہ کہ عقل سے۔

حیران: وہ کیسے؟

الشیخ: کانٹ لائبنز سے ہم رائے ہو کر کہتا ہے کہ ہماری عقلیں ہمارے لیے جائز قرار دیتی ہیں کہ ہم یہ اعتقاد کر لیں کہ عالم ''محسوس'' سے ماوراء اللہ ہے۔ لیکن وہ ہمارا اخلاقی شعور ہے جو ہمارے لیے اللہ کے وجود پر ایمان کو حتمی قرار دیتا ہے۔

حیران: وہ لائبنز کی رائے کو اختیار کرنے والا کیسے ہوا۔ جب کہ وہ عقلی دلیل کا انکار کرتا ہے۔ جس پر اس عظیم مفکر نے انحصار کیا ہے؟

الشیخ: تمہارا کیا خیال ہے کیا کانٹ کا لائبنز کے ساتھ اولیات و بدیہیات میں جو عقل میں تناقض پیدا کرے یا نہ کرے اختلاف ممکن ہے۔ کانٹ نے لائبنز اور ہر صاحب عقل کی طرح رائے قائم کی کہ ہماری عقلیں ہمارے لیے جائز قرار دیتی ہیں کہ ہم یہ اعتقاد کر لیں کہ اشیاء سے ورے اللہ ہے کیونکہ اللہ کے وجود کا نظریہ عقلی تناقض پیدا نہیں کرتا بلکہ جس سے عقلی تناقض پیدا ہوتا ہو وہ اس نظریہ کی نفی ہے۔ لیکن اس کے بعد کہ کانٹ نے خالص عقل کی تنقید میں فلسفہ وضع کیا۔ اور عقل کے عمل کو اس بحث میں حس کے ساتھ ادراک میں آنے والی ظواہر کی حدود میں حصر تک پہنچایا۔ اس نے مرکب عقلی دلیل کا مطالعہ کیا جس کا ذکر فلاسفہ و حکماء نے کیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ دلیل حدوث اور (دلیل وجوب) کا انحصار (قانون علت) اور عقل کے فیصلہ پر ہے جو صورتوں' واقعات و ممکنات کے لیے نہایت تسلسل کے عدم امکان کا فیصلہ دیتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ صحیح عقلی فیصلے جن کے تصور میں وہ وہم مزاحم ہے جو عقلوں پر مکان سے ورے مکان اور زمان سے ورے زمان' علت سے ورے علت کے مطالبہ کے ساتھ مسلط ہو جاتا ہے تو وہاں واہی عقلی اشکالات سے

اس قول کی طرف نکلا کہ یہ دو دلیلیں ایمان کو شک و تردد سے ہمکنار کر دیتی ہیں۔ پھر اس نے کائنات میں موجود دلائل' قصد' ارادہ' نظام اور حکمت کے طریقہ استدلال میں غور کیا تو جزئی شر کے مظاہر دیکھ کر اس کے ذہن میں خلل آ گیا لہٰذا اس نے اسے (نظام کی دلیل) کی کمزوری پر محمول کیا بغیر اس کے کہ وہ ان قلیل جزئیات جن کی حکمت سے ہم ناواقف ہیں کے مابین اور جملہ مخلوقات میں موجود بے حد و حساب مقصد' حکمت' ارادہ اور نظام کے مابین مقابلہ و موازنہ کرتا۔ چنانچہ اس امر نے اسے اللہ کے وجود پر نظری عقل کی دلیل کو مشکل کہنے پر آمادہ کیا۔ لہٰذا اس نے ہمارے لیے دوسری عقل اختراع کی جس کا نام اس نے عملی عقل (The Practical Reason) رکھا۔ جس سے اس نے ضمیر مراد لیا اور اس عملی عقل کے ساتھ اس نے اللہ کے وجود پر استدلال کیا۔

حیران: میں نہیں سمجھ پایا۔

الشیخ: کانٹ کہتا ہے کہ ہم اپنے دل کی گہرائیوں میں قوی شعور رکھتے ہیں جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا جو ہمیں خیر کا حکم دیتا ہے اور شر سے منع کرتا ہے اور ارتکاب گناہ کے وقت ہمیں کوستا اور اذیت دیتا ہے یہ شعور کہاں سے آ گیا۔ کانٹ کے خیال میں یہ شعور احساس اور تجربہ سے نہیں آتا کیونکہ یہ ہمیں اشیاء کی صورتیں منتقل کرتے ہیں اور اشیاء میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو ضمیر کو کوسنے اور اذیت دینے والی ہو اور وہ ''شعور'' نظری عقل سے بھی نہیں آتا کیونکہ عقل کا عمل حسی ادراک اور اسے عقلی ادراک میں تبدیل کرنے میں محدود ہوتا ہے تو وہ واضح اور قوی شعور کہاں سے ہمارے ہاں آتا ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

وہ شعور جس پر لوگ ضمیر کے نام کا اطلاق کرتے ہیں وہی ہے جسے کانٹ نے (عملی عقل) کہا ہے۔ وہ اس سے متعلق کہتا ہے کہ وہ ہمارا اخلاقی قانون ہے۔ جس پر ہمارے نفسوں کی فطرت بنائی گئی ہے۔ جس طرح کہ ہماری عقلوں کو منظم قوانین پر (جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) خلق کیا گیا ہے اور وہ وہی ہے جو ہمیں لوگوں کی بھلائی کی خاطر اقدام کرنے' شجاعت کا مظاہرہ کرنے' خطرات کو انگیز کرنے اور قربانی دینے کا حکم دیتا ہے۔ ہمارے دیگر عقلی ادراکات اس کے برعکس ہمیں خطرات مول لینے سے پرہیز و اجتناب کا حکم دیتے ہیں۔

یہاں سے کانٹ استدلال میں آگے بڑھتا ہے اور اس قانون اخلاقی کے ساتھ

آزادی ارادہ پر اور آزادی ارادہ سے حیات اخروی میں دوام نفوس اور روز جزاء پر اور روز جزاء سے بدلہ دینے والے حاکم عادل کے وجود پر استدلال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارا اخلاقی قانون لازماً قرار دیتا ہے کہ ہم خیر و شر کے اختیار میں آزاد ہوں اور ہم اس کائنات میں دیکھتے ہیں کہ شاذ ہی کسی فاعل خیر کو اس کے فعل خیر کا اجر ملا ہو بلکہ فعل خیر زیادہ تر مصیبت اور آزمائش کا باعث بنتا ہوا نظر آتا ہے لہٰذا ناگزیر ہے کہ ہمارے لیے دوسری زندگی ہوتا کہ ہمیں اپنے اعمال خیر پر اجر ملے اور یہ کہ نفوس کی یہ اخروی حیات دائمی حیات ہوتا کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ پائیں اور یہ کہ دوام نفوس سے انکار نہیں کیا جا سکتا- کیونکہ اس کا انکار قانون اخلاق کے انکار پر منتج ہوتا ہے جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ وہ ایک حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے- اس لیے کانٹ کی رائے میں دوام نفوس عملی عقل کے لیے اولین عقلی قوانین میں سے ہے-

وہ اپنے استدلال میں مزید آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے "یہ ہمیشہ سے ثابت شدہ ہے کہ نفوس کے لیے خلود ہے اور جزا و سزا میں عدل ضروری ہے لہٰذا ناگزیر ہے کہ ہم الحاکم، العادل، القادر، الخالق کے وجود پر ایمان لائیں جو روز جزا عدل کے قیام پر قادر ہو- کیونکہ خلود و جزا جنہیں ہم نے واجب قرار دیا ہے وہ ان دونوں کے لیے علت کافیہ کا ہونا لازم قرار دیتے ہیں لہٰذا ناگزیر ہے کہ جس نے خلود کو پیدا کیا وہ خالد ہو جو عدل کے ساتھ فیصلہ کرے وہ عادل ہو اور جو خیر و شر پر بدلہ دے وہ قادر ہو- وہ الخالد، القادر، الحکم والعدل اللہ تعالیٰ ہے- یہ وہ اخلاقی وجدانی دلیل ہے جسے اللہ کے وجود کے اثبات کے لیے کانٹ نے اختیار کیا اور اس کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ نظری عقلی دلائل میں سے نہیں ہے بلکہ وہ دلیل ہے جو ہمارے فطری شعور سے اس اخلاقی قانون کے ساتھ نکلی ہے جو نظری عقل سے بالاتر رکھے جانے کی مستحق ہے-

حیران: واللہ! یہ تو بڑا خوب صورت فطری استدلال ہے لیکن میں شیخ محترم کی گفتگو سے سمجھتا ہوں کہ آپ اس سے پوری طرح راضی نہیں-

الشیخ: جملہ دلائل جو ان حکماء نے اللہ کے وجود پر قائم کیے ہیں درست ہیں اور ان میں سے ایک وہ دلیل ہے جس کا قرآن عظیم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ذکر کیا ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ. (کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم نے پلٹ کر ہماری طرف نہیں آنا ہے؟

لیکن اے حیران! استدلال کے طریقوں میں سے بعض طریقے مشکل، مرکب اور عمیق ہیں اور بعض آسان سادہ اور واضح ہیں اور اس میں کوئی نرالا پن نہیں- اس لیے کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ (الظاہر والباطن) ہے جیسا کہ اس نے اپنی ذات کی تعریف کی ہے- لیکن (اخلاقی دلیل) کے ساتھ کانٹ کا استدلال کوئی قوی استدلال نہیں جیسا کہ اس کا خیال ہے- اگر مختلف ادیان میں بعث و جزاء کا ذکر نہ ہوتا تو عقلیں یوم آخر کے وجود پر یقین کرنا لازمی طور پر اپنے اوپر واجب نہ کرتیں- عقلیں بذات خود تو اسے مشکل محسوس کرتی ہیں کہ فنا کے بعد اعادہ اور موت کے بعد زندگی کی بات کریں الا یہ کہ وہ اللہ کے وجود، اس کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کے عدل پر ایمان رکھتی ہوں- کیونکہ جب وہ ایمان میں اس مرتبہ تک پہنچ جاتی ہیں تو وہ انہیں اللہ کی قدرت، اس کی حکمت، اس کے عدل، حیات اخروی اور روز جزا کے قول کی ثقاہت پر آمادہ کرتا ہے کیونکہ حیات اخروی پر ایمان تو اللہ کے وجود پر ایمان کے بعد ہو گا اس سے قبل نہیں- یہ وہ منطقی ترتیب ہے جسے قرآن کریم نے بعث و حساب کے استدلال میں اختیار کیا ہے- قرآن عظیم نے پہلے اللہ کے وجود، اس کی قدرت، اس کی حکمت، اس کے عدل پر دلائل قائم کیے، اس کے بعد اللہ کی قدرت کو فنا کے بعد اعادہ کے امکان اور حکمت و عدل کو روز جزاء پر دلیل ٹھہرایا لیکن اگر ہم اس منطقی ترتیب کو الٹ دیں تاکہ ہم ضمیر کی خلش اور قربانی کی لذت کے ساتھ اپنے شعور پر اعتماد کر لیں (اور وہ شعور آسانی خوف سے آنے والا ہو سکتا ہے جو ہماری فکر کا حصہ بن چکا ہے) اور ہم اس شعور سے ارادہ کی آزادی، روحوں کے خلود، روز جزا اور عادل و حاکم اللہ پر دلیل قائم کریں تو اے حیران! میں اسے کوئی قوی دلیل نہیں سمجھتا جیسا کہ کانٹ کا خیال ہے بلکہ میں اسے وجدانی دلیل سمجھتا ہوں- اور صحیح تر یہ ہے کہ اس دلیل کا نام "دلیل معاون" رکھا جائے- میرے شیخ الجسر ؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور وہ الفاظ و معانی میں کانٹ کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جب انہوں نے کہا "عقل کا یہ صریح فیصلہ ہے کہ حکیم کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ محسن و بدکار میں تفریق کرے اور اس تفریق کا حصول اس دنیا میں نہیں ہو پاتا- کیونکہ بدکاروں کی اکثریت بہت آرام میں نظر آتی ہے اور بہت سے نیکوکار اس کے برعکس حالت میں ہوتے ہیں لہٰذا ناگزیر ہے کہ رحیم و عادل حاکم اپنے مظلوم

بندوں اور ظالموں میں انصاف فرمائے اور یہ انصاف اس جہان میں حاصل نہیں ہوتا' کیونکہ ہم یہاں مظلوم کو نہایت ذلت و مجبوری کے عالم میں اہانت زدہ دیکھتے ہیں' جس کا مال چھین لیا گیا ہو' جس کی آبرو خاک میں ملادی گئی ہو' جس کا خون بہادیا گیا ہو اور دوسری طرف ظالم عزت و اقتدار کے ساتھ رہتا نظر آتا ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ دوسرا جہان ہو جس میں عدل و انصاف کا انعقاد و اظہار ہو۔

اور اے حیران! اگر ہم اپنی سادہ لوحی سے ان لوگوں سے راضی ہو بھی جائیں جو دلیل کی ترکیب یا اس کا ادراک بطریق احسن نہ کر سکتے ہوں بلکہ جو دلیل کی ترکیب یا اس کے ادراک کے اہل ہی نہ ہوں کہ وہ اس دلیل (دلیل معاون) کو اختیار کر لیں' لیکن ہم علماء و فلاسفہ سے ہرگز یہ پسند نہ کریں گے کہ وہ لوگوں میں ایسی آراء کو پھیلائیں جو اعلیٰ و قوی عقلی دلائل کو کمزوری سے ہمکنار کرتی ہوں اور اس وجدانی ایمان پر اکتفا کر لیں جو لوگوں کے لیے پراسرار اور عقلی لحاظ سے مشکل عقائد کے ساتھ تصدیق کا باب کھولتا ہو کیونکہ یہ طریقہ دین اسلام کی روح کے ساتھ متصادم ہے جو ہر اس عقیدے کا انکار کرتا ہے جو عقل میں تناقض پیدا کرنے کا باعث بنتا ہو اور پھر کانٹ اس نظری عقل سے استخراج کو ترک کر کے جسے وہ اللہ کے وجود پر استدلال کی حدود سے دور ہٹا رہا ہے' کس چیز کے ساتھ اس وجدانی دلیل کا استخراج کرتا ہے؟

اور جب نظری عقل کو اس استنتاج کا وسیلہ بنالینا صحیح ہے جس کے ساتھ کانٹ نے ضمیر کو اخلاقی قانون اور اخلاقی قانون کو ارادہ کی آزادی اور دوسرے جہان میں دوام عادلانہ جزا اور حاکم عادل و قادر سبحانہ و تعالیٰ پر استدلال کے دوران اختیار کیا ہے تو اسے دیگر مقدمات میں استنتاج کے لیے اختیار کرنا کیوں صحیح نہیں ہے؟

میں تمہارے لیے دہراتا ہوں یہ کہ عقل کی جملہ قوتوں اور اس کے فطری قوانین میں سے جن کا (کانٹ) نے اثبات کیا ہے ایک قوت تعلیل ہے جس کے ساتھ ہم علت و معلول کے رابطوں کا ادراک کرتے ہیں اور اس قانون علت کے مطابق پہلی چیز جس کا خالص نظری عقل تقاضا کرتی ہے وہ اثر کے مشاہدہ کے وقت موثر اور صنعت کے مشاہدہ کے وقت صانع کی تلاش ہے اور اس تعلیل کے ساتھ جس سے ہم اثر سے موثر پر استدلال کرتے ہیں یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ ترتیب دلیل میں عقل کو عجز لاحق ہو جاتا ہے' عقل کو عجز و تھکی لاحق ہوتا ہے جیسا کہ کانٹ'

غزالی اور ابن طفیل نے کہا جب کسی لانہایت شے کا تصور کیا جائے یا اس زمانے کا تصور کیا جائے جس سے قبل کوئی زمانہ نہ ہو یا اس تسلسل کا تصور کیا جائے جس کا کوئی آخر نہ ہو یا اس علت کا تصور کیا جائے جس کی کوئی علت نہ ہو۔ لیکن ان امور کی نہایت ہائے بعیدہ کے تصور سے عقل کا عجز سلسلہ استدلال کو سرے سے باطل نہیں کر دیتا جب ہم معلول کے اثر کو دیکھتے ہیں تو ہماری عقل بدیہی طور پر قانون علت العضرور یہ کی بنیاد پر موثر اور علت کا مطالبہ کرتی ہے جس کے بارے میں کانٹ کا فیصلہ ہے کہ ہماری عقلوں کی فطرت اس پر بنائی گئی ہے۔

اور (کانٹ) جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اپنے اس قول میں حق پر ہو سکتا ہے کہ نظری عقل کا عمل حس و مشاہدہ کی حدود میں محصور ہوتا ہے اور اس سے ورے عالم غیب کی طرف تجاوز نہیں کرتا۔ لیکن کانٹ درآں حالیکہ ہمیں قانون علت کی تاکید کرتا ہے بھول گیا کہ یہ قانون جس طرح کائنات کے جزئی ظواہر کا احاطہ کرتا ہے اور ہر معلول کی علت اور ہر حبب کے مسبب کا مطالبہ کرتا ہے اسی طرح پوری کی پوری کائنات' اس کے کن جملہ وجود کی علت اور سبب کا بدیہی طور پر بدرجہ اولیٰ مطالبہ کرتا ہے اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نظری عقل' تمام عالم پر قانون علت کی ممارست اور تطبیق پر قادر ہے تو ہم (کانٹ) کے اس قول کی نہ تو مخالفت کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے کوئی تعارض کہ نظری عقل کا عمل عالم حس میں محصور ہے کیونکہ عالم حس جزئی محسوسات پر مشتمل ہے اور محسوس اعظم تو عالم ہی ہے۔ لہٰذا عقل جب اس جملہ محسوس اعظم کی علت تلاش کرتی ہے تو اس حد کو پار نہیں کرتی جو کانٹ نے اس کے لئے مقرر کی ہے۔ لیکن خود کانٹ اس محسوس اعظم یعنی عالم کو قانون علت سے خارج کرنے کے ساتھ اپنے قول کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ عالم بجملہ محسوس ہے اور عقل کو اپنی قدرت کی حدود میں یہ استطاعت حاصل ہے بلکہ وہ بدیہی طور پر اس کے لیے مجبور ہے کہ بقول لائبنیز اس کی علت کا مطالبہ کرے۔ جس طرح کہ وہ جزئی محسوس شے کی علت کا مطالبہ کرتی ہے۔

حیران اللہ آپ کا بھلا کرے! اس کی پوری پوری وضاحت ہوگئی۔

الشیخ بہرحال (کانٹ) اللہ کے وجود پر ایمان لانے والے مخلص ترین لوگوں میں سے ہے۔ اور اس نے اپنے ایمان کی بنیاد یقیناً دلیل پر رکھی ہے اگرچہ اس کی مزعومہ دلیل زیادہ قوی نہیں تاہم وہ ان دلائل میں سے ہے جن کو میں نے (معاون دلائل) کا نام دیا ہے کیونکہ

وہ اصل دلائل کی معاونت اور ان کی تائید کرتی ہے' ایمان کو دلوں میں قوی کرتی ہے اور شرح صدر کا باعث بنتی ہے۔

حیران' برگساں کا ایمان آپ کے ہاں پسندیدہ نہیں حالانکہ آپ اسے ایمان باللہ رکھنے والے عظیم ترین فلاسفہ میں شمار کرتے ہیں۔

الشیخ. میں نے کبھی نہیں کہا کہ برگسان کا ایمان مجھے پسند نہیں آتا۔ لیکن میں نے کہا تھا کہ براہ راست ادراک (الادراک المباشر) کی دلیل پر انحصار اور دیگر عقلی دلائل کا ترک مجھے پسند نہیں۔ تم دیکھو گے کہ برگسان نے دلیل ادراک المباشر (براہ راست ادراک) پر ہرگز انحصار نہیں کیا اور اس نے نظری عقل کو اللہ پر استدلال کی حدود سے نہیں ہٹایا جیسا کہ کانٹ نے کیا بلکہ وہ اپنے استدلال کی گہرائیوں میں نظری عقل کی بنیاد بنانے والا اور اللہ کے وجود پر عظیم' قوی اور واضح ترین دلیل پر انحصار کرنے والا ہے اور اس نے براہ راست ادراک کو جس کی اس نے بات کی ہے اس عظیم اور واضح ترین عقلی برہان سے استخراج کیا ہے۔ اس کے ساتھ وہ مغرب میں بیسویں صدی میں مادی مذہب کا انکار و ابطال کرنے والا صادق ترین' قوی ترین اور نہایت جرات مند فلسفی ہے۔

حیران: یہ کس طرح؟

الشیخ. اللہ تعالیٰ کے وجود پر برگسان کا ایمان اپنی روح میں دو گہرے نظریوں پر منحصر ہے۔ پہلا اس کے بقول یہ کہ وجود کی حقیقت کا ادراک اس میں اور اس کی حرکت (جملہ اجزا کے باہم ربط) میں غور کرنے سے ہوتا ہے' اور دوسرا اس کے بقول "تخلیق میں قصد و ارادہ اور تدبیر کے دلائل اتفاق کے ساتھ تخلیق کے نظریہ کو عقلی طور پر ناممکن بنا دیتے ہیں"۔

حیران' امید ہے کہ جناب وضاحت فرمائیں گے اور بخل سے کام نہ لیں گے۔

الشیخ. میں تم سے کوئی چیز نہیں چھپاؤں گا۔ اے حیران! میں تمہیں ضرور دکھاؤں گا کہ مباقر واہں حق پر کس طرح جمع ہو جاتے ہیں جس کا ذکر قرآن نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وجود پر استدلال کے تمام طریقوں سے کیا ہے مادی مذہب کے اس قول کا کہ عالم میں جو کچھ (حیات و فکر) ہے وہ مادہ اور قوت سے آزادو باہمی عمل سے عبارت ہے کا برگسان مذاق اڑاتا ہے بلکہ وہ مادہ پرستوں کے اس قول کہ "دماغ ہی عقل ہے' اور عقل اس کے

سوا کچھ نہیں" کا بھی مذاق اڑاتا ہے۔ وہ ان سے کہتا ہے۔ عقل وہ مادی دماغ نہیں جو کھوپڑی میں ہوتا ہے' عقل ایک چیز ہے اور دماغ دوسری چیز۔ عقل قوت ہے اور دماغ مادہ اور جب یہ کہتے ہیں کہ عقلی ادراک دماغ پر منحصر ہے اور اس کی صحت' قوت' مرض اور ضعف سے متاثر ہوتا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ دماغ عقل کا برتن ہے اور اس کا سہارا' اور وہ آلہ ہے جس کے ساتھ وہ چلتا ہے اور جب آلہ معطل ہو جاتا ہے تو قوت کی چال میں خلل و اضطراب واقع ہو جاتا ہے جس طرح کہ پانی ندی میں چلتا ہے اور اس کی روانی ندی کے پیچ و خم کے باعث گھٹ جاتی ہے لیکن اس کے یوں گھٹ جانے کا مطلب یہ نہیں کہ پانی ہی ندی ہے اور ندی ہی پانی ہے۔

لیکن ہر شے کی مادی تفسیر کرنے کا جو رجحان ہماری عقلوں پر مسلط ہو جاتا ہے اس کے دو بنیادی اسباب ہیں۔ ایک یہ کہ ہماری عقلوں کا ایک حصہ مادی اجسام کی مشق کے لئے پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا اس نے اس مادی محیط سے اس کے بہت سے تصورات و قوانین کا اکتساب کیا ہے۔ اور دوسرا جوز یادہ اہم ہے وہ یہ کہ ہم آج تک نہیں معلوم کر سکے کہ ہم اشیاء کی حقیقت کو کیسے جانیں اور کبھی یہ بھی نہ جانتے تھے کہ ہم ان کا احیاء کیسے کریں تاکہ انہیں دیکھیں۔ وہ اس لیے کہ ہم حقیقت کے ادراک کے لیے اس کا تجزیہ کرتے ہیں یعنی یہ کہ ہماری عقلیں کائنات کو اس کے (کل) کی مسلسل حرکت میں ان اجزاء کے باہمی ربط کا ملاحظہ و ادراک کیے بغیر بکھرے اجزاء کی صورت میں پاتی ہیں۔ حالانکہ معائنہ کے لیے کلی حقیقت کا احیاء کر سکنے والی جامع نظر کے بغیر حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔

اور یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حسی صورتیں کل کے اجزاء اور حقیقت کے اجزاء ہیں لہٰذا ان کا ادراک زندہ حقیقت کا ادراک ہے کیونکہ جداگانہ اجزاء اور چیز ہیں اور حرکت' تواصل و ترابط کے ساتھ ان کا ادراک دوسری چیز ہے' ان کی مثال اس رشتہ سے مختلف نہیں جو متحرک صورتوں کے اندر ہو جس کے ٹھہراؤ کے وقت ہمیں جدا جدا بے جان صورتیں نظر آتی ہیں اور اس کے حرکت میں آنے پر تمام صورتوں میں حرکت آ جاتی ہے۔ تو صورتوں کے مجموعہ میں بطور (کل) کے حقیقت حیات نظر آنے لگتی ہے۔ اس سے ہمیں اس مقولہ کے معنی سمجھ آتے ہیں۔

کی طرح سے یہ کہنا بھی ہرگز درست نہیں کہ کسی شے کے اجزاء کا ادراک ان اجزاء

کے ربط کے بغیر اس شے کے کل کی حقیقت کے ادراک کا اہم معنی ہے-اور اس پر صادق ترین دلیل خط مستقیم اور خط منحنی ہیں. جب ہم انہیں دیکھتے ہیں تو ہم ہر دو کو انہی دو نقطوں سے بنے پاتے ہیں اور لکیروں کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی تغیر نہیں ہوتا لیکن ہم خط مستقیم اور خط منحنی دونوں کو ایک ہی شے نہیں کہہ سکتے اس دلیل کے ساتھ کہ ان کے اجزا ایک ہی ہیں-اور یہی مثال ہے کائنات کی زندہ حقیقت اور کائنات میں زندگی کی-ہم اس کے مجرد اجزاء کے ادراک سے اس کا ادراک نہیں کر سکتے-بلکہ ان کے مابین ترابط و تواصل کا معائنہ ناگزیر ہے اور اس حرکت کا معائنہ بھی جو استمرار و اتصال کے ساتھ ان میں جاری رہتی ہے اور اسی سے ہماری عقلیں غافل رہتی ہیں لیکن ہم اس کا ادراک براہ راست الہام کے ساتھ کرتے ہیں جس کو برگسان نے L'intution (The Intution) کا نام دیا ہے اور اس سے وہ بصیرت اور الہام مراد لیتا ہے-جن کے ذریعے ہم شعور حاصل کرتے ہیں اور جنہیں ہم اپنے نفسوں میں نظری عقل پر انحصار کیے بغیر دیکھتے ہیں-

حیران. میں اس براہ راست ادراک (ادراک المباشر) کو نہیں سمجھ پایا جس کا عقل سے کوئی تعلق نہ ہو-

الشیخ جب تم نے یہ سمجھا ہے کہ برگسان کا کہنا یہ ہے کہ اس ادراک کا عقل سے کوئی تعلق نہیں تو تمہارے لیے اس کا نہ سمجھ پانا حقیقت پر مبنی ہے-لیکن برگسان نے ایسا نہیں کہا. اس کی مراد یہ ہے کہ دلیل کی ترکیب سے عبارت نظری عقل پر انحصار کیے بغیر الہام سے مشابہ بلا واسطہ ادراک سے شعور حاصل کریں اور اس تک رسائی کے لیے اشیاء کے حقائق میں مرکب عقلی دلیل کے طریقہ سے غور و فکر نہ کریں اور معائنہ کے لیے حقیقت کا احیاء کریں-

حیران لیکن معائنہ کرنے کے لیے کس شے کے ساتھ اس کا احیاء کریں؟

الشیخ ہم اس کا احیاء عقل کے ساتھ کریں گے لیکن برگسان کی مراد یہ ہے کہ یہ احیاء نظری دلیل کی ترکیب کے طریقوں سے نہیں ہونا چاہیے جس کی بعض گھاٹیوں میں عقل عاجز ہو کر رہ جاتی ہے بلکہ یہ احیاء جامع نظر سے ہونا چاہیے کیونکہ جب نظری عقل اس کے اجزاء میں غور کرتے ہوئے حقیقت کے ادراک سے عاجز ہو کر رہ جاتی ہے تو اس پر جامع نظر ڈالتی ہے جس سے اسے زندہ، متحرک، متواصل مترابط کل تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے-یہ وہ شعور ہے جس کو اس نے براہ راست ادراک یا الہام کا نام دیا ہے-ہاں یہ در حقیقت وہ

نظری عقل پر ہی انحصار کرتا ہے اگرچہ وہ اسے دلیل کی ترکیب کی صعوبت میں نہیں ڈالتا اور یہی وہ جامع فکر ہے جو ابن رشد کی مراد ہے-اور اسی طرف قرآن حکیم نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے (اولم ینظروا فی ملکوت السموات و الارض و ما خلق اللہ من شیء) یعنی "کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو اللہ نے پیدا کی آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا"-اور قرآن حکیم نے سینکڑوں آیات کے ساتھ اس کے جزیات کی نشاندہی کی ہے-

حیران: برگسان کا انحصار اس نظریہ پر کیسے ہوا جس کا حامل ابن رشد ہے حالانکہ ابن رشد نظام اہتمام اور اختراع کی دلیل پر انحصار کرتا ہے-

الشیخ: برگسان نے اس نظریہ کی حقیقت میں غور کیا اس نے خود ارادہ، تدبیر، حکمت، نظام اہتمام اور اختراع کی دلیل سے اخذ کیا جس کا قائل ابن رشد ہے لیکن وہ اپنی فکر میں زیادہ بلند نظری اور وسعت کا حامل ہے-اس نے رائے قائم کی کہ کائنات اول تا آخر حیات واحد کے ساتھ جسد واحد کی مانند متحرک ہے-جس کے اجزاء کا باہمی ربط تواصل تعاون اور اتحاد کار روز روشن کی طرح واضح ہے جو ہمارے دلوں میں اللہ خالق العظیم الحکیم کے وجود کے لیے براہ راست الہام یا ادراک پیدا کرتا ہے-

حیران: ایسا نظر آتا ہے کہ میرے شیخ ابن رشد سے زیادہ برگسان کی عزت افزائی فرما رہے ہیں-

الشیخ میں اس پر اس کو فوقیت نہیں دے رہا-دونوں ہی اللہ کے وجود پر ایمان رکھنے والے عظیم فلسفی ہیں، دونوں کا میرے شیخ الجسر کے بعد قرآن کے بعض اسرار کے ادراک میں مجھ پر احسان ہے-

حیران: وہ کیسے میرے آقا!

الشیخ علم و فلسفہ کی روشنی میں تفہیم قرآن کی ہدایت مجھے اولاً میرے شیخ الجسرؒ نے کی تھی پھر میں نے اس ہدایت (قرآن) کے بعض اسرار اس وقت پائے جب میں نے ابن رشد کا مطالعہ کیا اور اللہ کے وجود پر العنایۃ والاختراع کی دلیل کے ساتھ اس کے طریقہ استدلال کا مطالعہ کیا-

لیکن آیات قرآن سے متعلق میرا ادراک سطحی اور صریح آیات کے ظاہر پر موقوف

رہا- اور میں اس کے ساتھ قرآنی آیات کے اسرار کے اشاروں کی تہ تک نفوذ نہ کر پایا- بعد میں جب میں نے برگسان کا مطالعہ کیا اور اس کے کلام کی بدولت نباتات و حیوانات میں (نظام زوجیت) سے متعارف ہوا تو اسرار قرآن کے اس فہم کے ساتھ جس کی معرفت قبل ازیں مجھے حاصل نہ تھی میری فکر میں ایک نور پھوٹا کیونکہ میں (زوجین) سے متعلق قرآن کے بتکرار ذکر کی حکمت نہ سمجھا کرتا تھا بلکہ مجھے اس تکرار پر تعجب ہوتا اور میں خیال کیا کرتا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد صرف ہمیں اپنے اس احسان کا احساس دلانا ہے- اور میں اس وجہ احسان کو نہ سمجھ پاتا جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ارادے میں سطح ارضی پر بقائے حیات کے لیے وسیلۂ تخلیق تھا- اور جب میں نے خلقت میں جامع نظام زوجیت کے ساتھ قصد و تدبیر کے پائے جانے پر برگسان کا استدلال پڑھا تو مجھے سمجھ آئی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے وجود اپنی قدرت اور اپنی حکمت کی نشاندہی کرنے میں جن آیات کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد احسان سے زیادہ ان مخلوقات میں کار فرما ارادہ و تدبیر اور حکمت سے آگاہ کرنا ہے اور جب میں نے اس بنیاد پر جدید سائنس کی روشنی میں فہم آیات کا تتبع کیا تو مجھے ان حیرت انگیز اسرار کا ادراک ہوا جو قبل ازیں نہ ہوا کرتا تھا- مناسب وقت پر میں ان کا ذکر تمہارے ساتھ کروں گا-

حیران: نظام زوجیت سے متعلق برگسان کیا کہتا ہے؟

الشیخ: برگسان نے جب مخلوقات کی پیدائش و تکوین کو اتفاق اور طبعی انتخاب کے طریقوں پر ہونے کی بات کرنے والے مادی مذہب کے حاملین کی تردید کی ان کا مذاق اڑایا اور ان کے مذہب کے فساد کو ثابت کر دیا تو نظام زوجیت کی طرف متوجہ ہوا-

اس کی فکر کا خلاصہ یہ ہے. ہماری عقلیں یہ کیسے مان لیں کہ جملہ حیوانات میں آنکھوں کا حاسہ اتفاق، تطور اور طبعی انتخاب سے بن گیا، ناممکن ہے کہ آنکھ اپنی عجیب و غریب اور پیچیدہ ترکیب کے ساتھ پہلے ہی مرحلہ میں اس مکمل صورت میں مادہ سے براہ راست بن جائے- اور اگر ہم نظریہ تطور کو قبول بھی کر لیں اور کہنے والوں کے ساتھ کہہ دیں کہ جملہ حیوانات میں آنکھوں کا حاسہ طبعی انتخاب کے قانون کے سبب سے حادثاتی تطورات، ماحول، ظروف و احوال جن میں حیوان گھرا ہوا ہے کے تسلسل کے بعد بنا اور اس کمال کو پہنچا تو کیا ہم عقل سلیم کے ساتھ اس بات سے مطمئن ہو سکتے ہیں کہ وہ ادوار ظروف و احوال جو انسانی آنکھ پر گزرے ان ادوار، ظروف، احوال و موثرات کے بالکل مطابق ہیں جو دیگر حیوانات کی آنکھوں پر گزرے-

انتخاب طبعی اتفاق پر مبنی ہے کیونکہ اس کے قائلین کا خیال ہے کہ زندہ چیز مختلف تاثیرات کے تحت واقع ہوتی ہے لیکن جن موثرات کا اتفاق اس زندہ چیز سے ہوا بالکل وہی اتفاق دوسری زندہ چیزوں میں بھی ہونا ناممکن ہے بلکہ موثر عوامل میں اختلاف کے باعث ان کے آنکھوں کے حاسہ کی بناوٹ میں اختلاف ہونا ناگزیر ہے تو عقل اس بات کو کیسے مان لے کہ جملہ حیوانات میں آنکھوں کے حاسہ کے تطور و تکوین کا اتمام اتفاق (المصادفہ) کے ساتھ ایک ہی صورت میں ہوا ہو-

برگسان یہاں سے نظام زوجین کی طرف منتقل ہوتا ہے- مادہ پرستوں پر اپنے طنز میں اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے "جب ہم نے برائے بحث تسلیم کر لیا کہ یہ عجیب و غریب جادو آنہ (اتفاق) جملہ حیوانات کی آنکھوں میں ایک ہی طرح کا حاسہ بنانے کا باعث ہے اور حیوانات ایک ہی نوع بننے کی بات میں ہمارے لیے اطمینان کی راہ آسان ہو گی تو ہم نباتات سے متعلق کیا کہیں جب ہم ان دونوں کو زندگی کے طریقوں میں ایک ہی طریقہ پر متفق دیکھتے ہیں حالانکہ نبات نوع دیگر ہے جو حیوان کے طریقوں سے بالکل مختلف طریقہ اختیار کرتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ نبات و حیوان عمل تناسل میں ایک ہی طریقہ کا اتباع کرتے ہیں- <u>تو یہ اتفاق کیسے ہو گیا کہ حیوان نر اور مادہ پیدا ہوئے اور نبات کو بھی اسی طریقہ پر بذات خود بھی اور اتفاق سے بھی چلنے کی توفیق ملی؟</u>

ہرگز نہیں، ناممکن ہے کہ یہ کمزور بنیاد جس کا نام انہوں نے طبعی انتخاب رکھ لیا ہے اس اتفاق کی بنیاد ہو اور ناگزیر ہے کہ وجود کی جملہ اجزاء میں، خواہ اس کی انواع جتنی بھی ہوں اور اس کی اجناس جتنی بھی مختلف ہوں، ایک ہی مشترک قوت ہو اور وہ ہے "الحیاۃ" اور اسی الحیات کی ابتداء ہوتی ہے اسی میں تغیر آتا ہے اور اسی میں تبدیلی آتی ہے اور تطور اس الحیاۃ کی قوت سے تمام ہوتا ہے نہ کہ خارجی موثرات کی قوت سے اور اس الحیاۃ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے-

حیران: حق بات ہے کہ برگسان اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے عظیم فلاسفہ میں سے ہے اور یہ حقیقت ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف اپنی عقل کو اپنی فکر کا ذریعہ بناتا ہے اور اس کے ساتھ اس وجدانی شعور تک رسائی حاصل کرتا ہے جس کا نام اس نے الادراک المباشر رکھا ہے حالانکہ وہ مباشر (براہ راست) نہیں بلکہ وہ گہری باطنی عقلی فکر کا نتیجہ ہے-

جس کے ذریعہ کانٹ نے اپنی ذات کو محسوس کیا اور اس کا نام اخلاقی دلیل رکھا اور ہم سب اسی کے ساتھ وجدانی ایمان کا حقیقی شعور حاصل کرتے ہیں مگر اس کا سبب نہیں جانتے۔

الشیخ اور میں اسی کے ساتھ شعور کی حقیقت کو سمجھتا ہوں۔ لیکن میں نے اس کا نام معاون دلیل رکھا ہے کیونکہ وہ ایسی قوی دلیل نہیں کہ ہم اس پر ایمان کی بنیاد رکھیں اس لیے کہ وہ تمہارے جیسے نوجوانوں کو بحث کے دوران ایمان کے برعکس لے جاتی ہے۔ مگر قطعی عقلی دلیل کے مغلوب ہونے یا باطل اور کمزور قرار دیئے جانے کا کوئی احتمال نہیں ہوتا خواہ اس کی ترکیب میں ہمیں کتنا ہی عجز لاحق ہو جائے بالخصوص قصد و ارادہ اور تدبیر و نظام کی دلیل میں جس کا ذکر برغسان نے کیا ہے۔

حیران: یہ دوسرے معاون دلائل کیا ہیں؟ میرے آقا!

الشیخ وہ بکثرت ہیں اور ان میں عظیم ترین دلائل رسولوں کے معجزات ہیں۔

حیران کیا آپ معجزات کو معاون دلائل میں شمار کرتے ہیں اور انہیں قطعی دلائل نہیں سمجھتے؟

الشیخ معجزات جن میں فطری قوانین کا توڑ ہوتا ہے قوی دلائل ہیں لیکن وہ خالص عقلی نظری دلیل جو اللہ تعالیٰ کے وجود پر قطعی اور لازم فیصلے تک پہنچتی ہے سے زیادہ قوی نہیں ہوتے۔ بہ حیثیت مجموعی قدیم انسانی دور میں لوگ خالص عقلی نظری استدلال سے عاجز تھے۔ اس لیے انہیں ایمان باللہ کی دعوت کے وقت معجزہ کی دلیل سے مخاطب کرنا حکمت کا تقاضا تھا اور معجزہ انسانی رسول کے ہاتھ پر فطری قوانین کو توڑ کر واقع ہوتا ہے جو مافوق الفطری طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود کی نشاندہی کرتا ہے۔ کیونکہ عادتاً وہ انسانی استطاعت سے باہر ہوتا ہے۔ لیکن جب انسانیت نے عقلی فکر کے مدارج میں ترقی کر لی اور خالص عقلی نظری استدلال کے لیے تیار ہو گئی اور سائنس نے ارتقائی منازل طے کر کے فطری قوانین کے بیشتر اسرار میں نفوذ حاصل کر لیا اور یہ ممکن ہو گیا کہ بعض لوگوں کے نزدیک معجزہ بظاہر مادہ کے ساتھ محض سائنسی عمل کے مشابہ بن کر رہ جائے جیسے سائنس سے ناواقف شخص مافوق الفطری واقعہ سمجھتا ہو تو اللہ کی حکمت نے معجزاتی استدلال پر قطعی عقلی استدلال کو ترجیح دینے کا فیصلہ فرمالیا۔ اور یہی وہ اسلوب ہے جو وحی نے قرآن میں اختیار کیا اور معجزات سے زیادہ اس پر انحصار کیا ہے۔ جس کی وضاحت اس کے موقع کے مطابق آئے گی۔

* * *

ڈارون والجسر

(ڈارون اور الجسر)

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں وقت مقررہ پر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی۔ ان کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا "اے حیران! کچھ نہیں' میں اپنے شیخ الجسر" کی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا تو یادیں جاگ اٹھیں"۔

حیران: الجسر" کی کتاب سے یادوں کا کیا تعلق؟

الشیخ: اے حیران! یہ عہد شباب کی پرانی یادیں ہیں۔

حیران: تو آج رات محترم الجسر" پر گفتگو فرمائیں گے؟ مجھے بخدا! اس شخص کے متعلق سننے کا بہت شوق ہے' جس کا ذکر آپ اکثر کیا کرتے ہیں۔

الشیخ: فی الحال میں الجسر کا ذکر نہیں کروں گا بلکہ ایک اور شخص پر بات ہوگی جس کے متعلق گفتگو تمہیں الجسر سے زیادہ پسند ہے۔

حیران: وہ شخص کون ہے؟

الشیخ: ڈارون' صاحب نظریہ نشوو ارتقاء۔

حیران: اس سے متعلق گفتگو میں تقدیم کی کیا ضرورت ہے؟ کیا وہ تاریخی ترتیب میں الجسر سے پہلے آتا ہے؟

الشیخ: ایسا نہیں بلکہ وہ الجسر کا ہم عصر ہے لیکن الجسر کے متعلق گفتگو ڈارون پر گفتگو کے بعد زیادہ پر لطف اور موزوں رہے گی۔

حیران: مجھے اس بڑے فلسفی پر گفتگو سننے کا بھی بڑا شوق ہے جس کا فلسفہ ہم نوجوانوں کے ذہنوں پر چھایا ہوا ہے اور جس نے ہمیں الحاد کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔

الشیخ: ڈارون فلسفی نہیں ہے' اس کا کوئی فلسفہ نہیں ہے جیسا کہ تمہارا خیال ہے لیکن وہ ایک بڑا سائنس دان ہے۔ اس نے مذہب تحول کو بڑی جرأت اور قوت کے ساتھ آگے بڑھایا جب اس نے اپنی کتاب "اصل الانواع بطریق الانتخاب طبعی" (Origin of Species by means of natural selection) کو شائع کیا اور تحول' نشو اور ارتقاء کے خصوصی مذہب کا حامل بن گیا جس پر "مذہب ڈارون" کا اطلاق کیا جاتا ہے مگر وہ فلسفی جس نے مذہب تحول اور نشو و ارتقاء سے متعلق جامع فلسفہ وضع کرنے کی بنیاد رکھی وہ مذہب "التطور" (Evolution) کا حامل ہربرٹ سپنسر (Herbert Spencer 1820-1906) ہے۔

رہا تمہارا وہ قول کہ ڈارون وغیرہ کی آراء تم نوجوان لوگوں کے ذہنوں پر مسلط ہیں اور انہوں نے تمہیں الحاد کے کنارے لا کھڑا کیا ہے' میں اس میں حقیقت سے واقف ہوں۔ اس نسل کے فلسفہ کے شائق نوجوان جنہوں نے اپنی آنکھیں سائنس پر کھولی ہیں' کے ذہنوں کو فلسفہ نے اتنا متاثر نہیں کیا جتنا انواع کی اصل اور نشوو ارتقاء کے متعلق جدید آراء نے متاثر کیا ہے جن کی مخالفت یورپ و امریکہ کے جملہ علماء و علمبرداران مذہب کی طرف سے شدید طور پر بلا جواز کی گئی۔ اور تم دیکھو گے کہ ان پر یہ شدید حملہ ڈارون کی آراء کی حقیقت کو سمجھے بغیر کیا گیا' یا اس خیال کی بنیاد پر کہ وہ آراء اللہ کے وجود پر ایمان سے قطعی بنیادی طور پر متعارض ہیں اور تم جان لو گے کہ نہ اصل الانواع اور نشوو ارتقاء کے قوانین سے متعلق ڈارون کی آراء اور نہ ہی سپنسر کا وضع کردہ فلسفہ اللہ کے وجود کی نفی کرتے ہیں جو مادہ اور اس کے عناصر' قوانین تحول اور تطور کا خالق ہے۔ لہٰذا کوشش کروں گا کہ تاحد امکان ڈارون کے نظریہ کی حقیقت اور اس کی وضاحت کا خلاصہ تمہارے سامنے رکھ دوں۔

حیران: میں ہمہ تن گوش ہوں۔

الشیخ: طبقات ارضی میں پائے جانے والے قدیم حیوانی آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر انسان عدم کے بعد وجود میں آیا اور ان آثار سے حیوانات و نباتات کا مٹنا ہوا وجود ثابت ہوتا ہے اور سائنس والوں نے اس (زندگی کی موقوفی) کی علت زمین پر نازل ہونے والے زلزلوں اور طوفانوں کی آفات کو قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہر آفت کے نزول پر زندگی کے موقوف ہو جانے کے بعد جدید زندگی پیدا ہو جاتی۔ اس دور جدید پر پھر کوئی آفت نازل ہوتی اور زندگی کے ناپید ہو جانے کے بعد پھر زندگی کی تجدید ہو جاتی اور یہ وہ نظریہ ہے جسے تعاقب الخلق (پے در پے پیدائش) کا نام دیا گیا ہے جس کی تائید بہت سوں نے کی ہے اور ان تائید کرنے والوں میں فرانسیسی سائنس دان (کوویئہ) اور سوئٹزرلینڈ کا سائنس دان (اغاسئین) بھی ہیں۔

لیکن حیاتیات کے بعض ماہرین نے اس سے اتفاق نہیں کیا کہ زندگی کے یکے بعد دیگرے ختم ہونے کی تکمیل آفات کے نزول کی وجہ سے ہوتی رہی ہے کیونکہ وہ آفات ہمہ گیر نہ تھیں

بلکہ زمین کی بعض اطراف میں نازل ہوتیں- زندگی کے آثار قدیمہ میں پائے جانے والے اس اختلاف کی تفسیر انہوں نے سست رو نشوونما (النمو البطی) کے نظریہ کے ساتھ کی اور کہا کہ گردش زمانہ کے ساتھ یہ تدریجی نشوونما جدید انواع کی پیدائش کا باعث ہے اور یوں تخلیق حیات کی تفسیر میں سائنس دان دو گروہوں میں بٹ گئے- ایک گروہ کہتا ہے کہ عظیم خالق نے ماضی میں بھی اور پھر ہر خاتمے کے بعد حیات نو اور مستقل انواع پیدا فرمائی ہیں- دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ظہور حیات کا اہتمام فطرت کے تدریجی عمل کے ساتھ سست رو نشوونما (النمو البطی) کو تحول انواع اور جدید انواع کے طریقہ پر ہوا- موخر الذکر رائے کے قائلین میں سے مشہور ترین فرانسیسی عالم لے مارک (Lamark) ہے جس کے مطابق انواع حیات اپنی تخلیق و تکوین میں اصلی نہیں بلکہ ایک دوسری سے تدریجی تحول اور ارتقاء کے طریقہ پر متعدد اسباب کے ساتھ نکلی ہیں جن میں سے کچھ اسباب اعضاء کا استعمال یا غیر استعمال' نوع معیشت' اثر وراثت اور ضروریات حیات ہیں مثلاً سانپ لچکدار چلنے والا اور ٹانگوں کے بغیر اس لیے ہوتا ہے کہ وہ تنگ سوراخوں میں رینگتا ہے-

آبی پرندے اپنی ٹانگوں کا اکتساب تیرنے کی ضرورت کے مطابق کرتے ہیں- سارس اس لیے لمبی گردن والا ہوتا ہے کہ اسے اپنی خوراک گہرائی سے تلاش کرنی ہوتی ہے اور زرافہ زیادہ تر اپنی خوراک درختوں کی چوٹیوں سے حاصل کرتا ہے لہٰذا لمبی گردن کا حاجت مند ہوتا ہے-

لیکن یہ نظریہ کمزور ہی رہا اور "تعاقب الخلق" (Successive Creation) کے نظریہ کے مقابل کمزور ہی پایا تا آنکہ ڈارون آیا اور اس نے نظریہ تحول کو بڑی قوت سے آگے بڑھایا جب کہ اس نے ۱۸۵۹ء میں اپنی مشہور کتاب "اصل الانواع بطریق الانتخاب الطبیعی" وضع کی اور اس کے بعد پھر ۱۸۷۱ء میں اپنی کتاب (تسلسل الانسان Descent of man) کو شائع کیا-

حیران: ڈارون کا نظریہ کیا ہے؟

الشیخ: نشو و ارتقاء میں ڈارون کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ زندہ چیزوں کا انحصار چار قوانین پر ہے (قانون تنازع للبقاء)، (قانون تفاوت بین الافراد)، (قانون تفاوت بذریعہ وراثت) اور (قانون انتخاب فطرت) جو اسے مندرجہ بالا تین قوانین کی بنیاد پر اپنے ماسوا سے افضل محقق کرے-

(تنازع للبقاء) کا مطلب یہ ہے کہ زندہ اشیاء فطرت کے ساتھ بھی اور باہم دگر بھی دائمی کشمکش میں رہتی ہیں- اور اس کشمکش میں کسی فرد کی کامیابی کا اہتمام ان صفات پر ہے جو اسے غلبہ و بقا کا اہل بناتی ہیں- یہ صفات بکثرت ہیں اور حیوانات انباتات کی نسبت سے مختلف ہیں- فتح و غلبہ کی اہل بنانے والی صفت قوت یا شجاعت یا بڑی جسامت یا چھوٹی یا تیز رفتاری یا حسن یا ز کا ہو سکتی ہے- یا شر کے دور کرنے کا حیلہ یا قوت کے حصول کی تدبیر یا بھوک پیاس پر صبر یا شدائد کی برداشت یا ان کے علاوہ-

اور جب ان افراد کے لیے کامرانی کا اہتمام ہو گیا جن میں ان صفات میں سے کچھ صفت تھیں اور وہ افراد جن میں غلبہ کے اہل بنانے والی کوئی صفت نہ تھی پیچھے رہ گئے چنانچہ اہلیت والوں کے لیے بقا لکھ دی گئی اور اہلیت سے محروم فنا کے مستحق ہو گئے- یہ معانی ہیں قانون تنازع للبقاء کے-

جہاں تک افراد میں تفاوت کے قانون کا تعلق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ زندہ اجسام میں اپنی بعض صفت کے ساتھ اپنی اصل سے جس پر وہ پیدا ہوئے تفاوت کا رجحان پایا جاتا ہے- اس لیے آباء اور اولاد اور اصول اور فروع میں کامل مشابہت نہیں ہو پاتی حتیٰ کہ نباتات بھی جو ہمیں اپنے اجزاء میں پوری طرح ایک جیسی دکھائی دیتی ہیں' درحقیقت باہم متفاوت ہوتی ہیں اور ایک پتا بھی اسی شاخ پر دوسرے پتے سے کامل مشابہت نہیں رکھتا- جب تک یہ تفاوت جزوی ہوتا ہے جوہری امور تک اس کی رسائی نہیں ہوتی تو غیر محققین پر پوشیدہ رہ جاتا ہے لیکن طویل زمانہ کے گزرنے پر تفاوت ظاہر ہو جاتا ہے اور نوع جدید کی تکوین ہو جاتی ہے-

اور جو قانون وراثت ہے وہ قانون تباین (تفاوت) کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والا ہے کیونکہ تباینات (اختلافات) وراثت کے ذریعے اصول سے فروع میں منتقل ہو جاتے ہیں اور اولین مراحل میں جزوی اور غیر جوہری ہوتے ہیں مگر طویل زمانہ گزرنے کے ساتھ جوہری ہو جاتے ہیں اور انواع میں ظاہر ہونے لگتے ہیں-

جہاں تک فطری انتخاب کے قانون کا تعلق ہے جس پر بالآخر یہ نظریہ تمام تر مرتکز ہے کا خلاصہ یہ ہے کہ قانون وراثت جس طرح تباینات کو منتقل کرتا ہے اسی طرح وہ ساری صفات وہ مادی ہوں یا معنوی' اصلی ہو یا اکتساب کردہ اصل سے فرع میں منتقل کرتا ہے- اور ان صفات میں

بعض نافع ہوتی ہیں مثلاً قوت، صحت اور ذکاوت اور بعض مضر مثلاً امراض، جسمانی معذوریاں اور دماغی عدم توازن، یہ مضر صفات دو حالتوں میں سے کسی ایک پر جا کر ختم ہوتی ہیں- یا تو وہ صفات نافعہ کے غالب آنے پر ختم ہو جاتی ہیں یا غالب آ جاتی ہیں اور ان کے حامل فرد اس کی ذات اور اس کی نسل کو ہلاکت سے دوچار کر دیتی ہیں- مگر صفات نافعہ اپنے سے متصف کو تنازع للبقاء کے معرکہ میں متنازہ کامیاب بنا دیتی ہیں-

پھر فروغ، ان صفات نافعہ کو نسلاً بعد نسلٍ ورثہ میں ملتی چلی جاتی ہیں اور ہزاروں نسلوں کے گزرنے کے بعد امتیاز جب حد کو پہنچ جاتا ہے تو نوع جدید بنا دیتا ہے- یہ ہے انتخاب طبعی کا قانون جو ڈارون کی رائے میں سطح ارضی پر موجود زندہ انواع کی تکوین کا باعث ہے-

حیران: ڈارون کے مخالفین نے اس کی تردید میں کیا کہا ہے؟

الشیخ: ڈارون کے بہت سے مخالف ہیں ان میں سے وہ علماء ہیں جنہوں نے ڈارون کی آراء کو دینی میدان میں تنقید کا ہدف نہیں بنایا بلکہ علمی میدان میں ان پر تنقید کی ہے- اور ان میں بعض دین کے علم بردار ان ہیں جنہوں نے دین کے نام پر ڈارون پر شدید حملہ کیا ہے- جہاں تک علمی اعتراضات کا تعلق ہے ان میں سے اہم یہ ہے کہ ادنیٰ بحری حیوانات آج تک اسی حالت پر باقی ہیں جس پر وہ ابتدائے عالم میں تھے اور ہمیں ان پر قانون ارتقاء کا کوئی اثر نظر نہیں آتا- اور بڑے ذی حیات گروہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ کے آثار بعض ذلیل ترین طبقات ارضی میں پائے جاتے ہیں- اگر قانون ارتقاء یقینی ہوتا تو لازم تھا کہ ان میں سے جو اعلیٰ تھے مثلاً ریڑھ کی ہڈی والے وہ اعلیٰ طبقات میں ہوتے، اور ہم بہت سی انواع اور گروہ ایسے پاتے ہیں جو قدیم زمانوں میں آج کی نسبت کامل تر تھے نیز ہم حیوانات کے بعض حقیر طبقات کو اعلیٰ طبقات سے برتر پاتے ہیں-

حیران: تب تو ڈارون یہ کہنا چاہتا ہے کہ جملہ ذی حیات ایک ہی اصل (فطری تخلیق اور تولد ذاتی) سے پیدا ہوئے نہ کہ اللہ کے پیدا کردہ-

الشیخ: من جملہ یہی کچھ ہے جو جہالت یا بہتان کے ساتھ ڈارون کے متعلق مشہور ہوا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ڈارون اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے- جہاں تک انواع کی اصل کا تعلق ہے ان کی تجدید میں وہ تردد کے ساتھ آغاز کرتا ہے کیونکہ وہ جملہ

ذی حیات انواع کو اصل واحد کی طرف لوٹائے جانے کی طرف اپنے رجحان کے باوجود صراحت کرتا ہے کہ وہ چار یا پانچ اصلوں کی طرف لوٹتی ہیں جو قدیم زمانہ میں پیدا شدہ ہیں جن میں سے ہر ایک کا ایک جوڑا اصلی تھا- مگر ڈارون اس اعتراف میں ہرگز تردد کا شکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اصل انواع کا خالق ہے خواہ وہ اپنی اصل میں متعدد ہوں یا اصل واحد سے ہوں- اس کی عقل نے ان لوگوں کی رائے کو قبول نہیں کیا جنہوں نے کہا کہ اصل انواع کا تولد خود ذاتی طور پر فطرت کے عمل سے ہوا-

حیران: ہم نے کیسے اس کی اور اس کے گروہ کی یہ رائے سنی؟

الشیخ: ہاں! مادی نظریہ کے حامل کچھ ملحد گروہ ہیں جو ڈارون کی اس رائے سے خوش نہیں کہ حیات دراصل خالق عظیم کی قدرت سے پیدا ہوئی- لہٰذا انہوں نے اس پر الزام لگایا کہ وہ اہل دین کی طرف مائل ہے اور انہیں خوش کرنا چاہتا ہے- انہوں نے زندگی کی ابتداء کو مردہ مادہ سے عبارت ہونا گھڑ لیا- ان میں سے بعض نے خیال کیا کہ اصل حیات واحد خلیہ والا سادہ جسمیہ ہے اور دوسروں نے خیال کیا کہ حیات چھوٹے حیاتیاتی زلالی کتلہ (Bio- Albuminous Mass) سے عبارت ہے- وہ واحد ذی خلیہ سے کم تر اور سادہ تر ہوتا ہے لہٰذا انہوں نے یونانی زبان میں اس کا نام مونیرا (Monere) یعنی سادہ یونٹ رکھا اور انہوں نے سمجھ کر وہ (ذاتی تولد) کے ساتھ جماد سے بنتا ہے- اس کا قائل مشہور ترین المانی ماہر علم الاحیاء آرنسٹ ہیکل ہے-

حیران: ہیکل کیا کہتا ہے؟

الشیخ: ہیکل کا کہنا ہے کہ کائنات مادہ سے بنی ہے- اور مادہ ذرات سے بنا ہے اور کائنات میں ہر ذی روح اور غیر ذی روح شے اسی مادہ سے ظہور میں آئی اور حرکت عالم دائمی حرکت تطور ہے جس کی ابتداء انتہائی سادہ ذرات سے ہوتی ہے اور کائنات کے ارتقاء پر جا کر اس کی انتہاء ہوتی ہے- لہٰذا ساری کی ساری کائنات اس کے ذی حیات ہوں یا جماد ایک ہی طرح کے عناصر سے بنی ہے اور اس سلسلہ میں زندہ و غیر زندہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ عضوی مواد کے عناصر خود غیر عضوی مواد میں موجود ہوتے ہیں اور بعض عضوی مرکبات کی تیاری کا امکان صناعی (غیر طبعی) طریقہ سے ہوتا ہے اور اس بنیاد پر ہیکل کہتا ہے کہ خالص

حیواناتی انواع تولد ذاتی کے طریقوں پر مردہ مادے سے پیدا ہوئیں۔

حیران: حیات جماد سے کیسے پیدا ہوئی؟

الشیخ ہیگل کی رائے ایک اندازے پر منحصر ہے کہ اصل حیات مادی عناصر کی مخصوص مقداروں کے درمیان متوازن نسبت سے پیدا ہوئی لیکن یہ توازن بہت زیادہ دقیق ہے اس حد تک کہ عناصر کے کسی ایک جزو میں کمی اور کسی دوسرے جز میں زیادتی نشأۃ حیات یا تعطل حیات کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ وہ اندازہ ہے جو ہیگل نے لگایا لیکن وہ خود اور دیگر مادہ پرست جماد سے حیات اول کی نشأۃ کے راز کو سمجھنے سے عاجز ہیں حتیٰ کہ ان میں کا ایک شخص (ہکسلے) جو نظریہ ارتقاء کا شدید حامی اور مادہ پرستوں میں بڑا غلو کرنے والا ہے اور ڈاروِن پر اہل دین کے ساتھ نرم رویے کا الزام لگانے والوں میں سے ہے، جماد سے تخلیق حیات کے سامنے حیرت زدہ کھڑا ہے جب کہ انصاف پسند اور غیر جانبدار علماء کی طرح کہتا ہے۔

(اولین جسمیہ جس سے اصل اول پیدا ہوئی کے تولد ذاتی کو حتمی قرار دینا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ اولین جسمیوں کا ذاتی تولد کے طور پر پیدا ہونے کے لیے مناسب حالات کا ہونا نامعلوم ہے اور خود جسمیہ کا اپنی سادگی کے باوجود بناوٹ و ترکیب کے ساتھ ہونا جماد سے بلاواسطہ اس کے صدور کو مانع ہے بلکہ جماد سے اس کا ظہور سائنس کی نظر میں معجزہ شمار کیا جانا چاہیے جو جماد سے براہ راست اعلیٰ ذی حیات کے ظہور کی نسبت عقلاً کم بعید نہیں۔)

حیران یہ عظیم بات ہے لیکن جو کچھ میں نے سن رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ڈاروِن کا کہنا ہے کہ انسان اصلاً بندر ہے جو ارتقائی منازل طے کر کے انسان بن گیا۔ یہ بات اس الزام سے کیسے لگا کھاتی ہے جو اہل دین کے ساتھ نرم رویے سے متعلق اس پر لگایا گیا؟

الشیخ یہ بھی ڈاروِن کا قول نہیں۔ اگرچہ اصل انواع سے متعلق اس کے نظریے میں اس قول کا احتمال ہوتا ہو لیکن بعض غالی مادہ پرستوں نے اعتقاد وقدیم سے متعلق ڈاروِن کے نظریہ اور اس کے کلام کو تخلیق کے امر میں ارادہ و حکمت کی نفی کا وسیلہ بنالیا اور انہوں نے (بلاواسطہ وغیبی تخلیق) سے انکار کر دیا جس کا ذکر آسمانی صحیفوں میں آیا ہے اور انہوں نے یہ سمجھا کہ انسان کی اصل بندروں سے ہے۔ انہوں نے اس گمان پر بندر اور انسان کے

مابین اکثر اعضاء اور جنس جیسے طبائع میں مشابہت کے ساتھ استدلال کیا اور کہا کہ اکثر حیوانات میں خوشی وغمی اور نفرت ومحبت کے روحانی احساسات پائے جاتے ہیں اور ان میں کچھ سوچ و بچار اور موازنہ کی قوت ہوتی ہے۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ ارتقائی مدارج میں تفاوت کے باوجود حیوانات میں انسان کی طرح عقل اور میلانات پائے جاتے ہیں۔

لیکن بندر سے انسان کی نشأۃ کے یہ قائلین بندر کی حیوانیت سے انسانیت میں منتقلی کے آخری مرحلہ میں انتقال کی کیفیت سے متعلق تردد کا شکار ہیں۔ بعض نے کہا کہ منتقلی اچانک ہوگئی اور دوسروں کا کہنا ہے کہ بتدریج ہوئی اس لیے کہ اچانک یہ تبدیلی بعید ہے کیونکہ بندر اور انسان میں بروئے عقل عظیم فرق ہے۔ انہوں نے طبقات ارضی میں سے ناپید ہو جانے والی مخلوق کی تلاش کی مگر اس کا کوئی نشان نہ پا سکے اور آج تک حتمی طور پر اس "مذعومہ" تبدیلی سے متعلق کوئی قاطع یا راجح رائے قائم نہیں کر سکے۔ لہٰذا ان کے ہاں نشأۃ اصلی ایک بڑے شک کا مقام بنتا چلا آ رہا ہے۔

حیران فلسفہ تطور کیا ہے جسے ہربرٹ سپنسر (Herbert Spencer) نے وضع کیا اور تحول و تطور میں فرق کیا ہے؟

الشیخ سائنس و فلسفہ کی اصطلاح میں تحول و تطور میں اتنا ہی ہلکا سا فرق ہے جتنا کہ لغت میں ان کے مابین فرق ہے۔ جہاں تک نظریہ تحول کا تعلق ہے وہ بیالوجی کا وہ مذہب ہے جو کہتا ہے کہ حیوانات و نباتات کے انواع میں تغیر (تحول Transformation) آتا ہے تو نوع جدید پیدا ہوتی ہے اور مذہب تطور (Evolutionism) بیالوجی کا وہ مذہب ہے جو زندہ انواع میں ارتقائی تحول کے ساتھ یہی کچھ کہتا ہے۔ اس طرح سے ڈاروِنی مذہب فی الواقع ارتقاء، تحول و تطور کا مذہب ہے لیکن ڈاروِن نے تطور سے وہی کچھ مراد لیا جو بیالوجی کا مسلک ہے اور اس نے اس کے وجود سے متعلق کوئی جامع فلسفہ وضع نہیں کیا لیکن سپنسر نے تطور سے مع اس کی مادیات و معنویات کے وجود سے متعلق جامع فلسفہ وضع کیا۔ لہٰذا وہ تطوری فلسفہ کا بانی شمار ہوا۔

اس فلسفہ کا خلاصہ (جو درحقیقت کائنات میں موجود وقعات کی نشأۃ کی علت کے

اظہار سے زیادہ اس کی صورتوں میں بعض مشاہدہ کردہ حقائق کی خوب صورت نقشہ کشی ہے) یہ ہے کہ کائنات میں مادی، عضوی، عقلی، اجتماعی اور اخلاقی اشیاء میں سے جو کچھ بھی ہے وہ ہم جنس اجزاء کے جمع ہونے کا نتیجہ ہیں جو ان کی حرکت کو محدود انہیں مقید اور ان کی قوت کو منتشر کر دیتا ہے پس ان کی صورتوں اور اقسام میں بعد پیدا کر دیتا ہے اور پھر اختلاف، انتشار اور موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ اس کے بعد پھر از سر نو تجمع (جمع ہونے) کی طرف اور علی ہذا القیاس

مادی ذرات کے تجمع سے پتھر اور پہاڑ پانی کے قطروں کے تجمع سے سمندر اور افراد کے تجمع سے خاندان، خاندانوں سے قبائل اور قبائل سے ریاست اور عادات سے اخلاق، نظام اور ادیان بنتے ہیں۔ خداؤں کے تعدد سے توحید کی نشأۃ ہوتی ہے۔ احساسات کے تجمع سے افکار اور جزئی معارف بنتے ہیں اور جزئی معارف سے علم اور علوم کے تجمع سے فلسفہ بنتا ہے ....

لیکن ذی حیات مخلوق میں تطور اس کے اور اس کی زندگی کے ماحول، متعلقہ ضروریات اور اس کی بقاء حیات کی معاون حاجات کے مابین باہمی موافقت اور مطابقت کی بنیاد پر آسان اور متماثل ہوتا ہے جیسا کہ ڈارون نے کہا ہے۔ حیوانات کے اعضاء و حواس حتیٰ کہ عقل اور ان کے فطری افکار ان ضروریات و حاجات کے باعث اسی تطور سے پیدا ہوئے۔ پس فطرتوں کی اصل بہت اعادے اور پختہ عادات ہیں اور فطرتوں سے عقل بنتی ہے۔ اور قانون علت اور زمان و مکان جیسی قطری فکر کی صورتیں تفکیر کے فطری طریقے ہیں جن کا انواع نے اکتساب کیا ہے لہٰذا وہ تکرار زمانہ سے فطری طور پر راسخ ہو گئے۔

حیران مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے شوپنہار نامی ایک جرمن فلسفی کا مقالہ پڑھا تھا جو اسی طرح کی بات کہتا ہے کہ حیوان کے اعضاء کی تکوین، اس کی زندگی، غذا اور بقاء کی ضرورت کے سبب ہوتی ہے۔

الشیخ ہاں! شوپنہار (Schopenhauer:۱۷۸۸ – ۱۸۶۰) نے ان حاجات و ضروریات کو (ارادہ) سے تعبیر کیا ہے اور اس نے اس ارادہ کے معانی میں وسعت دی ہے حتیٰ کہ اسے ہر چیز کی انتہائی حقیقت بنا دیا۔ اس کے خیال میں عالم پورے کا پورا متواصل فاعلی حالت میں ارادوں کے مجموعے سے عبارت ہے اور یہی ارادہ وہ زندہ قوت ہے جو ہر چیز کو تشکیل دیتی ہے اور اسے اس کی حاجات کے تقاضے کے مطابق بناتی، شکل دیتی اور چلاتی ہے اور یہ کہ ہمیں جزوی اشیاء سے اس

مجسمہ (shaped) ارادہ کے ظواہر کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

حیران کیا شوپنہار کی ارادہ سے مراد وہ فطرت اور کائنات کے طبعی قوانین و نظام ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے زندہ چیزوں کو پیدا فرمایا ہے یا اس کے مجسمہ ارادہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو جسد بخشا اور اس میں ارادے پیدا فرمائے جو انہیں تحریک دیتے اور ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتے رہتے ہیں اگر ایسا نہیں تو ارادہ سے اس کی کیا مراد ہے؟ اور اس ارادے کا موجد کون ہے؟

الشیخ میں نے شوپنہار کے کلام سے اس کے ابہام کے باوجود جو سمجھا ہے وہ یہ کہ وہ میکانکی مادیت کی نفی کرنا چاہتا ہے اور مادہ کے پیچھے فعال قوت کے وجود کا اقرار کرتا ہے جو (الحیوۃ) ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ یہ قوت غیر زندہ چیزوں میں بھی عمل کرتی ہے لہٰذا اس نے اسے (ارادہ) سے تعبیر کیا۔ اور اے حیران! فطری قوانین کے تحت تحول و تطور کے نظریہ میں خواہ انہیں (حیاۃ) نے وجود بخشا یا (ارادہ) نے بہر حال اللہ تعالیٰ کے وجود کے اعتقاد کے منافی نہیں۔

حیران وہ کیسے؟

الشیخ: الجسر" کے کلام میں تم اسے مفصل پاؤ گے۔

حیران یہ سب کچھ جو سپنسر نے تطور کے فلسفہ سے متعلق کہا ہے۔ اس سے وہ راز منکشف نہیں ہوتا جس پر تطور کی روش ہے۔ اور نہ ہی انہیں وہ اس کائنات کے وجود سے متعلق اس کے ذرات، اجزاء، عناصر، خواص اور قوانین کی علت اولیٰ کی خبر دیتا ہے جو سے اس تجمع و تفرق سے ہمکنار کرتے ہیں۔

الشیخ سپنسر نے اپنے فلسفہ کو حیات کی صورتوں میں اسی تطور تک محدود رکھا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ اسے وجود کی تمام صورتوں کے لیے جامع بنائے۔ لیکن اس سے ماوراء کائنات کی حقیقت اور اس کی علت سے متعلق سپنسر کی رائے میں عقل گہرائی میں جانے سے عاجز ہے کیونکہ اسے اشیاء کے ظواہر کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس نے اپنے وجود کا اکتساب ان ظواہر کی مشق سے کیا ہے۔ اور ان ظواہر سے ماوراء ہر نظری عقلی دلیل میں عقل کا لغزش، تردد اور حیرت کا شکار ہو جانا ناگزیر ہے کیونکہ یہ قول کہ عالم بغیر علت کے خود بخود وجود میں

گیا اور یہ کہ اس کی کوئی ابتداء نہیں' کو قبول کرنے کے لیے ہر معلول کی علت تلاش کرنے والی عقل تیار نہیں۔ لیکن یہ عقل جس طرح یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اس عالم کی کوئی علت اولیٰ ہو جو اس کے وجود کا سبب ہو وہ اس علت اولیٰ کے تصور سے درماندہ و عاجز ہے جس کی کوئی علت نہ ہو۔

حیران یہ بالکل وہی بات ہے جو ایمونیل کانٹ نے عقل کے عجز سے متعلق کہی ہے لیکن کیا وہ اس کے ساتھ اس کے ایمان میں بھی متفق ہے؟

الشیخ ہاں! سپنسر نے اپنے کلام میں کانٹ کے ساتھ عقل کے عجز' اس کے تردد اور حیرت کے ساتھ اتفاق کیا اور بالآخر اس کی طرح وجدانی ایمان اختیار کیا اور کہا کہ "بلاشبہ ایسے حقائق ہیں جن کے وجود کو ہمارے ضمیر' قوی باطنی' شعور کے طور پر محسوس کرتے ہیں حالانکہ ہم اپنی عقلوں کے ساتھ ان کا ادراک نہیں کر سکتے اور ان حقائق میں سے اہم ترین حقیقت اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان ہے......"

حیران آقا! میں نے آپ سے سنا تھا کہ ڈارون اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھتا تھا تو وہ کون سا قبیح حملہ ہے جو بقول آپ کے اس پر کیا گیا اور سپنسر پر نہیں کیا گیا حالانکہ نظریہ تطور سے متعلق اس نے بالکل ڈارون ہی کی طرح کہا۔

الشیخ سپنسر پر حملہ اس لیے نہیں ہوا کہ یہ وہ نظریہ خلق الانواع میں ڈارون کے پیش کردہ نظریہ سے الگ کوئی نئی چیز نہیں رہا تھا۔ جب سپنسر نے فلسفہ تطور شائع کیا تو اس وقت تک ڈارون کے خلاف حملہ اپنی قوت کھو چکا تھا لہٰذا یہ طبعی بات تھی کہ اس موضوع پر اب اس کی آراء کوئی ہنگامہ بپا نہ کرتیں جیسا کہ تدریجی اور تطوری تخلیق سے متعلق ڈارون کی آراء نے بپا کیا تھا جس سے اہل دین نے ایمان کے خلاف خطرہ محسوس کیا۔ اور انہوں نے اس سے کتب سماوی میں مذکور انسان اول کی تخلیق کی تکذیب محسوس کی۔

ڈارون پر حملہ نہایت شدید تھا اور وہ اس حد تک پہنچا کہ دنیائے لاہوت کے بزرگ ترین اصحاب اور علم و سیاست اور صحافت کے مردان کار بکثرت اس کے خلاف علمی تنقید سے لے کر گالی گلوچ' تمسخر' اذیت اور تکفیر کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور تمہارے لیے اس طوفانی حملے کے بارے میں جو انیسویں صدی کے آخر تک پوری شدت کے ساتھ جاری رہا اتنا جان لینا کافی ہے کہ آکسفورڈ کے بشپ جیسے بڑے عالم نے برطانوی علوم کی پیش قدمی سے متعلق ایک اجتماع میں

اپنے خطبہ میں کہا "ڈارون نے تخلیق کے کام میں اللہ تعالیٰ کے مرتبہ کو محدود کر کے گھناؤنا جرم کیا ہے" کارڈینل نے کہا "ڈارون کا مذہب وحشی فلسفہ ہے جو عقل کو "الٰہ" کے انکار کی طرف لے جاتا ہے۔" ملبورن کے لارڈ بشپ (بیری) نے اپنی کتاب میں ڈارون پر حملہ کیا اور اسے لوگوں کے دلوں میں آسمانی کتابوں سے کفر و انکار کے بیج بونے والا مجرم ٹھہرایا "فرانس کے المونسیور (سیغور) نے ڈارون کے فلسفہ کے بارے میں کہا "وہ انتہائی گراوٹ اور اسفل مشاعر کی طرف رہنمائی کرنے والا رذیل مذہب ہے۔ اس کا باپ کفر اور اس کی ماں گندگی ہے......" جرمنی کے بعض علماء نے اعلان کیا کہ ڈارون کا مذہب تمام مقدس کتابوں میں موجود فکر سے متضاد ہے اور (لوتاردت) لاہوت کے استاد نے لائپزیغ میں اعلان کیا کہ "نظریہ ارتقاء مکمل طور پر حکمت الٰہیہ سے متناقض ہے جب کہ نظریہ تخلیق کا تعلق دین سے ہے نہ کہ علم طبیعی سے۔ اور دین کی پوری عمارت نظریہ تخلیق پر قائم ہے" سویسرا کے ایک عالم نے اس خطا پرور اور مفسد مذہب کے خلاف صلیبی جنگ کی دعوت دی۔ ڈبلن یونیورسٹی کے مجلہ نے لکھا "ڈارون بحث کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے عرش سے دستبردار ہوتا ہے" علامہ ڈاکٹر قسطنطین جیمس اپنی کتاب (ڈارون ازم یا انسان القردی) (Darwinism) جو پیرس میں ۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی ڈارون کے مذہب کا یوں تعارف کرتا ہے کہ وہ ایک من گھڑت داستان اور اضحوکہ ہے "گلیڈ سٹون وزیر نے خود اپنے ایک خطبہ میں اس کا مذاق اڑایا اور پرنسٹن یونیورسٹی کے ڈاکٹر ہدج نے کہا "اس قسم کے نظریات کی اشاعت ممنوع ہونی چاہیے جو مقدس کتابوں کے منافی ہوں" اور اسی یونیورسٹی کے ڈاکٹر دوشیلد نے کہا (نظریہ ارتقاء اور تنزیل کے مابین موافقت ناممکن ہے اور جو اس کو مانے گا اگرچہ وہ علمی طور پر ثابت ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر ہے۔" ڈاکٹر (لی) نے کہا "تغییر کے کسی بھی اسلوب سے یہ ممکن نہیں کہ ہم کتاب مقدس کی تاویل میں اتنی وسعت اختیار کریں کہ وہ اس مذہب کے قول کی متحمل ہو جائے اس نے ڈارون اور اس کے متبعین کے بارے میں کہا کہ وہ گندگی کے منبع ہیں" بیروت کے امریکن کالج سے ان اساتذہ کو دھکے دے کر باہر نکالا گیا جن کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ مذہب ڈارون کی بات کرتے ہیں

حیران بن الاضعف کہتے ہیں کہ اس مرحلہ پر شیخ الموردن خاموش ہو گئے اور تادیر چپ رہے۔ میں خاموشی کے ساتھ انہیں دیکھتا رہا اور ان کی گفتگو کی تکمیل کا انتظار کرتا رہا پھر انہوں

نے چہرے پر فخر و اعتزاز کے معنی بے مسکراہٹ کے ساتھ سر اٹھایا اور کہا:

''اے حیران! دنیا میں ایک ہی عالم دین پایا جاتا ہے جس نے اس ہولناک معرکہ سے متعلق ایک کتاب وضع کرنے کی جسارت کی جس میں کہا کہ

''ڈاروِن کا مذہب اس کی تحقیق کی رو سے احکام قرآن سے متعارض نہیں اور نہ ہی خالق عظیم اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان سے متعارض ہے''۔

حیران آقا! وہ کون سا عالم دین ہے؟

الشیخ وہ (رسالۃ الحمیدیہ) کا مؤلف حسین الجسرؒ ہے میں ان کے بارے میں کل رات گفتگو کروں گا کیونکہ وہ طویل ہوگی۔ وہ میرے شیخ ہیں اور انہی کے ذریعے مجھے حق کی ہدایت نصیب ہوئی۔ لہٰذا ان کے بارے میں قلیل گفتگو پر اکتفا نہیں کر سکتا۔

حیران ہم اسے رات کے پہلے ہی پہر سے شروع کریں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بات کا تسلسل منقطع نہ فرمائیں گے۔

الشیخ اے حیران! میں تو بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے جاگنے کی کوئی فکر نہیں۔ میں رات میں تھوڑا سوتا ہوں لیکن مجھے تمہارا خیال ہے۔

حیران بات سننے کا شوق مجھے جاگنے پر صابر بنا دے گا۔

الشیخ اے بیٹے! بلاشبہ الجسرؒ علماء میں سب سے زیادہ غزالی سے مشابہ ہیں اور ان دونوں کے مابین مشابہت کی وجوہات بہت سی ہیں۔ ان میں سے اہم یہ کہ الجسرؒ غزالی کی طرح اپنے زمانے میں علم کلام کے سب سے بڑے عالم اور غزالی کی طرح کائنات کے سائنسی حقائق کی وسیع معلومات رکھنے والے اور مابعد الطبیعیاتی فلسفہ میں گہرا علم رکھتے تھے۔ فلسفہ کے مباحث میں ان دونوں سے الجسرؒ کی غرض اللہ کے وجود کا اثبات تھا۔ اور جیسا کہ امام غزالیؒ ان سائنسی، علمی حقائق کو تسلیم کرتے ہیں جن پر صحیح دلائل قائم ہوتے ہیں اور ہر اس قول پر نکیر کرتے ہیں جو دین اسلام کے منافی ہو اور ان حقائق کا انکار کرنے والوں کو بہ شدت ہدف ملامت بناتے ہیں جو بزعم خویش (ان حقائق کے انکار سے) دین کی خدمت کا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں غزالی کا کہنا ہے کہ یہ لوگ دین کے دشمنوں کی نسبت دین کے لیے زیادہ ضرر رساں ہیں چنانچہ الجسرؒ بھی قطعی سائنسی، علمی حقائق کا انکار کرنے والے علماء پر شدید نکیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ دین کے اصول و قواعد سے جاہل، دین کے حکیمانہ احکام اور قطعی عقلی دلائل کے مابین موافقت کے طریقوں سے نابلد ہونے کے باعث ایمان کے راستے کی دشوار گزار گھاٹی ہیں۔ اس لیے وہ دین کے شدید دشمنوں سے زیادہ دین کے لیے نقصان دہ ہیں۔ اور ان دونوں حضرات میں سے غزالیؒ نے (تہافۃ الفلاسفۃ) اور الجسرؒ نے (الرسالۃ الحمیدیہ) نامی کتابیں لکھیں جن میں فلاسفہ کی ہر اس زاویے سے تردید کی جو فی الواقع دین کے مخالف پایا۔ لیکن ان میں دو معاملات میں باہمی فرق ہے۔ پہلا یہ کہ غزالیؒ نے (التہافت) میں اپنا کلام الٰہیات کے فلاسفہ کے بعض اقوال کی تردید تک محدود رکھا اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر طبیعی مادہ پرستوں کی آراء پر گرفت نہیں کی مگر الجسرؒ کو مادی مذہب غفلت و نیند کے بعد انیسویں صدی کے بعض مادہ پرست علماء کے ہاتھوں بیدار ہوتا ہوا نظر آیا۔ لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے بیشتر کلام میں ان مادہ پرستوں کا مواخذہ کریں۔ اور دوسرا امر یہ کہ الجسرؒ نے جدید آراء جو ان کے زمانہ میں ظاہر ہوئیں سے تعارض کیا اور ان میں سے اہم تر نظریہ نشو و ارتقاء ہے جس کو بعض علماء طبیعیات نے کھینچ تان کر خالق کے انکار تک اور اس قول تک پہنچا دیا کہ ''حیاۃ'' ذاتی تولد کے ساتھ جماد سے پیدا ہوئی۔ اور یہ مادی آراء عہد غزالیؒ میں اس توجیہ و تفصیل کے ساتھ موجود نہ تھیں اور نہ اس قدر ان کی اشاعت تھی اور نہ ابتاع جیسا کہ آج کل ہے۔ لہٰذا الجسرؒ نے ان آراء پر دین حق اور صحیح علم کی روشنی میں تنقید کی۔

الجسرؒ نے اپنا کلام حدوث عالم کے اثبات اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات کے اثبات کو عقلی طور پر واجب ثابت کرنے سے شروع کیا۔ پھر اس نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور عدم سے خلق عالم اور خلق میں کارفرما نظام و حکمت پر اعتقاد میں حائل مادہ پرستوں کے شبہات کا رد و ابطال کیا۔ اس کے بعد اس نے نشو و ارتقاء کے فلسفہ میں طویل کلام کیا اور اسے انصاف اور اعلیٰ دلائل کے ساتھ زینت بخشی۔ اور منقول اور معقول کے درمیان موافقت ثابت کی۔ شدید رغبت اور اس موافقت کے طریقوں سے باخبر ہوتے ہوئے جمود اور اندھے تعصب سے دور رہ کر یقین صادق کے ساتھ دلائل پیش کیے کہ اسلام کبھی عقل سلیم کے فیصلوں کے منافی اور متعارض نہیں ہو سکتا۔ اس

بارے میں اس نے اپنی آراء میں دین کے ساتھ شدید اعتصام کا بڑا اہتمام رکھا۔

حیران کیا "جسر" کا کلام حدوث اور قدم عالم کے مسئلہ میں غزالیؒ اور دوسروں کے کلام سے مختلف ہے؟

الشیخ حقیقت میں تو مختلف نہیں لیکن جب "الجسر" اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ملحد نیچریوں کی تردید کرتے ہیں تو ان کا کلام بعض پہلوؤں میں مادہ پرستوں پر تنقید کے دلائل کے اسلوب کے لحاظ سے غزالیؒ کے کلام سے مختلف ہو جاتا ہے۔ جب کہ غزالیؒ کا رد الٰہیات کے قائلین پر تھا جو اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار کیے بغیر قدم عالم کے قائل ہیں اور "الجسر" کا نہج غزالیؒ کا ہی نہج ہے۔ وہ مادہ پرست فلسفیوں کے مذہب کا ان کی زبان میں اور ان کی تشریح کے ساتھ اقرار کرتے ہیں پھر ان کی تردید شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے

"اس وقت تمہارے نزدیک یہ مسئلہ جس پر موقوف ہے وہ یہ ہے کہ کائنات کی اصل دو امور ہیں۔ مادہ اور اس کی قوت یعنی اس کی حرکت اور یہ کہ دونوں ازل سے قدیم اور لازم و ملزوم ہیں اور اس حرکت کا سبب اس کی اپنی ذات کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ کہ مخلوقات ساری کی ساری مادہ سے اس کی حرکت کے واسطہ سے ضرورت کے تقاضا کے بطور علت سے معلول کے حدوث کی صورت میں عدم سے وجود میں آئی ہیں۔ اور مادہ اور اس کی حرکت کے لیے اس سے کسی شے کی تکوین کے لیے ارادہ و قصد نہیں ہوتا۔ اور تم کہتے ہو کہ (تمہاری رسائی کی حد تک) طبقات ارضی کی دریافت سے حیوانات و نباتات کا عدم سے وجود میں آنا ثابت شدہ ہے۔ اور جن سے تمہیں ظاہر ہوا کہ ان میں سے ایک دوسرا طبقہ ہے جو ذوالحیاۃ اور ان کے آثار سے خالی ہے اور یہ کہ زمین پر ایسے زمانے گزرے ہیں جب وہ زندہ اجسام سے خالی تھی اور یہ کہ مادی اجزاء کے اجتماع سے مادہ کی حرکت کے واسطے سے بنیادی عناصر بنے۔ پھر وہ ایک مخصوص نسبت کے ساتھ باہمی اختلاط سے زندہ اجسام بن گئے اور زندہ اجسام میں پہلی چیز جو بنی وہ زلالی مادہ ہے جس میں غذا حاصل کرنے، منقسم ہونے اور تولد کی قوت ہوتی ہے اور وہ ہے مادہ حیات (Protoplasm) اور یہ کہ اس کے تولد سے سادہ ترین نباتات و حیوانات وجود میں آئے۔ اور ان ذوالحیات نے ان چار فطری قوانین کے تحت جن کا ذکر نشو و ارتقاء کے ضمن میں آ چکا ہے تکاثر و تنوع اختیار کرنا شروع کیا

حتیٰ کہ کئی لاکھ سالوں کے تکرار کے بعد وہاں تک رسائی حاصل کی جہاں پر وہ آج کے دن ہیں۔ اور یہ کہ انسان ان جملہ حیوانات میں سے ایک حیوان کے سوا کچھ نہیں جس نے (طبیعی انتخاب) کے قانون کی قوت سے ترقی کی اور یہ کہ وہ بندر سے مشتق ہے اور اس کی عقل باقی حیوانات کی عقل سے مختلف نہیں الا یہ کہ وہ ارتقاء و تطور کے زینے پر ان میں سے بلند تر ہے۔

"الجسر" مادی طبیعی نظریہ کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد طبیعی مادہ پرستوں کی تردید شروع کر دیتے ہیں اور ان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: تمہارے اس مذہب میں اخلاص نیت کے ساتھ غور و فکر کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ تمہارے اس مذہب کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم ہے کہ مادہ قدیم ہے لہٰذا جب تم نے اس کے قدم کا یقین کر لیا تو تمہارا اس الٰہ پر ایمان نہ رہا جس نے اسے پیدا کیا اور جب تم نے مادہ کی کئی قسمیں دریافت کر لیں اور تمہیں ثابت ہو گیا کہ یہ تنوعات حادث ہیں اور تمہاری عقلوں نے محض مادہ ہی سے ان کے حدوث کو تسلیم نہ کیا تو تم نے اس کے منفرد اجزاء کی حرکت کے اثبات کا دعویٰ کر دیا۔ اور تم نے تنوعات کی تکوین کی بنیاد مادہ و حرکت پر رکھ دی۔ اگر تم نے مادہ کے حادث ہونے کو مان لیا ہوتا تو تم اس الٰہ کے وجود پر ایمان لانے پر مجبور ہوتے جس نے اسے اور اس کے تنوعات کو پیدا فرمایا۔ اور تمہیں اس قول کے اختیار کرنے کا تکلف نہ کرنا پڑتا کہ یہ تنوعات مادہ اور اس کی حرکت سے ضرورت کے باعث کسی ارادہ، ادراک اور تدبیر کے بغیر پیدا ہو گئیں۔

پہلی چیز جو میں نے اپنے اوپر واجب کی ہے یہ ہے کہ میں تمہارے لیے قدم مادہ کے ابطال اور اس کے حدوث پر دلائل قائم کروں۔

غور و فکر کرنے والا محقق تمہارے مذہب میں تین قضیے پاتا ہے جن کا بیک وقت اجتماع ثابت کرنا ناممکن ہے۔ ایک کا ثبوت حتمی طور پر دوسرے کے ثبوت کی نفی کرتا ہے۔

پہلا قضیہ: تم مادہ اور اس کی حرکت کو قدیم کہتے ہو اور یہ کہ وہ دونوں ازل سے متلازم اور باہم لاینفک ہیں۔

دوسرا قضیہ: جب طبقات ارضی کے علم کے ذریعے تمہیں یہ انکشاف ہوا کہ حیوانات و نباتات کی انواع عدم سے وجود میں آئیں اور ان عہد کے لحاظ سے ان سے بھی بعد میں وجود میں آیا تو تم نے زندہ انواع کے حدوث کی بات کی۔

تیسرا قضیہ: تم نے کہا ہے کہ ساری تنوعات مادہ کے اجزاء کی حرکت کے واسطے سے پیدا ہوئیں اور ضرورت کے طور پر یہ حرکت ازل سے ان کے لیے لازم ہے اور مادہ اور حرکت میں کوئی اختیار ہے نہ ارادہ۔ اور تمہارے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ تنوعات، مادہ اور اس کی حرکت سے علت کے ذریعے معلول کے طور پر وجود میں آ گئیں۔

یہ تین قضیے ہیں جن کو تم ثابت کرتے ہو اور میں تمہیں ان کا جواب دیتا ہوں۔ ہر عقل سلیم بلاشبہ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ شے اپنی علت مستلزمہ سے ہرگز پیچھے نہیں رہتی۔ اگر علت حادث ہو تو شے بلا تاخیر اس کے پیچھے حادث ہوتی ہے اور اگر علت قدیمہ ہو تو شے بھی قدیم ہوتی ہے ورنہ معلول کے بغیر علت کا وجود لازم آئے گا جو عقلی طور پر محال ہے۔ لہٰذا تمہارا مادہ اور اس کی حرکت جو کائنات کے تنوعات کی علت ہیں کے قدم کے بات سے ان تنوعات کا قدم لازم آتا ہے۔ حالانکہ تم ان کے قدم کے قائل نہیں ہو۔

اس معاملہ میں تم تین امور کے درمیان ہو یا تم اپنے اکتشافات کے برخلاف علت کی پیروی میں ان معلول تنوعات کے قدم کی بات کرو، یا تم یہ کہو کہ مادہ اور اس کی حرکت اختیار اور ارادہ کے دونوں فاعل ہیں اور انہوں نے تنوعات کے حدوث کے لیے ایک زمانہ متعین کر لیا تھا مگر اس سے تمہیں شدید انکار ہے اور یا تم مادہ اور اس کی حرکت کے حدوث کی بات کرو اور وہی مطلوب ہے۔

پھر الجسر "تردید کا ایک دوسرا رخ اختیار کرتے ہیں، کہتے ہیں "یہ کوئی عقلی امر نہیں کہ مادہ کا بغیر صورت قائم ہونا عقل میں آنے والی بات نہیں اور اسی لیے تم کہتے ہو کہ وہ کبھی بلا صورت نہ تھا کیونکہ مادہ اور اس کی حرکت جن دونوں سے صورت بنتی ہے قدیم اور متلازم ہیں لیکن عقل سلیم کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ ہر صورت جو مادہ سے بنتی ہے وہ حادث ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ زوال پذیر ہوتی ہے اور اسے تغیر لاحق ہوتا ہے اگرچہ وہ سادہ ترین صورت میں ہی کیوں نہ ہو، اس دلیل کے ساتھ کہ یہ سادہ صورت متغیر ہوئی اور معدوم ہو گئی اور اس کی جگہ زندہ تنوعات کی صورتوں نے لے لی جن کے بارے میں تمہارا اثبات ہے کہ طبقات ارضی میں ان کا وجود حادث ہے۔

اور عقل کی رو سے یہ بات مخفی نہیں کہ ہر وہ چیز جس پر عدم واقع ہوتا ہے اس کا قدیم ہونا محال ہے اور مادہ کے لیے ہمیشہ اور (لازماً) حدوث ہی کی صورت رہتی ہے اس لیے ناممکن ہے کہ

مادہ قدیم ہو کیونکہ جب ہم مادہ کی سادہ ترین صورت کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں تو اسے بھی اس کے عدم کو قبول کرنے کی دلیل کے ساتھ حادث ہی پاتے ہیں تو غور طلب یہ ہے کہ اس کے حدوث سے قبل مادہ کی کیا حالت تھی؟ یا یہ کہا جائے کہ وہ بغیر صورت کے تھا مگر ایسا عقلاً محال ہونے کے باعث تم اس کی نفی کر چکے ہو۔ لہٰذا مادہ کبھی بغیر صورت کے نہ تھا جیسا کہ تم نے اور تم سے پہلے فلاسفہ نے قرار دیا ہے۔ اور یا تم یہ کہو کہ مادہ کا نئی صورت حدوث ہو ہے تو حادث تو قدیم نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہتے ہیں کہ مادہ تمہارے قول کے مطابق نیز عقل سلیم کی رو سے صورت کے ساتھ ملزوم ہے اور صورت مادہ کے ساتھ لازم ہے اور اس سے عقل کی رو سے لازم و ملزوم کے انفکاک (Breakup) کے عدم جواز کے باعث الگ نہیں ہوتی اگر مادہ (ملزومہ) قدیم ہوتا تو صورت (لازمہ) بھی قدیم ہوتی لیکن یہ صورت عدم کو قبول کر لینے کی دلیل کے ساتھ قدیم نہیں ہے لہٰذا مادہ قدیم نہیں ہے۔

اس کے بعد کہ الجسر" نے ان دلائل کے ساتھ حدوث عالم کو اس کے مادہ اور اس کی صورتوں کے ساتھ ثابت کیا ہے جس سے عقل کو کوئی گریز نہیں اور جسے اکابر علماء و فلاسفہ نے قبول کیا ہے اور اس کے دلائل دیے ہیں، مادہ پرستوں سے کہتے ہیں

"ناگزیر ہے کہ حادث کو وجود میں لانے والا کوئی امر ہو اور اس کا وجود اس کے ہاں اس کے عدم پر راجح ہو ورنہ ترجیح بغیر مرجح کے لازم آئے گا جو بدیہی طور پر ناممکنات میں سے ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مادہ حادث ہے، تو ناگزیر ہے کہ کوئی شے ہو جس سے اس کا حدوث ہوا اور اس کا وجود اس کے ہاں اس کے عدم پر راجح ہوا اور بدیہی ہے کہ وہ شے (موجود) ہو کیونکہ معدوم سے کوئی شے وجود میں نہیں آتی اور وہ الموجود اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔

اور ناگزیر ہے کہ وہ الموجود "قدیمی" ہو کیونکہ اگر وہ حادث ہوتا تو کسی محدث کا محتاج ہوتا اس صورت میں الدور لازم آتا ہے یا التسلسل حالانکہ دور اور التسلسل میں سے ہر ایک عقلاً محال ہے۔

پھر وہ الموجود القدیم جس نے مادہ کو وجود بخشا اس سے یا تو مادہ کا حدوث ارادہ و اختیار کے بغیر علت و ضرورت کے طریقہ پر ہوا یا یہ کہ اس کا حدوث اس کے ارادہ و اختیار سے ہوا اور عقلاً اس کا کوئی جواز نہیں کہ اس کا وجود علت و ضرورت کے طریقہ پر ہوا ہو کیونکہ اگر ایسا ہوتا (جب کہ وہ

قدیم ہے) تو لازم تھا کہ مادہ اور اس کے تنوعات قدیم ہوتے حالانکہ مادہ اور اس کے تنوعات کا حدوث ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا ایک ہی صورت باقی رہ گئی کہ مادہ اس کے ارادہ و اختیار سے پیدا ہوا اور اس وقت پر وجود میں آیا جو وقت کہ اس کے لیے اس نے مخصوص فرمایا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ الموجود القدیم صاحب ارادہ و اختیار ہے۔

پھر ارادہ کافی ہوتا عدم پر وجود کی ترجیح اور اس کے زمانے کی تخصیص کے لیے موزوں ہے لیکن وجود کی تکمیل تنہا ارادہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے قدرت اور علم ناگزیر ہیں۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ الالٰہ العظیم جس نے مادہ کو ایجاد فرمایا اور ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہونے کے قابل بنایا وہ کامل ترین قدرت کا مالک اور صاحب کامل واکمل علم ہے۔ اور یہ برابر ہے کہ اس نے مادہ کے تنوعات کی تشکیل کی اور انہیں ترقی دی یا یہ کہ اس نے مادہ کو ان تنوعات و تطورات کی صلاحیت کے ساتھ ان فطری قوانین کے بموجب جو اس نے ان میں وضع فرمائے اور اجزاء کی اس حرکت کے ساتھ جس کے مادہ پرست قائل ہیں ایجاد فرمایا۔ یہ دونوں صورتیں قطعی دلیل کے ساتھ اس کے علم و قدرت کے کمال کی نشاندہی کرتی ہیں۔ کیونکہ جس نے ایک سادہ ترین چیز کو ایجاد کیا پھر اس کو بے حد و حساب انواع میں تبدیل کرتا ہے یا جس نے ایک سادہ چیز کو ان فطری قوانین کے تقاضوں کے مطابق جو اس نے اس چیز میں قائم کیے اس قابل بنا کر ایجاد کیا کہ وہ بے حد و حساب انواع میں تبدیل ہوتی چلی جائے اور وہ اپنی محکمی و پختگی اور مہارت میں عقل کو دنگ کر دینے والی ہو وہ بلا شک و شبہ علم و قدرت کے وجوب کے ساتھ صاحب عقل ہے۔

لہٰذا اس سے ثابت ہو گیا کہ وہ الالٰہ الموجود القدیم صاحب ارادہ و اختیار اور قادر و علیم ہے۔

الجسر" اللہ تعالیٰ کے کمال کی صفات پر دلائل و براہین شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جن کی ایمان و یقین کی بنیاد حس و مشاہدہ پر ہے اور خالص عقلی نظریہ کے طریقے ان کے ہاں کوئی وزن نہیں رکھتے۔ اور ان سے مخاطب ہوئے۔ جب تم اللہ تعالیٰ کے وجود کے علم کی طرف راہ یاب نہ ہو پائے جس نے مادہ کو ایجاد کیا تو تم نے مادہ کے قدم پر اعتقاد کر لیا۔ پھر تم نے اس کے تنوعات دیکھے تو تمہیں اس سبب کی احتیاج محسوس ہوئی جس سے

تنوعات پیدا ہوئیں کیونکہ عقل ان کے حدوث کے کسی موزوں سبب کے بغیر مجرد مادہ سے ان کے احداث کی بات پر مطمئن ہونے والی نہیں۔ لہٰذا تم نے کہا کہ مادہ کے مختلف الاشکال منفرد اجزاء حرکت ازلی سے متحرک ہیں اور اس حرکت کے سبب متفرق کیفیات و ہیأت کے ساتھ جمع ہوئے اور ان تنوعات کو جنم دیا' جب کہ تم آج تک' تمہارے اپنے اعتراف کے مطابق مادہ کی حقیقت کو نہیں پہنچ پائے اور تجمع بالاتفاق (By Chance) والی تمہاری بات کی' منفرد حصے اندازے اور تخیل کے سوا کوئی حقیقت نہیں اور اس طرح تم اپنے اس اصول سے انحراف کے مرتکب ہوئے ہو جسے تم بڑی مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے کہ تم احساس و مشاہدہ کی بنیاد کے سوا کسی حقیقت کو تسلیم نہ کرو گے' حالانکہ تم احساس و مشاہدہ کے بغیر عقلی' نظری دلیل پر مبنی استدلال کی طرف مجبور ہوئے ہو اور اب جب کہ تم نے خالص عقلی نظری طریقے پر استدلال کی طرف رجوع کر لیا ہے تو تم سے ایک سوال کرتا ہوں' کیا عقل سلیم کے لیے یہ ماننا زیادہ آسان ہے کہ کائنات میں یہ جو نظام' ایجاد اور محکمی و پختگی ہے وہ اندھے مادہ کے اجتماع کے آثار میں سے کسی اثر کا نتیجہ ہے یا عقل کے لیے یہ تسلیم کر لینا زیادہ آسان و اقرب ہے کہ یہ سب کچھ ارادہ و قدرت اور علم و حکمت کے مالک الٰہ حقیقی کی تخلیق سے تمام ہوا......؟

اور اس مرحلہ پر الجسر" اشیاء کے خواص و طبائع جو صاحب قدرت علیم و حکیم نے ان میں مخصوص فرمائے ہیں' کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ان میں موجود نظام' اتقان و احکام کی دلیل پر مبنی استدلال کی طرف رخ کرتے ہیں کہ اگر وہ قادر علیم و حکیم ایسا نہ کرتا تو یہ خصوصیات خود بخود یہ اشیاء اپنے اندر وضع نہ کر سکتی تھیں کیونکہ کوئی عقلی ضرورت یہ تقاضا نہیں کرتی کہ کسی چیز میں وہ خصوصیت ہو جو اس میں ہے اور دوسری اشیاء میں نہیں یا اس کے برعکس (اور یہ وہی تخصیص ہے جس کا ذکر غزالی نے کیا ہے اور جس کی وضاحت میں شیخ الشکاک ہیوم سے متعلق گفتگو کے دوران کر چکا ہوں۔) چنانچہ الجسر" اپنی نظروں کو کائنات میں بکثرت موجود ابداع و احکام کی نشانیوں کی طرف پھیر لیتے ہیں اور اس کے بعد انسان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی تخلیق و تکوین میں موجود احکام و اتقان کی نشانیوں پر مشتمل وہم و گمان اور حد و حساب سے باہر حقائق دیکھتے ہیں اور ان میں سے حاسۃ البصر کو منتخب کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ جب ہم حواس خمسہ میں اور بالخصوص حاسۃ البصر میں غور کرتے ہیں تو حیرت انگیز اور عقلوں کو دنگ کر دینے والے حقائق ہمارے سامنے

آتے ہیں۔

آنکھ ایک جوف میں بنائی گئی ہے اور وہ ضروری ریشوں، رگوں، شریانوں، جھلیوں اور اعصاب کے ساتھ تین جھلیوں اور تین رطوبتوں پر مشتمل ہے۔ طبقات میں پہلا طبقہ الصلبہ (Sclera) ہے وہ روشنی کے لیے اوٹ، مضبوط اور لچکدار پردہ ہے جس میں سے روشنی نہیں گزر سکتی اور نہ ہی اس سے دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ باقی طبقات اور جملہ رطوبتوں پر ان کی حفاظت کے لیے محیط ہے۔ اس کا اگلا حصہ ایک شفاف ٹکڑا ہے جو باہر سے محدب (Convex) اور اندر سے مقعر ہے جسے القرنیہ (Cornea) کہتے ہیں۔ طبقات میں دوسرا طبقہ المشیمہ (Placenta, Choroid) ہے۔ وہ ملائم اور سیاہ رنگ کا طبقہ الصلبہ اور شبکیہ (Retina) کے مابین وسط میں واقع ہے اور تیسرا طبقہ شبکیہ (Retina) ہے جو دماغ سے نکل کر آنکھ کے آخری حصہ میں داخل ہونے والے بصری اعصاب کے پھیلاؤ سے بنا ہوا ہے۔

جہاں تک رطوبتوں کا تعلق ہے تو ان میں سے پہلی المائیہ (Apuous Humour) ہے۔ یہ صاف اور شفاف سیال ہے جو قرنیہ کے پیچھے پائی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے درمیان میں واقع سوراخ والا ایک پردہ ہے جسے القزحیہ (Iris) کہتے ہیں اس کا رنگ سبز یا نیلگوں سیاہ یا کوئی اور ہوتا ہے اور جو سوراخ اس کے درمیان میں ہوتا ہے اسے انسان العین (Pupil) کہتے ہیں۔ اور دوسری رطوبت البلوریہ (Lens) ہے وہ لچک دار، چکنی، شفاف عدسہ کی طرح محدب شکل کا جسم ہوتی ہے جو اپنی اطراف کی نسبت وسط میں زیادہ کثیف ہوتی ہے اور القزحیہ (Iris) کے پیچھے رکھی ہوتی ہے تیسری رطوبت الزجاجیہ (Viterous) ہے وہ انڈے کی سفیدی کی طرح شفاف لیس دار ہوتی ہے۔ البلوریہ کے عقب میں واقع خلا کو پر کرتی ہے حتیٰ کہ شبکیہ تک جا پہنچتی ہے۔

آنکھ میں تصویر سازی کا عامل وہ روشنی ہے جو نظر آنے والی چیزوں پر پڑتی ہے اور ان سے منعکس ہوتی ہے۔ نیز روشنی کی اپنی خصوصیات اور انعکاس، انجذاب، نفوذ، تجمع اور انتشار سے متعلق مخصوص اور معلوم قوانین ہیں لہٰذا اگر آنکھ روشنی کے ان قوانین سے موافق نہ بنی اور تیار ہوئی ہوتو اس سے بینائی ناممکن ہے۔ لہٰذا خلاق عظیم کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ آنکھ کو ان مختلف طبقوں اور رطوبتوں سے بنائے جس کی وضاحت اس طرح ہے کہ جب روشنی نظر آنے والی چیزوں پر پڑتی ہے تو ان سے منعکس ہوتی ہے اور اس کی شعائیں آنکھ میں داخل ہو جاتی ہیں اور نظر آنے والی

شکلیں شبکیہ (Retina) پر نقش ہو جاتی ہیں اور یہ انہیں دماغ تک پہنچا دیتی ہیں۔ لیکن روشنی کی شعائیں نظر آنے والی چیز سے اپنے انعکاس کے بعد (آنکھ کی طرف) سیدھی ہو جاتی ہیں۔ اور اگر وہ بغیر تجمع (اژدحام) کے چلتی ہی رہیں تو شبکیہ تک ایک دوسری سے جدا اور منتشر ہو کر پہنچتی ہیں۔ لہٰذا غیر واضح صورت بنتی ہے۔ اس لیے حکمت الٰہیہ نے یہ تدبیر کی کہ جب آنکھ میں پہلے روشنی داخل ہو تو قرنیہ سے جائے اور اس میں سے گزر جائے تاکہ وہ باہر والی طرف سے محدب اور اندر والی طرف سے گہری ہو جائے اور اس کی شعائیں جمع ہو جائیں۔ پھر روشنی رطوبت المائیہ سے گزرتی ہے تو اس کی کثافت کے باعث اس کی شعاؤں کے جمع ہونے کا عمل بڑھ جاتا ہے لیکن جب شبکیہ جس پر صورت اندر سے گہری ہو کر نقش ہوتی ہے اگر اس تک وہ ساری شعائیں اژدحام کی اسی مقدار کے ساتھ پہنچ جائیں جو المائیہ میں سے گزرتی ہیں تو تصویر اس کے وسط اور طرفین پر نقش ہو جاتی ہے اور اس میں خلل واقع ہو جاتا ہے بالخصوص اس وقت جب روشنی طاقتور ہو۔ لہٰذا خلاق حکیم کی تدبیر نے القزحیہ (Iris) کا پردہ المائیہ کی رطوبت کے پیچھے رکھ دیا ہے اور اسے درمیان میں سوراخ دار بنا دیا ہے اور اس کی فراخی اور تنگی کو دیکھنے والے کے ارادے پر چھوڑ دیا ہے تاکہ اپنی ضرورت کے مطابق روشنی حاصل کرے۔ جب روشنی کم ہو تو اسے وسعت دے لے اور جب روشنی تیز ہو تو اسے تنگ کر لے۔ پھر قزحیہ کی اطراف کو ایسے رنگ سے رنگ دار بنا دیا ہے کہ روشنی کے نفوذ کو روک دے اور اسے جذب کر کے گھٹا دے تاکہ القزحیہ پر پڑنے والی شعائیں البلوریہ کے ارد گرد نفوذ کر پائیں اور شبکیہ کی اطراف تک نہ پہنچ پائیں کہ تصویر کو غیر متوازن کر دیں۔ پھر اس کے بعد روشنی کی شعائیں البلوریہ (Lens) رطوبت میں داخل ہو جاتی ہیں جو دونوں طرف سے محدب ہوتی ہے اور ان کا تجمع بڑھ جاتا ہے بالخصوص درمیان میں چونکہ البلوریہ کا وسط اپنے اطراف کی نسبت کثیف تر ہوتا ہے اور اس حکیم و خبیر نے اس بلوریہ کو بھی دیکھنے والے کے ارادے کے مطابق بنایا ہے کہ وہ اسے تحدب میں گھٹائے یا بڑھائے کیونکہ روشنی کی شعاؤں کا تجمع اس وقت بڑھ جاتا ہے جب اس جسم کا تحدب بڑھ جاتا ہے جس میں سے وہ گزر رہی ہوں اور گھٹ جاتا ہے جب اس کا تحدب کم ہو جاتا ہے۔ پھر شعائیں زجاجی رطوبت میں داخل ہوتی ہیں اور ان کا اژدحام بڑھ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ تجمع اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ تصویر کو واضح طور پر نقش کر دیتا ہے۔

یہ کچھ تو آنکھ کے اندر ہوتا ہے لیکن اس کے باہر تو خالق نے اسے ہر طرف سے اس کے گھر میں محفوظ کر کے رکھ دیا ہے سوائے اس طرف سے جس طرف سے روشنی داخل ہوتی ہے اور اس کا پہلا طبقہ قرنیہ کے ساتھ سخت اور لچک دار بنا دیا ہے جو اسے صدمہ سے بچاتا ہے اور اسے پپوٹوں سے ڈھانپ دیا ہے اور پپوٹوں کے کناروں پر رنگین، گھنے لچک دار اور سیدھے کھڑے بال اگا دیے ہیں۔ اوپر والے بالوں کا جھکاؤ اوپر کی طرف اور نیچے والوں کا نیچے کی طرف کر دیا ہے۔ بالوں کے رنگین ہونے میں حکمت یہ ہے کہ آنکھ پر پڑنے والی روشنی میں سے کچھ کو جذب کر لے۔ ان کے گھنے اور سیدھا کھڑا ہونے میں آنکھ میں گرد و غبار جیسے چھوٹے چھوٹے اجسام کے پڑنے سے بچاؤ کی حکمت کارفرما ہے۔ اور ان کا جھکاؤ اس لیے ہے کہ پپوٹوں (Eyelids) کے کھلنے کے وقت اھداب کے جدا ہونے میں آسانی ہو۔ اگر متوازی یا متقابل ہوتے تو ایک دوسرے میں گھس جاتے اور آنکھ کی رطوبت سے باہم جڑ جایا کرتے۔ اور اگر روشنی کے راستوں کے پیچھے ہوتے اور ان کی صورت شبکیہ کی طرف منتقل ہوتی تو نظر آنے والی چیزوں کی شکلیں غیر متوازن ہو جاتیں۔ پھر جب کبھی گرد و غبار آنکھوں کے خانہ، پپوٹوں اور اھداب سے پورے طور پر روکا نہیں جاتا اور قرنیہ کی شفافیت کو معطل کر کے اس کے لیے نقصان دہ ہو جاتا ہے تو صاحب حکمت خالق نے آنسوؤں کے بہنے کو اس کے نکالنے کا ذریعہ بنا دیا اور پپوٹوں کے بند ہونے اور کھلنے کے ساتھ دائما حرکت والا بنایا تا کہ بینائی معطل اور غیر منظم نہ ہو لہٰذا آنسو اس غبار کو دھو دیتے ہیں جو آنکھ میں پڑ گیا ہو۔ اور صاحب حکمت خلاق نے اس کو پپوٹوں سے بہہ کر رخساروں پر بہنے والا نہیں بنایا بلکہ اس کا بہاؤ آنکھ کے اندرونی کونے (الموق Canthus) کی طرف کر دیا اور وہاں پر ایک چھوٹا سا دقیق سوراخ ناک کی طرف کھلنے والا بنا دیا جسے آنسوؤں کی ندی (Nasolacrymal Duct) کہتے ہیں ... تو کیا اس بات میں کوئی معقولیت ہے کہ یہ تمام (بچاؤ، عمدگی، مہارت اور محکمی) جو آنکھ میں پائی جاتی ہے سب اندھے مادہ کے اجزاء کے آثار کا نتیجہ ہے؟

"الجسر" نے آنکھ سے متعلق اپنا کلام تمام کرنے اور باقی حواس و اعضاء میں حکمت و کمال کے عجوبوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ علماء جو ان حقائق کی تفصیل سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور ان پر ان حقائق کے اسرار و دقائق اور حکمتیں ظاہر ہو جاتی ہیں وہ زیادہ اہل ہیں کہ الالٰہ الخالق الحکیم المدبر العلیم کے وجود پر ایمان لانے والے انسانوں میں سب سے زیادہ اپنے ایمان

میں قوی ہوں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس علم کے ساتھ بعض اجمالی دلائل قائم کرنے والے علماء کرام سے اہل تر ہیں تو یہ بات برحق ہوگی۔

حیران: شیخ محترم! آپ نے فرمایا تھا کہ "الجسر" نے مادہ پرستوں کے شبہات کی تردید کی ہے، وہ شبہات کیا ہیں؟ اور "الجسر" کی وہ تردید کیا ہے؟

الشیخ: "الجسر" مادہ پرستوں سے کہتے ہیں "میری نظر میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے کائنات کو عدم سے وجود میں لانے سے متعلق تمہارے اعتقاد کو تین شبہات لاحق ہیں۔

پہلا: الالٰہ العظیم جس کی کوئی مثال نہیں کی حقیقت کے تصور سے عقلوں کا عجز۔

دوسرا: تمہارا یہ قول کہ تمہاری عقلوں کے لیے کسی لاشئے سے شئے کے حدوث کا تصور ممکن نہیں یعنی عدم سے مادہ کی تخلیق

تیسرا: تمہارا یہ قول کہ اگر نظام کائنات قصد و حکمت کے ساتھ ہوتا تو ہر چیز میں قصد و حکمت کی علامات مکمل طور پر موجود ہوتیں اور تمہارا مشاہدہ یہ ہے کہ کائنات میں ایسی اشیاء ہیں جو قصد و حکمت پر منطبق نہیں ہوتیں بلکہ ان کا انطباق زیادہ تر ضرورت پر ہے

جہاں تک تمہارے پہلے شبہ کا تعلق ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب تم علم میں اپنے مقام پر نظر کرو گے تو تم اپنے آپ کو دائما اس بحر عظیم کے کنارے پر پاؤ گے جس کی نہایت نامعلوم اور جس کی گہرائی کا کوئی اندازہ ہے نہ حساب، حالانکہ تم بہت بڑے علماء ہو۔ تمہارے اکابر نے بارہا کائنات کے بیشتر اسرار کی معرفت سے اور اس مادہ کی حقیقت کی معرفت سے عجز کا اعتراف کیا ہے جو تمہارے سامنے موجود ہے جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو، اپنی زبانوں سے چکھتے ہو، اپنی ناکوں سے سونگھتے ہو اور زندگی کے مختلف طریقوں سے اس میں تصرف کرتے ہو۔ تم آج تک اس مادہ کی حقیقت اور کنہ سے ناواقف ہو اور جیسا کہ تم ہمیشہ سے "حیاۃ کی حقیقت" کی معرفت سے عاجز ہو اور اس عجز کے معترف بھی ہو اور اس عقل و ادراک کی حقیقت اور اس کی غایت سے بے خبر ہو جس سے متعلق تمہاری فکر نے تمہیں اس قول تک پہنچایا ہے کہ وہ مادہ کے اجزاء کے باہمی تفاعل کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ جب تمہاری قریب ترین اور تمہارے ساتھ متصل اشیاء جن کے تم ضرورت مند بھی ہوتے ہو، کی معرفت میں تمہارا یہ حال ہے جب کہ تم علماء بھی ہو تو تم یہ توقع رکھتے ہو کہ تم اپنی ان عقلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی حقیقت کو پا لو گے ...؟ اور کیا وہ

انسان جو اس مادہ سے ناواقف ہے جسے وہ چھوتا ہے' کھاتا ہے' پیتا ہے اور سونگھتا ہے یہ توقع رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت کو پالے گا ...؟ اور وہ انسان جسے معلوم نہیں کہ اسے کیسے معلوم ہوا اسے ادراک نہیں کہ اسے کیسے ادراک ہو' جس کی عقل میں نہیں آتا کہ وہ کیسے عقل کرے' توقع رکھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک کرے گا ....؟ تم آج کے دن تک ادراک کے اتمام کے طریقہ اور مادہ و عقل کے باہمی اتصال کے وسیلہ اور اس کیفیت' جس کے ساتھ عقل روحانی مادی اشیاء کے احساس کے ساتھ اس کا ادراک کرتی ہے' کی معرفت سے عاجز چلے آ رہے ہو تو تمہارا کیا خیال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی معرفت کی حقیقت کو پالو گے؟

اور کیا تمہاری عقلیں جس طریقہ پر مادی اجسام کے ادراک کی عادی ہیں' اس طریقہ پر اللہ تعالیٰ کے تصور سے عاجز رہ جانے پر تمہیں اس کے انکار پر آمادہ کرتی ہیں... ؟

پھر الجسر" مادہ پرستوں سے بالکل وہی بات کہتے ہیں جو جرمن فلسفی ماکلو نے کی۔ (جب تمہاری عقلیں الالہ کے تصور سے محروم ہیں تو اس سے اس کا عدم وجود لازم نہیں آتا۔ بہت سے حقائق پورے پورے تصور میں نہیں آتے جب کہ حقیقتاً وہ موجود ہوتے ہیں اور ان کے وجود پر عقلی دلیل قائم ہوتی ہے اور تمہارا یہ فیصلہ کہ کوئی شے جو جسم اور مادہ سے مبرا ہو اس کا وجود ممکن نہیں (قیاس التمثیل Analogy) پر مبنی ہے جس کے ساتھ تم اشیاء سے مطلع ہوتے ہو اور یہ قیاس کوئی قاطع دلیل نہیں ہے بلکہ دھوکہ دینے والی دلیل ہے جو عقل کو فریب دیتی ہے حتیٰ کہ وہ کسی ایک شے پر کسی دوسری شے کا حکم لگا دیتی ہے حالانکہ اس شے اور اس دوسری شے میں فرق موجود ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے تصور پر تمہاری قدرت کا فقدان اس کے وجود کو محال نہیں بنا دیتا۔ اور عالم مادی کے مشاہدے پر مبنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارا قیاس ان دونوں' عالم مادی اور اللہ کی ذات گرامی کے مابین فرق کے ہوتے ہوئے مغالطے کا شکار ہے۔ عقلوں کے لیے یہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفت پر اس کی آیات سے رہنمائی حاصل کریں جب کہ اس کائنات میں جو کامل نظام' عمدگی اور محکمی پائی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کے علم' اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر قاطع دلائل ہیں) .

دوسرا شبہ وہ ہے عدم سے خلق عالم کے تصور سے عقلوں کا عجز و درماندگی' الجسر" اس کے جواب میں کہتے ہیں "حقیقت الامری کے تصور کا فقدان اس کے عدم وجود کے لیے دلیل نہیں بن

جانا اور لاشئے سے کسی شے کے وجود کے تصور سے عجز و درماندگی کی بنیاد صرف قیاس التمثیل ہے' کیونکہ تم نے عدم سے وجود میں آتی ہوئی کسی شے کو مشاہدہ نہیں کیا لیکن کسی لاشی کے وجود سے شے کے وجود کے عدم مشاہدہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا ہونا محال ہے۔ نیز قیاس التمثیل قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ اکثر خطا میں پڑ جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا قیاس بشر کی قدرت پر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ان دونوں قدرتوں کے مابین عظیم فرق ہے اور ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی لاشی سے تخلیق عالم کی کیفیت کے ادراک سے عجز کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن کسی شے کی حقیقت کے تصور سے عاجز رہ جانا جس کے وجود پر عقلی دلیل قائم ہوتی ہو اس کے وجود کے اعتقاد کے منافی نہیں۔

تیسرا شبہ تمہارا وہ قول ہے کہ تم کائنات میں ایسی چیزیں دیکھتے ہو جو قصد اور حکمت پر منطبق نہیں ہوتیں بلکہ ان کا شدید انطباق ضرورت پر ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں اس کے اسرار کی واضح حکمتوں کو دیکھتے ہیں اور آئے دن ہم پر ایک کے بعد دوسری حکمت کا انکشاف ہوتا رہتا ہے جو ہم پر طویل زمانوں سے مخفی چلی آ رہی تھیں۔ لہٰذا جب ہم کسی ایسی چیز کو دیکھیں جس کی حکمت ہم پر ظاہر نہ ہو تو ہمارا عقیدہ یہ نہیں ہوتا کہ وہ بے مقصد بنائی گئی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ الالہ حکیم ہے اور اس کے صاحب حکمت ہونے کی دلیل اس کے حکمت کے وہ آثار ہیں جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور آئے دن اس سے مطلع ہوتے جا رہے ہیں۔ یا اس حکمت کے دلائل میں سے ہیں جو ہم سے طویل عرصہ تک مخفی رہی' پھر ہم پر ظاہر ہو گئی۔ بدیں صورت ناگزیر ہے کہ وہ چیز جس کی حکمت ہم پر ظاہر نہیں ہوئی اس حکمت پر مبنی ہے جو ہم سے مخفی رکھی گئی ہے۔ اور وہ ہم پر دوسری حکمتوں کی طرح ایک نہ ایک دن ظاہر ہو جائے گی۔ اور جب تم عقل انسانی کو بہت سے نظر آنے والے مادی امور کے ادراک سے قاصر و عاجز رہنے میں غور کرو گے اور اس عجز کا تقابل اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت کے ساتھ کرو گے تو تمہیں بعض اشیاء کی حکمت کو ہماری عقلوں سے مخفی رکھے جانے پر تعجب نہ ہوگا۔ اور تم سمجھ لو گے کہ وہ قلیل النادر جس کی حکمت ہم پر منکشف نہیں ہوئی کا قیاس اللہ کی مخلوقات میں موجود بے عد و حساب کثیر الفوائد حکمتوں کے واضح شواہد کے مقابلے میں کیا جائے بجائے اس کے کہ تم اس قلیل النادر سے جس کی حکمت مخفی رکھی گئی ہے اس کے خالق' اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار کی دلیل اختیار کرو۔

اور الجسر" اس سے متعلق ایک عمدہ اور حیران کن مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں "اگر تم

چھوٹے چھوٹے حیوانات میں غور کرو تو ان میں اس قدر ادراک موجود ہوگے جو ان کی زندگی کی حفاظت کے لیے کافی ہے لیکن کیا تم ان میں انسان کی حقیقت کا بھی ادراک پاتے ہو اور کیا وہ انسان کے اعضاء کی تفصیل اور ان کے وظائف اور انسان کے سننے، دیکھنے، سونگھنے، چکھنے، چھونے، غذا حاصل کرنے اور اس کے جسم میں گردش خون کی کیفیت کا تصور کر سکتے ہیں؟ کیا وہ انسان کے سوچ و فکر کی کیفیت اور اس کے اعمال کے اسرار اس کی تشکیل اس کی اختراعات اور اس کی ایجادات کی کیفیت کا تصور کر سکتے ہیں اور کیا ان کے علم میں یہ بات آ سکتی ہے کہ انسان نے ان سب چیزوں کو کیسے بنایا اور اس کے بنانے کا کیا مقصد اس کے پیش نظر تھا؟

اور انسان اللہ تعالیٰ کے علم قدرت اور حکمت کا اپنے علم و مقدور کے ساتھ احاطہ کرنے سے فروتر ہے بہ نسبت ان چھوٹے چھوٹے حیوانات کے کہ وہ انسان کی کیفیات کا احاطہ کریں۔ بلکہ ان دو علموں، دو قدرتوں اور دو حکمتوں کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اگر اس الالہ العظیم کی حقیقت کی معرفت، اور اس کی ذات اقدس کی کنہ اور خلق عالم کی کیفیت اور اس کی تخلیق کا مقصد اور ہر نظر آنے والی چیز میں مضمر حکمت معلوم کرنے کے بارے میں ہمارے نفس ہم سے اصرار و مطالبہ کریں تو ہم اپنی بشری عقلوں کے عجز و درماندگی کا اعتراف کر لیں۔ اور اس کی معرفت اس کے وجود اس کی قدرت اور حکمت کے اقرار کے لیے اس کے آثار کی دلیل اور جو ہم نے ان آثار میں موجود اس کی حکمت کے انوار کا مشاہدہ کیا ہے پر اکتفا کریں۔ نہ یہ کہ قلیل العلم اور کے حکمت کے اخفا کو اس کے وجود کے انکار کا جواز و سبب بنالیں۔ اور نہ ہی یہ کہ اس کی حکمت و کمال کے بے حد و حساب آثار کو اندھی ضرورت کے عمل سے منسوب کریں۔

حیران بلاشبہ تین شبہات میں الجسر کی تردید لائبنز کے اس قول پر پوری پوری منطبق ہے جو اس نے عدم سے خلق عالم، عقل کا علت کافیہ کا مطالبہ اور کائنات میں حکمت کے آثار سے متعلق اختیار کیا۔ اب آپ سے نشو و ارتقاء کے مذہب میں الجسر کی رائے کو بیان کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔

الشیخ مجھے معلوم ہے کہ اس مذہب میں الجسر کی رائے معلوم کرنے کا تمہیں بڑا شوق ہے خاص طور پر اس کے بعد کہ میں نے تمہارے سامنے اس طوفانی حملہ کا ذکر کیا جو ڈاروِن کے مذہب کے خلاف کیا گیا۔ ہاں اے حیران! اس حملہ کے دوران اور اس معرکہ کی شدت

میں صرف ایک ہی عالم دین پایا جاتا ہے جس نے ایک کتاب تالیف کرنے کی جسارت کی جس میں کہا کہ (اس کی تحقیق کے مطابق ڈاروِن کا مذہب ہر شے کے حقیقی خالق اللہ تعالیٰ کے وجود کی فکر سے متناقض نہیں)۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں یورپ میں اصحاب لاہوت میں سے ایک شخص نے ڈاروِن کے مذہب اور کتب سماوی کے مابین قرب ظاہر کرنے کی جسارت کی تو صحیح تاریخی تقابل کے ساتھ تمہیں معلوم ہوگا کہ اس باب میں سب سے سبقت لے جانے والے الجسر ہیں جنہوں نے ۱۸۸۸ء میں اپنی کتاب شائع کی۔

حیران الجسر کے لیے ڈاروِن کے نظریہ اور قرآنی نصوص میں موافقت ثابت کرنا ممکن ہوا؟

الشیخ الجسر کی رائے میں نشو و ارتقاء کا مذہب اور اس میں جو کچھ انسان کی انواع کی بنیاد، حیات اور عقل سے متعلق آیا ہے وہ حقیقت سے بعید امور پر مشتمل نہیں اور نہ ہی وہ احکام دین سے قطعی طور پر متعارض ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کیونکہ الجسر کی نظر میں اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ ہمارا یہ اعتقاد ہو کہ کائنات اور اس میں مخلوقات کی جو انواع ہیں ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس اعتقاد کے بعد (مذہب خلق کے قول اور مذہب نشو و ارتقاء کے قول میں کوئی فرق نہیں رہتا کہ اللہ تعالیٰ نے مادہ اصلیہ کو پیدا فرمایا پھر اس سے اس نے اس کائنات میں وضع کردہ فطری قوانین کے مطابق نشو و ارتقاء کے طریق سے انواع و اقسام پیدا کیں۔)

لیکن الجسر نے رائے قائم کی کہ نشو و ارتقاء کے اس مذہب کی صحت مختلف فیہ چلی آ رہی ہے۔ اور اس پر وہ دلائل قاطعہ قائم نہیں ہوئے جو ہمیں نازل شدہ ظاہری نصوص کی تاویل کی طرف راغب کرتے۔ اور یہ کہ جب اس مذہب کی صحت پر دلائل قاطع قائم ہو گئے تو پھر اس کے ساتھ بات کرنا جائز ہو جائے گا۔ اور نصوص کی تاویل کرنا اور نصوص کے مابین اور جس پر دلیل قاطع قائم ہو گئی کے مابین موافقت واجب ہو جائے گی۔

الجسر اپنی وسیع رائے کی تمہید میں دو بڑے مقدمے قائم کرتے ہیں۔ وہ ان میں دینی نصوص اور علم کے یقینی فیصلوں کے مابین تعارض کے اصول میں اور ان ہر دو کے مابین موافقت کی وجہ پر تفصیل کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور ان دو مقدمات کی تمہید کے بعد نشو

دار تقاء کے نظریہ میں طویل کلامی کے ساتھ اپنی رائے کی وضاحت کرتے ہیں۔ تمہارے لیے اسے میں مختص کیے دیتا ہوں تا کہ تم دیکھ لو کہ دین حق علمی حقائق کے قبول کرنے میں تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ نہ اس سے متعارض ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے سامنے جامد ہوتا ہے جیسا کہ جاہل اور جامد لوگ خیال کرتے ہیں۔

مقدمہ اول میں الجسر کہتے ہیں "شریعت اسلامیہ میں عقیدہ، عمل اور احکام میں جن نصوص کی صحت پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ دو قسم کی ہیں۔ متواتر اور مشہور۔ متواتر نص وہ ہے جس کا ورود قطعی طور پر ثابت ہو اس لیے کہ اس میں یقینی علم کے لیے وافر اسباب موجود ہوتے ہیں اور مشہور وہ ہے جس کا ورود قطعی ثبوت کے قریب قریب ہو کیونکہ اس میں اطمینان قلب کے موجب وافر اسباب موجود ہوتے ہیں۔ اس کا درجہ ظن سے اوپر اور یقین سے کم تر ہوتا ہے۔ پھر ان متواتر و مشہور نصوص میں سے ہر ایک یا تو ایسے معانی پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی دیگر معانی پر دلالت کا اس میں کوئی احتمال نہیں ہوتا اور نہ وہ دیگر معنی کی طرف تصریف و تاویل کو قبول کرتی ہے۔ اسے ہم متعین المعنی کہتے ہیں اور یہ وہ قسم ہے جس میں شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں قطعی عقلی دلیل کے خلاف کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔ اور یا یہ کہ ان متواتر و مشہور نصوص میں سے ہر ایک ظاہر و متبادر معانی پر دلالت کرتی ہے اور اس میں دیگر معانی پر دلالت کا احتمال اگرچہ بعید ہو، پایا جاتا ہے۔ اس کو ہم ظاہر المعنی کہتے ہیں اور یہ وہ قسم ہے جس میں شریعت محمدیہ میں اس کے ظاہری معنی قطعی عقلی دلیل کے خلاف ہوتے ہیں۔ پھر (متعین المعنی) نص کا اصول یہ ہے کہ وہ متواتر ہو یا مشہور اس کے متعین معنی کی تصدیق کرنا واجب ہے اور دیگر معنی کی طرف اس کی تاویل و تصریف جائز نہیں جب کہ اس میں تاویل کا کوئی احتمال نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں کوئی شے قاطع عقلی دلیل کے متناقض ہوتی ہے کہ اس صورت میں تاویل کی محتاج ہو۔ اور جہاں تک ظاہر المعنی نص کے اصول کا تعلق ہے وہ متواتر ہو یا مشہور اس کے متبادر معنی کی تصدیق واجب ہے اور اس کی تاویل جائز نہیں سوائے اس صورت کے کہ جب اس پر قطعی عقلی دلیل قائم ہو تو وہ اس کے متبادر معنی کے متناقض پر دلالت کرے۔ اس وقت اس کی تاویل و تصریف غیر متبادر معنی کی طرف کی جاتی ہے تا کہ اس کے اور جس پر قطعی عقلی دلیل دلالت کرتی ہو کے درمیان موافقت ہو جائے۔ اس وقت ظاہر المعنی نص کی تاویل جائز ہو جاتی ہے کیونکہ متبادر معنی پر بہ شدت اصرار اور جس پر قاطع عقلی دلیل دلالت کرتی

ہو کا ترک (عقل) کے انہدام کا متقاضی ہے اور وہ (عقل) ہے جس سے ان نصوص شرعیہ بتانے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہوئی۔ اگر عقل نہ ہوتی تو ہم رسول ﷺ کی رسالت کی صداقت کے استدلال تک نہ پہنچ پاتے۔ جب اصل کو منہدم کر دیا جاتا ہے تو فرع لامحالہ منہدم ہو جاتی ہے۔ پس عقلی دلائل کا ترک ناقص نقلی دلائل کی طرف رجوع ہوتا ہے، یہی اصول ہر (ظاہر المعنی) نص میں کارفرما ہوتا ہے جس سے قطعی عقلی دلیل متناقض ہو۔

لیکن جب وہ دلیل جو ظاہر المعنی کے متناقض پر قائم ہوتی ہو غیر قطعی دلیل ہو تو نص کے دوسرے معانی کی طرف تصریف و تاویل جائز نہیں۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ قاطع دلیل جو اپنے مدلول پر یقینی دلالت کرتی ہو، میں نقیض کا احتمال نہیں ہوتا۔ لیکن غیر قاطع ظنی عقلی دلیل جس کی دلالت اپنے مدلول پر راجح ہوتی ہو، میں نقیض کا احتمال ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ احتمال بعید ہی ہو۔ پس اس احتمال کے ساتھ وہ یقین کے درجہ سے گر جاتی ہے اور اس کے ظاہر المعنی کی تاویل ہرگز جائز نہیں ہوتی۔

یہ تو ہے پہلا مقدمہ۔ جہاں تک دوسرے مقدمے کا تعلق ہے تو اس میں الجسر کہتے ہیں یہ کہ شریعت محمدیہ بلکہ تمام نازل شدہ شریعتوں سے مقصود اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کے وجود کے عقیدہ، اس کو صفات کمال کے ساتھ متصف کیے جانے اور اس کی عبادت کی کیفیت کی طرف مخلوق کی رہنمائی اور ان احکام کا بیان ہے جن کے ساتھ بندگان خدا اپنی زندگی کے نظام اور آخرت میں بھلائی کے ساتھ مراجعت کی طرف رہنمائی حاصل کریں۔ لیکن جہاں تک بندوں کو علق عالم کی کیفیت اور اس میں قائم کردہ فطری قوانین وغیرہ سے متعلق کائناتی علوم سے متعارف کرانے کا تعلق ہے تو یہ شریعتوں کے مقاصد میں سے نہیں، بلکہ یہ وہ معارف ہیں جن تک وہ اپنی عقلوں سے رسائی حاصل کرتے ہیں اور شریعتیں ان کی طرف اولاً و بالذات ملتفت نہیں ہوتیں ورنہ ہی ان کی تفصیلات کو مقصود بناتی ہیں۔ اور کسی بھی شے کے امر میں جس حد تک وہ شے ان کے اصل مقاصد میں دخیل ہوتی ہے اس کے مجمل ذکر پر اکتفاء کرتی ہیں۔ مثلاً آسمانوں اور زمین کی خلقت اور ان کے عدم سے ظہور میں آنے اور مخلوقات کی اقسام کی خلقت اور کائنات کی تدبیر کی کیفیت اور اس میں موجود نظم کا اجمالی تذکرہ، تا کہ ان کا ذکر انسانوں کے خالق، قادر، علیم و حکیم اللہ کے وجود پر عقلی دلیل ہو۔

ان دو مقدموں کے بعد الجسر نشو و ارتقاء کے مذہب میں اپنی رائے کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جو متواتر و مشہور نصوص کائنات کی خلقت کی حالت اور انواع کی بوقلمونی میں وارد ہوئی ہیں جن میں خلقت کی تفصیلات اور کیفیات بیان نہیں کی گئیں ان میں یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے چھ دنوں میں تخلیق فرمایا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں تھا پس اس نے سات آسمان استوار فرمائے۔ مفسرین میں ان چھ ایام کی تفسیر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر نے کہا کہ وہ ہمارے ہی طرح کے ایام ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ آخرت کے ایام کی طرح کے ایام ہیں جن کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ ایک یوم ہمارے ہزار سالوں کے برابر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ان ایام میں سے ایک یوم کا اطلاق پچاس ہزار سالوں پر ہوتا ہے۔ نصوص میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جدا کر دیا۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ آسمان و زمین ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے واحد شے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فاصلہ پیدا فرما دیا اور بعض نے اس کی تفسیر بطریق دیگر کی ہے۔ بعض نے شرعی نصوص سے یہ سمجھا ہے کہ زمین آسمان سے قبل پیدا کی گئی لیکن بچھی ہوئی نہ تھی کہ سکونت کے قابل ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دھواں تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے پیدا فرمایا تھا تو اسے سات آسمانوں میں استوار فرما دیا، پھر زمین کو بچھایا۔ اور جس نے یہ کہا اس نے نص کی تاویل کی جو اس کے ظاہر کے خلاف ہے جہاں تک آسمانوں اور زمین کی خلقت کی تفصیل اور ان کی تکوین کی کیفیات یا سورج، ستاروں اور زمین کی سدیم (Mist) سے تکوین کا تعلق ہے جیسا کہ مادیون مادہ پرستوں نے کہا ہے یا ان کی کسی دوسرے طریقے سے تکوین، تو شریعت محمدیہ نے اس سے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیا اور اس کی نصوص میں اس کی نفی یا اثبات میں کچھ نہیں کہا گیا''

اور اے مادہ پرستو! جب ہم انصاف کی نظر سے آسمانوں اور زمین کی خلقت میں تمہاری بیان کردہ تفاصیل میں غور کرتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مفروضے اور تخمینے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی طریقہ پر بنایا ہو جیسا کہ تم کہتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ حقیقت حال اس

سے مختلف ہو لیکن اگر یہ مفروضے دلائل قطعیہ کے ساتھ جن میں تناقض کا احتمال نہ ہو اور جنہیں عقل رد نہ کرتی ہو، ثابت ہو جائیں تو مسلمان اس اعتقاد کے ساتھ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سورج کو ایجاد کیا اور بنایا اور اس سے کواکب اور زمین کو الگ کیا اس کیفیت کے مطابق جو تم کہتے ہو۔ اور جن فطری قوانین کی تم بات کرتے ہو وہ ان کے عمومی اسباب ہو سکتے ہیں جن کی بذات خود کوئی تاثیر نہیں اور حقیقی مؤثر اللہ تعالیٰ ہے۔

اور یہ واضح ہے کہ نصوص مقدسہ میں کوئی چیز بھی تکوین سے متعلق تمہارے قول کی نفی نہیں کرتی اور اس بارے میں قطعی عقلی دلائل کے ساتھ یہ کہنا ممکن ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے کائنات کے مادہ کو اولاً شے واحد میں پیدا فرمایا اور اسے دخان کا نام دیا جو خلا میں منتشر سدیم (Mist) تھا۔ پھر آسمانوں اور زمین کو الگ الگ کر دیا۔ یعنی آسمان کے مادہ کو اس مادہ سے جدا کر دیا جس کے ساتھ سورج کواکب اور زمین کو بنانے کا اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا۔ پھر سورج کو بنایا اور اس سے کواکب اور زمین کو الگ کیا۔ لیکن زمین الگ کیے جانے کے بعد بچھی ہوئی نہ تھی۔ پھر اس ذات اقدس نے اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور وہ دخان (سدیم) تھا پس اس نے سات آسمان استوار کر دیئے پھر اس کے بعد زمین کو بچھا دیا۔ اور اس سب کچھ کو اللہ تعالیٰ نے مخصوص فطری قوانین کے مطابق بنایا اور یہ قدرتی اسباب ہیں طویل زمانوں کے دوران جنہیں اس نے چھ دنوں کا نام دیا ہے۔ اور اس بندوبست میں وہ کچھ جو سورج، کواکب اور زمین کے بن جانے سے متعلق مادہ پرستوں نے کہا ہے شریعت محمدیہ میں وارد شدہ پر منطبق ہو سکتا ہے لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اس قول پر قطعی عقلی دلیل قائم نہ ہو، اس رائے کو اختیار کرنا لازم نہیں اور جب تک یہ ظنی دلیل کی صورت میں قائم رہے گی اس وقت تک اسے اختیار کرنے پر ہم مجبور نہیں اور اتنا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ ایک رائے ہے جس کے درست ہونے کا احتمال ہے اور مخلوقات سے متعلق مسلمانوں کا یہ اتفاقی عقیدہ رہے گا کہ وہ حادث ہیں اور ناگزیر ہے کہ ان کا کوئی محدث ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے انہیں عدم سے وجود بخشا اور انہیں ان انواع میں تقسیم فرمایا جو ہمارے مشاہدے میں آ رہی ہیں۔ اور مسلمانوں کے ہاں اس اعتقاد کے مابین کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی مخلوقات کی ہر نوع کو کسی دوسری نوع سے شق کیے بغیر ابتداء ہی سے مستقل بالذات بطریق (خلق) (خواہ ایک ہی دفعہ یا آہستہ آہستہ) پیدا فرمایا اور اس اعتقاد کے مابین کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی انواع کو بطریق

(النشوء) پیدا فرمایا یعنی اس نے مجرد مادہ کو ایجاد فرمایا پھر اسے عناصر تک پھر معادن تک پھر سادہ ترین زندہ جسمیہ (Proptoplasma) تک پھر ادنیٰ نبات یا حیوان تک ترقی دی پھر اس سے دیگر انواع کو نکالا اور ان میں سے بعض کو بعض سے الگ کیا اور بعض کو باقی رکھنے اور بعض کو ختم کرنے کا فیصلہ فرمایا کوئی فرق نہیں۔ اور یہ سب کچھ ان فطری قوانین کے تحت جاری فرمایا جو اس نے مادہ کے اندر وضع فرمائے جن سے اس ارتقاء و تنوع کے اسباب پیدا ہوئے حتیٰ کہ مخلوقات کی رسائی ان انواع تک ہوگئی جہاں کہ وہ آج ہیں اور یہ دونوں عقیدے یعنی "الخلق" کے طریقے اور "النشوء" کے طریقے کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے ہر حال میں مخلوقات کے خالق ہونے کے عقیدہ کے منافی نہیں۔

پھر الجسر کہتے ہیں "شریعت اسلامیہ میں مخلوقات ارضی کی خلقت سے متعلق اعتقاد میں جن نصوص پر اعتماد کیا گیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے۔ ان اللہ تعالی جعل من الماء کل شیء حی (اللہ تعالیٰ نے پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا فرمایا) و انہ خلق کل دابۃ من ماء (ہر جاندار چیز کو اللہ نے پانی سے پیدا فرمایا) و انہ خلق من الانعام ازواج۔ (اس نے مویشیوں کے جوڑے پیدا فرمائے) و انہ خلق الازواج کلھا (اس نے ہر چیز کے جوڑے پیدا فرمائے) و انہ خلق الزوجین الذکر و الانثی (اس نے نر اور مادہ کے جوڑے پیدا فرمائے) و انہ جعل فی الارض من کل الثمرات زوجین اثنین (اس نے زمین سے تمام پھلوں کے جوڑے پیدا فرمائے)۔

یہ نصوص ہیں جن میں احتمال موجود ہے کہ ان کی اپنی حد تک ان کی تفسیر نظریہ "الخلق" یا نظریہ "النشوء" کے ساتھ کی جائے اور ان میں پہلی دو نصوص مادہ پرستوں کے قول کے مطابق ہیں یعنی یہ کہ زندہ وجود پانی سے ہے۔ لیکن جہاں تک باقی نصوص کا تعلق ہے ان کے ظاہر معنی طریق "الخلق" پر دلالت کرتے ہیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود کسی نص سے یہ استفادہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو ایک دم پیدا فرمایا یا آہستہ آہستہ سوائے اس کے کہ امام مسلم کی ایک حدیث احاد میں آیا ہے (اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں سے ایک دن میں درخت پیدا فرمائے پھر حیوانات کو پیدا فرمایا) لیکن اس حدیث سے اتنا ہی استفادہ ہوتا ہے کہ حیوان پیدائش میں شجر سے موخر ہے مگر اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان دونوں میں سے ہر نوع کی ایک دفعہ تخلیق یا

آہستہ آہستہ۔

س مقدم الذکر نصوص اور اس مقدم اصول کے مطابق کہ شریعت اسلامیہ میں واجب ہے کہ متواتر یا مشہور نصوص کے اتباع کا انحصار ان کے متعین معنی یا ظاہر معنی پر کیا جائے گا جب تک کہ قطعی عقلی دلیل اس کے ظاہر معنی سے متعارض نہ ہو۔ اس بنیاد پر ہمارا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی میں ہر نوع کو مستقلاً پیدا فرمایا اور "النشوء" کے طریقہ پر پیدا نہیں فرمایا اور اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر دو صورتوں پر قادر ہے اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ تمام انواع کو اللہ تعالیٰ نے ان میں وضع کردہ فطری قوانین کے سبب یکدم پیدا فرمایا یا آہستہ آہستہ ارتقاء کے ساتھ تو اس میں ہمارا مسلک (توقف) ہے جب تک شریعت میں دونوں امور میں سے کسی ایک سے متعلق قطعی فیصلہ کرنے والی کوئی نص نہ ہو ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ظاہری اعتقاد کے مخالف (النشوء) کی طرف اور بعض انواع کا بعض انواع سے نکلنے کے اعتقاد کی طرف پھر جائیں جب تک کہ قاطع دلیل ہمیں ان نصوص کی تاویل پر مجبور نہ کر دے۔ اور اگر مذہب "النشوء" اور "اصل انواع" کی صحت پر قطعی عقلی دلیل قائم ہو جائے تو پھر ضروری ہے کہ ہم ان نصوص کے ظاہر کی تاویل کریں اور اس کے اور جس پر قطعی دلیل قائم ہو کے مابین موافقت پیدا کریں۔

حیران الحمد للہ ثم الحمد للہ! آپ نے ان حیران کن بیانات کے ساتھ جو دلالت کرتے ہیں کہ احکام دین قاطع عقلی دلیل کے ساتھ علمی حقائق متصادم نہیں میرے سینے میں ٹھنڈک بھر دی ہے۔ اب میں امید کرتا ہوں کہ آپ براہ کرم انسان کی خلقت کے بارے میں الجسر کی رائے کا تذکرہ فرمائیں گے کیا الجسر کی رائے میں تکوین انسان سے متعلق "النشوء" کے اصحاب کے قول کی قرآن میں وارد شدہ نصوص سے موافقت ممکن ہے؟

الشیخ انسان کو نشوء و ارتقاء کے طریقہ پر حادث ہونے والے جملہ حیوانات میں سے ایک حیوان کہنے والوں اور پھر ان کے بعد انسان اور بندر کو ایک ہی اصل کہنے والوں سے الجسر کہتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ میں وارد شدہ نصوص جن پر انسانی تخلیق سے متعلق عقیدے کا انحصار ہے اس طرح ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کی ابتدا مٹی سے کی۔

اور بدبودار سیاہ سڑی ہوئی مٹی سے۔

اور ٹھیکرے کی طرح کے سوکھے گارے سے۔

اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پانی سے پیدا فرمایا۔

اور نصوص کبھی اس طرح بیان کرتی ہیں کبھی اس طرح۔ اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے۔

اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اس نے بشر کو ایک جان سے پیدا فرمایا ہے اور اس سے اس کا جوڑ بنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ ان نصوص کا ظاہر اللہ کے انسان کو مستقل پیدا کرنے پر مستفاد ہے نہ کہ نشو و ارتقاء اور نوع دیگر سے اشتقاق کے طریقہ سے حالانکہ عقل کے لیے جائز ہے کہ وہ دونوں طریقوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل سمجھے۔

ہاں! ان نصوص میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان اول کو مٹی سے یکدم پیدا فرمایا یا تمہل (تدریج) کے ساتھ لہٰذا اس پر ہمارا موقف ہر دو امور میں سے ہر ایک میں یقین کے فقدان کے باعث توقف ہے اگرچہ ایک احاد روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اول یعنی آدم علیہ السلام کی تکوین تمہل کے ساتھ ہوئی جس پر ایک طویل زمانہ گذرا لیکن نصوص کے ظواہر جن پر اعتقاد کا مدار ہے مستقل تخلیق پر دلالت کرتی ہیں اور ان نصوص کی تاویل کا کوئی جواز نہیں اور نہ ہی ان کو ان کے ظاہر معنی سے ہٹانے کا کوئی جواز ہے الا یہ کہ النشوء کے مذہب پر قطعی عقلی دلیل قائم ہو جائے اور جب انسانی وجود پر النشوء کے طریقہ پر قاطع عقلی دلیل قائم ہو جائے گی تو ان نصوص کی تاویل ان نصوص اور اس نظریہ کے مابین جس پر قاطع عقلی دلیل قائم ہو گی موافقت کا امکان پیدا ہو جائے گا۔ اور یہ مسلمانوں کے اس عقیدے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر حال میں انسان کا خالق ہے کے ہرگز منافی نہیں۔

اس طرح سے الجسرؒ وضاحت کرتے ہیں کہ دین اسلام نہ سائنس سے متصادم ہے اور نہ ہی اس کا سائنس سے متصادم ہونا ممکن ہے۔ جب کہ قطعی عقلی دلیل سے متحقق علم کی تائید ہوتی ہو۔ وہ بصراحت بیان کرتے ہیں کہ دین اسلام کی نظر میں اللہ تعالیٰ کا کائنات کو "الخلق الدفعی" کے طریقہ سے یا "الخلق المتمہل" کے طریقہ سے یا "النشوء و ارتقاء" کے طریقہ سے ایجاد کرنا برابر ہے۔ خلق بہر حال اللہ تعالیٰ کے ارادہ اس کی قدرت اور اس کی حکمت سے تمام ہوئی اور ہر دو نظریات میں سے کوئی ایک بہ نسبت دوسرے کے اللہ تعالیٰ پر زیادہ دلالت کرنے والا

نہیں ہے

اے حیران! یہ ہے جو الجسر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نشوء و ارتقاء کے نظریہ سے متعلق کہتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ نہ تو سائنس پر نکیر کرتے ہیں نہ سے محال کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرتے ہیں اور نہ ہی دین کے نام پر سائنس کا دروازہ بند کرتے ہیں بلکہ اسے کھلا رکھتے ہیں جب وہ مکرر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نشوء و ارتقاء کا مذہب اپنے قطعی ثبوت کے ساتھ دین سے ذرہ بھر متناقض نہیں اور ان کے ہاں اسے اختیار کرنے اور اپنے ظواہر کے ساتھ مذہب خلق پر دلالت کرنے والی نصوص کی تاویل کا امکان موجود ہے۔ فکر کی اس بلندی کی طرف مستشرق چارلس آدمز (Charles Adams) نے اپنی کتاب "الاسلام والتجدید" میں یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ "سنت کا مؤلف ایک عرصے سے سائنسی آراء سے بے نیاز تھا اور ان کی مزاحمت تلوار کی دھار کے ساتھ کرنے کی رائے رکھتا تھا لیکن شیخ حسین الجسرؒ نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور یہ موقف اختیار کیا کہ وہ وقت گذر چکا ہے جس میں مسلمان اپنے عقیدے کو درپیش چیلنج سے غفلت برت سکتے تھے اور یہ ثابت کرنا اختیار کیا کہ حقیقی انسانیت، راست اخلاق اور عقل سلیم اسلامی عقائد و احکام میں شاندار مظاہر کے ساتھ درخشاں ہے اور وہ اسلامی عقائد و کلام کے خلاف فلسفۂ مادہ کی بنیاد پر علماء مغرب کے قائم کردہ شبہات کی تردید میں کمربستہ ہو گئے بلکہ انہوں نے مذہب ڈارون میں خوب غور کیا اور رائے قائم کی کہ یہ مذہب اپنی صحت کی شرط کے ساتھ قرآن سے متعارض نہیں

حیران، وہ کون سے علمائے سنت ہیں جن کی رائے میں سائنسی آراء کا مقابلہ تلوار کی دھار سے کیا جانا چاہیے؟

الشیخ میں علمائے سنت میں سے کسی ایک کو بھی نہیں جانتا جس کی رائے میں سائنسی آراء کا سامنا تلوار کی دھار سے کرنا ہو مگر جو کچھ میرے علم میں ہے وہ یہ کہ مثلاً غزالی جو برونو (پیدائش ۱۵۴۸ء) گلیلیو (پیدائش ۱۵۶۴ء) اور کپلر (پیدائش ۱۵۷۱ء) سے سات سو سال پہلے ہوئے ہیں اپنی کتاب "تہافت الفلاسفہ" میں کسوف و خسوف وغیرہ سائنسی حقائق جنہیں غزالی نے حرف بہ حرف حوالہ دیا ہے کے منکر علماء پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"جس نے یہ سمجھا ہے کہ اس کے ابطال میں مناظرہ دین کا حصہ ہے وہ دین کے ساتھ

جرم کا مرتکب ہوا اور اس کے امر کو کمزور کیا کیونکہ یہ وہ امور ہیں جن پر ہندسہ و حساب کے ثبوت قائم ہوتے ہیں جن کے ساتھ ان میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا جو شخص ان سے مطلع ہوا اور اس نے ان کے ثبوت کی تحقیق کر لی اس سے اگر کہا جائے کہ یہ شرع کے خلاف ہیں تو وہ ان میں شک نہیں کرے گا بلکہ صرف شرع میں شک کرے گا۔ درست طریقہ سے شرع کی نصرت نہ کرنے والے کا شرع کے لیے ضرر اس میں طعن کرنے والے شخص کے ضرر سے زیادہ ہے۔ اور اس پر وہ مقولہ صادق آتا ہے "بے وقوف دوست سے دانا دشمن اچھا" یہ ہے جو کچھ غزالی نے کہا اور اس وجہ سے اس کے مقابلے میں تلوار نہیں اٹھائی گئی اور نہ ہی آگ کے الاؤ سے اس کا مقابلہ کیا گیا بلکہ جیسا کہ تمہیں معلوم ہے غزالی کو تعظیم و تقدیس کا مقام حاصل تھا اور انہیں "حجۃ الاسلام" کا لقب دیا گیا۔

حیران: اللہ تعالیٰ "الجسر" پر رحم فرمائے! بخدا! وہ اپنے علم اپنی عقل، اپنے ایمان اور حقیقت دین کے فہم میں عظیم تھے اور علم اور ایمان میں موافقت پیدا کرنے میں انہیں بلند نظری حاصل تھی لیکن "الجسر" اس رائے کے حامل تھے کہ قطعی دلیل کے ساتھ ثابت شدہ مذہب النشوء و ارتقاء قرآن سے متعارض نہیں اور اس قطعی ثبوت کے ساتھ کہ اگر ہمارا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مادہ کو سادہ حالت میں پیدا فرمایا، پھر اسے ترقی دی اور اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں ان فطری قوانین کے موافق تبدیل فرمایا جو اس میں وضع فرمائے حتیٰ کہ اولین خلیہ میں زندگی نمودار ہوئی تو ہمارے ایمان میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ اب شیخ محترم سے میرا سوال یہ ہے کہ تب اولین خلیہ کے جماد سے پیدا ہونے کے قائلین کو الحاد کے ساتھ متصف کیوں کیا گیا؟

الشیخ: اے حیران! ہوش کے ناخن لو جو کچھ ہم نے ان کے بارے میں کہا ہے اس کی طرف رجوع کرو، تمہیں معلوم ہوگا کہ ایک ہی بات کی بھول نے تمہارے لیے "الجسر" اور میرے کلام کے فہم میں الجھن پیدا کر دی۔ میں نے انہیں الحاد سے متصف اس لیے نہیں کیا کہ انہوں نے اولین زندہ خلیے کا جماد سے پیدا ہونا گمان کر لیا اور یہ امر ممکن ہے ناممکن نہیں لیکن میں نے انہیں الحاد کے ساتھ اس لیے متصف کیا ہے کہ وہ اولین خلیہ کے بارے میں اس زعم میں ہیں کہ وہ جماد سے (تولد ذاتی) کے طور پر پیدا ہوا۔

حیران: ان دونوں باتوں کے مابین کیا فرق ہے؟

الشیخ: ان دونوں کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ (تولد ذاتی) سے ان کی مراد اولین زندہ خلیہ کی جماد سے مادی عناصر کی مخصوص مقداروں میں متناسب توازن کے حصول کے ساتھ اتفاقیہ پیدائش ہے نہ کہ اللہ کی قدرت سے۔ حالانکہ "الجسر" کہتے ہیں کہ جماد سے زندگی کی نمو امر ممکن ہے اور ایسا ہو سکتا ہے کہ زندگی مادہ کے ظواہر میں سے ایک ظاہرہ ہو جو حرکت اور عناصر کی مخصوص مقداروں کے مابین متناسب توازن کے ساتھ پیدا ہوئی ہو لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوا نہ کہ اندھے اتفاق کے ساتھ، ان دونوں باتوں کے مابین فرق کا اندازہ کر لو۔ یعنی "الجسر" کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی مادہ کے مختلف عناصر کا خالق ہے اور وہی عناصر کو ان کے خواص عطا فرمانے والا اور وہی ذرات کو حرکت عطا فرمانے والا ہے اور متناسب توازن کے اس راز سے واقف ہے جس سے زندگی کی نمو کا امکان ہوتا ہے اور وہی ہے جس نے وہ تناسب بنایا اور زندگی کا سبب بنایا جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اسباب سے مسببات کو پیدا فرماتا ہے لیکن ملحد مادہ پرست سرے سے وجود خالق ہی کے منکر ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عناصر کے اتفاقیہ باہم مل جانے سے زندگی وجود میں آ گئی۔

اے حیران! اس فرق کو سمجھو اور اپنی نظروں کو اس پر جمائے رکھو کیونکہ اتفاقیہ خلقت (خلق بالمصادفہ) سے تمہارا انکار خواہ تم اس کے بعد خلقت و تکوین کے جتنے مفروضے قائم کر لو تمہارے لیے ایمان کی حفاظت کے لیے کافی ہوگا۔

حیران: شیخ محترم! وہ کیسے؟ براہ کرم وضاحت فرمائیے!

الشیخ: اتفاق سے خلقت کے نظریہ کے ابطال کو میں اس کے مناسب وقت پر بالتفصیل دہراؤں گا۔

حیران: عقل اور روح سے متعلق الجسر کیا کہتے ہیں؟

الشیخ: الجسر کہتے ہیں کہ عقل ان پر اسرار چیزوں میں سے ہے جن کی حقیقت کی وضاحت کا کوئی راستہ نہیں۔ شریعت نے اس کی کوئی وضاحت نہیں کی اور بعید نہیں کہ مادہ پرستوں کا قول صحیح ہو کہ عقل اجزائے مادہ کے تفاعل کے ظواہر میں سے ایک ظاہرہ ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ

وہ فاعل اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے متعلق ہوتا ہے نہ کہ اندھے مادہ کی ذاتی حرکت سے۔ اور اس طرح ان کا وہ قول انسانی عقل حیوانات کی عقلوں سے سوائے کیت مختلف نہیں' اعتقاد میں شریعت اسلامیہ کے نصوص سے متصادم نہیں۔ کیونکہ وہ اس کی نفی کرتی ہیں نہ تائید لیکن نصوص میں جو کچھ وارد ہے اس کی غایت یہ ہے کہ انسان جملہ حیوانات میں سے عقل کے ساتھ مختص ہے۔ اور اسی کے ساتھ وہ شرائع کا مکلف بنایا گیا ہے جب کہ دیگر حیوانات نہیں۔ لیکن جہاں تک انسانی عقل کا حیوانات کے ادراک سے متخالف ہونے کا تعلق ہے تو نص سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی۔ لہٰذا حیوانات کے ادراک اور انسانی عقل دونوں کے مقولہ واحدہ (One Category) سے ہونے میں کوئی مانع نہیں لیکن وہ عقل بڑھتی رہی حتیٰ کہ انسان میں باقی حیوانات کے مقابلہ میں ایک امتیازی درجے تک پہنچ گئی جہاں تک روح کا تعلق ہے "الجسر" کا کہنا ہے کہ روح موجود ہے لیکن وہ روح کی حقیقت کے ادراک سے عقل کے عاجز رہ جانے کے معترف ہیں۔ حیات' روح اور عقل جن کے ادراک سے تمام فلسفی درماندہ رہ گئے سے متعلق بحث سے الجسر کا توقف ان کی بلند فکری کی دلیل ہے' جس طرح حیات کو مادہ کے خالق کی قدرت کے ساتھ اس کے تفاعل کے ظواہر میں سے ایک ظاہرہ کہنے والوں پر کوئی نکیر نہ کرنا' ان کی وسعت عقل' جمود سے بُعد' اور حقیقت دین کے فہم میں بلند نظری کی دلیل ہے۔

حیران۔ میں نے "الجسر" کے کلام سے سمجھا ہے کہ وہ طبعی اسباب کی تاثیر کے معتقد ہیں تو قانون سببیہ جس میں فلسفیوں نے کلام کیا ہے' سے متعلق ان کی کیا رائے ہے؟

الشیخ۔ اسباب اور مسببات سے متعلق غزالی نے جو کچھ کہا ہے اور جس کی وضاحت شیخ الشکاک ہیوم پر گفتگو کرتے ہوئے میں کر چکا ہوں' "الجسر" کی رائے اس سے مختلف نہیں۔ وہ اس بارہ میں کہتے ہیں کہ اگر مسببات کا رابطہ اسباب سے نہ بھی ہو تو ان دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اگر ہم ان اشیاء پر نظر ڈالیں جن سے آثار پیدا ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت میں غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ ان آثار کے لیے لازم نہیں ہیں جب کہ ان میں کوئی شے ایسی نہیں جس سے عقل کے لیے لازم ہو جائے کہ وہ اشیاء کو آثار کے لیے لازم قرار دے' مثلاً حرارت برف کو پگھلاتی ہے اور برودت پانی کو جماتی ہے لیکن جب ہم دونوں کی

حقیقت میں غور کرتے ہیں تو وہ ان دو اثروں کے لیے وجہ لزوم ظاہر نہیں ہوتیں' جیسے تحیز (جگہ گھیرنے) کے لیے جسم کا ہونا لازم ظاہر ہوتا ہے اور جس طرح کہ ایک ہی حیز میں دو جسموں کے سمانہ سکنے کی وجہ ظاہر ہوتی ہے۔ تحیز کے لیے جسم کا اقتضاء اور حیز واحد میں دو جسموں کے عدم حلول کا اقتضاء یہ دو امر ایسے ہیں جو عقل سے ضروری طور پر اعتقاد کا تقاضا کرتے ہیں۔ لیکن جہاں تک حرارت کا برف کو پگھلا دینا اور برودت کا پانی کو جما دینا ہے تو عقل کے لیے ضروری نہیں کہ وہ حرارت کو برف کے پگھلانے اور برودت کے پانی کو جمانے کا اقتضاء سمجھے' جب عقل کی رو سے یہ کہا جائے کہ حالت اس کے برعکس کیوں نہیں ہو سکتی؟ اور اگر کہا جائے کہ حرارت اس لیے پگھلانے کا سبب ہے کہ وہ جسم کے ذرات میں باہم چمٹے رہنے کی قوت کو کمزور کر دیتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ معاملہ اس کے برعکس کیوں نہیں ہو سکتا؟ بالآخر یہی کہنا پڑے گا کہ حرارت اور برودت کی خصوصیات جن سے انہیں مختص کیا گیا ہے وہ تخصیص کرنے والے کی تخصیص کے باعث ہیں کہ اس نے ارادہ کیا کہ معاملہ اس طور پر ہو۔ اور وہ مخصص جس نے ہر چیز میں خاصیت اور فطرت پیدا فرمائی وہ فاعل مختار اللہ تعالیٰ ہے۔

حیران۔ یہ بالکل وہی بات معلوم ہوتی ہے جو ابن رشد نے کہی۔

الشیخ ہاں! اور تم دیکھو گے کہ "الجسر" اسباب اور مسببات' خواص' طبائع اور نوامیس کا انکار نہیں کرتے جس طرح کہ مسلمان علماء و فلاسفہ میں سے کسی نے بھی نہیں کیا اور ان سے انکار کی سبیل بھی کیا ہو سکتی ہے۔ اے حیران! اور اشیاء اپنے خواص و طبائع سے ہی باہم متمیز ہو سکتی ہیں اور جب کسی چیز کے ممیز خواص و صفات معدوم ہوئے تو وہ وہ شے نہ شمار کی جائے گی بلکہ دوسری چیز بن جائے گی اور جب تک عقل کو کوئی ایسی عقلی ضرورت نظر نہ آئے جو تقاضا کرتی ہو کہ کسی شے میں پائی جانے والی خاصیت اس کی ذاتی خاصیت ہے اور اس کی اپنی ذات سے ہے' اس وقت تک عقل کے لیے کوئی سبیل نہیں کہ وہ اس حقیقت میں شک کرے کہ اللہ تعالیٰ ہی اشیاء کا خالق ہے' اسی نے ان کو ان کے خواص و طبائع عطا کیے ہیں اور وہی ان کو چھین لینے پر قادر ہے۔ اگر آسمانی شرائع اسباب و مسببات کا انکار کرنے والی ہوتیں تو تکلیف باطل ہو جاتی اور انسان مساعی ترک کر کے بیٹھ رہتا۔ اور لوگوں کے لیے

ترک اوامر اور اجتناب نواہی سے معذوری کا دروازہ کھل جاتا - یہ صورت شریعت کے ابطال بلکہ عقل کے بگاڑ اور ایمان (جو عقل کے بغیر نہیں ہوتا) کے تعطل کا باعث بن جاتی - لہٰذا جس شخص نے کہا کہ دین اسلام یہ حکم دیتا ہے اس نے اپنی جہالت اور قلت عقل کا ثبوت دیا

حیران شیخ محترم! نوامیس کے ذکر پر اور معجزات سے ان کے ٹوٹ جانے کے حوالے سے میرا ایک سوال ہے کیا طبیعی قوانین کی بنیاد پر معجزہ کی وضاحت ممکن ہے؟

الشیخ امور غیبی جن کا ذکر قرآن اور دیگر کتب سماوی نے کیا ہے دو قسم کے ہیں ایک قسم تو ان امور کی ہے جنہیں ہم قوانین فطرت کے خارق (توڑنے والے) خیال کرتے ہیں اس لیے کہ ان کا راز ہم سے چھپا ہوا پردہ غیب میں ہے - علم (سائنس) کسی دن ان قوانین فطرت کے انکشاف تک جن کی بنیاد پر یہ امور واقع ہوتے ہیں رسائی حاصل کرے گا اور دوسری قسم ایسے امور کی ہے جو فی الواقع قوانین فطرت کے خارق ہیں جن کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جاری فرمایا اور ان کا حوالہ نازل کردہ کتابوں میں دیا - تاکہ ہمیں ان نوامیس (قوانین فطرت) کو جن کو اس نے کائنات میں ایجاد فرمایا ہے توڑ ڈالنے پر اپنی قدرت سے آگاہ کرے اور یہ وہ خوارق ہیں جن کو (معجزات) کا نام دینا درست ہے اور مومن کے لیے واجب ہے کہ ان کی تصدیق کرے - اس کا عقیدہ ہو کہ یہ وہ امور ہیں جو خارق نوامیس ہیں اور یہ کہ سائنس کے لیے ممکن نہیں کہ کبھی اس طبیعی ناموس کے انکشاف تک رسائی حاصل کرے جو اس کے وقوع کی وضاحت کرتا ہو - بلکہ ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہم طبیعی قوانین کی بنیاد پر اس کی وضاحت کی کوشش کریں کیونکہ اگر وہ خارق ناموس نہ ہوتے تو ان کا نام معجزہ نہ ہوتا اور اگر ہم کہیں کہ وہ معجزے طبیعی قانون کی بنیاد پر حاصل ہو سکتے ہیں تو ہم نے ان کا حوالہ دیئے جانے کی حکمت کا ابطال کیا - اللہ نے معجزہ کو محض اس لیے جاری فرمایا تاکہ ہمیں متنبہ فرمائے کہ وہی تنہا ناموس کا خالق ہے اور اسے توڑنے پر بھی قادر ہے - اگر انسان کی استطاعت میں ہوتا کہ وہ اس طبیعی ناموس کی قوت سے جس کا انکشاف اسے ہوا ہے اس طرح کا معجزہ لے آئے تو وہ معجزہ نہ ہوتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات کے باب میں اس کا حوالہ کسی حکمت و معنی کا حامل ہوتا - اس لیے میں

کہتا ہوں کہ جن علمائے دین نے معجزات جو آسمانی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں کی علمی طور پر فطری قوانین کی بنیاد پر وضاحت کرنے کی کوشش کی وہ خطا کار ہیں اور انہیں ان کا یہ قول کوئی فائدہ نہیں دیتا کہ "ہم معجزات کو عقلوں کے قریب لانا چاہتے ہیں تاکہ ایمان کے ساتھ سائنس دانوں پر کامیابی حاصل کر سکیں -" کیونکہ تقریب کا یہ عمل بعض معجزات میں سائنسی طور پر ناممکن ہونے کے علاوہ بذات خود معجزہ کے معنی کو مسخ کرنے والا ہے اور جیسا کہ تمہارے علم میں ہے کہ وہ معجزہ کی حکمت اور اس کے حوالہ و ذکر کی حکمت کے برعکس ہے - اور اے حیران! یہ وہ غلطی ہے جس میں بہت سے علماء خلاص کے ساتھ مبتلا ہوئے ہمارے بھی اور نصاریٰ کے بھی - اور میں یہ حوالہ دیتا رہتا ہوں کہ ہمارے علماء میں سے بعض نے سورۃ الفیل میں جو پرندوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ وہ ہاتھی والوں کو پکی مٹی کے کنکر مار رہے تھے کی تفسیر اس طرح کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ پرندے جدری جرثومے تھے جو اصحاب فیل پر حملہ آور ہوئے اور انہیں ختم کر دیا اور سورۃ الاسراء میں موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کا پھٹ جانا اور عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی تفسیر فطری قوانین کی بنیاد پر کرنے کی کوشش میں خطا کے مرتکب ہوئے ہیں اور اگر ہم اس کو بعید نہ بھی قرار دیں کہ ابابیل پرندے سے مقصود جدری جرثومہ ہے کیونکہ سورۃ الفیل نے اس سے خارق ناموس معجزہ کے ذکر کو مقصد نہیں بنایا بلکہ اللہ کے اذن سے حبشہ والوں کی ہلاکت کو بیان کیا ہے پھر بھی ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم ان تمام آیات جن میں معجزات کا ذکر ہے کی تفسیر طبیعی علمی طریقہ سے کریں کیونکہ اس طرح کی تفسیر سے معجزہ کے معنی اس کے راز اور اس کی اہمیت کو گم کر دیں گے جیسا کہ پہلے بات ہو چکی ہے - اور جس شخص کی عقل کو ہم مطمئن کرنا چاہتے ہیں متردد کر دیں گے اور بے سمجھی کے عالم میں، بے شک و ریب کی حالت میں ڈال دیں گے اور اگر بطور مثال ہم ابابیل پرندہ کو جدری جرثومے سے تعبیر کریں تو عصائے موسیٰ کی کیا تفسیر کریں گے جو دوڑتے ہوئے سانپ میں تبدیل ہو گیا؟ اور اگر ہم اس کی تفسیر ہیپنا ٹزم سے کریں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے دریا کے پھٹ جانے کی کیا تفسیر کریں گے؟ اور اگر اس کی تفسیر مد و جزر سے کریں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدائش کی تفسیر کیسے کریں گے؟ ور

اگر ہم اس حمل کے لیے احمق لوگوں کی (التلقیح الذاتی Self Pollination) کے طریقہ سے تفسیر کو اختیار کریں جس کا ہونا ان بدکلام احمقوں کے خیال میں ممکن ہے تو حضرت عیسی علیہ السلام کے پنگھوڑے میں کلام کی تفسیر کیسے کریں گے؟ اے حیران! میں سمجھتا ہوں کہ تم نے میرے قول کے معانی سمجھ لیے ہیں کہ فطری قوانین (طبیعی نوامیس) کی بنیاد پر معجزات کی تفسیر کی کوشش معجزہ کی روح اور اس کے مقصد کو ناکام کرنے والی اس کے معنی کو بگاڑنے والی اور لوگوں کے شکوک کو بڑھانے والی ہے۔

لہٰذا اصل اور بنیاد کائنات کے خالق اللہ پر ایمان ہے جو کائنات طبائع اور نوامیس کا خالق ہے وہی ان کا خالق ہے اور ان کے خرق پر قادر ہے اور اسی میں معجزہ کا راز ہے۔ جس نے اپنا ایمان باللہ راسخ کر لیا اس کے لیے ہر معجزہ پر ایمان آسان ہو گیا۔ جہاں تک معجزہ کو عقل سے بلندتر سمجھنے والوں کا معاملہ ہے یہ وہ لوگ ہیں جو عادتاً محال اور عقلاً محال میں فرق نہیں کرتے۔ اور جب تک ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ناموس کا خالق ہے اس وقت تک ہمارے لیے بہت آسان ہے کہ ہمارا ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے خرق پر قادر ہے۔

حیران بن الاضعف کہتے ہیں کہ "اس مرحلہ پر شیخ کلام سے اچانک رک گئے اور وہ اپنے ہونٹوں میں بڑبڑا رہے تھے کہ ہماری نماز فوت ہو گئی۔ سورج نکل آیا تھا یا نکلنے والا تھا۔ لہٰذا ہم اٹھے اور نماز کے بعد میں شیخ سے رخصت ہوا۔ شیخ اپنے کمرے میں لوٹ گئے دروازہ بند کر لیا اور مجھے مخاطب تھے "اے حیران! آئندہ رات تک کے لیے الوداع اور وہ امتحان کی رات ہے۔"

لیلۃ الامتحان

(امتحان کی رات)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران بن الاضعف کہتے ہیں میں گزشتہ رات شیخ ملموز دن سے جلدی میں رخصت ہوا اور میں نے ان سے نہ پوچھا کہ لیلۃ الامتحان سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ میں الجسر کا کلام سننے کے بعد شرح صدر کے ساتھ اپنے بستر پر آیا اور گہری نیند سو گیا۔ جب ظہر سے ذرا ہی پہلے جاگا تو میرے ذہن پر لیلۃ الامتحان کے معنی کی فکر سوار تھی۔ میں نے اس معنی پر کئی پہلوؤں سے غور کیا میرے دل میں کئی خیالات گزرے۔ مجھے یہ راجح محسوس ہوا کہ شیخ کا اشارہ کسی ایسی چیز کی طرف تھا جس کا ذکر سابقہ راتوں کے دوران ہوا ہے۔ میں نے اس املا کو دہرانا شروع کیا جو شیخ نے کروائی تھی تاکہ کوئی ایسا کلمہ معلوم ہو جائے جسے لیلۃ الامتحان کا نام دیا جا سکتا ہو بالآخر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ شیخ محترم کی مراد اس سب کچھ میں میرا امتحان لینا ہے جو کچھ کہ انہوں نے مجھے لکھوایا ہے۔ لہٰذا میں بسرعت تمام اپنی تحریروں کی طرف متوجہ ہوا تاکہ کلام شیخ سے جو کچھ میں نے لکھا ہے اسے دہرا لوں۔ چنانچہ میں اپنا کھانا پینا بھی بھول گیا اور اذان مغرب کی آواز سنائی دینے سے پہلے میں نے اسے نہ چھوڑا اور جب آخری نماز سے فارغ ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شیخ نے میری طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا

الشیخ یہ کیا کہ میں تجھے کمزور دیکھ رہا ہوں؟ کیا تمہیں امتحان کا ڈر ہے؟

حیران شیخ محترم کون ہے جو امتحان سے بے خوف ہو؟ لیکن مجھے خوف ہی نہیں بلکہ خوف کے ساتھ بھوک اور تکان بھی ہے۔

الشیخ. الجوع.....؟

حیران ہاں! شیخ محترم بلاشبہ بھوک' کیونکہ میں نے ابھی تک کچھ نہیں چکھا۔

الشیخ یہ کیونکر ہوا۔ کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ نہیں یا تم بیمار ہو؟

حیران نہیں' ان دونوں میں سے کوئی صورت نہیں۔ لیکن میں نے آپ سے یہ کہتے سنا ہے کہ ''کل امتحان کی رات ہے'' تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ آپ اس سب کچھ میں میرا امتحان لینا چاہتے ہیں جو آپ نے مجھے لکھوایا ہے تو میں ندامت کے وقت کے تصور سے لرز اٹھا۔ لہٰذا میں اسے دہرانے میں محو ہو گیا اور کھانے کے لئے موقع نہ نکال سکا۔ اس طرح خوف' تکان اور بھوک مجھ پر جمع ہو گئے۔

حیران. تم نے ہوشیاری سے کام لیا' اور تم ہو بھی ہوشیار' میرا ارادہ یہی ہے کہ تمہارا امتحان لوں'

لیکن تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارا امتحان اس طرح لوں گا جس طرح جاہل معلمین طلبہ علوم کا لیتے ہیں یہ عالی مقام مباحث اس قسم کے محفوظات نہیں ہیں کہ ان کے بارے میں ایک طالب علم سے ایسے سوال کیا جائے جیسے قصیدہ کے متعلق سوال کیا جاتا ہے بلکہ یہ خالص عقلی گفتگو ہے۔ اس میں امتحان کا انداز یہ ہے کہ طالب علم کو اس کی کتاب دے دی جائے اور اسے ہر سوال کے موقع پر جواب کے لئے کتاب کی طرف رجوع اور ہر موضوع کی تحقیق کرنے کی اجازت دی جائے اس گفتگو اور تحقیق سے استاد اس قابل ہو گا کہ طالب کے ذہن میں غور و فکر کی رفتار اور اس نتیجہ کا جائزہ لے سکے جس پر اس کی رائے قائم ہوئی۔ لہٰذا تم اے حیران! اپنا رجسٹر اپنے سامنے رکھ لو اور ڈرو نہیں لیکن اس سے قبل کہ ہم آغاز کریں تھوڑا سا دودھ پی لو زیادہ نہ پینا۔ کیونکہ جس طرح بھوک کی زیادتی سے ذہن کند ہو جاتا ہے اسی طرح پیٹ بھرنے سے بھی سست ہو جاتا ہے۔

حیران بن الاضعف کہتے ہیں ''میں اپنے مستقر کی طرف آیا اور تھوڑا سا دودھ پیا تحریروں کا رجسٹر ہاتھ میں لیا اور حضرت شیخ کی طرف لوٹا اور عرض کیا اے شیخ محترم! میں حاضر ہوں۔

الشیخ اے حیران! تم کہتے ہو کہ تم نے جملہ تحریروں کو دہرایا ہے جو میں نے املا کرائی تھیں۔

حیران ہاں! میں نے دہرایا ہے لیکن دہرائی جلدی میں دھڑکتے دل کے ساتھ تھی۔

الشیخ: کوئی حرج نہیں' کوئی حرج نہیں۔ وہ تحریریں اب تمہارے سامنے ہیں۔ جو کچھ تمہارے ذہن سے اوجھل ہو تم انہیں اطمینان سے پڑھ لو۔

حیران: استاد محترم! بہت بہت شکریہ۔

الشیخ ایک ہی سوال ہے' اے حیران! کیا تم نے اس غرض کا ادراک کر لیا جو میرا ہدف رہی ہے۔ اور جسے میں تمہارے لیے موکد کرتا رہا۔ اور وہ کون سی غایت عقلی ہے جس تک میں تمہاری رسائی چاہتا ہوں۔

حیران ہاں شیخ محترم! میں نے سمجھا یہ ہے کہ وہ غرض جو آپ کا ہدف رہی ہے یہ ہے کہ آپ میرے لیے ثابت کر دیں کہ صحیح فلسفہ جس کے ساتھ اکابر فلاسفہ منسلک اور متعلق رہے ہیں وہ نتیجتاً اللہ تعالیٰ کے وجود کے اثبات میں دین حق سے ہرگز متناقض نہیں بلکہ اس کے

اثبات کی اس خالص عقلی نظریہ سے تائید بکی ہو گئیں- تاکہ آپ میری نظر میں ان فلاسفہ کے بلند مقام ومرتبہ کو ان دلائل و براہین کے ساتھ جن پر انہوں نے بردینی میلان سے بالاتر ہو کر خالص عقلی نظریہ پر اعتماد کیا' یہ جان لینے کے بعد کہ اگر میں انہی دلائل و براہین کو علمائے دین سے سنوں گا تو اعراض کروں گا' ایمان باللہ تک میری رسائی کا وسیلہ بنا ئیں اور تاکہ آپ مجھے دکھا دیں کہ دین حق حقائق علمی' جن کی صحت پر قاطع عقلی برہان قائم ہو چکی ہو سے متناقض نہیں- اس لیے کہ حق کی معرفت میں دین حق عقل کو فیصلہ کن بات کا حق دیتا ہے۔

الشیخ کیا تمہیں اس غایت تک رسائی حاصل ہو چکی ہے؟

حیران ہاں' اشیخ محترم!

الشیخ فلاسفہ میں کس کا کلام تمہیں زیادہ پسند ہے اور استدلال کے کون سے طریقہ سے تم زیادہ مطمئن ہوئے ہو؟

حیران تمام کے کلام سے' استاد محترم! اکثر اکابر کے کلام میں صحیح الفکری اور دلائل کی سچائی نے مجھے مسحور کیا ہے اور قلیل صاغر کے ابہام' ضعف اور کم مائیگی سے متنفر ہوا ہوں خواہ وہ جو سوفسطائیت میں گھر گئے یا جنہوں نے تشکیک میں مبالغہ کیا- تیز ہر مذہب و ملت کی فائق عقلوں سے مجھے آگاہی ہوئی کہ حق ایک ہی ہے' گرچہ اس پر دلیل کے طریقے متعدد ہیں' اور آپ نے مجھے بلند پایا امتیاز کے ساتھ فریقین کے اقوال کے مابین تقابل و موازنہ سے متعارف کرایا ہے اور آپ کی بابرکت ہدایت نے مجھے الحمدللہ' ایمان کی دہلیز پر پہنچا دیا۔

الشیخ کیا وہ ایمان وحی کا ہے یا دلیل کا؟

حیران کیا شیخ محترم کی مراد میرا وہ ایمان ہے جو رسولوں کی طرف وحی کیا گیا ہے؟ بخدا میں کبھی اللہ' اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان سے محروم نہیں رہا-

الشیخ میں خوب جانتا ہوں یہ وجدانی' فطری اور وراثتی ایمان ہے اس گھر کا جس کا تو ایک فرد ہے بلکہ یہ نسلوں کا ورثہ ہے' کتنا خالص اور میٹھا ایمان ہے' جب تک بے بنیاد فلسفے نے اسے گدلا اور بدبختیوں نے اسے گزوانہ کر دیا ہو-

حیران: تب ایمان وحی سے شیخ محترم کی مراد کیا ہے؟

الشیخ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ فلاسفہ کا کلام سننے کے بعد تمہارا وہ ایمان جس تک تم آج

پہنچے ہو نقصانی القا کا ایمان ہے جو اس رعب سے نکلا ہے جو تمہارے دل میں عظیم فلسفیوں کے اقوال کو کامل جان لینے اور ان کے ایمان سے متعارف ہونے سے قبل تھا یا دلیل برہان کا ایمان ہے جس کا تم بذات خود ادراک رکھتے ہو اور وہ تمہاری عقل میں آتا ہے؟

حیران وہ بیک وقت اعتقاد و اجلال کا ایمان بھی ہے اور دلیل و برہان کا ایمان بھی' میں نے اللہ کے وجود پر ایمان کے معاملہ میں اکابر فلاسفہ اور اکابر علماء دین کے مابین حق پر جو اتفاق دیکھا ہے اور "الجسر" کے کلام سے مجھے قاطع عقلی دلیل کے قیام کے ساتھ علم و دین اور معقول و منقول میں موافقت سے متعلق عقل کے فیصلے کے وجوب کی جو معرفت حاصل ہوئی ہے اس نے علماء دین کی طرف اس اعتماد کے ساتھ جسے فلسفہ اور سائنس کی عظمت اور کبھی ان علماء کا جمود' جنہیں غزالی اور "جسر" دین کے لیے' اس کے دشمنوں سے زیادہ نقصان دہ قرار دیتے ہیں' متنازع بنا دیا تھا' میرے رجوع کو آسان بنا دیا ہے- اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کے تمام طریقوں کا اتباع میرے لیے آسان بنا دیا گیا ہے- لہٰذا میں نے انہیں مشکل یا آسان ہونے کے اختلاف کے باوجود ایمان باللہ تک پہنچانے والے پایا ہے-

الشیخ میں چاہتا ہوں کہ دلیل کی تقریر تمہارے اپنے منہ سے سنوں تاکہ مجھے معلوم ہو کہ تمہیں وہ مشکل کہاں پیش آتی ہے- لہٰذا سمجھو کہ میں حیران شاگرد ہو اور تم شیخ الموزون ہو-

حیران دلیل حدوث جسے اکثر فلاسفہ و علماء نے اختیار کیا ہے' کے استدلال میں اپنی فکر کو واضح منزل کی راہوں میں ڈگمگاتے ہوئے مسلسل اور معاون دلائل کے ساتھ چلتے ہوئے اور عقلی بداہت کے مراحل طے کرتے ہوئے پاتا ہوں- لہٰذا میری عقل مجھے کہتی ہے-

عالم اپنے مجموعہ اور اجزاء سے مرکب ہے اور ظاہر ہے کہ ہر مرکب حادث ہوتا ہے اور عالم جو کچھ کہ اس میں ہے ایک صورت سے دوسری صورت میں مسلسل تغیر کی حالت میں ہے اور متغیر کے لیے ممکن نہیں کہ اس کی اصل قدیمی ازلی صورت ہو کیونکہ اگر وہ ایسا ہوتا تو اس پر تغیر کا وقوع جائز نہ ہوتا-

اور صورتوں کے لانہایت تسلسل کی بات درست نہیں کیونکہ تسلسل عقل کی رو سے ناممکن ہے لہٰذا ناگزیر ہے کہ ہم کسی حد پر جا کر رک جائیں اور کہیں کہ اس متغیر کو اس کے اول مرحلہ میں

صورت حاصل نہ تھی۔

اور جب اسے صورت حاصل نہ تھی تو اس کا کوئی وجود نہ تھا کیونکہ صورت شکل، حجم، وزن، رنگ، ذائقہ اور بو پر مشتمل ہوتی ہے اور جس شے میں یہ صفات نہ ہوں اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا پس عالم متغیر موجود نہ تھا پھر اسے وجود میں لایا گیا۔ اس لیے عالم حادث ہے۔

اور عقل، علت بدیہی کے قانون کی قوت کے ساتھ واضح طور پر فیصلہ کرتی ہے کہ ہر حادث کے لیے ناگزیر ہے کہ کوئی سبب ہو جو سے حادث کرے۔

اور سبب محدث جائز نہیں کہ حادث ہو کیونکہ پھر وہ کسی اور سبب محدث کا محتاج ہوگا۔

اور بے نہایت اسباب کے تسلسل کی بات جائز نہیں کیونکہ تسلسل عقلاً ناممکن ہے۔ لہٰذا ناگزیر ہے کہ عالم کا بنانے والا محدث قدیم ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے عالم کو پیدا فرمایا اور اس کو مطلق عدم سے حادث کیا۔

الشیخ خوب، اے حیران، خوب،

حیران "دلیل وجوب" جس کی بات فارابی، ابن سینا، ڈیکارٹ، لاک اور لائبنیز وغیرہ نے کی ہے اس سے متعلق میرا کہنا یہ ہے کہ

"عقل واضح طور پر فیصلہ کرتی ہے کہ وجود کے معنی تین حالتوں الامکان، الاستحالہ، الوجوب، کے درمیان متردد ہیں پس ہر چیز یا تو ممکن الوجود ہے یا ناممکن الوجود ہے اور یا واجب الوجود ہے اور عقل یہ حکم لگاتی ہے کہ عالم "الممکن" کی قسم سے ہے اور ممکن کے لیے مرجح ناگزیر ہے جو اس کے وجود کو عدم پر راجح کرے۔ اور اسے امکان سے بالفعل وجود میں لائے اور موجد کے لیے جائز نہیں کہ وہ ممکن الوجود ہو کیونکہ وہ موجد کا محتاج ہوگا اور یہ امر تسلسل کے سپرد ہو جاتا ہے حالانکہ تسلسل عقل کی رو سے ناممکن ہے لہٰذا ناگزیر ہے کہ وہ الموجود، واجب الوجود، ہو۔

اور جائز نہیں کہ الموجود لواجب الوجود، الممکن" کی قسم سے ہو کیونکہ اگر وہ ممکن سے ہوا تو ممکن واجب الوجود ہو جائے گا اور یہ تناقض عقلاً محال ہے کیونکہ وہ دو متضاد طرفوں الامکان اور الوجوب کو ملاتا ہے اور اس لیے کہ وہ بھی الدور کی طرف لے جاتا ہے اور سبب کو مسبب کی علت بنا دیتا ہے اور مسبب کو سبب کی علت بنا لیتا ہے۔ حالانکہ الدور عقلاً محال ہے پس یہ عالم الممکن ہے اور قائم بالذات واجب الوجود موجد کا محتاج ہے اور وہ واجب الوجود اللہ تعالیٰ ہے۔

اور قریب قریب یہی ڈیکارٹ کی تعبیر ہے کہ میں موجود ہوں، کس نے مجھے ایجاد اور پیدا کیا؟ میں نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا لہٰذا میرا کوئی خالق ضرور ہے اور ناگزیر ہے کہ وہ خالق واجب الوجود ہو اور وہ اللہ ہے، ہر شے کو عدم سے وجود میں لانے والا۔

اور پاسکل کی تعبیر، ممکن ہے کہ میں نہ ہوتا اگر میری ماں مجھے زندہ جننے سے پہلے مر گئی ہوتی لہٰذا میں واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔ پس ناگزیر ہے کہ کوئی واجب الوجود ہو جس پر میرے وجود کا انحصار ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

الشیخ اور قرآن کی تعبیر ام خلقوا من غیر شیء ام ہم الخالقون (کیا وہ کسی شے کے بغیر پیدا ہو گئے ہیں یا وہ خود اپنے خالق ہیں؟)

حیران اور تناقض کی بنیاد پر علت الکافیہ کی دلیل جس کی طرف لائبنیز نے اشارہ کیا ہے، عقل فیصلہ کرتی ہے کہ جس کا بھی ہم تصور کریں، ناگزیر ہے کہ وہ یا تو ممکن ہو یا ناممکن ہو اور یا واجب۔ اور یہ عالم واقع ممکن کی نوع میں سے ہے اور ہر واقع ممکن کی نوع سے ہی ہوتا ہے۔ ناگزیر ہے کہ اس کے وقوع اور وجود کے لیے علت کافیہ ہو اور اس عالم وجود نے اپنے آپ کو ایجاد نہیں کیا کیونکہ یہ قول کہ اس نے اپنے آپ کو ایجاد کیا عقلی تناقض کا موجب ہے۔ جیسا کہ پہلے بات ہو چکی ہے تب اس عالم الواقع الممکن کے وجود کے لیے علت کافیہ کا ہونا ناگزیر ہے کیونکہ علت کافیہ کے بغیر وہ موجود نہ ہو سکتا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ موجود ہے لہٰذا اس کے وجود کے لیے علت کافیہ کا ہونا ناگزیر ہے جس پر علم، قدرت، حکمت اور جملہ صفات کمال کی انتہا ہوتی ہو۔ کیونکہ اگر وہ صفات کاملہ کا مالک نہ ہو تو کافیہ نہیں ہو سکتی اور یہ علت کافیہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اور اے شیخ محترم! یہ عقلی بدیہات ہیں جو ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں لیکن فکر کے آخری مراحل میں بہر و عجز، ذہن میں ان بدیہات کے مزاحم ہو جاتے ہیں، اس وقت جب کہ میں اس نہایت کا جس سے ورے کوئی شے نہیں، کی لانہایت کا جو کسی حد پر جا کر نہیں رکتی، اس ازلیت کا جس کی کوئی ابتدا نہیں، اس زمانے کا جس سے قبل کوئی زمانہ نہیں، اور اس مکان کا جس سے ورے کوئی شے نہیں اور عدم مطلق کا تصور کرتا ہوں۔ لیکن یہ تمام عجز و درماندگی مجھے اس قدر لرزہ براندام نہیں کرتے اور نہ مجھے اس قدر اذیت سے دوچار کرتے ہیں جس قدر کہ عدم سے

خلقت کے تصور سے میرے عقل کا عجز و کلال میری بے چینی اور اذیت کا باعث بنتا ہے

الشیخ اس جملہ امور کے تصور سے اپنی عقل کے عجز و کلال کے محسوس کرنے میں تم معذور ہو کیونکہ تم عقل کی رو سے غزالی، ابن طفیل، ابن رشد، کانٹ اور سپنسر سے بڑے نہیں ہو۔ جنہوں نے بعض اوقات عقل کے اس عجز و کلال میں مبتلا ہونے کا اعتراف کیا ہے لیکن اگر تم عدم سے خلقت کے تصور میں اس عجز و کلال کے سامنے جامد، ششدر اور عاجز کھڑے رہو اور قاطع عقلی دلائل کے ساتھ اپنے آپ پر واضح نہ کرو کہ یہ کلال اوہام میں سے ایک وہم ہے تو تم کبھی معذور نہیں تصور کیے جا سکتے۔۔۔۔ کیا بیشتر ایسے اوہام نہیں، جو ہماری عقلوں پر چھا جاتے ہیں اور ہم قاطع عقلی برہان کے ساتھ ان کا ابطال کرتے ہیں۔ اے حیران میری طرف کان لگاؤ۔

حیران شیخ محترم میں ہمہ تن گوش ہوں۔

الشیخ یہ نظر آنے والا عالم الواقع کیا الممکن کی قسم سے ہے یا الواجب کی قسم سے؟

حیران بلاشبہ وہ الممکن کی قسم سے ہے کیونکہ ہم عالم کے عدم وجود کا تصور کر سکتے ہیں۔

الشیخ کیا اس نے اپنے آپ کو خود ہی ایجاد کیا ہے؟

حیران ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ یہ تصور عقلی تناقض پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ واجب الوجود ہو جاتا ہے حالانکہ وہ الممکن ہے۔

الشیخ تب ناگزیر ہے کہ اس کے وقوع اور وجود کے لیے علت کافیہ ہو۔

حیران یہ ظاہر ہے۔

الشیخ تب تو عالم اس سے قبل کہ علت کافیہ نے اسے حادث کیا، موجود نہ تھا۔

حیران: اس میں کوئی شک نہیں۔

الشیخ تب حدوث عالم سے عدم کے سابق ہونے کا تصور ناگزیر ہے

حیران: اس میں کوئی شک نہیں۔

الشیخ اے حیران سوچو، کہ کیا عدم سے اس کے ایجاد کا تصور عقلی طور پر تناقض کا موجب ہے؟

حیران ہرگز نہیں بلکہ عقلی تناقض اس وقت ہوتا جب ہم وجود عالم کے لیے عدم سے پہلے عدم کا تصور کریں۔

الشیخ. عدم سے ایجاد عقلاً ناممکن نہیں اگرچہ عادتاً ہم اسے ناممکن ہی پائیں اور اسے بعید سمجھیں اور اس کے تصور سے عاجز رہ جائیں جیسا کہ الخیر نے کہا ہے

حیران. یہ حق ہے کہ وہ عقل کی رو سے ناممکن نہیں، لیکن اے آقا! میں اسکے تصور سے عاجز ہی چلا آتا ہوں باوجود اس کے کہ قاطع عقلی برہان کے طریقہ سے واللہ! مجھے یقین ہے کہ وہ ناممکن نہیں، بلکہ اس ممکن عالم کے وجود کا عدم سے ماقبل عدم ممکن ہے، لہٰذا میں اس عجز کے ساتھ کیا کروں؟

الشیخ برہان قاطع کے سامنے اس عجز کی کیا حیثیت ہے؟ اور میری عقل بھی تمہاری طرح عدم سے خلقت کے تصور سے عاجز ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ درماندہ، کمزور اور مضحکہ خیز وہم ہے جس کے مقابلے میں جمود عقل میں خلل کی نشاندہی کرتا ہے۔

حیران کیسے؟

الشیخ کیا تمہیں ریاضی کے حقائق پر اعتبار نہیں اور کیا تم اس کے صحیح نتائج میں یقین نہیں رکھتے؟

حیران: کیوں نہیں۔

الشیخ کیا تم بہت سے حقائق ریاضیہ نہیں جانتے جنہیں بدیہی عقلی اولیات پر قائم کیا جاتا ہے، وہ شروع میں تم سے پوشیدہ ہوتے ہیں اور غور و فکر اور نتیجہ طلبی اور ثبوت سے ہی تم پر ظاہر ہوتے ہیں۔

حیران یہ صحیح ہے لیکن میں غور و فکر اور ثبوت کے بعد ہی ان کا تصور کر سکتا ہوں۔

الشیخ تم اس بالکل سادہ حسابی قضیے سے متعلق کیا کہتے ہیں جس پر قاطع عقلی برہان قائم ہوتی ہو اور حساب کے باوجود بھی تمہاری عقل اس کے تصور سے عاجز رہ جائے۔

حیران مثلاً!

الشیخ اے حیران آگاہ رہو کہ ہماری عقلیں بڑے اعداد کے احاطہ میں واضح حقائق کے تصور سے عاجز رہ جاتی ہیں حالانکہ وہ تھوڑے سے غور کے محتاج اور جمع کی قسم کے بالکل سادہ حساب سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور اس بارے میں عقلوں کا عجز و ضعف بڑا عجیب و غریب ہوتا ہے حتیٰ کہ تم اس کے نتیجہ میں شبہ کرنے لگو گے۔ اگرچہ اس سے آگاہ کرنے والے صادق ترین اور علام لوگ ہوں اور اگر تم خود بھی ان (اعداد) کے نتیجہ تک پہنچ جاؤ تو

عقلیں نتیجہ کے تصور سے عاجز ہی رہیں گے کیا تم قطع در قطع کیے ہوئے ورق کے معمہ سے واقف نہیں ہو۔

حیران ہرگز نہیں میرے آقا!

الشیخ بالفرض تمہیں ایک نہایت باریک ورق دیا جائے جس کی موٹائی 1.100 ملی میٹر ہو اور تمہیں کہا جائے کہ سے دو برابر حصوں میں کاٹ دو پھر ان دو کو چار پھر ان چار کو آٹھ ٹکڑوں میں کاٹ دو اسی طرح ۴۸ مرتبہ کاٹتے اور دوگنا کرتے چلے جاؤ اگر اسے کاٹنا شروع کرنے اور اس کا حساب لگانے سے پہلے تم سے سوال کیا جائے کہ ۴۸ مرتبہ ان باریک اوراق کے کاٹے جانے کے بعد تم اس کی کتنی موٹائی کی توقع رکھتے ہو تو اندازے میں اپنی بڑی مہارت کے باوجود تم ایک دو یا تین میٹروں سے زیادہ نہ بتا سکو گے اور اگر تم سے کہا جائے کہ اس کی (تہ بہ تہ) اونچائی دس کلومیٹروں سے بڑھ جائے گی تو تم تصدیق نہ کرو گے اور اگر تمہیں کہا جائے کہ تم جب اس کے کاٹنے کو ۴۸ مرتبہ دہرا دو گے اور پھر ان کاٹے ہوئے اوراق کو تہ بہ تہ اوپر کی طرف رکھتے جاؤ گے تو وہ چاند کو چھونے لگیں گے جو زمین سے ۳۸۴ ہزار کلومیٹر دور ہے تو تم انکار کرو گے اور سمجھو گے کہ کہنے والا تم سے مذاق کر رہا ہے اور جب سادہ حساب کے ساتھ متحقق ہو جائے گا اور تم اس کے تصور کا ارادہ کرو گے تو اپنی عقل کو اس کے تصور سے عاجز و کلال ہی پاؤ گے اے حیران! اپنا قلم لو اور حساب لگاؤ۔

حیران بن الاضعف کہتے ہیں کہ میں نے اپنا قلم لیا' حساب لگانا اور جمع کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اس میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف کیا جب کہ شیخ مسکراتے رہے جب میں نے حساب مکمل کر لیا تو سادہ حساب کے ساتھ مجھے یہ تحقیق ہوئی کہ کاٹے ہوئے اوراق جب بالفعل تہ بہ تہ رکھیں جائیں تو وہ چاند تک جا پہنچیں گے۔ لہٰذا میں نے شیخ سے کہا میرے آقا تحقیق ہو گئی کہ ان کی اونچائی ۳۸۴ ہزار کلومیٹر کے قریب جا پہنچتی ہے یہ تو واقعی چاند کو چھونے لگیں گے۔ بخدا! یہ تو بڑا عجیب و غریب معاملہ ہے.....

الشیخ اب میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھ سے یہ حساب لگانے کے بعد اس نتیجہ کا تصور کر سکتے ہو؟ کیا تم اس کے تصور سے بدستور عقل کی درماندگی محسوس نہیں کرتے؟

حیران بخدا! میں بدستور اس کے تصور سے عقلی عجز محسوس کرتا ہوں۔

الشیخ اے حیران! کیا تم نے اب سمجھ لیا ہے اور تصدیق کرتے ہو کہ ہماری عقلیں بعض اوقات بیشتر حقائق کے تصور سے عاجز رہ جاتی ہیں جن کی صحت پر عقلی برہان قائم ہوتا ہے۔

حیران ہاں! میں تصدیق کرتا ہوں لیکن یہ ہے کیسے؟

الشیخ یہ اس لیے ہے کہ ہماری عقلیں بیشتر اشیاء کے تصور سے عاجز پیدا کی گئی ہیں لیکن وہ قاطع برہان عقلی طریق سے ان کے وجود کا فیصلہ کرنے کی قابلیت رکھتی ہیں لہٰذا تصور اور چیز ہے اور تعقل اور چیز۔ کسی چیز کا تعقل تو تمہاری استطاعت میں ہے لیکن اس کا تصور تمہاری استطاعت میں نہیں کیونکہ تعقل کا انحصار اولین بدیہات پر ہوتا ہے جن کو عقل ان کی ترتیب اور ترکیب' ایک دوسرے سے استنباط کے ساتھ اور ایک دوسرے کی بنیاد پر اختیار کرتی ہے اور قاطع عقلی فیصلے تک پہنچ جاتی ہے جب کہ تصور ایسا نہیں کر سکتا۔ کیا اب تم نے سمجھ لیا ہے؟

حیران ہاں! میں نے سمجھ لیا ہے۔

الشیخ آج جدید سائنس نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا ہے جس کا ذکر میں نے کسی شے کے تصور کا امکان اور اس شے کے تعقل کے امکان کے مابین فرق کے ضمن میں کیا ہے۔ لہٰذا تصور سے عقل کے عاجز رہ جانے کی پرواہ کیے بغیر تنہا تعقل پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ سائنسی حقائق اپنی وسعت' اپنی تعداد اور اپنی مقدار کے لحاظ سے تصور پر فوقیت حاصل کر چکے ہیں لیکن سائنس دان تعقل کے طریق سے ان کا حساب لگاتے' ان کی معرفت حاصل کرتے اور ان پر حکم لگاتے ہیں۔

مثال کے طور پر روشنی کی شعاعوں کو لو کیا تم سمجھتے ہو کہ جن علماء نے ان شعاعوں کا اندازہ لگایا ہے کہ بنفشی رنگ پیدا کرنے والی شعاعیں ایک انچ میں ساٹھ ہزار کے حساب سے ہوتی ہیں' کیا وہ ان کی اس سرعت کا تصور کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور خیال کے گھوڑے دوڑ لیں؟ ہرگز نہیں' کیونکہ یہ حیرت انگیز تعداد اس حقیری مسافت میں عقل کو اس کے تصور سے عاجز کر دینے والی ہے۔ لیکن یہ تعداد تعقل کے ذریعے عاجز نہیں کرتی یعنی تعقل کے طریقہ سے ان کی تعداد کی صحت کا فیصلہ عقل کو عاجز نہیں کرتا۔

جدید علمی تحقیقات میں اعداد اس حیرت ناک مرتبہ تک پہنچ گئے ہیں کہ عقل ان کے تصور سے اس سے بھی زیادہ عاجز نظر آئے گی۔ مثلاً علماء نے حساب لگایا ہے کہ صوتی لہروں کی سرعت نصف ملین فی سیکنڈ تک جا پہنچتی ہے۔ اور یہ علماء کے ہاں قطعی علمی عقلی دلیل کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، لیکن کیا وہ ایک سیکنڈ میں لہروں کے اس حیرت ناک عدد کا تصور کر سکتے ہیں؟ تم خود تجربہ کر دیکھو نصف ملین فی سیکنڈ کو چھوڑ دو، ایک لاکھ لہر فی سیکنڈ کو بھی چھوڑ دو، کیا تم فی سیکنڈ ایک ہزار لہر کی سرعت کا تصور کر سکتے ہو؟ خواہ تم اپنے خیال کو جتنا بھی دوڑا لو لیکن جو شے تمہیں اور سائنس دانوں کو اس کے تصور سے عاجز کرتی ہے وہ بلاشبہ امر واقعہ ہے۔ تو کس چیز سے انہوں نے اس کی معرفت حاصل کی؟ انہوں نے حساب کے ساتھ بطریق تعقل اس کی معرفت حاصل کی ہے۔

تو اے حیران! کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ تعقل کے بغیر تصور کی کیا کیفیت ہے؟ اعتبار تعقل پر عقل کی قدرت کا ہے نہ کہ تصور سے اس کے عجز کا۔

حیران میں نے پوری وضاحت کے ساتھ سمجھ لیا ہے۔

الشیخ کیا اب تم نے علماء و فلاسفہ کے اس قول کے معنی سمجھ لیے ہیں کہ عدم سے خلق کا تعقل ممکن ہے اگرچہ اس کا تصور عقل سے بعید ہو یا عقل اس کے تصور سے عجز و کلال میں مبتلا ہو۔

حیران یہ حقیقت ہے کہ فلسفہ دیگر سمندروں سے مختلف ایک سمندر ہے۔ اس کا مسافر اس کے ساحل اور کناروں پر خطرے اور مشکل میں ہوتا ہے اور سلامتی اور ایمان اس کے گہرے پانیوں اور اس کی گہرائیوں میں ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا اور جیسا کہ "بیکن" نے کہا وہ بھی حقیقت ہے کہ "اس کا قلیل اللہ سے دور لے جاتا ہے لیکن اس کا کثیر اللہ کی طرف واپس لاتا ہے"۔

الشیخ اے حیران! اب قرآن کی باری ہے۔ ہماری میز سے مجھے یہ مصحف دے دو اور تم اپنے بستر پر چلے جاؤ۔ میرا ایک دوسرا عمل ہے جسے میں اپنے رب کے حضور بغیر فلسفہ کے پیش کرتا ہوں۔

کلمات ربی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران بن المصنف کہتے ہیں "میں شیخ کو مصحف دینے کے بعد ان کے کمرہ سے نکل کر اپنے بستر کی طرف آیا تو میرے لیے نیند کے کوئی آثار نہیں تھے کیونکہ میں اس وقت سونے کا عادی نہ تھا اور مطالعہ کے لیے بھی کوئی صورت نہ تھی کیونکہ چراغ شیخ ہی کے پاس تھا۔ میں نے اپنے اوپر نیند طاری کرنا شروع کر دی اور ہلکی سی نیند کے بعد شیخ کے کھانسنے کی آواز پر جاگ اٹھا۔ دیکھا کہ شیخ مسلسل جاگ رہے ہیں اس کے بعد میں گہری نیند سو گیا حتیٰ کہ بوڑھے خادم کے دروازہ کھٹکھٹانے پر جاگا۔ دروازہ کھولنے کے لیے بستر سے اٹھا تو دیکھا کہ شیخ کے کمرے میں تا حال چراغ روشن ہے۔ اور جب موذن نے صبح کی نماز کے لیے اذان دی اور شیخ وضو کے لیے نکلے تو میں نے ان سے ان کے جاگتے رہنے کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک گھنٹہ قبل ہی تلاوت ختم کی ہے۔

میں نے کہا میرے آقا! رات بھر جاگنا آپ کو کمزور کر دے گا۔

انہوں نے کہا "اے حیران! یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے"۔

میں نے کہا "میرے لیے؟"

شیخ مسکرائے اور وضو کے لیے چلے گئے۔ پھر ہم نے نماز فجر ادا کی۔ نماز کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلے گئے اور کہہ رہے تھے "میں آج جنگل کی طرف نہیں جاؤں گا۔ مجھے سونے کی حاجت ہے"

میں نے سارا دن جنگل میں شیخ کی گذشتہ رات کرائی ہوئی املا کو دہراتے ہوئے گذارا اور قطع کردہ ورق کے معمہ کے جمع و حساب کا اعادہ کرتا رہا چنانچہ میں نے اسے یقینی پایا اس پر مجھے یقین ہو گیا کہ ہماری عقلیں بعض اوقات ان بہت سے حقائق کے تصور سے عاجز رہ جاتی ہیں جن کی صحت پر برہان عقلی قائم ہو جاتا ہے اور میں نے سمجھ لیا کہ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم عقلی عجز کے سامنے جامد ہو کر رہ جائیں، بلکہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ اس قطعی برہان کو اختیار کریں جو ہمارے نزدیک قائم ہو جائے اور یقین کر لیں کہ کلال وہم ہے اور وہم برہان کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکتا اور اس باب میں غزالی کی بات یاد آئی۔ میں نے اس کی طرف رجوع کیا اور اس وقت اس کے اس قول کے معنی سمجھے۔ "وہ خود بھی اپنے شکوک و اوہام کا علاج دلیل کے بغیر نہ کر پایا۔ اور دلیل ان اولیات و ضروریات کی ترکیب کے بغیر نہیں ہوتی جن کے بغیر عقل یقین تک رسائی نہیں حاصل

کر سکتی"۔

پھر میں نے کہا "افسوس مجھ پر یہ سب کچھ میں نے کیسے سمجھ لیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے یہ مرشد صبور میرے مقدر میں نہ کیا ہوتا تو میں کیسے معلوم کر لیتا کہ قاطع برہان کے قیام کے ساتھ کیسے وہم سے نجات پاؤں؟ پھر میں نے کہا افسوس ان لوگوں پر جو ان شکوک سے خلاصی نہیں پاتے جیسا کہ شیخ نے فرمایا "کیا تم سمجھتے ہو کہ لوگ اس طرح کی طویل دراست (Learning) کی استطاعت رکھتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا تو وہ کس طرح اپنے ایمان سے اس شک کو دور کریں؟"۔

جب شام کے وقت میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ ایک بڑے رجسٹر میں بعض قرآنی آیات تحریر فرما رہے ہیں۔ میں نے انہیں سلام کیا اور جھکا کہ ان کے ہاتھ کو بوسہ دوں۔ وہ مسکرائے اور کہا، تمہیں کیا ہوا کہ تم وداع ہونے سے قبل ہی میرے ہاتھ چومنے لگے ہو۔ کیا مجھ سے وداع ہونے کا ارادہ کر لیا ہے؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ درس سے فارغ ہو گئے ہو؟ کیا اپنے وطن جانے کا قصد کر لیا ہے؟ ہرگز نہیں اے حیران! درس میں تمہارا دور لمبے عرصے کے لیے ہے۔

حیران: آقا! میرے ذہن میں آپ سے جدا ہونے کا خیال پیدا نہیں ہوا اگر میں اپنے ابا کی زیارت کے لیے جاؤں بھی تو آپ کی طرف لوٹ آؤں گا میں نے جامعہ پشاور سے علم کا حصول منقطع کر لیا ہے اور بخدا! میری نظر میں آپ سے بہتر کوئی نہیں جس سے میں وہ کچھ حاصل کروں جو مجھ سے منقطع ہو گیا ہے۔ میں نے آپ کے ہاتھوں کو اس لیے چوما ہے کہ میں آپ سے ایک ثقیل سرگوشی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے چاہا کہ نجویٰ سے پہلے صدقہ کر لوں۔

الشیخ: کہو کیا کہنا چاہتے ہو مجھے تمہاری طرف سے کوئی چیز بھاری نہیں لگتی

حیران: کل رات آپ سے جو حقیقت مجھ پر کھولی ہے اس پر میں نے طویل اور گہرا غور کیا ہے۔ واللہ! اے شیخ محترم! میں کیسے یہ سب کچھ سمجھ لیتا اور کس طرح میں قاطع عقلی برہان کے قیام کے ساتھ وہم سے نجات پا لیتا اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے آپ جیسا وسیع النظر صابر مخلص مرشد و ہادی مقدر نہ فرما دیا ہوتا۔

الشیخ: اے حیران! مرشد و ہادی بہت ہیں اور انہی سے ہم نے سیکھا ہے لیکن طالب کے لیے الہدیٰ اسی صورت میں ہے جب کہ وہ گہری نظر' طویل غور و فکر اور اہل الذکر سے پوچھنے کا رد یا تحقیر کرے۔

حیران: کیا یہ ہر شخص کے لیے آسان ہے کہ وہ مشاغل حیات اور وسائل رزق کو ترک کر دے اور گہری نظر' طویل تحقیق اور صبر آزما مشکل استدلال کے لیے فارغ ہو جائے اور کیا اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس کی استطاعت سے زیادہ بھی تکلیف دی ہے؟

الشیخ: اے حیران! یہ حق ہے اور میرا ارادہ تھا کہ میں مرکب نظری دلائل کی صحت و صداقت تک تمہاری رسائی کرانے کے بعد اس حق تک لے جاؤں' اس کی نشاندہی کروں اور تمہیں اس کے ساتھ نصیحت کروں بلکہ اس کے ساتھ ان سب لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں جنہیں تحقیق کی نظر اور غور و فکر کے مواقع حاصل نہیں

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے تمہارے بیے پوری رات قرآن کا مطالعہ کرتے گزاری ہے؟

حیران: آپ کیا نصیحت فرمانا چاہتے ہیں؟ اے آقا!

الشیخ: میں تمہیں' اپنے آپ کو بلکہ ہر انسان کو وہی نصیحت کرتا ہوں جو ابن رشد نے کی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے اثبات میں بدیہی' سہل' سادہ اور واضح براہین کی طرف توجہ کرنا چاہیے جن کا ادراک عقل کو استدلال و بحث کی گہرائیوں میں جائے بغیر حاصل ہو جاتا ہے اور اس کے بغیر کہ سے ابہام' ضعف' عجز اور وہم در حق ہو اور یہ وہ براہین ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم نے بکثرت کیا ہے اور دیگر مرکب عقلی براہین کی نسبت ان پر زیادہ انحصار کیا ہے' کیونکہ ایک سادہ ذہن' بے علم آدمی اور عالم و فلسفی ان کو سمجھنے میں برابر ہیں' جہاں تک سادہ ذہن آدمی کا تعلق ہے وہ ان کی سادگی' وضاحت اور بداہت کا اجمالی ادراک حاصل کر لیتا ہے مگر عالم اسے بالتفصیل سمجھتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ قرآن کے دلائل میں یہ بداہت بہت سے شواہد پر مبنی ہے جن کے مجموعہ کے ساتھ وہ ایک عقلی فیصلہ بن جاتا ہے' جس کا انکار ریاضی کے صحیح فارمولہ کے انکار کے مترادف ہوتا ہے۔

حیران: واللہ! یہ عجیب و عظیم بات ہے شیخ محترم! آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود اور خلق عالم

کے دلائل کے باب میں قرآن کے انکار کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ نے تلاوت قرآن کے دوران بعض ایسے دلائل کا ملاحظہ فرمایا ہے لیکن میرا یہ خیال نہیں تھا کہ ان کا مجموعہ عقلی فیصلہ بن جاتا ہے جس کا انکار ریاضی کے صحیح فارمولہ کے انکار کے برابر شمار ہوتا ہے۔

الشیخ: حیران! تم نے کتنی مرتبہ قرآن پڑھا ہے؟

حیران: میرا خیال ہے کہ میں نے دس مرتبہ سے زیادہ بار پڑھا ہے۔

الشیخ: کیا تمہیں اپنے ابا کا خواب میں یہ فرمان یاد نہیں ''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

حیران: مجھے یاد ہے' میں بھولا نہیں۔

الشیخ: کیا تمہارے دل میں یہ خیال گزرا کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں گہرا غور کرو ''انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العُلمآءُ'' (الفاطر ۳۵: ۲۸) (حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں) تاکہ تمہیں ادراک حاصل ہو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے خشیت کو علماء میں محصور کر دیا ہے۔ اور اس سے اس کی مراد اسرار وجود اور اسرار تخلیق کے علماء سے ہے جیسا کہ ابن رشد اور ابحسر' نے کہا ہے۔

حیران: میں نے اس آیت کے بارے میں پوچھا تھا تو مجھے بتایا گیا تھا کہ اس سے مراد علماء دین ہیں۔

الشیخ: کیا علماء دین کے بارے میں یہی فرض کر لیا گیا ہے کہ ان کا علم فقہ کے اصطلاحی معانی تک محدود ہو جس سے مراد عبادات و معاملات کے احکام کا استنباط ہے اور وہ علم و فلسفہ کے طریقہ سے وجود اور تخلیق کے اسرار سے ناواقف ہوں؟ ہرگز نہیں اے حیران! فقہ تو ہر شے کا ''فہم'' ہے اور دین کے اسرار' حکمتوں اور اس کی صحت کا فہم ہے۔ سب سے پہلے ہمارے لیے واجب ہے کہ ہم کلام اللہ کا فہم حاصل کریں اور ہر اس شے جس کا کلام اللہ سے فہم حاصل کرنا واجب ہے وہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر اور اس کے الخالق' العلیم' القادر' المرید' الباری' المصور' الحکیم ہونے پر دلالت کرنے والی آیات ہیں اور ان آیات کی تفسیر کامل نہیں ہو سکتی الا یہ کہ ہم کائنات میں موجود خلقت' نظام' احکام اور اتقان کے اسرار سے واقف ہو جائیں اور انہی لوگوں میں علماء دین اسرار علم سے آگاہی حاصل کرنے کے سب سے زیادہ

ذمہ دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (اس سے مراد خشیت کاملہ ہے) میں وارد حصر ان پر صادق نہیں آتا الا یہ کہ وہ وجود اور خلقت کے سربستہ متعلق کائنات کے علوم جن کی طرف قرآن نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے اور بعض کا ذکر فرمایا ہے عارف ہوں کیونکہ سیاق کلام میں یہ آیات عبادات' معاملات یا اخلاق کے متعلق وارد نہیں ہوئیں بلکہ وہ بارش کے برسنے اور انواع والوان کے اختلاف کے ساتھ نباتات وحیوانات کی خلقت میں کارفرما اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت پر دلالت کے سیاق میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ عظیم قدرت کے مالک اللہ نے ارشاد فرمایا

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر ۳۵: ۲۷-۲۸)

حیران بلاشبہ آیت کی مراد وہ علماء ہیں جو خلقت اور اس کے فطری قوانین سے آگاہ ہیں

الشیخ قرآن میں وارد شدہ اللہ تعالیٰ کے وجود' اس کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلالت کرنے والے براہین کے کامل فہم کے لیے تین امور کی ضرورت ہے

( ) ان تمام آیات کا ایک سلسلہ میں جمع کرنا تاکہ وہ بوقت تقابل چشم سر اور چشم بصیرت کے احاطہ میں ہوں — اور انہیں قرآن کے وسیع سمندر سے تلاش کرنے میں فکر منتشر نہ ہونے پائے۔

(ب) ان آیات میں موجود براہین کے استنباط اور ان میں موجود منکرین کی تردید کے لیے علم و فلسفہ کی روشنی میں ان کے درس میں رغبت صادق۔

(ج) کسی بھی دینی یا فلسفیانہ رائے کے اندھے تعصب سے آزادی۔

حیران میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ قرآن نے کسی شے کو بھی شمار کیے بغیر نہیں چھوڑا۔

الشیخ ہرگز نہیں اے حیران! ہرگز نہیں — وہ لوگ جو ایسا کہتے ہیں وہ نہ علماء ہیں نہ عاقل اور نہ ذکی — قرآن کوئی سائنس کا انسائیکلوپیڈیا نہیں ہے — اور نہ اس کا مقصد لوگوں کو تعلیم کے باب میں کائنات کے علوم بتانا ہے۔ لیکن اس میں وہ آیات جو کائنات کے حقائق کی

طرف اشارہ کرتی ہیں جنہیں سائنس نے دریافت کیا ہے وہ صرف کائنات کی تخلیق میں ارادہ' قدرت' علم' حکمت' مہارت' اور توازن کے آثار سے آگاہ کرنے کے مقصد کے ساتھ وارد ہوئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی اور اتفاق (امصادفہ) کے ساتھ تکوین (تخلیق کائنات) کی نفی کرنے والی ہیں۔ ان سے کائنات کے علوم کا بیان مراد نہیں کیونکہ قرآن نے بشر سے بشر کی زبان میں خطاب کیا ہے اور اللہ کی حکمت اس سے برتر ہے کہ وہ بندوں سے ان امور میں خطاب فرمائے جن کے اسرار تو کجا وہ ان کے ناموں سے بھی واقف نہیں۔ لیکن اس نے اپنے وجود' اپنی قدرت' اپنی ارادت' اپنے علم' اپنی حکمت کی طرف ایسے عجیب بیان کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے کہ جس کے ظاہر کو ساتویں صدی عیسوی کا ایک سادہ لوح بدوی بھی سمجھتا تھا اور بیسویں صدی کا ایک صاحب علم بھی اس کے اسرار کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور اس میں اعجاز قرآن جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ صرف اس کی بلاغت میں نہیں' جیسا کہ پہلے بات ہو چکی ہے بلاغت وفصاحت کے اعجاز کو تو صرف عرب ہی سمجھتا ہے حالانکہ قرآن تو تمام انسانیت سے مخاطب ہے اور قرآن کے اعجاز کی اس مثال کی طرف اس علیم وحکیم ہستی نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے

﴿سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾

(حم السجدہ ۴۱: ۵۳)

"عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔"

اللہ سبحانہ نے کیے بعد دیگرے زمانے میں آسمانوں اور زمین کی وسعتوں میں بھی اور بندوں کے اپنے نفسوں میں بھی انہیں اپنی آیات دکھائی ہیں جیسا کہ اس نے ان سے وعدہ فرمایا تھا تاکہ انہیں واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔ اور اہل مغرب نے اس موضوع پر ضخیم تالیفات کی ہیں لیکن ہم مسلمانوں نے جن پر علم (سائنس) کے طریقہ سے ان آیات کے بیشتر حصہ کے انکشاف میں سبقت وفضیلت حاصل تھی اپنے آپ کو ان علماء کی اس رائے میں محدود کر لیا ہے کہ قرآن نے یہ وعدہ چودہ سو سال قبل زیادہ تر اللہ کے وجود' اس کی وحدانیت' اس کی قدرت' اس کی حکمت کے

دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا تھا

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی آیات منقسم دکھائی دیتی ہیں' دعوت الی اللہ اور اس کے وجود اس کی وحدانیت اس کے علم اس کی قدرت' اس کی ارادت' اس کی تدبیر اس کی رحمت اس کے کمال کی جملہ صفات اور اس کی اطاعت کی ترغیب میں وعدہ وعید اور اس کی معصیت سے تحذیر اور بعث وجزاء کے دن پر زور اور عبادات ومعاملات میں احکام اور زندگی کی حکمت عملی اور حسن اخلاق کی ترغیب اور ان چھ اقسام کی طرف ترغیب دینے والے بیتے ہوئے قصوں کے مابین لیکن ان اقسام میں سے اہم ترین اور اللہ کے نزدیک عظیم ترین قسم اول ہے کیونکہ ایمان باللہ اپنے ماسوا سب کچھ کی اصل اور بنیاد ہے- اور اس لیے تم دیکھو گے اور قرآن تم پڑھتے ہی ہو کہ قرآن کی سورتوں میں سے کوئی سورت بھی اللہ تعالیٰ پر دلالت کرنے والی آیات سے خالی نہیں بلکہ بعض اوقات ایک ہی سورت میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے-

حیران بن الاضعف کہتے ہیں اس مرحلہ پر شیخ نے وہ رجسٹر مجھے تھما دیا جس میں آیات تحریر فرما رہے تھے اور کہا

الشیخ اے حیران' یہ وہ رجسٹر ہے جس میں میں نے تمہارے لیے ترتیب نزول کے لحاظ سے قرآن حکیم کی بیشتر ان آیات کو جمع کر دیا ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے وجود پر اور اس پر کہ وہ خالق' الباری' المصور' العلیم' القادر' الحکیم ہے براہین قائم فرمائے اور ان میں سبحانہ وتعالیٰ نے زیادہ تر اشارہ اپنی قدرت اور اپنی حکمت کی طرف فرمایا ہے جو آسمانوں اور زمین کی خلقت اور سورج' چاند' کواکب' نجوم' رات' دن' ہواؤں' بارشوں' پہاڑوں' دریاؤں' سمندروں' نباتات' حیوان' انسان' سماعت' بصارت' قلوب اور قوانین و نوامیس جن پر یہ مخلوقات مشتمل ہیں کہ خلقت میں قصد' نظام محکمی' مہارت تقدیر اور توازن پر دلالت کرتی ہیں-

اے حیران' آپ ان آیات کو پڑھیں اور انہیں عبارت واحدہ تصور کریں اور پھر وجود اور خلقت کے اسرار میں سے سائنس کے انکشافات کی روشنی میں ان کا مطالعہ کریں-

حیران استاد محترم نے آیات کا ترتیب نزول کے ساتھ حوالہ دینا کیوں اختیار کیا ہے اور ان کا حوالہ سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے کیوں نہیں دیا؟

الشیخ اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ تم خود اس زمانے میں بعض رہنے والوں کا تصور کرو جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا تاکہ تم دیکھو کہ ان تو ں سے مخاطب اللہ تعالیٰ پر دلالت کرنے والے براہین کے ساتھ کس طرح وحی مسلسل آ رہی تھی' کس طرح ہدایت مسلسل نازل ہو رہی تھی- تاکہ ان آیات کی تلاوت تیرے دل میں گہرا اثر کرے اور ہدایت کریمہ کے اسلوب کی تفہیم تمہیں حاصل ہو جائے جس کو قرآن نے اختیار کیا ہے-

حیران بن الاضعف کہتے ہیں کہ شیخ نے رجسٹر میری طرف کیا اور کہا پڑھو اور مجھے سناؤ چنانچہ میں نے درج ذیل آیات پڑھیں

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق ۹۶: ۱-۵)

''پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا' جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی- پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے- جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا' انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا-''

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۝ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ﴾ (اعلیٰ ۸۷: ۱-۵)

''اپنے رب برتر کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا' جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی' جس نے نباتات اگائیں پھر ان کو سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا''-

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (اخلاص ۱۱۲: ۱-۴)

''کہو وہ اللہ ہے' یکتا- اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں- نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد- اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے-''

﴿قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۝ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۝ مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ۝ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ﴾ (عبس ۸۰: ۱۷-۲۰)

''لعنت ہو انسان پر کیسا سخت منکر حق ہے یہ۔ کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے؟ نطفہ کی ایک بوند سے۔ اللہ نے اسے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کی پھر اس کے لیے زندگی کی راہ آسان کی''۔

﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾ (عبس ۸۰: ۲۴-۳۱)

''پھر ذرا انسان اپنی خوراک کو دیکھے۔ ہم نے خوب پانی لنڈھایا' پھر زمین کو عجیب طرح سے پھاڑا' پھر اس کے اندر اگائے غلے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور طرح طرح کے پھل اور چارے''۔

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ۝ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ۝ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ۝ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ۝ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا﴾ (الشمس ۹۱: ۱-۷)

''سورج اور اس کی دھوپ کی قسم اور چاند کی قسم جب کہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے اور دن کی قسم جب کہ وہ (سورج کو) نمایاں کر دیتا ہے اور رات کی قسم جب کہ وہ (سورج کو) ڈھانک لیتی ہے اور آسمان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے قائم کیا' اور زمین اور اس ذات کی جس نے اسے بچھایا اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا''۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (التین ۹۵: ۴)

''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے''۔

﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَىٰ ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ﴾ (القیامۃ ۷۵: ۳۶-۳۹)

''کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا' پھر اللہ نے اس کا جسم

بنایا اور اس کے اعضا درست کیے پھر اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں''۔

﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۝ فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا ۝ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا ۝ فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا أَوْ نُذْرًا﴾ (المرسلات ۷۷: ۱-۶)

''قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں' پھر طوفانی رفتار سے چلتی ہیں اور (بادلوں کو) اٹھا کر پھیلاتی ہیں' پھر (ان کو) پھاڑ کر جدا کرتی ہیں' پھر (دلوں میں خدا کی) یاد ڈالتی ہیں عذر کے طور پر یا ڈراوے کے طور پر''۔

﴿أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ إِلَىٰ قَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۝ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۝ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا ۝ وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ (المرسلات ۷۷: ۱۹-۲۸)

''کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تمہیں پیدا نہیں کیا اور ایک مقررہ مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ ٹھہرائے رکھا؟ تو دیکھو ہم اس پر قادر تھے پس ہم بہت اچھی قدرت رکھنے والے ہیں۔ تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا' زندوں کے لیے بھی اور مردوں کے لیے بھی اور اس میں بلند و بالا پہاڑ جمائے اور تمہیں میٹھا پانی پلایا' تباہی ہے اس روز جھٹلانے والوں کے لیے''۔

﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ۝ رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ﴾ (ق ۵۰: ۶-۱۱)

''اچھا' تو کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے

اسے بنایا اور آراستہ کیا اور اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے- اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اگا دیں- یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کے لیے جو (حق کی طرف) رجوع کرنے والا ہو- اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا پھر اس سے باغ اور فصل کے غلے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کر دیے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہ در تہ لگتے ہیں- یہ انتظام ہے بندوں کو رزق دینے کا- اس پانی سے ہم ایک مردہ زمین کو زندگی بخش دیتے ہیں- (مرے ہوئے انسانوں کا زمین سے) نکلنا بھی اسی طرح ہوگا-"

﴿أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ○ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ○ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد ۹۰: ۸-۱۰)

"کیا ہم نے اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟ اور (نیکی اور بدی کے) دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھا دیے؟"-

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القمر ۵۴: ۴۹)

"ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے"-

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (الاعراف ۷: ۵۴)

"درحقیقت تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا' پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا- وہ رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے- جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کیے سب اس کے فرمان کے تابع ہیں- خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے- بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک و پروردگار"-

﴿وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّى إِذَا أَقَلَّتْ

سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (الاعراف ۷: ۵۷)

"اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لیے ہوئے بھیجتا ہے پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھا لاتی ہیں تو انہیں کسی مردہ سرزمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں مینہ برسا کر (اسی مری ہوئی زمین سے) طرح طرح کے پھل نکال لاتا ہے- دیکھو اس طرح ہم مردوں کو حالت موت سے نکالتے ہیں شاید کہ تم اس مشاہدے سے سبق لو-"

﴿أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الاعراف ۷: ۱۸۵)

"کیا ان لوگوں نے آسمانوں و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا؟"

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ (الاعراف ۷: ۱۸۹)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے-"

﴿أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾ (الاعراف ۷: ۱۹۱)

"یہ لوگ ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں-"

﴿وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ○ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ○ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ○ سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ○ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ○ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى

عاد کالعرجون القدیم ۝ لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر و لا الیل سابق النهار و کل فی فلک یسبحون﴾ (یسین ۳۶ ۳۳-۴۰)

''ان لوگوں کے لیے بے جان زمین ایک نشانی ہے۔ ہم نے اس کو زندگی بخشی اور اس سے غلہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں۔ ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس کے اندر سے چشمے پھوڑ نکالے تاکہ یہ اس کے پھل کھائیں۔ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ پھر کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟ پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں۔ ان کے لیے ایک اور نشانی رات ہے' ہم اس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج' وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے۔ اور چاند' اس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔''

﴿او لم یروا انا خلقنا لهم مما عملت ایدینا انعاما فهم لها مالکون ۝ و ذللناها لهم فمنها رکوبهم و منها یاکلون ۝ و لهم فیها منافع و مشارب افلا یشکرون﴾ (یسین ۳۶ ۷۱-۷۳)

''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے ہیں اور اب یہ ان کے مالک ہیں۔ ہم نے انہیں اس طرح ان کے بس میں کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی پر یہ سوار ہوتے ہیں' کسی کا یہ گوشت کھاتے ہیں اور ان کے اندر ان کے لیے طرح طرح کے فوائد اور مشروبات ہیں۔ پھر کیا یہ شکر گزار نہیں ہوتے۔''

﴿او لم یر الانسان انا خلقناه من نطفة فاذا هو خصیم مبین ۝ و ضرب لنا مثلا و نسی خلقه قال من یحی العظام و هی رمیم ۝ قل یحییها

الذی انشاها اول مرة و هو بکل خلق علیم ۝ الذی جعل لکم من الشجر الاخضر نارا فاذا انتم منه توقدون ۝ او لیس الذی خلق السماوات و الارض بقادر علی ان یخلق مثلهم بلی و هو الخلاق العلیم﴾ (یسین ۳۶ ۷۷-۸۰)

''کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا؟ اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے' کہتا ہے ''کون ان ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہوں؟'' اس سے کہو' انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا' اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے اپنے چولہے روشن کرتے ہیں۔ کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں' جب کہ وہ ماہر خلاق ہے۔''

﴿و خلق کل شیء و قدره تقدیرا﴾ (الفرقان ۲۵ ۲)

''جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔''

﴿الم تر الی ربک کیف مد الظل و لو شاء لجعله ساکنا ثم جعلنا الشمس علیه دلیلا ۝ ثم قبضناه الینا قبضا یسیرا ۝ و هو الذی جعل لکم الیل لباسا و النوم سباتا و جعل النهار نشورا ۝ و هو الذی ارسل الریاح بشرا بین یدی رحمته و انزلنا من السماء ماء طهورا ۝ لنحیی به بلدة میتا و نسقیه مما خلقنا انعاما و اناسی کثیرا ۝ و لقد صرفناه بینهم لیذکروا فابی اکثر الناس الا کفورا﴾ (الفرقان ۲۵ ۴۵-۵۰)

''تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے دائمی سایہ بنا دیتا۔ ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا' پھر (جیسے جیسے سورج اٹھتا جاتا ہے) ہم اس سائے کو رفتہ رفتہ اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس' اور نیند کو سکون موت' اور دن کو جی اٹھنے کا وقت

بنایا- اور وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے' پھر آسمان سے پاک پانی نازل کرتا ہے تا کہ ایک مردہ علاقے کو اس کے ذریعے زندگی بخشے اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کرے- اس کرشمے کو ہم بار بار ان کے سامنے لاتے ہیں تا کہ وہ کچھ سبق لیں' مگر اکثر لوگ کفر اور ناشکری کے سوا کوئی دوسرا رویہ اختیار کرنے سے انکار کر دیتے ہیں-

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَّ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا﴾ (الفرقان ۲۵: ۵۳، ۵۴)

"اور وہی ہے جس نے سمندروں کو ملا رکھا ہے- ایک لذیذ و شیریں' دوسرا تلخ و شور اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے- ایک رکاوٹ ہے جو انہیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر پیدا کیا پھر اس سے نسب اور سسرال کے دو الگ سلسلے چلائے- تیرا رب بڑا ہی قدرت والا ہے"-

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ○ وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا﴾ (الفرقان ۲۵: ۶۱–۶۲)

"بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا' ہر اس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے یا شکر گزار ہونا چاہے-"

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ (الفاطر ۳۵: ۳)

"لوگو! تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انہیں یاد رکھو- کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ کوئی معبود اس کے سوا نہیں' آخر تم کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہو-"

﴿وَ اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ﴾ (الفاطر ۳۵: ۹)

"وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں' پھر ہم اسے ایک اجاڑ علاقے کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعے سے اسی زمین کو جلا اٹھاتے ہیں جو مری پڑی تھی- مرے ہوئے انسانوں کا جی اٹھنا بھی اسی طرح ہوگا-"

﴿وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ وَ مَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ○ وَ مَا یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآىٕغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ فِیْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ﴾ (الفاطر ۳۵: ۱۱–۱۳)

"اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے' پھر تمہارے جوڑے بنا دیے (یعنی مرد اور عورت) کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور نہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے- کوئی عمر پانے والا عمر نہیں پاتا اور نہ کسی کی عمر میں کچھ کمی ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا ہوتا ہے- اللہ کے لیے یہ بہت آسان کام ہے- اور پانی کے دونوں ذخیرے یکساں نہیں ہیں- ایک میٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے' پینے میں خوشگوار اور دوسرا سخت کھاری کہ حلق چھیل دے- مگر دونوں سے تم تر و تازہ گوشت حاصل کرتے ہو' پہننے کے لیے زینت کا سامان نکالتے ہو' اور اسی پانی میں تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس کا سینہ چیرتی چلی جا رہی ہیں' تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو- وہ دن کے اندر رات اور رات کے اندر دن کو پروتا ہوا لے آتا ہے- چاند اور سورج کو اس نے مسخر کر رکھا ہے- یہ سب کچھ ایک وقت مقرر تک چلے جا رہا ہے- وہی اللہ (جس کے یہ سارے کام ہیں) تمہارا رب ہے- بادشاہی اسی کی ہے' اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں ہیں"

﴿الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا و من الجبال جدد بیض و حمر مختلف الوانہا و غرابیب سود ○ و من الناس و الدوآب و الانعام مختلف الوانہ کذلک انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء ان اللہ عزیز غفور﴾ (الفاطر ۳۵: ۲۷-۲۸)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں۔ جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں پہاڑوں میں بھی سفید سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں۔ جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے"

﴿ان اللہ یمسک السموات و الارض ان تزولا و لئن زالتا ان امسکہما من احد من بعدہ انہ کان حلیما غفورا﴾ (الفاطر ۳۵: ۴۱)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے بعد کوئی دوسرا انہیں تھامنے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ بڑا حلیم اور درگزر فرمانے والا ہے۔"

﴿اولا یذکر الانسان انا خلقناہ من قبل و لم یک شیئا﴾ (مریم ۱۹: ۶۷)

"کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جب کہ وہ کچھ نہ تھا۔"

﴿قال فمن ربکما یا موسی ○ قال ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی ○ قال فما بال القرون الاولی ○ قال علمہا عند ربی فی کتب لا یضل ربی و لا ینسی ○ الذی جعل لکم الارض مھدا و سلک لکم فیھا سبلا و انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ازواجا من نبات شتی ○ کلوا وارعوا انعامکم ان فی ذلک لایت لاولی النھی﴾ (طہ ۲۰: ۴۹-۵۴)

"(فرعون نے کہا) "اچھا تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ" موسیٰ نے جواب دیا "ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی پھر اس کو راستہ بتایا" فرعون بولا "اور پہلے جو نسلیں گزر چکی ہیں ان کی پھر کیا حالت تھی" موسیٰ نے کہا "اس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے" وہی جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار نکالی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے۔"

﴿نحن خلقنکم فلولا تصدقون ○ افرءیتم ما تمنون ○ ءانتم تخلقونہ ام نحن الخالقون﴾ (الواقعہ ۵۶: ۵۷-۵۹)

"ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر کیوں تصدیق نہیں کرتے؟ کبھی تم نے غور کیا یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں؟"

﴿افرءیتم الماء الذی تشربون ○ ءانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون ○ لو نشاء جعلنہ اجاجا فلولا تشکرون ○ افرءیتم النار التی تورون ○ ءانتم انشاتم شجرتہا ام نحن المنشئون ○ نحن جعلنہا تذکرۃ و متاعا للمقوین ○ فسبح باسم ربک العظیم ○ فلا اقسم بمواقع النجوم ○ و انہ لقسم لو تعلمون عظیم﴾ (الواقعہ ۵۶: ۶۸-۷۶)

"کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا یہ پانی جو تم پیتے ہو اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے؟ کبھی تم نے خیال کیا یہ آگ جو تم سلگاتے ہو اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دہانی کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لیے سامان زیست بنایا ہے۔ پس اے نبی اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔ پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے مواقع کی۔"

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الْاَرْضِ کَمْ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ ○ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ (الشعراء ۲۶،۷-۸)

''اور کیا انہوں نے کبھی زمین پر نگاہ نہیں ڈالی کہ ہم نے کتنی کثیر مقدار میں ہر طرح کی عمدہ نباتات اس میں پیدا کی ہیں؟ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔''

﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ○ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (النمل ۲۷،۶۰-۶۱)

''بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے وہ خوش نما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ (نہیں) بلکہ یہی لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جا رہے ہیں۔ اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ نہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں''۔

﴿اَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّیْلَ لِیَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (النمل ۲۷،۸۶)

''کیا ان کو سجھائی نہیں دیتا کہ ہم نے رات ان کے لیے سکون حاصل کرنے کو بنائی اور دن کو روشن کیا؟ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔''

﴿وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (النمل ۲۷،۸۸)

آج تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خوب جمے ہوئے ہیں مگر اس وقت یہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہوں گے' یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہوگا جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تم لوگ کیا کرتے ہو''۔

﴿وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ﴾ (القصص ۲۸،۶۸)

''تیرا رب پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور (وہ خود ہی اپنے کام کے لیے جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے۔''

﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْکُمْ بِلَیْلٍ تَسْکُنُوْنَ فِیْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾ (القصص ۲۸،۷۱-۷۳)

''اے نبیؐ! ان سے کہو کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ ان سے پوچھو' کبھی تم نے سوچا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے دن طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں رات لا دے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کر سکو؟ کیا تم کو سوجھتا نہیں؟ یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم (رات میں) سکون حاصل کرو اور (دن کو) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ شاید کہ تم شکر گزار بنو۔''

﴿وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ وَکُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل ۱۷،۱۲)

''دیکھو' ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے۔ رات کی نشانی کو ہم نے بے نور بنایا' اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور ماہ و سال کا حساب معلوم کر سکو۔ اس طرح ہم نے ہر چیز کو الگ الگ ممیز کر کے رکھا ہے۔''

﴿رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا﴾ (بنی اسرائیل ۱۷: ۶۶)

"تمہارا (حقیقی) رب تو وہ ہے جو سمندر میں تمہاری کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارے حال پر نہایت مہربان ہے"۔

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۰)

"یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی"

﴿وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ (بنی اسرائیل ۱۷: ۸۵)

"یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں' کہو' یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے"

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ﴾ (یونس ۱۰: ۵-۶)

"وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کر دیں تاکہ تم اس سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ برحق ہی پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ یقیناً رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور ہر اس چیز میں جو اللہ نے زمین اور آسمانوں میں پیدا کی ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (غلط بینی و غلط روی سے) بچنا چاہتے ہیں"۔

﴿قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ مَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾ (یونس ۱۰: ۳۱-۳۲)

"ان سے پوچھو کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظام عالم کی تدبیر کر رہا ہے وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ کہو پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں کرتے؟ تب تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ آخر یہ تم کدھر پھرے جا رہے ہو؟"۔

﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ قُلِ اللّٰهُ یَهْدِیْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ وَ مَا یَتَّبِـعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ﴾ (یونس ۱۰: ۳۴-۳۶)

"ان سے پوچھو' تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو تخلیق کی ابتداء بھی کرتا ہو اور پھر اس کا اعادہ بھی کرے؟ کہو وہ صرف اللہ ہے جو تخلیق کی ابتداء بھی کرتا ہے اور اس کا اعادہ بھی' پھر تم یہ کس الٹی راہ پر چلے جا رہے ہو؟ ان سے پوچھو تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟ کہو وہ صرف اللہ ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پھر بتاؤ' جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا اِلا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟ آخر تمہیں ہو کیا گیا ہے' کیسے الٹے الٹے فیصلے کرتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ محض قیاس و گمان کے پیچھے چلے جا

رہے ہیں' حالانکہ گمان حق کی ضرورت کو کچھ بھی پورا نہیں کرتا- جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے-"

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ﴾ (یونس ۱۰:۶۷)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا' اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (کھلے کانوں سے پیغمبر کی دعوت کو) سنتے ہیں-"

﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ﴾ (یونس ۱۰:۱۰۱)

"ان سے کہو: زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو اور جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ان کے لیے نشانیاں اور تنبیہات آخر کیا مفید ہو سکتی ہیں؟"

﴿وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَیَـٔوْسٌ كَفُوْرٌ﴾ (ھود ۱۱:۹)

"اگر کبھی ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ مایوس ہوتا ہے اور ناشکری کرنے لگتا ہے-"

﴿وَ كَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ (یوسف ۱۲:۱۰۵)

"زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے"-

﴿وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ ○ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ وَ اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ○ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ﴾ (الحجر ۱۵:۱۹-۲۳)

"ہم نے زمین کو پھیلایا' اس میں پہاڑ جمائے' اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی' اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے' تمہارے لیے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو- کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں' اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں- بارآور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں' پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں اس دولت کے خزانہ دار تم نہیں ہو- زندگی اور موت ہم دیتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہونے والے ہیں-"

﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾ (الحجر ۱۵:۲۶)

"ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا-"

﴿وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (حجر ۱۵:۸۵)

"ہم نے زمین و آسمانوں کو اور ان کی سب موجودات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر خلق نہیں کیا ہے-"

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ○ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ﴾ (الانعام ۶:۱-۲)

"تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے' روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں- پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے دعوت حق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہرا رہے ہیں- وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی' اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے' مگر تم لوگ ہو کہ شک میں پڑے ہوئے ہو-"

﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾

(الانعام ۶: ۳۸)

"زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں"

﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الانعام ۶: ۷۵-۷۹)

"ابراہیم کو ہم اسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولا ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا رب۔ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیم پکار اٹھا اے برادران قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (الانعام ۶: ۹۵ – ۹۸)

دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا اللہ ہے۔ وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے خارج کرنے والا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے پھر کدھر بہکے چلے جا رہے ہو۔ پردۂ شب کو چاک کر کے وہی صبح نکالتا ہے۔ اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے۔ اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے تاروں کو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا۔ دیکھو ہم نے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور وہی ہے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا۔ پھر ہر ایک کے لیے ایک جائے قرار ہے اور ایک اس کے سونپے جانے کی جگہ ہے۔ یہ نشانیاں ہم نے واضح کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے پھر ان سے تہ بر تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں اور انگور زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں۔ پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔"

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ

شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ○ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ (الانعام ۶:۱۰۲-۱۰۳)

"یہ ہے اللہ تمہارا رب کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے ہر چیز کا خالق لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو وہ ہر چیز کا کفیل ہے۔ نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔"

﴿وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُکُلُهٗ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ کُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ○ وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴾ (الانعام ۶:۱۴۱-۱۴۲)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور تاکستان اور نخلستان پیدا کیے کھیتیاں اگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں زیتون اور انار کے درخت پیدا کیے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ کھاؤ ان کی پیداوار جب کہ یہ پھلیں اور اللہ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر وہی ہے جس نے مویشیوں میں سے وہ جانور پیدا کیے جن سے سواری و باربرداری کا کام لیا جاتا ہے اور وہ بھی جو کھانے اور بچھانے کے کام آتے ہیں کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تمہیں بخشی ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ﴾ (الصافات ۳۷:۱۱)

"اب ان سے پوچھو ان کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا ان چیزوں کی جو ہم نے پیدا کر رکھی ہیں۔ ان کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا۔"

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ

تَمِیْدَ بِکُمْ وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ کُلِّ دَآبَّةٍ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ ○ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ (لقمان ۳۱:۱۰-۱۱)

"اس نے آسمانوں کو پیدا کیا بغیر ستونوں کے جو تم کو نظر آئیں۔ اس نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اس نے ہر طرح کے جانور زمین میں پھیلا دیے اور آسمان سے پانی برسایا اور زمین میں قسم قسم کی عمدہ چیزیں اگا دیں یہ تو ہے اللہ کی تخلیق اب ذرا مجھے دکھاؤ ان دوسروں نے کیا پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًی وَّ لَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ﴾ (لقمان ۳۱:۲۰)

"کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں؟ اس پر حال یہ ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس علم ہو یا ہدایت یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب۔"

﴿وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ﴾ (لقمان ۳۱:۲۷)

"زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائے) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی۔ بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔"

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْکَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ

لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾
(لقمان ۳۱: ۲۹-۳۰)

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں؟ اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے، سب ایک وقت مقررہ تک چلے جا رہے ہیں اور (کیا تم نہیں جانتے) کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اسے چھوڑ کر جن دوسری چیزوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور (اس وجہ سے کہ) اللہ ہی بزرگ و برتر ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ کشتی سمندر میں اللہ کے فضل سے چلتی ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائے؟ درحقیقت اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو۔''

﴿وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (سبا ۳۴: ۶)

''اے نبیؐ! علم رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ سراسر حق ہے اور خدائے عزیز و حمید کا راستہ دکھاتا ہے۔''

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ﴾ (الزمر ۳۹: ۵-۶)

''اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔ اسی نے سورج اور چاند کو اس طرح مسخر کر رکھا ہے کہ ہر ایک ایک وقت مقررہ تک چلا جا رہا ہے۔ جان رکھو وہ زبردست ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔ اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا۔

اسی نے تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے۔ وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں کے اندر تمہیں تین تاریک پردوں میں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔ یہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے، کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو؟''

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (الزمر ۳۹: ۲۱)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کو سوتوں اور چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا، پھر اس پانی کے ذریعہ سے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں، پھر وہ کھیتیاں پک کر سوکھ جاتی ہیں پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئیں، پھر آخر کار اللہ ان کو بھس بنا دیتا ہے۔ درحقیقت اس میں ایک سبق ہے عقل رکھنے والوں کے لیے۔''

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ (الزمر ۳۹: ۶۲-۶۴)

''اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔ زمین اور آسمانوں کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔ (اے نبیؐ) ان سے کہو پھر اے جاہلو تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کے لیے مجھ سے کہتے ہو؟''

﴿هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ﴾ (المومن ۴۰: ۱۳)

''وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے رزق نازل کرتا ہے مگر (ان نشانیوں کے مشاہدے سے) سبق صرف وہی شخص لیتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔''

﴿اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیہ و النھار مبصرا ان اللہ لذو فضل علی الناس و لکن اکثر الناس لا یشکرون ○ ذلکم اللہ ربکم خالق کل شیء لا الہ الا ھو فانی تؤفکون ○ کذلک یؤفک الذین کانوا بایات اللہ یجحدون ○ اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا و السماء بناء و صورکم فاحسن صورکم و رزقکم من الطیبات ذلکم اللہ ربکم فتبرک اللہ رب العالمین﴾ (المومن ۴۰: ۶۱–۶۴)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ وہی اللہ (جس نے تمہارے لیے یہ کچھ کیا ہے) تمہارا رب ہے۔ ہر چیز کا خالق۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کدھر سے بہکائے جا رہے ہو؟ اسی طرح وہ سب لوگ بہکائے جاتے رہے ہیں جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور اوپر آسمان کا گنبد بنا دیا۔ جس نے تمہاری صورت بنائی اور بڑی ہی عمدہ بنائی۔ جس نے تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا۔ وہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمہارا رب ہے۔ بے حساب برکتوں والا ہے وہ کائنات کا رب۔"

﴿ھو الذی خلقکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم یخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ثم لتکونوا شیوخا و منکم من یتوفی من قبل و لتبلغوا اجلا مسمی و لعلکم تعقلون ○ ھو الذی یحیی و یمیت فاذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون﴾ (المومن ۴۰: ۶۷–۶۸)

"وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے، پھر تمہیں بڑھاتا ہے تاکہ تم اپنی پوری طاقت کو پہنچ جاؤ، پھر اور بڑھاتا ہے تاکہ تم بڑھاپے کو پہنچو۔ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ تم اپنے مقررہ وقت تک پہنچ جاؤ اور اس لیے کہ تم حقیقت کو سمجھو۔ وہی ہے زندگی دینے والا اور وہی موت دینے والا ہے۔ وہ

جس بات کا بھی فیصلہ کرتا ہے بس ایک حکم دیتا ہے کہ وہ ہو جائے اور وہ ہو جاتی ہے"

﴿اللہ الذی جعل لکم الانعام لترکبوا منھا و منھا تاکلون ○ و لکم فیھا منافع و لتبلغوا علیھا حاجۃ فی صدورکم و علیھا و علی الفلک تحملون ○ و یریکم ایاتہ فای ایات اللہ تنکرون﴾ (المومن ۴۰: ۷۹–۸۱)

"اللہ ہی نے تمہارے لیے یہ مویشی جانور بنائے ہیں تاکہ ان میں سے کسی پر تم سوار ہو اور کسی کا گوشت کھاؤ۔ ان کے اندر تمہارے لیے اور بھی بہت سے منافع ہیں۔ وہ اس کام بھی آتے ہیں کہ تمہارے دلوں میں جہاں جانے کی حاجت ہو وہاں تم ان پر پہنچ سکو۔ ان پر بھی اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو۔ اللہ اپنی یہ نشانیاں تمہیں دکھا رہا ہے۔ آخر تم اس کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے؟"

﴿و من ایتہ الیل و النھار و الشمس و القمر لا تسجدوا للشمس و لا للقمر و اسجدوا للہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون﴾ (فصلت ۴۱: ۳۷)

"اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اگر فی الواقع تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔"

﴿سنریھم ایتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علی کل شیء شھید﴾ (فصلت ۴۱: ۵۳)

"عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے؟"

﴿فاطر السموات و الارض جعل لکم من انفسکم ازواجا و من الانعام ازواجا یذروکم فیہ لیس کمثلہ شیء و ھو السمیع البصیر﴾ (شوریٰ ۴۲: ۱۱)

''آسمانوں اور زمین کا بنانے والا' جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے' اور اسی طرح جانوروں میں سے بھی (انہی کے ہم جنس) جوڑے بنائے' اور اس طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں' وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

﴿و من اٰیاتہ خلق السّماوات و الارض و مابثّ فیھما من دآبّۃ﴾ (شوری ۴۲: ۲۹)

''اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش' اور یہ جاندار مخلوقات جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہیں۔''

﴿و من اٰیاتہ الجوار فی البحر کالاعلام ○ ان یشأ یسکن الرّیح فیظللن رواکد علی ظھرہ انّ فی ذلک لاٰیاتٍ لّکلّ صبّارٍ شکورٍ﴾ (شوری ۴۲: ۳۲-۳۳)

''اس کی نشانیوں میں سے ہیں یہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح نظر آتے ہیں' اللہ جب چاہے ہوا کو ساکن کر دے اور یہ سمندر کی پیٹھ پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں' اس میں بڑی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو کمال درجہ صبر و شکر کرنے والا ہے۔''

﴿و لئن سألتھم مّن خلق السّماوات و الارض لیقولنّ خلقھنّ العزیز العلیم ○ الّذی جعل لکم الارض مھدًا وّ جعل لکم فیھا سبلًا لّعلّکم تھتدون ○ و الّذی نزّل من السّمآء مآءً بقدرٍ فانشرنا بہ بلدۃً مّیتًا کذلک تخرجون ○ و الّذی خلق الازواج کلّھا و جعل لکم مّن الفلک و الانعام ما ترکبون﴾ (زخرف ۹-۱۲)

''اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے کہ انہیں اسی زبردست علیم ہستی نے پیدا کیا ہے۔ وہی نا جس نے تمہارے لیے اس زمین کو گہوارہ بنایا اور اس میں تمہاری خاطر راستے بنا دیے تاکہ تم اپنی منزل مقصود کی راہ پا سکو' جس نے ایک خاص مقدار میں آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے سے

مردہ زمین کو جلا اٹھایا' اسی طرح ایک روز تم زمین سے برآمد کیے جاؤ گے۔ وہی جس نے یہ تمام جوڑے پیدا کیے اور جس نے تمہارے لیے کشتیوں اور جانوروں کو سواری بنایا۔''

﴿انّ فی السّماوات و الارض لاٰیاتٍ لّلمؤمنین ○ وّ فی خلقکم و ما یبثّ من دآبّۃٍ اٰیٰتٌ لّقومٍ یّوقنون ○ و اختلاف الّیل و النّھار و ما انزل اللّٰہ من السّمآء من رّزقٍ فاحیا بہ الارض بعد موتھا و تصریف الرّیاح اٰیاتٌ لّقومٍ یّعقلون ○ تلک اٰیات اللّٰہ نتلوھا علیک بالحقّ فبایّ حدیثٍ بعد اللّٰہ و اٰیاتہ یؤمنون﴾ (الجاثیہ ۴۵: ۳-۶)

''حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں کے لیے اور تمہاری اپنی پیدائش میں' اور ان حیوانات میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے' بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین لانے والے ہیں اور شب و روز کے فرق و اختلاف میں' اور اس رزق میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے پھر اس سے مردہ زمین کو جلا اٹھاتا ہے اور ہواؤں کی گردش میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں ہم تمہارے سامنے ٹھیک ٹھیک بیان کر رہے ہیں۔ اب آخر اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟''

﴿اللّٰہ الّذی سخّر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ و لتبتغوا من فضلہ و لعلّکم تشکرون ○ و سخّر لکم مّا فی السّماوات و ما فی الارض جمیعًا مّنہ انّ فی ذلک لاٰیاتٍ لّقومٍ یّتفکّرون﴾ (الجاثیہ ۴۵: ۱۲-۱۳)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار رہو۔ اس نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا' سب کچھ اپنے پاس سے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔''

﴿ما خلقنا السّماوات و الأرض و ما بینهما الّا بالحق و اجلٍ مُّسمّی و الّذین کفروا عمّا انذروا معرضون ○ قل ارءیتم ما تدعون من دون اللّه ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرکٌ فی السّماوات ایتونی بکتابٍ من قبل هذا او اثارةٍ من العلم ان کنتم صادقین﴾ (احقاف ۴۶: ۳-۴)

"ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدت خاص کے تعین کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ مگر یہ کافر لوگ اس حقیقت سے منہ موڑے ہوئے ہیں جس سے ان کو خبردار کیا گیا ہے۔ اے نبیؐ ان سے کہو "کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا بھی کہ وہ ہستیاں ہیں کیا جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق و تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب یا علم کا کوئی بقیہ (ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ اگر تم سچے ہو"

﴿و فی الارض ایاتٌ للموقنین ○ و فی انفسکم افلا تبصرون﴾ (الذریات ۵۱: ۲۰-۲۱)

"زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے اور خود تمہارے اپنے وجود میں ہیں۔ کیا تم کو سوجھتا نہیں؟"

﴿و السّماء بنینها بایدٍ و انا لموسعون ○ و الارض فرشنها فنعم الماهدون ○ و من کل شیءٍ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون﴾ (الذاریات (الذاریات ۵۱: ۴۷-۴۹)

"آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور ہم اس کی قدرت رکھتے ہیں۔ زمین کو ہم نے بچھایا ہے اور بڑے اچھے ہموار کرنے والے ہیں۔ اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں شاید کہ تم اس سے سبق لو۔"

﴿افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ○ و الی السّماء کیف رفعت ○ و الی الجبال کیف نصبت ○ و الی الارض کیف سطحت ○ فذکر

انّما انت مذکر﴾ (الغاشیہ ۸۸: ۱۷-۲۱)

(یہ لوگ نہیں مانتے) تو کیا اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی؟ اچھا تو (اے نبیؐ نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو۔"

﴿قال له صاحبه و هو یحاوره اکفرت بالّذی خلقک من ترابٍ ثم من نطفةٍ ثم سوّاک رجلا﴾ (الکہف ۱۸: ۳۷)

"اس کے ہمسائے نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا؟"

﴿قل لو کان البحر مدادًا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثله مددًا﴾ (الکہف: ۱۰۹)

"اے نبیؐ کہو اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں، بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔"

﴿خلق السّماوات و الارض بالحق تعالی عمّا یشرکون ○ خلق الانسان من نطفةٍ فاذا هو خصیمٌ مبینٌ ○ و الانعام خلقها لکم فیها دفءٌ و منافع و منها تاکلون ○ و لکم فیها جمالٌ حین تریحون و حین تسرحون ○ و تحمل اثقالکم الی بلدٍ لم تکونوا بالغیه الا بشق الانفس ان ربکم لرءوفٌ رحیمٌ ○ و الخیل و البغال و الحمیر لترکبوها و زینةً و یخلق ما لا تعلمون﴾ (النحل ۱۶: ۳-۸)

"اس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے، وہ بہت بالا و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا اور وہ دیکھتے دیکھتے صریحاً ایک جھگڑالو ہستی بن گیا۔ اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے

پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی' اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لیے جمال ہے جب کہ صبح تم انہیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جب کہ شام انہیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے لیے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تک تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔ اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق بنیں۔ وہ اور بہت سی چیزیں (تمہارے فائدے کے لیے) پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم تک نہیں۔"

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ○ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَ عَلٰمٰتٍ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ○ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ (النحل ۱۶: ۱۰-۲۰)

"وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا' جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعہ سے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اس

نے تمہاری بھلائی کے لیے رات اور دن کو سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب تارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور یہ جو بہت سی رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں' ان میں بھی ضرور نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں۔ وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تا کہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنا کرتے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔ اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تا کہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔ اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔ پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے دونوں یکساں ہیں' کیا تم ہوش میں نہیں آتے؟ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے' حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی درگزر کرنے والا اور رحیم ہے حالانکہ وہ تمہارے کھلے سے بھی واقف ہے اور چھپے سے بھی۔ اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔"

﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (النحل ۱۶: ۴۰)

"ہمیں کسی چیز کو وجود میں لانے کے لیے اس سے زیادہ کچھ کرنا نہیں ہوتا کہ اسے حکم دیں "ہو جا" اور بس وہ ہو جاتی ہے۔"

﴿وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○ وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

لقوم یعقلون ○ و اوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا و من الشجر و مما یعرشون ○ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا یخرج من بطونها شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس ان فی ذلک لایۃ لقوم یتفکرون﴾ (النحل ۱۶: ۶۵-۶۹)

"(تم ہر برسات میں دیکھتے ہو) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور یکا یک مردہ پڑی ہوئی زمین میں اس کی بدولت جان ڈال دی- یقیناً اس میں ایک نشانی ہے سننے والوں کے لیے- اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں یعنی خالص دودھ جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے- (اسی طرح) کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی- یقیناً اس میں ایک نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لیے- اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹہنیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ- اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لیے- یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں-"

﴿و اللہ اخرجکم من بطون امھتکم لا تعلمون شیئا و جعل لکم السمع و الابصار و الافئدۃ لعلکم تشکرون ○ الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ما یمسکھن الا اللہ ان فی ذلک لایات لقوم یؤمنون ○ و اللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا و جعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونھا یوم ظعنکم و یوم اقامتکم و من اصوافھا و اوبارھا و اشعارھا اثاثا و متاعا الی حین ○ و اللہ جعل لکم مما خلق ظلالا و جعل لکم من الجبال اکنانا و جعل لکم سرابیل تقیکم الحر و سرابیل تقیکم باسکم ﴾ (النحل ۱۶: ۷۸-۸۱)

"اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے- اس نے تمہیں کان دیے آنکھیں دیں اور سوچنے والے دل دیے اس لیے کہ تم شکرگزار بنو- کیا ان لوگوں نے کبھی پرندوں کو نہیں دیکھا کہ فضائے آسمانی میں کس طرح مسخر ہیں؟ اللہ کے سوا کس نے ان کو تھام رکھا ہے؟ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں- اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا- اس نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لیے ایسے مکان پیدا کیے جنہیں تم سفر اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو- اس نے جانوروں کے صوف اور اون اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کر دیں جو زندگی کی مدت مقررہ تک تمہارے کام آتی ہیں- اس نے اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں سے تمہارے لیے سائے کا انتظام کیا- پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں اور تمہیں ایسی پوشاکیں بخشیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں اور کچھ دوسری پوشاکیں جو آپس کی جنگ میں تمہاری حفاظت کرتی ہیں-"

﴿وقد خلقکم اطوارا ○ الم تروا کیف خلق اللہ سبع سماوات طباقا ○ و جعل القمر فیھن نورا و جعل الشمس سراجا ○ و اللہ انبتکم من الارض نباتا ○ ثم یعیدکم فیھا و یخرجکم اخراجا ○ و اللہ جعل لکم الارض بساطا ○ لتسلکوا منھا سبلا فجاجا﴾ (نوح ۷۱: ۱۴-۲۰)

"اس نے طرح طرح سے تمہیں بنایا ہے- کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ برتہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا؟ اور اس نے تم کو زمین سے عجیب طرح سے اگایا- پھر وہ تمہیں اس زمین میں واپس لے جائے گا اور اس سے یکایک تم کو نکال کھڑا کرے گا- اللہ نے زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا- تاکہ تم اس کے اندر کھلے راستوں میں چلو-"

﴿افی اللہ شک فاطر السموات و الارض﴾ (ابراھیم ۱۴: ۱۰)

"کیا خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟-"

﴿اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ○ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ○ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ (ابراهیم ۱۴:۲۴–۲۶)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایک بدذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے' اس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے۔"

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ○ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ﴾ (ابراهیم ۱۴:۳۲–۳۳)

"اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔ جس نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کیا۔"

﴿اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ○ وَ جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ○ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ○ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾

(الانبیاء ۲۱:۳۰–۳۳)

"کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے' پھر ہم نے انہیں جدا کیا' اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے؟ اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائیں' اور اس میں کشادہ راہیں بنا دیں' شاید کہ لوگ اپنا راستہ معلوم کریں۔ اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔ مگر یہ ہیں کہ کائنات کی نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا' سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔"

﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ○ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآىِٕقَ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ ○ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ○ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ○ وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ﴾

(المومنون ۲۳:۱۲–۲۲)

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا' پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا' پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی' پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا' پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں' پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا' پھر اسے ایک دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ' سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔ پھر اس کے بعد تم کو ضرور مرنا ہے پھر قیامت کے روز یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے۔ اور تمہارے اوپر ہم نے

سات راستے بنائے تخلیق کے کام سے ہم کچھ نابلد نہ تھے- اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا' ہم اسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں- پھر اس پانی کے ذریعہ سے ہم نے تمہارے لیے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کر دیئے' تمہارے لیے ان باغوں میں بہت لذیذ پھل ہیں اور ان سے تم روزی حاصل کرتے ہو اور وہ درخت بھی ہم نے پیدا کیا جو طور سینا سے نکلتا ہے' تیل بھی لیے ہوئے اگتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن بھی- درحقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق ہے ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اسی میں سے ایک چیز (یعنی دودھ) ہم تمہیں پلاتے ہیں- اور تمہارے لیے ان میں بہت سے دوسرے فائدے بھی ہیں' ان کو تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کیے جاتے ہو''

﴿و هو الذی انشا لکم السمع و الابصار و الافئدۃ قلیلا ما تشکرون ○ و هو الذی ذراکم فی الارض و الیه تحشرون ○ و هو الذی یحیی و یمیت و له اختلاف الیل و النهار افلا تعقلون﴾ (المومنون ۲۳: ۷۸-۸۰)

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دیئے- مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو- وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے- وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے- گردش لیل و نہار اسی کے قبضہ قدرت میں ہے- کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی؟-

﴿الذی احسن کل شیء خلقه و بدا خلق الانسان من طین ○ ثم جعل نسله من سللة من ماء مهین ○ ثم سوٰه و نفخ فیه من روحه و جعل لکم السمع و الابصار و الافئدۃ قلیلا ما تشکرون﴾ (السجدۃ ۳۲: ۷-۹)

'' جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی- اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے- پھر اس کو نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دیئے

آنکھیں دیں اور دل دیئے- تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو-''

﴿اولم یروا انا نسوق الماء الی الارض الجرز فنخرج به زرعا تاکل منه انعامهم و انفسهم افلا یبصرون﴾ (السجدۃ ۳۲: ۲۷)

''اور کیا ان لوگوں نے یہ منظر کبھی نہیں دیکھا کہ ہم بے آب و گیاہ زمین کی طرف پانی بہا لاتے ہیں- اور پھر اسی زمین سے وہ فصل اگاتے ہیں جس سے ان کے جانوروں کو بھی چارہ ملتا ہے اور یہ خود بھی کھاتے ہیں؟ تو کیا انہیں کچھ نہیں سوجھتا ''

﴿ام خلقوا من غیر شیء ام هم الخالقون ○ ام خلقوا السماوات و الارض بل لا یوقنون﴾ (الطور ۵۲: ۳۵-۳۶)

''کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین اور آسمانوں کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے''-

﴿تبارک الذی بیده الملک و هو علی کل شیء قدیر ○ الذی خلق الموت و الحیاة لیبلوکم ایکم احسن عملا و هو العزیز الغفور ○ الذی خلق سبع سموٰت طباقا ما تری فی خلق الرحمٰن من تفوت فارجع البصر هل تری من فطور ○ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا و هو حسیر﴾ (الملک ۶۷: ۱-۴)

''نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی- جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے- تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے- پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ- تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی-''

﴿هو الذی جعل لکم الارض ذلولا﴾ (الملک ۶۷: ۱۵)

''وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے-''

﴿اولم یروا الی الطیر فوقهم صافات و یقبضن ما یمسکهن الا

الرَّحْمٰنُ﴾ (الملک ۶۷-۱۹)

''کیا یہ لوگ اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو پر پھیلائے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے؟ رحمان کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو۔''

﴿قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ (الملک ۶۷:۲۳)

''ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں۔ اور سوچنے سمجھنے والے دل دیئے' مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔''

﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ﴾ (الملک ۶۷:۳۰)

''ان سے کہو کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر تمہارے کنوؤں کا پانی زمین میں اتر جائے تو کون ہے جو اس پانی کی بہتی ہوئی سوتیں تمہیں نکال کر لا دے گا؟''

﴿فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الحاقہ ۶۹:۳۸-۳۹)

''پس نہیں' میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جو تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جو تم نہیں دیکھتے ہو۔''

﴿فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ﴾ (المعارج ۷۰:۴۰)

''پس نہیں' میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی ہم اس پر قادر ہیں''۔

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَّ جَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ۝ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَّ بَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۝ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا﴾ (النبا ۷۸:۶-۱۶)

''کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا' اور تمہیں (مردوں اور عورتوں کے) جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا' اور تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا اور رات کو پردہ پوش اور دن کو معاش کا وقت بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان قائم کیے اور ایک نہایت روشن اور گرم چراغ پیدا کیا اور بادلوں سے لگاتار بارش برسائی تاکہ اس کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گھنے باغ اگائیں''۔

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰىهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۝ وَ اَغْطَشَ لَیْلَهَا وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۝ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ۝ وَ الْجِبَالَ اَرْسٰىهَا﴾ (النازعات ۷۹:۲۷-۳۲)

''کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے اس کو بنایا' اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی پھر اس کا توازن قائم کیا' اور اس کی رات ڈھانکی اور اس کا دن نکالا۔ اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا' اس کے اندر سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا اور پہاڑ اس میں گاڑ دیئے۔''

﴿یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾ (الانفطار ۸۲:۶-۸)

''اے انسان' کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا' تجھے نک سک سے درست کیا' تجھے متناسب بنایا' اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا؟''

﴿اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى....﴾ (الروم ۳۰:۸)

''کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور مدت مقرر ہی کے لیے پیدا کیا ہے''۔

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ

○ و من ایٰتہٖ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا و جعل بینکم مودۃً و رحمۃً ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون ○ و من ایٰتہٖ خلق السمٰوٰت و الارض و اختلاف السنتکم و الوانکم ان فی ذٰلک لاٰیٰت للعٰلمین ○ و من ایٰتہٖ منامکم بالیل و النہار و ابتغاؤکم من فضلہٖ ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یسمعون ○ و من ایٰتہٖ یریکم البرق خوفاً و طمعاً و ینزل من السماء ماءً فیحی بہ الارض بعد موتہا ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یعقلون ﴾ (الروم ۳۰: ۱۷–۲۴)

''پس تسبیح کرو اللہ کی جب کہ تم شام کرتے ہو اور جب صبح کرتے ہو۔ آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے حمد ہے۔ اور (تسبیح کرو اس کی) تیسرے پہر اور جب کہ تم پر ظہر کا وقت آتا ہے۔ وہ زندہ کو مردے میں سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ میں سے نکال لاتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ اسی طرح تم لوگ بھی (حالت موت سے) نکال لیے جاؤ گے۔ اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر یکایک تم بشر ہو کہ (زمین میں) پھیلتے چلے جا رہے ہو۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا فرمائی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانش مند لوگوں کے لیے۔ اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے خوف کے ساتھ بھی اور طمع کے ساتھ بھی اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔''

﴿ و من ایٰتہٖ ان یرسل الریاح مبشرٰت و لیذیقکم من رحمتہٖ و لتجری الفلک بامرہٖ و لتبتغوا من فضلہٖ و لعلکم تشکرون ﴾ (الروم ۳۰: ۴۶)

''اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے بشارت دینے کے لیے اور تمہیں اپنی رحمت سے بہرہ مند کرنے کے لیے اور اس غرض کے لیے کہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں۔ اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔''

﴿ اللہ الذی یرسل الریاح فتثیر سحاباً فیبسطہ فی السماء کیف یشاء و یجعلہ کسفاً فتری الودق یخرج من خلٰلہٖ فاذا اصاب بہ من یشاء من عبادہٖ اذا ہم یستبشرون ○ و ان کانوا من قبل ان ینزل علیہم من قبلہٖ لمبلسین ○ فانظر الیٰ اٰثٰر رحمت اللہ کیف یحی الارض بعد موتہا ان ذٰلک لمحی الموتیٰ و ہو علیٰ کل شیءٍ قدیر ﴾ (الروم ۳۰: ۴۸–۵۰)

''اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اٹھاتی ہیں پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں جن پر چاہتا ہے برساتا ہے تو یکایک وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کے نزول سے پہلے وہ مایوس ہو رہے تھے۔ دیکھو اللہ کی رحمت کے اثرات کہ مردہ پڑی ہوئی زمین کو کس طرح جلا اٹھاتا ہے، یقیناً وہ مردوں کو زندگی بخشنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿ و من الناس من یقول اٰمنا باللہ فاذا اوذی فی اللہ جعل فتنۃ الناس کعذاب اللہ ﴾ (العنکبوت ۲۹: ۱۰)

''لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر۔ مگر جب وہ اللہ کے معاملے میں ستایا گیا تو اس نے لوگوں کی ڈالی ہوئی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیا۔''

﴿قل سيروا في الارض فانظروا كيف بدا الخلق ثم الله ينشئ النشاة الاخرة ان الله على كل شيء قدير﴾ (العنكبوت ٢٩: ٢٠)

"ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی ہے پھر اللہ بار دیگر بھی زندگی بخشے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

﴿مثل الذين اتخذوا من دون الله اولياء كمثل العنكبوت اتخذت بيتا وان اوهن البيوت لبيت العنكبوت لو كانوا يعلمون ○ ان الله يعلم ما يدعون من دونه من شيء وهو العزيز الحكيم ○ وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون﴾ (العنكبوت ٢٩: ٤١-٤٣)

"جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے۔ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کو بھی پکارتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے اور وہی زبردست اور حکیم ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں"

﴿ولئن سالتهم من خلق السماوات والارض وسخر الشمس والقمر ليقولن الله فانى يؤفكون﴾ (العنكبوت ٢٩: ٦١)

"اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کدھر سے دھوکا کھا رہے ہیں؟"

﴿ولئن سالتهم من نزل من السماء ماء فاحيا به الارض من بعد موتها ليقولن الله قل الحمد لله بل اكثرهم لا يعقلون﴾ (العنكبوت ٢٩: ٦٣)

"اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو وہ کہیں گے اللہ نے۔ کہو الحمدللہ، مگر ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں"۔

﴿يا ايها الناس اعبدوا ربكم الذي خلقكم والذين من قبلكم لعلكم تتقون ○ الذي جعل لكم الارض فراشا والسماء بناء وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لكم فلا تجعلوا لله اندادا وانتم تعلمون﴾ (البقرة ٢: ٢١-٢٢)

"لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے، تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھیراؤ۔"

﴿كيف تكفرون بالله وكنتم امواتا فاحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم ثم اليه ترجعون ○ هو الذي خلق لكم ما في الارض جميعا ثم استوى الى السماء فسواهن سبع سماوات وهو بكل شيء عليم﴾ (البقرة ٢: ٢٨-٢٩)

"تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تم کو زندگی عطا کی، پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا، پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے۔ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔"

﴿بديع السماوات والارض واذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون﴾ (البقرة ٢: ١١٧)

"وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔"

﴿ان في خلق السماوات والارض واختلاف الليل والنهار والفلك التي تجري في البحر بما ينفع الناس وما انزل الله من

السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (البقرۃ ۲:۱۶۴)

''جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں ان کشتیوں میں جو انسان کے لیے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور (اپنے اسی انتظام کی بدولت) زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں''۔

﴿وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (البقرۃ ۲:۱۷۱)

''یہ لوگ جنہوں نے خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے سے انکار کر دیا ہے ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے چرواہا جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں سنتے۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں اس لیے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔''

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ...﴾ (البقرۃ ۲:۱۸۹)

''اے نبیؐ! لوگ تم سے چاند کی گھٹتی بڑھتی صورتوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ لوگوں کے لیے تاریخوں کے تعین کی اور حج کی علامتیں ہیں۔''

﴿هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ

فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (آل عمران ۳:۶—۷)

''وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ اس زبردست حکمت والے کے سوا اور خدا نہیں ہے۔ اے نبیؐ! وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے۔ اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانشمند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔''

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (آل عمران ۳:۱۸)

''اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف پر قائم ہے اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔''

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران ۳:۲۶—۲۸)

''کہو! خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں

بے جان میں سے جاندار کو نکالتا ہے اور جاندار میں سے بے جان کو۔ اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ...﴾ (آل عمران ۳:۱۹۰–۱۹۱)

"زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔"

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً.....﴾ (النساء ۴:۱)

"لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔"

﴿یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ﴾ (الحدید ۵۷:۶)

"وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔"

﴿اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (الحدید ۵۷:۱۷)

"خوب جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے ہم نے نشانیاں تم کو صاف صاف دکھا دی ہیں شاید کہ تم عقل سے کام لو۔"

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ

الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (الرعد ۱۳:۲–۴)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں، پھر وہ اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ فرما ہوا اور اس نے آفتاب و ماہتاب کو ایک قانون کا پابند بنایا۔ اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقت مقررہ تک کے لیے چل رہی ہے اور اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرما رہا ہے۔ وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے شاید کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔ اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے۔ اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں اور دریا بہا دیے ہیں۔ اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں اور وہی دن اور رات طاری کرتا ہے۔ ان ساری چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اور دیکھو زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر۔ ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"

﴿هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾ (الرعد ۱۳:۱۲)

"وہی ہے جو تمہارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے جنہیں دیکھ کر تمہیں اندیشے بھی لاحق ہوتے ہیں اور امیدیں بھی بندھتی ہیں۔ وہی ہے جو پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھاتا

ہے۔

﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (الرعد ١٣: ١٦)

"ان سے پوچھو آسمان و زمین کا رب کون ہے؟ کہو اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے اسے چھوڑ کر ایسے معبودوں کو اپنا کارساز ٹھہرا لیا جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟ کہو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوا کرتا ہے؟ کیا روشنی اور تاریکیاں یکساں ہوتی ہیں؟ اور اگر ایسا نہیں تو ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے؟ کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے اور سب پر غالب ہے۔"

﴿اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ﴾ (الرحمٰن ٥٥: ١-٥)

"نہایت مہربان (خدا) نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں۔"

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ○ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ (الدھر ٧٦: ١-٢)

"کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔"

﴿قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ (الطلاق ٦٥: ٣)

"اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔"

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ○ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ○ وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (النور ٢٤: ٤٣-٤٥)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں۔ اور وہ آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں اولے برساتا ہے پھر جسے چاہتا ہے ان کا نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچا لیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی ہے۔ رات اور دن کا الٹ پھیر وہی کر رہا ہے اس میں ایک سبق ہے آنکھوں والوں کے لیے۔ اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا۔ کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا وَّ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ

يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (الحج ۲۲: ۵-۶)

"لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا' پھر نطفے سے' پھر خون کے لوتھڑے سے' پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں (پھر تمہیں پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے' پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دی۔ یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے' اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ (الحج ۲۲: ۱۱)

"اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے۔ اگر فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی مصیبت آ گئی تو الٹا پھر گیا۔ اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی۔ یہ ہے صریح خسارہ۔"

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (الحج ۲۲: ۴۶)

"کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَ هُوَ الَّذِيْ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ﴾ (الحج ۲۲: ۶۱-۶۶)

"یہ اس لیے کہ رات سے دن اور دن سے رات نکالنے والا اللہ ہی ہے۔ اور وہ سمیع و بصیر ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور جنہیں اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور اللہ ہی بالادست اور بزرگ ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کی بدولت زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ لطیف و خبیر ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔ بے شک وہی غنی و حمید ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے اور اس نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے' اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا؟ واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے' وہی تم کو موت دیتا ہے اور وہی پھر تم کو زندہ کرے گا۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ہی منکر حق ہے۔"

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ (الحج ۲۲: ۷۳-۷۴)

"لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو! جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو اللہ ہی ہے۔"

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ (التغابن ۶۴: ۳)

"اس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے اور تمہاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ بنائی ہے اور اسی کی طرف آخرکار تمہیں پلٹنا ہے۔"

حیران بن الاضعف کہتے ہیں جب میں نے ان آیات کی قرأت مکمل کر لی تو میں نے شیخ الموزون سے کہا: استادِ محترم! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے! اس وقت جو آیت میں نے پڑھی ہیں مجھے یاد نہیں کہ زندگی بھر قرآن کی تلاوت کے دوران کبھی مجھ پر ان کا اثر رہا ہو اور میرا خیال ہے ایسا محض غور و فکر اور تدبر کے فقدان کے باعث ہو جب کہ تلاوت عادتاً تبرک کے لیے ہوتی رہی۔

الشیخ: تمہارے لیے ان آیت کا ایک یا دو مرتبہ پڑھ لینا کافی نہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم انہیں اچھی طرح سے لکھ لو تا کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہر شے میں اس کی طرف اشارہ کرنے والی نشانیوں کا مجموعہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہے۔ اگر ان میں سے کچھ کی اشیاء میں مشترک ہوں تو ان کے تکرار میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اب اٹھو! اور انہیں اعلاؤں کے رجسٹر میں نقل کرو اور کل میرے پاس آؤ تا کہ میں تمہارے ساتھ اپنی گفتگو مکمل کروں۔

❋ ❋ ❋

قبل الف سنة

من قرون السابع عشر

(سترھویں صدی عیسوی سے ہزار سال قبل)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران بن الاضعف کہتے ہیں میں نے پوری رات قرآن کی آیات املا دوں کے رجسٹر میں نقل کرتے ہوئے گزاری اور فجر سے ذرا پہلے نیند مجھ پر غالب آ گئی اور بوڑھے موذن کی آواز پر ہی میری آنکھ کھلی جب وہ مجھے کہہ رہا تھا کہ بیٹے عصر کا وقت ہو گیا ہے، یہ کیسی نیند ہے اتنی بھی؟ میں اپنے بستر سے حیرت زدہ پراگندہ خیالی کے ساتھ اٹھا اور میں نے اس سے پوچھا یہ کیسے ہوا؟ آپ کے لیے دروازہ کس نے کھولا؟ اور نماز فجر کے لیے مجھے کیوں نہ جگایا؟ اس نے کہا کہ دروازہ حضرت شیخ نے کھولا تھا اور انہوں نے ہی مجھے ہدایت کی تھی کہ تمہیں سویا رہنے دوں۔ نماز فجر کے بعد شیخ نے مجھے سمرقند بھیج دیا تھا تاکہ یہ کتابیں لے آؤں۔ وہاں پر کتب فروش کے پاس ایک بوڑھے مسکین کو دیکھا جو شیخ المؤذن سے متعلق دریافت کر رہا تھا۔ کتب فروش نے میری طرف اشارہ کر دیا چنانچہ وہ مجھ سے شیخ المؤذن کے بارے میں پوچھنے لگا وہ بر ترمذ کے خویش شیخ کا رفیق اور گہرا دوست تھا۔ میں نے اسے سمجھانے اور ٹالنے کی ناکام کوشش کی کہ شیخ لوگوں سے دور عزلت میں ہیں مگر وہ مسلسل منت سماجت کرتا رہا اور مجھ سے لپٹا ہی رہا حتیٰ کہ اس نے مجھے بے بس کر دیا۔ ناچار میں اسے لے آیا ہوں اور باغات میں شیخ کی جگہ اسے دکھا دی ہے اور اب یہ کتابیں تمہارے سپرد کرنے آیا ہوں۔ میں نے اس بوڑھے دوست سے کہا "بو محمد! یہ کتابیں تو انگریزی زبان میں ہیں اور میں انگریزی زبان اچھی طرح نہیں جانتا۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازے سے شیخ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ وہ کہہ رہے تھے "تم جلدی سے اچھی طرح سیکھ لو گے۔ یہ بڑا نقص اور بڑی کوتاہی ہے کہ تم موجودہ زمانے کی زبان علم سے ناواقف ہو حالانکہ تم رجال دین میں سے ہو جن کے کندھوں پر دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے۔

حیران: میں اپنی زبان جانتا ہوں ترکی اور عربی بھی جانتا ہوں کیا ان زبانوں میں علم کی کتابیں نہیں ہیں۔

الشیخ: کیا تم اپنی زبان میں اس طرح کے سلسلے سے واقف ہو؟ نہیں۔ تو پھر یہ ضد کیوں؟ یا تم نہیں جانتے کہ ہماری زبان میں قلیل تعداد میں جو علمی کتابیں ہیں وہ اجنبی زبانوں سے معرب ہیں؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ ہمارے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ ہم علم جدید اصل سرچشموں سے حاصل کریں تاکہ ہم اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دے سکیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہمارے علماء جو علمی کتابیں عربی زبان میں منتقل کرتے ہیں وہ نہ تو تعداد میں زیادہ ہوتی ہیں

اور نہ ہی اتنی کہ دوسروں کے ساتھ علمی رفتار میں قدم ملا سکیں۔ اور یہ چھوٹی چھوٹی کتابوں کے سلسلے جن سے تمام انسانوں کے لیے علم کی تحصیل اور تیسیر مراد ہوتی ہے کیا تم اپنے علماء میں سے کسی عالم کو جانتے ہو جو اس طرح کی تالیف کی استطاعت رکھتا ہو؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ایک عالم یہ کام نہیں کر سکتا مگر مغرب میں تمام علماء اس کام کو عمدہ طور پر کرنے کے لیے باہم تعاون کرتے ہیں اور اس کوشش میں چھاپہ خانوں اور علماء پر کثیر مال خرچ کر کے بڑا نشریاتی رول ادا کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ کتابیں فروخت ہو کر لوگوں سے بڑا مال سمیٹ لاتی ہیں اس لیے کہ وہاں پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے ہاں مشرق میں اور بالخصوص شرق مسلم میں کوئی کتاب اپنے مؤلف کے لیے طباعت کا خرچ بھی پورا نہیں کر پاتی

حیران: وہ کیوں آقا؟

الشیخ: کتاب خرید کر پڑھنے والوں کی قلت کے باعث۔ لہٰذا حکومتوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے جو تنہا ان مبسوط علمی سلسلوں کو عربی میں منتقل کرنے اور لوگوں کو سستی قیمت پر مہیا کرنے کی استطاعت رکھتی ہیں کہ وہ معیار ثقافت کو بلند کرنے کو اپنا نصب العین بنائیں۔ لیکن امت بہر حال مغربی زبانوں کے سیکھنے سے بے نیاز نہیں ہو سکتی اور جہاں تک تمہارا تعلق ہے اے صاحب دین! اگر تمہارا مطلوب دعوت الی اللہ ہے تو تمہاری گردن پر کسی بڑی مغربی زبان سیکھنے کی ذمہ داری کا بوجھ ہے۔

حیران: میں ان شاء اللہ اسے سیکھوں گا۔

الشیخ: اب آؤ اپنے کام کی طرف۔ کیا تم نے املاؤں کے رجسٹر میں قرآن کی آیات نقل کر لی ہیں؟ میں نے تمہیں رات بھر لکھتے ہوئے دیکھا ہے۔

حیران: ہاں آقا! میں ان کی تکمیل تک بیدار رہا ہوں۔

الشیخ: اے حیران! جب تم طبیعی علوم (جن میں تمہیں وسیع معلومات ہونا چاہیے) اور فلسفہ کی روشنی میں ان آیات میں تدبر کرو گے اور بنظر عمیق ان میں غور کرو گے تو واضح طور پر دیکھو گے کہ قرآن نے ان آیات میں استدلال کے چند طریقے اختیار کیے ہیں جن کو علماء دین اور فلاسفہ نے اختیار کیا ہے اور ان میں حق پر جمع ہو گئے۔

قرآن نے دلیل حدوث، دلیل وجوب اور دلیل علت الکافیہ جو قانون علیہ کی بداہت پر مبنی ہیں، جیسے مرکب نظری دلائل کا ذکر کیا ہے۔ پھر زیادہ تر دلیل انتظام پر اعتماد کیا ہے جو اللہ کی تخلیق میں حقیقت، ایجاد، ارادہ، تنظیم، محکمی، مہارت، تقدیر، امتیازی خصوصیات، ترتیب، آرائش اور توازن کے ذکر پر مرکوز ہے اور بہت سارے مقامات پر اس کے شواہد کا ذکر فرمایا ہے، ان کا تکرار کیا ہے اور ان پر زور دیا ہے۔ کیونکہ یہ وہ دلیل ہے، جس کا عقل استدلال کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کیے بغیر اور وہم، عجز اور ضعف میں مبتلا ہوئے بغیر ادراک کر لیتی ہے اور آسانی اور سہولت کے ساتھ اس سے مطمئن ہو جاتی ہے۔ نیز اس کے ادراک میں ایک سادہ لوح مبتدی بدوی اور فلسفی عالم برابر ہیں کیونکہ اللہ علام الغیوب سبحانہ وتعالیٰ جانتا تھا کہ پیچیدہ مرکب فلسفیانہ عقلی دلیل، جس سے تمہارا واسطہ ہے، میں گہری نظر رکھنے والے علماء قلیل ہیں، لہٰذا اس کی حکمت نے فیصلہ کیا کہ وہ تمام لوگوں کو آسان، سہل اور واضح دلیل کے ساتھ خطاب فرمائے جو مرور ایام کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے علم میں اضافہ ہوتا جائے اور "نظام" پر دلالت کرنے والے فطری قوانین کے اسرار علماء پر منکشف ہوتے جائیں، واضح سے واضح تر ہوتی جائے تا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وعدہ سچا ہو جائے کہ "سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ" اس کا وعدہ یقیناً سچ ثابت ہوا۔ اس نے ہر زمانے میں آفاق میں اور تقویم انسان میں اپنی نشانیاں انہیں دکھائی ہیں۔ علماء نے اس موضوع پر وسیع دعریض تالیفات وضع کی ہیں حتیٰ کہ ان سے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد محقق ہو گیا کہ "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ"

حیران کیا شیخ محترم مجھے براہ کرم ان آیات کی نشاندہی فرمائیں گے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حدوث، وجوب اور علت الکافیہ جیسی مرکب عقلی دلیل کے ساتھ اپنے وجود کو مبرھن فرمایا ہے۔ کیونکہ تلاوت کے دوران انہیں بوضاحت نہیں سمجھ پایا۔

الشیخ تم وضاحت کے ساتھ اس لیے نہیں سمجھ سکے کہ وہ مختصر ترین عبارت اور لطیف ترین اشاروں میں وارد ہوئی ہیں۔ اور انہیں صرف ارباب علم ہی سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ میں نے ابن رشد سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا۔ اے حیران درج ذیل آیات پر غور کرو۔

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾

"کیا یہ کسی خالق کے بغیر پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟"

﴿أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ﴾ (الاعراف ۷،۱۸۵)

"کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو اللہ نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا"

﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾ (مریم ۱۹،۶۷)

"کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔"

﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا﴾ (الدھر ۷۶،۱)

"کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھی۔"

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِن دَابَّةٍ﴾ (الشوریٰ ۴۲،۲۹)

"اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور یہ جاندار مخلوقات جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہیں۔"

﴿وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِن دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (الجاثیہ ۴۵،۴)

"اور تمہاری اپنی پیدائش میں اور ان حیوانات میں جن کو اللہ (زمین میں) پھیلا رہا ہے بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین لانے والے ہیں۔"

﴿أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ (النحل ۱۶،۱۷)

"پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے دونوں یکساں ہیں، کیا تم ہوش میں نہیں آتے؟"

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ﴾ (القصص ۲۸،۶۸)

"تیرا رب پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور (وہ خود ہی اپنے کام کے لیے) جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔"

﴿و ما خلقنا السّمٰوٰت و الارض الّا بالحقّ و اجلٍ مّسمّی﴾ (الحجر ۸۵:۱۵)

''ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان کی ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدت خاص کے تعین کے ساتھ پیدا کیا ہے۔''

﴿انّ الّذین تدعون من دون اللہ لن یّخلقوا ذبابًا وّ لو اجتمعوا لہٗ﴾ (الحج ۲۲:۷۳)

''جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔''

﴿و من النّاس من یّجادل فی اللہ بغیر علمٍ وّ لا ھدًی وّ لا کتٰبٍ مّنیرٍ﴾ (الحج ۸:۲۲)

''بعض اور لوگ ایسے ہیں جو کسی علم اور ہدایت اور روشنی بخشنے والی کتاب کے بغیر گردن اکڑائے ہوئے خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں''

﴿مثل الّذین اتّخذوا من دون اللہ اولیآء کمثل العنکبوت اتّخذت بیتًا و انّ اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون ○ انّ اللہ یعلم ما یدعون من دونہ من شیءٍ وّ ھو العزیز الحکیم ○ و تلک الامثال نضربھا للنّاس و ما یعقلھا الّا العالمون﴾ (العنکبوت ۲۹ : ۴۱–۴۳)

''جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی' کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش ایہ لوگ علم رکھتے۔ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کو بھی پکارتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے اور وہی زبردست اور حکیم ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کو فہمائش کے لیے دیتے ہیں مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔''

ان آیات پر غور کرو اے حیران اور انہیں ابن سینا' غزالی وغیرہم علماء کلام کے علاوہ ڈیکارٹ' پاسکل اور سپنیز جیسے حکماء و فلاسفہ کے اقوال متعلقہ

دلیل حدوث

دلیل وجوب

بداہت قانون العلیہ

دلیل العلیۃ الکافیہ

اور صفت ارادہ کے اثبات اور تخلیق بالضرورت کی نفی

اور عالم حادث کی بداہتہ تکوین' کہ ایک معین زمانے میں' ایک مقرر وقت پر تخلیق کیا گیا' پر منطبق کرو۔

جب تم ان کے اقوال کی طرف رجوع کر کے ایسا کرو گے تو تم قرآن میں اعجاز کا راز پا لو گے جو ایک امی شخص پر ایک ناخواندہ معاشرے میں آج سے چودہ صدیاں اور ڈیکارٹ' پاسکل اور لبنز کے عہد سے ایک ہزار سال پیشتر نازل ہوا۔ اور تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس حقیقت کا کامل فہم جس پر یہ آیات و امثال مشتمل ہیں صرف علماء ہی کو میسر ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ عالم حادث ہے جیسا کہ فلاسفہ اور متکلمین نے بعد میں کہا' لیکن قرآن حدوث کے اثبات میں صورتوں کے تغیر کی دلیل پر مبنی ان کے اسلوب کو اختیار نہیں کرتا۔ کیونکہ اس علیم و حکیم کے علم میں یہ تھا کہ اندھے بہرے اور گونگے مادہ' جس کی ابتداء کی کیفیت سے ہم ناواقف ہیں' سے متعلق طویل و بعید زمانوں پر مشتمل مسلسل تغیر پذیر صورتوں کا تصور مشکل ہو جائے گا۔ جب کہ زمین پر جنس حیوان میں بالعموم اور نوع انسان میں بالخصوص ''حیات'' کی تکوین کا تصور آسان ہو جاتا ہے بلکہ مشاہدہ میں بدل جاتا ہے اور علماء کے ہاں یہ ظاہر و ثابت ہے کہ زمین پر حیوان و انسان کے ظہور سے قبل زمانے بیت چکے تھے۔

اس لیے قرآن حیوانات و انسان کا بکثرت ذکر کرتا ہے تاکہ وہ اس انسان کو وہ مقصد یاد دلائے جو اس بداہت میں مضمر ہے۔ یہ کہ (اس پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا) اور تاکہ وہ اس سے وہ آسان و بدیہی نتیجہ نکال لے کہ وہ ''حادث'' ہے نیز اس بداہت سے دوسرا بدیہی نتیجہ نکل آئے اور وہ یہ کہ مادہ جس سے انسان حادث ہوا لابدی طور پر حادث ہی ہے' کیونکہ وہ تغیر کو قبول کرتا ہے اور قدیم میں تغیر پذیری نہیں ہوتی۔ اور اس آسان اور واضح طریقہ کے ساتھ انسان' مادہ اور عالم کے حدوث کو ثابت کرنے کے بعد قرآن حکیم' قانون علت جس پر عقلوں کا وجدان صادر کرتا ہے کی بنیاد پر عقلی استدلال کے

طریق کو اختیار کرتا ہے اور عالم حادث کی علت اور سبب کے سوال پر جواب طلبی کرتا ہے۔ اور نہایت اختصار اور فصاحت پر مبنی اور حیرت انگیز اسلوب کے ساتھ علم و ہدایت سے محروم اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنے والے ملحد و منکر لوگوں کے بیان کردہ ممکن مفروضوں کی حقیقت کو کھول کر رکھ دیتا ہے جو وہ کہتے ہیں کہ

عالم بغیر علت کے وقوع ہوا'

یا یہ کہ وہ خود بخود بن گیا؟

یا یہ کہ اللہ اور عالم ایک ہی شے ہے؟

یا یہ کہ عالم کا مادہ اللہ کے قدم کی طرح قدیم ہے؟

یا یہ کہ خلقت' ارادہ کے بغیر ضرورت کے ساتھ پیدا ہوئی؟

قرآن ان سے کہتا ہے

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا؟﴾ (الدھر ۷۶:۱)

''کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟''

﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا؟﴾ (مریم ۱۹:۶۷)

''کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟''

﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ؟﴾ (طور ۵۲:۳۵)

''کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟''

﴿اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ؟﴾ (النحل ۱۶:۱۷)

''پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے' دونوں یکساں ہیں؟ کیا تم ہوش میں نہیں آتے؟''

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ﴾ (القصص ۲۸:۶۸)

''تیرا رب پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور (وہ خود ہی اپنے کام کے لیے جسے چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے''

﴿مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (الاحقاف ۴۶:۳)

''ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدت خاص کے تعین کے ساتھ پیدا کیا ہے۔''

غور کرو کس طرح قرآن اس حیرت انگیز بیان کے ساتھ انسانی عقلوں کو ان بدیہی ناممکن مفروضوں سے متنبہ کرتا ہے جو ملحد لوگوں کے مزعومہ ہیں۔

پھر دیکھو وہ کس طرح اس عالم کے احداث اور اس کی تخلیق کے لیے عقلوں کو علت کافیہ کی طلب و ضرورت' اس کی تحقیق' اور اس کے وجود کے لزوم کے فیصلے' اور اس کی صفات کاملہ (الکافیہ) سے متصف ہونے کے وجوب کی طرف دھکیل کر لے جاتا ہے۔

پھر دیکھو وہ انہیں کس طرح اللہ اور عالم (المعلول) کے مابین ماہیت' ذات اور صفات کی بنیاد پر تفریق و امتیاز کی تنبیہ کرتا ہے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ معلول کا خود علت ہونا یا اس کا جزو ہونا ناممکن ہے۔

پھر دیکھو! قرآن حکیم نے اپنی دیگر آیات میں اللہ کی طرف سے عالم ''بالضرورۃ'' پیدا کیے جانے کے قول کے بطلان کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا صفت ''ارادہ'' سے متصف ہونا واجب ہو جائے۔ جس کے ساتھ اس نے اس ''اجل'' کو متعین کیا جس میں اس نے عالم کے احداث کا ارادہ فرمایا کیونکہ تخلیق بالضرورۃ عالم اور انسان کے قدم کے قول کی طرف لے جاتی ہے۔ ''هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا'' کیوں نہیں یہی ہے جو علم (سائنس) نے انسان اور حیوان کے متعلق بالخصوص اور ''حیاۃ'' کے لیے بالعموم ثابت کیا ہے۔

لہٰذا وہ حادث ہے' مخلوق ہے' ممکن الوجود ہے' واجب الوجود نہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کے نظام میں ہر شے حادث ہے۔ کیونکہ وہ ''شے'' ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ''مرکب'' ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ''متغیر'' ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ''ممکن الوجود'' ہے اور اس لیے بھی کہ وہ ''واجب الوجود'' نہیں ہے۔

تو کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہو گیا؟ اور بغیر کسی "علت کافیہ" کے حادث ہوا؟

یہ ناممکن ہے جیسا کہ لائبنیز وغیرہ حکماء نے کہا ہے اور قرآن نے اس سے ایک ہزار سال قبل فرمایا تھا: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ (کیا یہ کسی خالق کے بغیر پیدا ہو گئے ہیں؟)

اَمْ هُوَ خَلَقَ نَفْسَہٗ (کیا اس نے اپنے آپ کو پیدا کیا ؟) اور یہ بھی ناممکن ہے جیسا کہ ڈیکارٹ اور پاسکل وغیرہ کہتے ہیں اور قرآن نے ان سے پہلے فرمادیا تھا اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ (کیا وہ اپنے آپ کو خود پیدا کرنے والے ہیں ؟)

کیا مخلوق اور خالق ایک ہی شے ہیں ؟ یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ اس سے عقلی تناقض پیدا ہوتا ہے جیسا کہ لائبنیز وغیرہ کہتے ہیں کہ معلول کا خود علت ہونا ناممکن ہے اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ (کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے دونوں یکساں ہیں ۔ ؟)

کیا اللہ تعالیٰ نے عالم کو ارادہ کے بغیر بالضرورۃ پیدا فرمایا ہے یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے عقلاً واجب صفت کمال کو معطل کر دیتا ہے۔ جو ارادہ رکھتا ہو اور نہ ہی اختیار وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ و راس لیے بھی کہ ارادہ کے بغیر تخلیق بالضرورۃ انسان کو قدیم بنا دیتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ حادث ہے۔

وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ (اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور جو پسند فرماتا ہے) کیا عالم ازلی اپنے خالق کی مثل ہے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے یہ بھی ناممکن ہے اس لیے کہ اللہ نے اسے بالضرورۃ نہیں بلکہ بالارادہ وازلیہ پیدا فرمایا جس کے ساتھ اس کی تخلیق کا وقت محدود اور مقرر ہوا۔ اور اگر عالم کی تخلیق بالضرورۃ ہوتی تو وہ قدیم ہوتا حالانکہ وہ حادث ہے۔ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى (ہم نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدت خاص کے تعین کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے) یہ ہے وہ قول حق جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اس کے سوا ہر قول مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے جو بظاہر منظم مرتب اور حسین نظر آتا ہے جسے مکڑی اپنے جوف سے بُنتی ہے تاکہ اس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے حشرات کو شکار کر لے۔ ایسے ہی علم و ہدایت سے محروم جھگڑالو لوگ اللہ کے بارے میں اپنے اندر سے نکالے ہوئے کمزور خیالوں کے تانے بانے بنتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ کمزور عقلوں کا شکار کریں۔

اے حیران! اس طرح قرآن حکیم جو ایک امی انسان پر ایک ناخواندہ جزیرے میں اترا تمام بلیغ دلائل روشن و ناقابل تردید براہین کو اختیار کرتا ہے جس تک رسائی کے لیے علماء و حکماء نے اپنی عمریں صرف کیں اور ان پر (قرآن کی رہنمائی کے ساتھ یا اللہ کی اس ہدایت کے ساتھ جس نے ان کی عقلوں کو روشن کیا) جمع ہو گئے پس قرآن حکیم ایک معجز تقریر میں بلیغ ترین عبارت مختصر ترین اشارہ لطیف ترین تنبیہ اور صادق ترین تشبیہ کے ساتھ اس قول (قول حق یعنی عالم اس کی جملہ مخلوقات مع انسان کی تخلیق اللہ کے ارادہ اس کی تدبیر اس کی حکمت اور اس کی قدرت سے ہے) کو ثابت کرتا ہے اور ان دلائل و براہین کے ساتھ ظاہر وہ کچھ کرتا ہے جو ایک کم علم آدمی کے ادراک کی پہنچ میں ہو اور جو اس کی گہرائیوں میں ہے صرف علماء ہی غوطہ زن ہو سکتے ہیں

حیران صرف علماء ہی۔ صرف اہل علم ہی تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں)

الشیخ: اے حیران! الحمدللہ! تم نے امتحان پاس کر لیا ہے اور سمجھنا شروع کر دیا ہے کہ کس طرح عقل علم اور قرآن باہم متفق ہوتے ہیں۔

❋ ❋ ❋

toobaa-elibrary.blogspot.com

حظ المصادفہ

(اتفاق "Chance" کا حصہ)

toobaa-elibrary.blogspot.com
toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران بن الاضعف کہتے ہیں میں نے سارا دن قرآن کریم کی آیات پڑھتے ہوئے ان کا دوسری اور تیسری صدی ہجری کے ابن سینا' غزالی اور سترھویں صدی عیسوی کے ڈیکارٹ پاسکل اور البجو کے اقوال کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے گزارا- استدلال کے ایک ہی طریقہ کے ساتھ ان عقلوں کا قرآن کے ساتھ ہم آہنگ ہونا میرے لیے بے حد خوشی اور تعجب کا باعث بنا' جب درس کا وقت ہو تو میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ ان کے آگے سوئیاں ہیں' جن پر رنگین لکیریں ڈال رہے تھے- میں نے انہیں سلام کیا تو وہ مسکرائے اور کہا

الشیخ اے حیران! کیا بات ہے' کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہارا شیخ استاد کے بجائے درزی ہو گیا ہے یا جادوگر؟

حیران پناہ بخدا' میرے آقا!

الشیخ ہاں' یہ سوئیاں ہیں میں ان کے ساتھ اوہام کے پھوڑے کی مناسبت سے برہان کو سیتا ہوں' اونگھتے ہوئے اور غافل کو ان کے ساتھ چبھن لگاتا ہوں اور ان کے ساتھ جادوگروں کے جادو کا رد کرتا ہوں اور ان سے دیگر کام بھی لیتا ہوں- تمہیں جلد ہی علم ہو جائے گا-

حیران: میرے آقا! کیا برہان سیا بھی جاتا ہے؟

الشیخ برہان کو مخاطب کی عقل کے مطابق مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے- جس طرح کہ درزی کپڑے کو جسم کے مطابق تقسیم کرتا ہے پھر انہیں اولیات اور بدیہیات کے ساتھ سیا جاتا ہے تاکہ ان کے اجزاء باہم جڑ جائیں کیا ہمیں یہ ہدایت نہیں کی گئی کہ ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کریں-

حیران یہ دلائل میں نیا اسلوب ہے

الشیخ یہ نیا اسلوب نہیں- بعض علماء نے اس کا ذکر کیا ہے تاکہ "نظریہ اتفاق" کا بعید ہونا واضح کر دیں- لیکن میں نے تمہارے لیے ایک جدید معمہ کی شکل دی ہے-

حیران: وہ جدید معمہ ہے کیا میرے آقا؟

الشیخ وہ ایک ایسا معمہ ہے جو ریاضی کی دلیل تک رسائی حاصل کر لیتا ہے جو "نظریہ اتفاق" جس سے مادہ پرست عالم اور اس کی تنوعات کے پیدائش کے قائل ہیں' کی نفی کرتا ہے-

حیران کیا وہ ایسا معمہ ہے جو ریاضی کی دلیل تک جا پہنچتا ہے؟

الشیخ کیا تم عقلی معموں کو بے وقعت سمجھتے ہو کیا تمہیں قطع کردہ ورق کا معمہ یاد نہیں کیا اس نے تمہارے لیے تصور اور تعقل کا فرق کھول نہیں دیا تھا؟ اب آؤ از سر نو شروع کرتے ہیں- اپنے رجسٹر میں یہ سوال لکھو

جب کوئی سوال کرنے والا تم سے یہ سوال کرے کہ اس عالم میں نظر آنے والی اشیاء کس طرح بنیں' اور ان کی ترکیب کیسے ہوئی اور کس طرح بنائی گئیں- وہ کون سے مفروضے ہو سکتے ہیں جن کا تصور تمہارے لیے ممکن ہے اور تم انہیں فرض کر سکتے ہو؟

حیران یہ اشیاء اللہ کی قدرت سے ہی پیدا ہوئی ہیں اس امتحان کو پاس کر لینے کے بعد میں اس سوال کی مراد نہیں سمجھ پایا-

الشیخ اپنے ایمان کو ایک طرف رکھو اور فرض کرو کہ تم اس شک کی طرف لوٹ گئے ہو جس نے تمہارے سینے میں اس وقت خلش پیدا کر رکھی تھی جب تم پہلے پہل میرے پاس آئے تھے-

حیران کیا شیخ محترم کا ارادہ ہے کہ پھر سے عالم کے اثبات اور قدم کے امتحان کو دہرایا جائے؟

الشیخ: نہیں' نہیں- میرا تم سے یہ سوال نہیں- اسے چھوڑو کہ اصلی مادہ کا ہیولیٰ کیسے پیدا کیا گیا' اور اس بحث کو بھی چھوڑ دو کہ آیا وہ حادث ہے کہ قدیم- اس وقت میں تم سے وہی سوال کرتا ہوں جو قرآن نے کیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی وسعتوں میں جو مرکب و متنوع اشیاء ہیں ان کی اس تنوع کے ساتھ تخلیق و تکوین سے متعلق کیا مفروضہ قائم کیا جائے-

مرکب تنوعات کی یہ صورتیں اور شکلیں بالخصوص نباتات' حیوانات' اور انسان کی طرح کی ذی حیات' نہ عقل کی رو سے یہ قدیم ہیں کیونکہ مرکب اور متغیر ہونے کے باعث ان کا قدیم ہونا محال ہے- اور نہ سائنس ہی یہ کہتی ہے کہ وہ قدیم ہیں کیونکہ طبقات ارضی میں ان کا حادث ہونا منکشف ہو چکا ہے اور ان کے حادث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عدم سے موجود و مرکب ہوئیں- لہٰذا ان کے ہو جانے کا اور بن جانے کا کون سا مفروضہ قائم کیا جائے-

اس بارے میں صرف تین ہی مفروضے قائم کیے جا سکتے ہیں چوتھا ہرگز نہیں-

اول یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہیں-

ثانی یہ کہ مادہ کے ذرات اس کے اجزاء اور اس کے عناصر نے ارادہ تدبیر اور کسی مقصد کے ساتھ انہیں بنایا ہے یعنی یہ کہ ابتدائی مادہ کے عناصر نے غور و فکر کیا' تدبیر کی اور اس عالم کی تنوعات کی ان شکلوں اور صورتوں کے ساتھ متفق ہو گئے جو ہمیں نظر آتی ہیں۔

الثالث یہ کہ اس عالم میں یہ تنوعات اتفاقیہ بن گئیں۔ یعنی یہ کہ اتفاق کے ساتھ ذرات ایک مخصوص نسبت اور حجم کے ساتھ باہم ملے اور جمع ہوئے تو ابتدائی عناصر بن گئے پھر وہ عناصر اتفاق کے ساتھ ایک موزوں نسبت میں اور اتفاق کے ساتھ کافی مدت اور اتفاق کے ساتھ موافق فضاؤں میں' اتفاق کے ساتھ باہم مل گئے اور ان اتفاقات کے ساتھ یہ حیات اور یہ تنوعات وجود میں آ گئے۔

حیران فی الواقع کسی چوتھے مفروضے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

الشیخ جہاں تک پہلے مفروضے کا تعلق ہے اس کے قائل اللہ پر ایمان رکھنے والے لوگ ہیں۔ خواہ ان کا یہ ایمان ہدایت دینی سے ہو خواہ عقلی رہنمائی کے ساتھ۔

اور جو تیسرا مفروضہ ہے اس کے قائل بعض مادہ پرست ہیں۔

مگر جہاں تک دوسرے مفروضے کا تعلق ہے اس کا ہرگز کوئی قائل نہیں' اہل ایمان نہ مادیون' بلکہ یہ مادیین تو اس سے قطعی انکار کرتے ہیں کہ مادہ کے عناصر میں ارادہ' تدبیر اور مقصد ہو سکتا ہے۔

لہٰذا دو مفروضوں کا سامنا ہے' کوئی تیسرا نہیں' یہ عالمی تنوعات یا تو اللہ کی تخلیق اور اس کی کاریگری ہے یا وہ اتفاق کا نتیجہ ہیں

اے حیران! میں تمہاری آنکھوں میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ تمہاری عقل کی گہرائیوں میں انکار کے سائے ہیں جو آتے جاتے نظر آ رہے ہیں ۔ جو کچھ میں نے ابھی کہا ہے کیا اس میں شک و شبہ کی کم از کم کوئی گنجائش ہے؟

حیران ہرگز نہیں میرے آقا! بخدا! ہرگز نہیں۔ جو کچھ آپ نے کہا ہے بالکل واضح ہے۔ کیا اتفاق (الصدفہ) عقلی طور پر ایک امر محال ہے' یا امکان کی حدود میں آنے والا امر ہے؟

الشیخ تم اس کا جواب بیک وقت نفی اور اثبات میں دے سکتے ہو۔ "اتفاق" کبھی ممکن ہو سکتا ہے

اور کبھی عقل کی رو سے ناممکن کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہٰذا تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم سوال کی صورت کو بدل دو اور کہو کہ عقل سلیم کی میزان میں اتفاق کا وزن کیا ہے؟

حیران: عقل سلیم کے میزان میں "اتفاق" کا وزن کیا ہے؟

الشیخ اب سوئیوں کا موقع آیا ہے' یہ تختی لو اور اس میں ایک سوئی گاڑ دو۔ اور اس کے سوراخ میں دوسری سوئی ڈالو اور مجھے بتاؤ کہ اگر کوئی عقل مند انسان ان دو سوئیوں کو دیکھے اور یہ سوال کرے کہ دوسری سوئی پہلی سوئی کے سوراخ میں کیسے داخل ہو گئی' اور اگر صداقت میں معروف کوئی شخص اسے بتائے کہ ایک ماہر شخص نے اسے دس میٹر کے فاصلے سے پھینکا اور اس طرح وہ اسے پہلی سوئی کے ناکے میں داخل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر سچائی میں مشہور ایک دوسرے شخص نے اسے بتایا کہ اسے مادرزاد اندھے ایک چھوٹے سے لڑکے نے پھینکا ہے اور وہ "اتفاق" سے اس کے سوراخ میں جا پڑی تو وہ خبروں میں سے کس کی تصدیق کرے گا؟

حیران: بلاشبہ وہ پہلی خبر کی تصدیق کی طرف مائل ہو گا۔ لیکن دونوں خبروں کی صداقت کے پیش نظر "اتفاق" کو ممکن سمجھے گا۔ مگر دونوں میں کسی ایک کو بالیقین ترجیح نہ دے سکے گا۔

الشیخ لیکن اگر وہ تیسری سوئی کو دوسری سوئی کے ناکے میں گڑی ہوئی دیکھے کیا عدم ترجیح اسی حالت میں رہے گی؟

حیران ہرگز نہیں' قصد والی ترجیح اتفاق والی ترجیح سے قوی تر ہو گی۔ لیکن رہے گی بہر حال وہ کمزور ترجیح ہی۔

الشیخ: اگر وہ شخص دیکھے کہ دس سوئیاں ہیں جن میں سے ہر بعد والی سوئی اپنے سے پہلے والی سوئی کے ناکے میں گڑی ہوئی ہے تو پھر بھی "نظریہ قصد" اسی طرح کمزور ہی رہے گا؟

حیران. ہرگز نہیں بلکہ قصد والی ترجیح اس کے ہاں قوی ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ نظریہ اتفاق مفقود ہوتا نظر آئے گا۔

الشیخ. لیکن اگر اس کے پاس ان لوگوں میں سے کوئی شخص آئے جن پر قرآن کریم کا یہ قول صادق آتا ہو "وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا" (اور انسان بڑا جھگڑالو ہے) اور وہ استحالہ عقلی (عقلاً محال) اور استحالہ عادت (عادتاً محال) کے معانی پر جھگڑنا شروع کر

دے اور اسے ثابت کردے کہ اتفاق ناممکن نہیں ہے نہ عقل کی رو سے نہ عادت کے لحاظ سے لیکن وہ بعض اوقات مستبعد (دور) ہوتا ہے تو ہمارے اس عاقل دوست کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

حیران عقل تو تسلیم کرتی ہے مگر دل "قصد" کی ترجیح کی طرف مائل ہوتا ہے۔

الشیخ اور اگر ہم معمہ کی گتھی میں اور آگے بڑھیں اور کہیں کہ دس سوئیاں ہیں جن پر لکیروں کی صورت میں رقمیں درج ہیں اور ان میں سے ہر ایک سوئی پر ترتیب کے ساتھ ایک سے لے کر دس تک کی رقمیں درج ہیں اور ہمیں بتایا جائے کہ اندھے بچے کو ایک تھیلا دیا گیا ہے جس میں لکیروں سے مرقوم یہ دس سوئیاں گڈمڈ ہیں اور یہ کہ وہ تھیلے میں ہاتھ ڈالتا ہے اور سوئیوں کو یکے بعد دیگرے اتفاق سے رقوم کی ترتیب کے مطابق نکالتا ہے اور پھینکتا جاتا ہے تو پہلی سوئی تختی میں گڑی ہوئی سوئی کے سوراخ میں جا پڑتی ہے اور دوسری سوئی پہلی میں اور تیسری دوسری میں اور چوتھی تیسری میں اور اس طرح سے دس سوئیوں کا ایک دوسری میں رقموں کی ترتیب کے ساتھ داخل ہونے کا سلسلہ ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اتفاق سے ہوتا ہے۔ پھر وہ جھگڑالو شخص آئے اور دلائل دینے لگے تاکہ ثابت کرے کہ اتفاق کا امکان موجود ہے اور عقلی طور پر ناممکن نہیں تو ہمارے عقل مند دوست کا اس جھگڑالو شخص کے مقابلے میں کیا موقف ہوگا؟

حیران بلاشبہ وہ تصدیق نہیں کرے گا کیونکہ (سوئیوں میں اتفاق سے) اس طرح کا تتبع اور تعاقب بہت بعید ہے اگرچہ ناممکن نہیں۔

الشیخ: مگر بڑے اعداد کے معاملہ میں وہ بداہتاً (برجستہ طور پر) ناممکن ہو جاتا ہے۔

حیران: میں سمجھتا ہوں کہ بداہت (برجستگی) ہمیں زندگی کے تجربات میں اتفاقات کے تکرار و تعاقب کی ندرت سے حاصل ہوتی ہے۔

الشیخ ہرگز نہیں اس بداہت کا استناد (سہارا) عقل باطن کی گہرائیوں میں ریاضی کے عقلی قانون پر ہے جس سے مفر ممکن نہیں۔

حیران: آقا! وہ کون سا قانون ہے؟

الشیخ وہ قانون مصادفہ ہے جو کہتا ہے "جہاں تک مصادفہ کے حصہ کا تعلق ہے تو وہ تناسب و

متزاحم امکانات کی تعداد کے ساتھ معکوس نسبت سے بڑھتا اور گھٹتا ہے پس جب متزاحم اشیاء کی تعداد گھٹتی ہے تو مصادفہ کا حصہ کامیابی میں بڑھ جاتا ہے اور جب یہ تعداد بڑھ جاتی ہے تو مصادفہ کا حصہ گھٹ جاتا ہے۔ اور جب تزاحم (مسابقت) دو متساوی اشیاء کے مابین ہوتا ہے تو مصادفہ کا حصہ گھٹ جاتا ہے۔ اور جب یہ تزاحم دس اشیاء کے مابین ہو تو مصادفہ کا حصہ ۱:۱۰ کی نسبت ہوگا۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر یک کے لیے کامیابی کا موقع ہے۔ اسی طرح جس طرح کہ کسی دوسری شے کو حاصل ہے۔ بغیر کسی کم سے کم طبعی تفاضل کے۔ اور اس مرحلہ تک کامیابی میں مصادفہ کا حصہ متزاحمین کے قریب قریب رہے گا حتی کہ سو یا ہزار تک بھی۔ لیکن جب عددی نسبت کی ضخامت بہت زیادہ بڑھ جائے گی تو مصادفہ کا حصہ عدم بلکہ ناممکن کے حکم میں ہو جائے گا۔ یہ اس لیے کہ اگر اندھے لڑکے نے اتفاق سے پہلی مرتبہ رقم نمبر ۱ والی سوئی نکالی تو ہم کہیں گے کہ رقم نمبر ۱ کے مصادفہ کا حصہ دوسرے متسابق (متقابل) اعداد پر ۱:۱۰ کی نسبت سے غالب آ گیا لیکن جب اس نے اتفاق سے نمبر ۱ سے نمبر ۲ والے عدد بالترتیب نکالے تو ہم کہیں گے کہ عدد نمبر ۲ کے لیے مصادفہ کا حصہ ۱:۱۰۰ کی نسبت سے ہے کیونکہ دس میں سے ہر ایک دس کے مقابلے میں درجہ ثانی کے لیے متسابق ہوگا لہٰذا مسابقت سو کے مابین ہوگی۔ اور جو اندھے لڑکے نے اتفاق سے تین سوئیاں ۱، ۲، ۳ بالترتیب نکال لیں تو ہم کہیں گے کہ مصادفہ کا حصہ ۱:۱۰۰۰ میں ہو گیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک سو کے مقابلے میں متسابق ہوگا۔ اس لیے جب ہم یہ فرض کریں کہ لڑکے نے دس سوئیاں ان کی رقموں کی ترتیب سے نکال لیں تو مصادفہ کا حصہ ایک اور دس بلین کی نسبت سے ہو گیا۔

حیران: ایک اور دس بلین کی نسبت سے؟

الشیخ. یہ سادہ سا حسابی معمہ ہے زنبق ورقہ کے معمہ کی طرح کا کہ جب وہ ۳۸ بار کٹتا ہے تو نیچے اوپر رکھنے سے اس کی چوٹی چاند تک جا پہنچتی ہے۔ اس کا تجربہ کرو۔ اور ہر مرتبہ حاصل ضرب کو دس سے ضرب دو۔

حیران بن الاضعف کہتے ہیں کہ میں نے حساب کرنا شروع کر دیا اور بالآخر مجھے ثابت ہو گیا کہ شیخ کی بات درست ہے لہٰذا میں نے ان سے کہا۔

حیران: آقا یہ درست ہے کہ مصادفہ کا حصہ ایک اور دس بلین کی نسبت سے ہوتا ہے۔ لیکن میں اس بڑے فرق والی نسبت کے باوجود تصور کرتا ہوں کہ ان دس سوئیوں کے ان کی رقموں کی ترتیب سے نکل آنے کا اتفاق ممکن ہے ناممکن نہیں۔

الشیخ: اب میں تمہیں دوسری شکل میں دوسری ترتیب اور زیادہ اعداد کی طرف لے جاتا ہوں۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ تمہاری ملکیت میں ایک پریس ہے جس میں پانچ لاکھ بکھرے ہوئے حروف ان کے صندوقوں میں ہیں اور ایک زبردست ارضی زلزلہ آئے اور ان حروف والے صندوقوں کو الٹ پلٹ دے، حروف کو منتشر کر کے ملا جلا دے اور تمہارے پاس حروف مرتب و منظم کرنے والا (Compositor) آئے اور تمہیں یہ خبر دے کہ حروف کے باہم مخلوط ہونے سے اتفاق کے ساتھ دس متفرق اور معانی میں غیر مربوط کلمے بن گئے ہیں تو کیا تم تصدیق کرو گے؟

حیران: ہاں تصدیق کروں گا۔

الشیخ: لیکن اگر تم سے کہا جائے کہ وہ دس کلمے مکمل مفید جملہ بن گئے ہیں تو کیا تم تصدیق کرو گے؟

حیران: میں اسے بہت بعید خیال کرتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے اسے دس سوئیوں کی مثال میں بعید قرار دیا تھا۔ لیکن اسے ناممکن بھی نہیں سمجھتا ہوں۔

الشیخ: لیکن اگر تمہیں اطلاع دی جائے کہ پریس کے سارے حروف اختلاط کے وقت اتفاق سے پانچ سو صفحے کی ایک مکمل کتاب بن گئے ہیں جو ایک ہی قصیدہ پر مشتمل ہے اور اپنے مجموعے میں الفاظ، اوزان، قوافی، معانی اور حقیقت کے ساتھ ایک کامل مربوط متناسب و متوافق اکائی بنتی ہے تو کیا تم اس کی تصدیق کرو گے؟

حیران: اے شیخ محترم! ہرگز نہیں۔

الشیخ: حیران! تم کیوں نہ تصدیق کرو گے؟

حیران: یہ مجھے معلوم نہیں لیکن جب میں دس سوئیوں کے اتفاق کے ساتھ ان کی رقموں کے مطابق پھینکے جانے کا تصور کرتا ہوں تو اس میں واضح اور بدیہی عدم امکان نہیں پاتا۔ جیسا کہ کتاب کی اس مثال میں پاتا ہوں۔

الشیخ: کیا تمہیں اس کا سبب معلوم ہے؟

حیران: آقا! ہرگز نہیں معلوم۔

الشیخ: اس کا سبب خود قانون مصادفہ میں مرکز ہے۔ دس مرقوم سوئیوں کے مابین تزاحم دس ترتیبوں کے ساتھ چلتا ہے اور مصادفہ کا حصہ ایک اور ایک کروڑ کی نسبت سے ہو جاتا ہے اور یہ نسبت اپنے بہت بڑے فرق کے باوجود اتنی بڑی نہیں ہے کہ تمہاری عقل بدیہی طور پر اسے ناممکن سمجھ لے لیکن کتاب کے حروف کا باہم تزاحم یعنی ایک لاکھ پچیس ہزار شکلوں اور ترتیبوں کے ساتھ کلموں کی بناوٹ میں پانچ لاکھ حروف کے مابین تزاحم نہ شمار کیا جا سکتا ہے نہ قیاس۔ یہ ہے مصادفہ کا وہ حصہ جو ایک بمقابل ایک بہت بڑا عدد۔ اگر تم اسے

1000000 x 1000000 x 1000000 x 100000 1

بھی کہو تو یہ بھی کم ہے۔ اور عدد کی ضخامت کا اندازہ لگانے کے لیے تمہارے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ اگر سوئیاں ۱۲ ہوں تو مصادفہ کا 1 1000 x 1000000 بنتا ہے۔ اگر سوئیاں ۲۱ ہوں تو مصادفہ کا حصہ ایک کے مقابلہ میں 1000 x 1000000 x 1000000 بن جاتا ہے۔ پس اے حیران تصور کرو کہ جب تزاحم شکلوں اور ترتیبوں والے پانچ لاکھ کلموں کے مابین ہوگا تو پھر نسبت کیا بنے گی۔ اس کا کوئی شمار و قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

حیران بن الاضعف کہتے ہیں "اس مرحلہ پر پہنچ کر شیخ الموزون خاموش ہو گئے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور گہری سوچ میں چلے گئے۔ گویا کہ وہ مجھے ترغیب دلا رہے ہوں کہ میں بھی غور فکر کروں۔ اور کچھ دیر کے خاموشی کے بعد بولے:

ش: اے حیران پریس میں کتاب کے یہ گنتی کے محدود کلمے ہیں (جن میں مصادفہ کی نسبت یہ ہے) تو عظیم ترین قدرت کے مالک اللہ کی سب سے بڑی کتاب اور اس کے کلمات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ جس کے بارے میں اس نے فرمایا "لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا" (کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی اور لے آئیں تو وہ بھی

کفایت نہ کرے۔

مزید فرمایا

"وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ" (زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر دوات بن جائے جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں لکھنے سے ختم نہ ہوں گی)

حیران کیا کلمات اللہ سے استاذ محترم کی مراد قرآن اور اس کے کلمات ہیں؟

الشیخ مجھے توقع تھی کہ قرآن سے متعلق تمہارا فہم اس سے بلند تر اور عمیق تر ہوگا۔ قرآن کریم کے الفاظ جو مصحف کی جلد کے درمیان ہیں وہ محدود در گنتی کے الفاظ ہیں تو ان کی کتابت میں سمندروں کی سیاہی کا ختم ہو جانا اور زمین کے درختوں کی قلموں کا ناکافی ہونا یہ کوئی عقل میں آنے والی بات نہیں۔

حیران: بخدا میں تو یہی کچھ اپنے ذہن میں بٹھائے ہوئے تھا۔

الشیخ اے حیران! ایسا ہرگز نہیں یہاں کتاب اللہ سے مراد پورا عالم ہے اور اللہ کے کلمات سے مراد تخلیق شدہ عالم میں آسمانوں اور زمین میں ہر محسوس شے یا عالم امر میں ہر معقول شے ہے اور اے حیران! میرے رب کے کلمات کیسے ختم ہو سکتے ہیں؟ جب کہ سمندروں کے پانیوں کا ہر قطرہ اور زمین کے درختوں کا ہر پتہ میرے رب کے کلمات میں سے ہے بلکہ کائنات میں ذرات و عناصر' نظم' قوانین و نوامیس' نسبتیں' روابط اور علائق' اقدار اجسام' اوزان اور مدے' اوقات اور زمانے' صورتیں شکلیں اور رنگ' حرکات و سکنات اور اوضاع' اجناس' اصناف' اور انواع پر مشتمل جو کچھ ہے وہ سب میرے رب کے کلمات ہیں۔

حیران۔ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

الشیخ اب ہم موضوع کی تہ تک پہنچے ہیں پس آؤ مخلوقات عالم میں آسمانوں اور زمین کے نظام میں ذرہ سے لے کر کہکشاں تک ہر شے کی تعداد کا اور عالم امر میں نوامیس کا' اقدار' قوانین' اشکال' حرکات اور اوضاع کے اختلاف کے باوجود انہیں مربوط کرنے والے روابط اور

علائق کی تعداد کا تصور کریں اور اندازہ لگائیں..... پھر آؤ سائنس اور قرآن کی روشنی میں اس عالم کی تقدیر' اتزان' تنظیم' ترتیب' احکام و اتقان کا درس لیں' تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ عالم کی تکوین میں المصادفہ کا کتنا حصہ ہے؟۔

ان جملہ آیات میں جن کا تم نے مطالعہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کے ان فرمودات میں غور کرو

﴿اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ﴾ (القمر ۵۴:۴۹)

"بلاشبہ ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔"

﴿وَ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا﴾ (الفرقان ۲۵ ۲)

"اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔"

﴿وَ کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ﴾ (الرعد ۱۳:۸)

"ہر چیز کے لیے اس کے ہاں ایک مقدار مقرر ہے۔"

﴿وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ وَ اَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ﴾ (الحجر ۱۵:۱۹)

"ہم نے زمین کو پھیلایا' اس میں پہاڑ جمائے' اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔"

﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَ مَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (الحجر ۱۵:۲۱).

"کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں' اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔"

﴿وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ﴾ (المومنون ۲۳:۱۸)

"اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا"۔

﴿صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ﴾ (النمل ۲۷:۸۸)

"یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے' جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے"۔

﴿اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ﴾ (السجدۃ ۷)

"جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی"۔

﴿لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم﴾ (التین ۹۵:۴)

"تحقیق ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا"۔

﴿ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت﴾ (الملک ۶۷:۳)

"تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے"۔

﴿قل انظروا ماذا فی السموات و الارض﴾ (یونس ۱۰:۱۰۱)

"ان سے کہو زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو"۔

﴿و کاین من ایۃ فی السموات و الارض یمرون علیھا و ھم عنھا معرضون﴾ (یوسف ۱۲:۱۰۵)

"زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے"۔

﴿سنریھم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق﴾ (فصلت ۴۱:۵۳)

"عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے"۔

اے حیران! یہ اس کلام کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول محمد نبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم ناخواندہ قبیلہ کے فرزند اور ناخواندہ ماحول میں پروردہ پر چودہ صدیاں پیشتر نازل فرمایا

پس آؤ! اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں آسمانوں اور زمین کے بعض پہلوؤں پر سائنس کی روشنی میں غور کریں تاکہ دیکھیں کہ کیا اس کی تخلیق میں وہ تقدیر، اتزان، احسن اور تقویم موجود ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے تاکہ تخلیق میں المصادفہ کے بالمقابل مقصد کا کارفرما ہونا ثابت ہو جائے اور تاکہ دیکھیں کہ ذرات عناصر، اشکال، قیاس، اوزان، خواص، طبائع، نوامیس، حالات و ظروف، پیمانوں، زمانوں اور فضاؤں میں سے اس عالم کی تکوین میں متزاحم اشیاء کی کتنی تعداد ہے اور پھر سوال کریں کہ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ اس جامع، دقیق، مقدر، متوازن، محکم، محدود ترتیب کا حصول دیگر حیرت ناک متزاحم ممکنات کے

بالمقابل مجرد المصادفہ کے حق میں لکھ دیا جائے

سائنس کا کیا کہنا ہے اس تقدیر، ترتیب، اتزان، اتقان اور احسان کے متعلق جو عالم میں موجود ہے اور اس میں جو قوانین و نوامیس ہیں ان کے بارے میں سائنس کیا کہتی ہے۔

اے حیران! مجھ میں یہ استطاعت نہیں کہ میں تمہیں وہ سب کچھ بتاؤں جو سائنس کہتی ہے کیونکہ میں وہ سب کچھ نہیں جانتا جو سائنس کا کہنا ہے لیکن تم بھی کچھ جانتے ہو اور میں بھی کچھ جانتا ہوں اور میرے اور تمہارے لیے جو کچھ اور جتنا کچھ ہم جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کاریگری کی واضح نشانیوں کا اس حد تک ذکر کافی ہے جس حد تک قرآن حکیم نے اشارہ فرمایا ہے۔

اب اے حیران! کل تک کے لیے الوداع۔

* * *

toobaa-elibrary.blogspot.com

فی الآفاق

(آفاق کی وسعتوں میں)

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (سورۃ فصلت : ۵۳)

"عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ حق یہی ہے"

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

اَلْمَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ

۱

(آسمان اس کے دست راست میں لپٹے ہوئے)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشیخ: اے حیران! اب اللہ کی مخلوقات میں سے اس کی کون سی نشانیوں سے ابتداء کریں

حیران: انتخاب تو آپ فرمائیں گے۔ آسمان و زمین میں اللہ کی مخلوقات تو بے حد و حساب ہیں، کیا سب کا ذکر ممکن ہے؟

الشیخ: انتخاب میرا نہیں میں قرآن کریم کا منہج اختیار کرنے والا ہوں اور میرا انتخاب وہی ہے جو اس بارے میں علیم و حکیم کا انتخاب ہے۔ قرآن حکیم جامع اور کامل غور و فکر کی تعلیم دیتے ہوئے کہتا ہے "اولم ینظروا فی ملکوت السموت و الارض و ما خلق اللہ من شیء" (کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام میں کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو اللہ نے پیدا کیا ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا) اور اس جامع و کامل غور و فکر کو اپنے اس ارشاد میں تقسیم کیے دیتا ہے۔ "سنریھم ایاتنا فی الافاق و فی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق" (عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ وہ واقعی برحق ہے) اور آفاق اور ہمارے نفسوں میں اپنی نشانیوں میں سے جن کا انتخاب کرتا ہے انہیں اپنے ذکر میں خاص کر دیتا ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم وہی تقسیم و ترتیب اختیار کریں لیکن جیسا کہ تم نے کہا ہے اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ہر شے میں کلام کا ہمیں یارا نہیں لہٰذا ہمارے لیے اپنی بات کو انہیں آیات تک محدود رکھنا ضروری ہے جن کو قرآن کریم نے اپنے ذکر میں مخصوص کیا ہے تاکہ ہم علیم و حکیم کی منشا کے مطابق جامع و کامل غور کے لیے دو نمایاں ترین نشانیوں کا انتخاب کریں۔

حیران: تب اللہ کی آیت کا آفاق میں سے آغاز کرتے ہیں۔

الشیخ: ہاں آفاق میں سے

حیران: آسمان سے آغاز کریں

الشیخ: ہاں آسمان سے آغاز کرتے ہیں تاکہ ہم قرآن و سائنس کی روشنی میں دیکھیں کہ اس عظیم تخلیق میں اتفاق کا کتنا حصہ ہے۔ وہ خلاق عظیم اپنی کتاب کریم میں فرماتا ہے:

﴿و السمآء بنینٰھا باید و انا لموسعون﴾ (الذاریات ۵۱:۴۷)

"آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور ہم اسے وسعت دینے والے ہیں۔"

﴿او لم ینظروا فی ملکوت السموت و الارض و ما خلق اللہ من شیء﴾ (الاعراف ۷: ۱۸۵)

"کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو اللہ نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا۔"

﴿اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَ زَیَّنّٰھَا وَ مَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ﴾ (ق ۵۰: ۶)

"تو کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اسے بنایا اور آراستہ کیا اور اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے۔"

﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا﴾ (الرعد ۱۳: ۲)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں۔"

﴿وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِھَا مُعْرِضُوْنَ﴾ (الانبیاء ۲۱: ۳۲)

"اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا مگر یہ ہیں کہ کائنات کی نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔"

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ﴾ (ملک ۶۷: ۳)

"وہ جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے، تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟"

﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰھَا رَفَعَ سَمْکَھَا فَسَوّٰھَا﴾ (النازعات ۷۹: ۲۷)

"کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے اس کو بنایا، اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی پھر اس کا توازن قائم کیا۔"

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا﴾ (فاطر ۳۵: ۴۱)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے۔''

﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا﴾ (الفرقان ۲۵: ۶۱)

''بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا۔''

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ○ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾

(یٰسٓ ۳۶: ۳۸-۴۰)

''اور سورج' وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے۔ اور چاند' اس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے۔ نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاتی ہے۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔''

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ﴾ (الواقعہ ۵۶: ۷۵-۷۶)

''پس نہیں' میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے مواقع کی' اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔''

پس آؤ اے حیران! سائنس کی روشنی میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' آسمان میں عدم توازن سے مبرا الفلوق' بغیر ستون کے ایستادہ' مضبوط' مستحکم عمارت اور بغیر کسی رخنہ کے مضبوط اور بلند و بالا چھت میں غور کریں اور آسمانوں کی وسعتوں میں غور کریں جو اس قول کی مصداق ہیں جن سے متعلق ان کے خالق نے پورے جبروت الوہیت کے ساتھ فرمایا وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (اور آسمان کو ہم نے اپنے زور کے ساتھ بنایا ہے اور ہم اسے وسعت

دینے والے ہیں) اس کی تعبیر میں جو بے حد و حساب نجوم ہیں ان میں غور کریں اور غور کریں کہ ان نجوم کے وہ کون سے مواقع ہیں جو خلاق عظیم کی عظیم قسم کا محل ٹھہرے۔

اے حیران! میں تمہیں اس آسمان کی وسعت کے متعلق کیا بتاؤں؟ آسمان کی وسعتوں سے متعلق جدید سائنس نے جو معلومات حاصل کی ہیں نزول قرآن کے وقت کسی انسان کے دل میں ان کا گزر تک نہ ہوا تھا۔

تم جانتے ہو کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے یعنی ایک منٹ میں (۱۱ ملین ۱۶۰ ہزار میل) اور ہمارے سالوں میں سے ایک سال میں تقریباً چھ ہزار بلین میل اور یہ وہ مسافت ہے جسے اصطلاحی طور پر نوری سال کہتے ہیں تاکہ آسمان کی وسعتوں اور دوریوں کو اس کے ساتھ تعبیر کریں۔ لہٰذا جب ہمیں کہا جائے کہ ایک ستارہ ہم سے ایک نوری سال کے فاصلہ پر ہے تو ہم سمجھیں گے کہ وہ ہم سے قریب ۶۰۰۰ بلین میل دور ہے۔

اور اے حیران' چاند اجرام سماویہ میں سے زمین سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ اس کی روشنی ہم تک دو سیکنڈ سے کم وقت میں پہنچتی ہے کیونکہ زمین سے اس کی دوری قریب دو لاکھ چالیس ہزار میل ہے۔ لیکن سورج کی روشنی ہم تک قریباً آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے۔ کیونکہ زمین سے اس کا فاصلہ تقریباً ۹۳ ملین میل ہے۔ کیا تم اے حیران اندازہ لگا سکتے ہو کہ سورج کے بعد ہم سے قریب ترین ستارہ ہم سے کتنا دور ہوگا۔

حیران: مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب میں مدرسہ میں زیر تعلیم تھا تو مجھے بتایا گیا تھا کہ سورج کی روشنی ہم تک ۸ منٹ میں پہنچتی ہے لیکن چاند اور ستارے کے بارے میں کیا بتایا گیا تھا مجھے یاد نہیں۔

الشیخ: زمین سے قریب ترین ستارہ ہم سے قریباً چار نوری سال کے فاصلے پر ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے قریباً ۲۴ بلین میل دور ہے۔

حیران: یہ ہولناک چیز ہے۔

الشیخ: اے حیران یہ بہت چھوٹی چیز ہے اس سے آگے وہ النسر الطائر (Altair) ہے جو ہم سے ۱۶ نوری سال دور ہے۔ اور النسر الواقع (Vega) ہے جو ہم سے ۳۰ نوری سال دور ہے۔ اور السماک الرامح (Arcturus) ہے جو ہم سے ۵۰ نوری سال دور ہے یعنی

۲۹۴ بلین میل دور ہے۔

حیران: پھر واقعی وہ تو نسبتاً چھوٹی چیز تھی اور یہ ہول ناک ہے۔

الشیخ: اے حیران! یہ بھی نسبتاً چھوٹی چیز ہے۔ اس سے آگے ستارے ہیں جو ہم سے ہزار نوری سال دور ہیں اور ہماری اس کہکشاں سے دور کے نئی سدیم (Nebula) میں سے ایک سدیم المرأۃ المسلسلہ (Andromeda) ہے۔ جو ہم سے دس لاکھ نوری سال دور ہے۔ اور اس سے آگے کئی سدیم ہیں جو سائنس دانوں کے اندازے سے بعید ہیں۔

اے حیران! کیا تمہارے لیے اتنا کچھ کافی ہے کہ تم اس دہری تائید کے معنی سمجھو جس کو خلاق عظیم نے آسمان کی وسعتوں سے یہ کہہ کر تعبیر فرمایا ہے

﴿وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾

حیران: سبحان خلاق العظیم ... سبحانہ!

الشیخ: یہ تو آسمان کی وسعتوں کا ذکر ہے۔ جہاں تک ستاروں کی تعداد کا تعلق ہے وہ تمہیں کیسے بتاؤں؟ ماضی میں ستارے ہزاروں میں شمار ہوتے تھے پھر لاکھوں میں شمار ہونے لگے پھر ان کی گنتی اربوں تک پہنچ گئی۔ لیکن آج جس کہکشاں میں ہم ہیں صرف اسی میں ۳۰ بلین ستارے شمار ہوتے ہیں۔

حیران: صرف ہماری ایک ہی کہکشاں میں ۳۰ بلین؟

شیخ: ہاں ۳۰ بلین ہماری اس کہکشاں (The Galaxy) میں جسے ہمارے ہاں درب التبان کہا جاتا ہے۔ اور اہل یورپ اسے الدرب اللبنیہ (Milky Way) کہتے ہیں۔ اور یہ وہ کہکشاں ہے جس کے ایک کونے میں ہمارا سارے کا سارا نظام شمسی واقع ہے۔ جس کے آگے سدیموں کے عالم ہیں اور ان میں سے ایک المرأۃ المسلسلہ ہے۔ لیکن سدیموں کے عالم جنہیں آج تک کیمروں کے ذریعے سے دیکھا گیا ہے ۵۰۰ ہزار سدیم ہیں۔ پھر سائنس دانوں نے کہا ہے کہ اگر ان آلات نے ترقی کی اور ان کی صلاحیت میں اضافہ ہوا تو لاکھوں سدیم دیکھ پائیں گے۔

حیران: اوہ! کتنا خوفناک! سبحان خلاق العظیم!

شیخ: اور میں تمہیں ستاروں کی منازل (مواقع) کا کیا ذکر کروں؟ سائنس والوں کی رائے

تھی کہ ان ستاروں کی منزلیں (مواقع) ہیں جن میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور ان کا خیال تھا کہ وہ ثابت ہیں اور ان کا نام انہوں نے ثوابت رکھا۔ اور انہی میں سے ہمارا سورج ہے حالانکہ وہ ثوابت میں سے نہیں جیسا کہ موجودہ زمانے کے سائنس دانوں کی تحقیق ہے بلکہ وہ سب کے سب گردش میں ہیں اور مختلف کہکشاؤں میں اپنے اپنے مستقر کی طرف ایک دوسرے میں داخل ہوتے ہوئے دوڑ رہے ہیں گویا وہ رلی ملی شہد کی مکھیوں کی فوجیں ہیں لیکن ان کی یہ دوڑ ایک دوسرے کی نسبت سے غیر متبدل اور غیر متغیر مواقع و مدارات میں اس عجیب نظام کے ساتھ جو کسی عظیم قسم کا ہے دونوں کے تکرار کے ساتھ تمام ہوتی اور جاری رہتی ہے۔

حیران: اور سورج بھی اس کے ساتھ دوڑتا رہتا ہے؟

الشیخ: کیسے نہیں حالانکہ سورج ایک کہکشاں کے ستاروں میں سے ایک ستارہ ہے۔ وہ ان کے ساتھ انہی کی طرح اپنے مدار میں سیاروں کے ایک کارواں کو کھینچتا ہوا دوڑتا رہتا ہے جن میں سے ایک زمین ہے۔

حیران: اللہ آپ کو آسودہ حال کرے جیسا کہ آپ نے مجھے آسودہ کیا ہے۔ سائنس کا اصرار تھا کہ ستارے ثوابت ہیں اور سورج ثابت ہے۔ اور میں اپنے اساتذہ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی میں جھگڑا کرتا وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (اور سورج وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے۔) اور اللہ کے اس ارشاد میں بھی وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ (اور سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں)

الشیخ: اے حیران! جو کچھ میں نے ثابت کیا ہے اس سے کیا تمہیں معلوم نہیں ہو گیا کہ سائنس کے حقائق دین حق کے متضاد نہیں ہوتے۔ ستارے تمام کے تمام گردش کرتے اور دوڑتے رہتے ہیں۔ اور سورج بھی ان کے ساتھ گردش کرتا اور دوڑتا رہتا ہے قبل ازیں سائنس دانوں نے یہ سمجھا تھا کہ سورج اپنے محور کے گرد ۲۶ دن میں ایک چکر لگاتا ہے۔ لیکن وہ اسے ثابت (ساکن) بھی سمجھتے تھے کہ نہ منتقل ہوتا ہے نہ چلتا ہے۔ لیکن آج انہیں ثابت ہو چکا ہے اور بلاشبہ کہ وہ دوڑتا رہتا ہے اور جملہ نظام شمسی آسمان میں اسی طرح دوڑتا

رہتا ہے جس طرح ہماری کہکشاں میں سارے ستارے دوڑتے رہتے ہیں اور سورج اس سے آگے عجیب رفتار سے اپنے مستقر کی طرف جیسا کہ قرآن نے کہا ہے بھاگا چلا جا رہا ہے۔ اور ان ستاروں کی منزلوں (مواقع) کے متعلق سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ ان کی روشنی اور ان کی تعداد کے مطابق ان کی مستقل حتمی اقدار (درجے) ہیں۔ ماضی بعید میں سائنس دان ان کو چھ تک شمار کر کے رک گئے تھے۔ پھر سائنس کی قدر منکشف کرتی رہی حتی کہ ان کی تعداد بیس تک پہنچی۔ پھر اکیسویں قدر تک۔ ان اقدار میں تعجب خیز بات یہ ہے کہ کبھی ستاروں کی تعداد کے مطابق اور کبھی ان کی روشنی یا قوت کے مطابق ان کی رفتار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ ستاروں کی تعداد میں حیرت ناک نسبتوں کے ساتھ تسلسل جاری رہتا ہے اور ایک قدر سے دوسری قدر تک تواتر میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ قدر اول میں ستاروں کی تعداد ۱۴ ہوتی ہے پھر مسلسل اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتی کہ بیسویں قدر میں ستاروں کی تعداد ۶۹۰ ملین ہوتی ہے اور اکیسویں قدر میں یہ تعداد ۲ ارب تک جا پہنچتی ہے لیکن جہاں تک روشنی کی طاقت کا تعلق ہے تعجب ہے کہ روشنی کی قوت قدر اول سے لے کر قدر دہم تک تسلسل کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے اور قدر کے ستاروں کی تعداد کے اضافے کے ساتھ ساتھ اس کے ستاروں کی روشنی کی قوت بھی بڑھتی رہتی ہے لیکن دسویں قدر کے بعد یہ (قدرت) کی نشانی انتہا ہو جاتی ہے اور روشنی کی قوت کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

اور نظام شمسی میں دوریوں کے مابین تم یہ تناسب دیکھو گے اور تم جانتے ہو کہ شمسی مجموعہ میں آٹھ بے نور سیارے ہیں جو سورج کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ان میں سب سے چھوٹا عطارد (Mercury) ہے پھر مریخ (Mars) پھر زہرہ (Venus) پھر زمین (Earth) پھر یورینس (Uranus) پھر نیپچون (Neptune) پھر زحل (Saturn) اور پھر مشتری (Jupiter) پھر پلوٹو (Pluto) جسے تیس سال قبل دریافت کیا گیا ہے وہ اپنے قلیل حجم اور سورج سے بڑی دوری میں ایک شاذ سیارہ ہے۔ وہ کسی طرح بھی اس عجیب نسبت کے ابطال کا باعث نہیں ہو سکتا ہے جس کا میں تم سے سورج کے سیاروں کے بعد ذکر کروں گا۔

یہ ترتیب ان کے حجم کے مطابق ہے لیکن جہاں تک سورج سے ان کی دوری کا تعلق ہے اس میں سیاروں کی دوسری ترتیب ہے چنانچہ عطارد سورج سے ۳۶ زہرہ ۶۷ زمین ۹۳ مریخ

۱۴۲ مشتری ۴۸۴ یورینس ۱۷۸۲ نیپچون ۲۷۹۲ ملین میل کی اوسط دوری پر ہے

میں نے تمہیں یہ اجسام اور دوریاں اس لیے نہیں بتائیں کہ تمہیں وہ کچھ بتاؤں جو تم جانتے ہو یا فلک سے متعلق مبسوط کتابوں سے معلومات حاصل کر سکتے ہو۔ میں نے ان کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے تاکہ تمہیں بتاؤں کہ یہ دوریاں کس قدر عقل کو دنگ کر دینے والی مقرر نسبتوں پر مشتمل ہیں۔ سائنس دانوں کو منکشف ہوا ہے کہ ان سیاروں کی سورج سے دوریاں مقررہ مسلسل نسبتوں کے ساتھ جاری ہیں جو کہ منزلوں کے موافق چلتی رہتی ہیں۔ سب میں اول (صفر) ہے اس کے بعد ۸ عدد ہیں جو ۳ کے عدد سے شروع ہوتے ہیں پھر ان میں مضاعفہ بتدریج جاری رہتا ہے۔ (۳-۶-۱۲-۲۴-۴۸ ۹۶-۱۹۲-۳۸۴) اور جب ان میں سے ہر ایک میں عدد چار کا اضافہ کیا جائے تو پھر حاصل جمع کو نو ملین میل سے ضرب دی جائے تو اس سیارے کی دوری معلوم ہو جاتی ہے جو سورج سے عدد کی منزل میں ہو۔ مثلاً عطارد سورج سے اوسط چھتیس ملین میل دوری تک پہنچ جاتا ہے۔ اس لیے کہ دوری میں اس کی منزل پہلی ہے۔ لہذا اس کی رقم (۴) ہوگی اور جب ہم ۴ اور ۹ ملین کو ضرب دیں گے تو حاصل ضرب ۳۶ ملین میل ہوگا اور ہر سیارے کی سورج سے دوری تھوڑے سے مختلف فرقوں کے ساتھ اس نسبت سے چلتی ہے۔

لیکن سائنس دان اس پر حیرت زدہ ہو کر رہ گئے کہ دوریوں کے تفاوت میں جو منزلیں انہیں معلوم ہوئی ہیں وہ ۹ ہیں جب کہ معروف سیارے ۸ ہیں تو انہیں معلوم ہوا کہ عدد ۲۸ کی منزل میں کوئی سیارہ نہیں بلکہ عدد ۲۸ والے مریخ کے بعد عدد (۵۲) والا سیارہ مشتری آتا ہے تو اس خلا کا راز کیا ہے؟ یا تو وہ نسبت جو انہوں نے دریافت کی ہے غیر مسلسل (Non Successive) ہے اور یا وہاں پر کوئی سیارہ ہے جو عدد ۲۸ میں نظر نہیں آتا جو مریخ اور مشتری کے درمیان سورج سے ۲۵۲ ملین میل دور ہے۔

اور حیرت ناک نظام کے عجائب میں سے یہ ہے کہ سائنس دانوں کو بالآخر معلوم ہوا کہ اس خلا میں کوئی شے صرف ہے جس کا وجود ہے لیکن انہوں نے بڑے سیارے کی صورت میں نہ پایا انہوں نے بہت سے چھوٹے چھوٹے سیارے دریافت کیے جو مریخ اور مشتری کے درمیان مذکورہ خلا میں چکر لگا رہے ہیں یعنی اسی منزل کے اندر جسے انہوں نے قبل ازیں خالی خیال کیا تھا۔

تو کیا ستاروں کے مواقع (منزلوں) اور اقدار میں یہ تناسب اور سیاروں کے مواقع اور ان کی دوریوں میں یہ تناسب سارے کا سارا محض اتفاق کے اثر سے ہے اے حیران؟

حیران: آقا! ان عجائب کا تذکرہ مزید فرمایئے۔

الشیخ: مزید کیا بتاؤں فلکیات پر کتابوں میں سے کوئی کتاب ہو اور اسے پڑھو یہ ایمان و خشوع میں اضافے کا باعث ہوگا۔ اب میں تم سے کس چیز کا تذکرہ کروں' کیا ستاروں کے اجسام (و حجم) اور سورجوں کے اجسام کا ذکر کروں جو عقلوں کو دنگ کر دینے والے ہیں؟ کیا میں روشنیوں کا ذکر کروں جو آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ہیں....؟

وما قولی تبهر الابصار كانی احدثك عن شمسنا

(میرا قول کس طرح آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا ہے گویا کہ میں تمہارے ساتھ اپنے سورج کا ذکر کر رہا ہوں)

حیران: تب ایسے ستارے ہیں جو ہمارے سورج سے بڑے بھی ہیں اور ان کی روشنی بھی زیادہ حیرت ناک ہے!

الشیخ: یہ ہمارا سورج' اے حیران' اپنی روشنی اور اپنے حجم میں بڑے ستاروں کے مقابلے میں کیا ہے؟ سائنس دانوں کے اندازے کے مطابق ہمارے سورج کی روشنی ۳ ہزار ملین ملین چراغوں کے برابر تک جا پہنچتی ہے لیکن تم اس وقت کیا کہو گے جب تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ الشعری الیمانیہ (Dog Sirius Star) نامی ستارے کی روشنی ہمارے سورج کی روشنی سے ۲۶ گنا زیادہ قوی ہے اور دور کے ستاروں میں ایسے سورج ہیں جن کی روشنی ہمارے سورج سے ۱۰۰ گنا زیادہ طاقتور ہے...

حیران: کتنی خوف ناک!

الشیخ: جب تمہیں یہ معلوم ہو کہ آج سائنس نے ایسے ستارے دریافت کر لیے ہیں جن کی روشنی ہمارے سورج کی نسبت ۵۰۰ ہزار گنا قوی تر ہے تو تم کیا کہو گے.....؟

حیران: کس قدر خوف ناک اور کتنی ہولناک!

الشیخ: اے حیران! بڑے ستاروں کے اجسام اور ان کے وزن انتہائی ہولناک ہیں۔ ہماری زمین کا حجم ملین ملین مکعب کلومیٹر ہے اور سورج ہماری زمین سے حجم میں ایک ملین ۳۰۰ ہزار گنا بڑا ہے کیونکہ زمین کا اوسط قطر ۱۲۷۵۶ کلومیٹر ہے جب کہ سورج کا وسط قطر ایک ملین تین سو نوے ہزار کلومیٹر ہے۔ پس زمین کے قطر کی نسبت سورج کے مقابلے میں (۱۰۹:۱) ہے۔ اور کرہ جات کے اجسام کا تناسب ہونا اور ان کے قطروں کا مکعب ہونا تو معلوم ہی ہے پس سورج کا حجم زمین سے ۱۰۹ مکعب یعنی ایک ملین تین سو ہزار گنا زیادہ ہے

اور ہماری اس زمین کا وزن پانچ ہزار ملین ملین ملین ٹن ہے لیکن سورج کے بارے میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا وزن کتنا ہے۔ لیکن میں یہ بتاتا ہوں کہ سورج کی کمیت (Mass) یعنی اس کا وزن زمین کی کمیت سے ۳۳۲ ہزار گنا بڑا ہے۔ تم زمین کے وزن کو ۳۳۲ ہزار مرتبہ ضرب دو پھر دیکھو کہ کیا تم حاصل ضرب کو پڑھ سکتے ہو؟

اور اب اس کے بعد کہ تم نے سورج کا حجم اور اس کے قطر اور اس کا وزن بہ نسبت زمین سمجھ لیا ہے تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ منکب الجوزاء (Betelgeuse) نامی ستارے کا قطر سورج کے قطر سے قریباً ۳۶۰ ملین مرتبہ زیادہ لمبا ہے۔

حیران: اف! کس قدر ہولناک!!

الشیخ: یہ بھی (سدیم المراۃ المسلسلہ) کے حجم کی نسبت کمزور اور کم ہے جس کے بارے میں سائنس دان ایک مثال دیتے ہیں جس سے تم اس کے اور سورج کے حجم کے درمیان عظیم فرق سمجھ لو گے۔ وہ تمہیں مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ سورج کی شعاع میں نظر آنے والے تیرے کمرے کے روشن دان سے زمین پر آنے والے گرد و غبار کا حجم اور وزن زمین کے حجم اور وزن کے بالمقابل کتنا ہوگا؟

ہمارے سورج کے حجم اور وزن کا سدیم المراۃ المسلسلہ کے حجم اور وزن کے بالمقابل یہ ایک اندازہ ہے۔ اور سائنس دانوں کی یہ مثال بالکل برحق ہے۔ کیونکہ سدیم المراۃ المسلسلہ کی کمیت یعنی اس کا وزن سورج کی کمیت سے ہزار ملین کی نسبت سورج کے حجم کے بالمقابل معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تم اس کے قطر کی مقدار سورج کے قطر کی بہ نسبت معلوم کرو جس کا طول ایک ملین ۳۹۰ ہزار کلومیٹر ہے' تو کیا تم اندازہ کر سکتے ہو کہ سدیم المراۃ المسلسلہ کا قطر کتنا طویل ہوگا؟ وہ ۳۰ ہزار نوری سال تک جا پہنچتا ہے۔ یعنی سدیم المراۃ المسلسلہ کا حجم سورج کے حجم سے ملین ملین ملین ملین مرتبہ یا ارب ارب ارب ہزار مرتبہ زیادہ ہے۔

حیران اف! کتنا ہولناک' سبحان اللہ العظیم' یہ اتنے ہولناک حجم والے خوفناک وزن والے عجیب توازن کے ساتھ کیسے قائم ہیں؟

الشیخ اس کا جواب تمہیں قرآن دیتا ہے وہ تمہیں بتاتا ہے

اللّٰہُ الَّذِیْ رفع السّمٰوٰت بغَیْرِ عَمَدٍ ترونھا (وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں) اور تمہیں بتاتا ہے انّ اللّٰہ یُمْسِکُ السّمٰوٰت و الْاَرْض اَنْ تزوْلا (حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے) لیکن سائنس کا کہنا ہے کہ یہ امساک قوت کشش سے حاصل ہوتا ہے جس کے آثار سائنس دانوں نے دیکھے اور جس کے اطوار کا انہوں نے اندازہ لگایا ہے اور اس کی سطحوں کو انہوں نے چھوا ہے اور اس کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ پائے۔ انہوں نے اس کے قوانین و نوامیس کو سمجھا ہے مگر اس کے اسرار و رموز سے ناواقف ہیں

اور بخدا انہوں نے سچ کہا ہے۔ کشش ایک حقیقت ہے اور اس کے محسوب' متوازن' محکم اور دقیق قوانین ایک حقیقت ہیں۔ لیکن کیا دقیق و محکم قانون اندھے' تقاق کے آثار میں سے کوئی اثر ہو سکتا ہے۔ اے حیران!

﴿وَ ما قدرُ وا اللّٰہ حقّ قدرہٖ و الْاَرْضُ قبْضَتُہٗ یوْمَ الْقیامَۃِ و السّمٰوٰتُ مطْوِیّٰتٌ بیمِیْنِہٖ سُبْحٰنَہٗ و تعٰلٰی عمّا یُشْرِکُوْنَ﴾

"ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اس کی قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دست راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک اور بالاتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔"

* * *

اُمُّنا الحنواء

۲

(ہماری مہربان ماں)

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے حیران! آؤ اب ہم دیکھیں تاکہ قرآن اور سائنس کی روشنی میں دیکھیں اور زمین کی تخلیق و تکوین میں نظام، احکام، اتقان، حکمت اور رحمت کا مشاہدہ کریں پھر پوچھیں کہ اس عجیب و عظیم تخلیق و تکوین میں اندھے اتفاق کا کتنا حصہ ہے؟ اللہ کا فرمان ہے

﴿اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ﴾ (ابراھیم ۱۴: ۳۲)

"اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔"

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾ (طٰہٰ ۲۰: ۵۳)

"وہی (رب تو ہے) جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا اور اس میں تمہارے چلنے کو راستے بنائے اور اوپر سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے مختلف اقسام کی پیداوار نکالیں۔"

﴿اللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا﴾ (المومن ۴۰: ۶۴)

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا۔"

﴿وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ﴾ (الحجر ۱۵: ۱۹)

"اور ہم نے زمین کو پھیلایا، اس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔"

﴿وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ﴾ (ق ۵۰: ۷)

"اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اگا دیں۔"

﴿وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۞ وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الذاریات ۵۱: ۴۸-۴۹)

"اور زمین کو ہم نے بچھایا ہے اور ہم بڑے اچھے ہموار کرنے والے ہیں۔ اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں شاید کہ تم اس سے سبق لو۔"

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۞ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ۞ وَّ جَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا﴾ (المرسلات ۷۷: ۲۵-۲۷)

"کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا، زندوں کے لیے بھی اور مردوں کے لیے بھی؟ اور اس میں بلند و بالا پہاڑ جمائے اور تمہیں میٹھا پانی پلایا؟"

﴿اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (النمل ۲۷: ۶۱)

"اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (ان کاموں میں شریک) ہے؟ نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔"

﴿اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الانبیاء ۲۱: ۳۰)

"کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا، اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے؟"

﴿وَ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّ هِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ (النمل ۲۷: ۸۸)

"اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خوب جمے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔"

﴿اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الجاثیہ ۴۵: ۳)

"حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں

کے لیے۔"

اور ان کے علاوہ آیات ہیں جن میں تخلیق ارضی اور اسے حیات کے لیے موزوں بنائے جانے کا ذکر ہے لہٰذا آؤ سائنس کی روشنی میں غور کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی ہے کہ صرف زمین ہی وہ واحد سیارہ کیسے اور کیونکر ہوا کہ وہ اپنی کثافت، کشش، حرکت، ہوا، پانی وغیرہ اسباب حیات کے ساتھ جیسا کہ اللہ نے اسے ان صفات کے لیے مخصوص فرمایا ہے، حیات کے لیے موزوں بنایا گیا۔ کیا یہ اتفاق کے اثرات میں سے کسی اثر کا نتیجہ ہے یا اس میں ارادہ، تدبیر، تنظیم اور احکام کارفرما ہیں؟

ہم دیگر سات بڑے سیاروں کے سامنے ہیں۔ ان میں سے کوئی زمین کی نسبت سورج سے زیادہ قریب ہے اور کوئی زیادہ دور۔ اور کوئی ہماری زمین سے بڑا ہے اور کوئی چھوٹا۔ اور کوئی سورج اور اپنے محور کے گرد چکر کاٹنے میں ہماری زمین سے زیادہ تیز ہے اور کوئی سست۔ اور وہ تمام کے تمام سائنس کے حساب سے جس کا صحیح ہونا راجح ہے آسمان سے ٹوٹے ہوئے ہیں جیسا کہ قرآن فرماتا ہے یا سورج سے الگ شدہ ہیں جیسا کہ سائنس کا کہنا ہے اور یہ ہم متفق بات ہے۔ مگر تب ہماری زمین ہی دیگر سیاروں کو چھوڑ کر حیات کے لیے کیوں موزوں ٹھہری؟

عطارد کو لیجیے! وہ زمین کی طرح اپنے اور سورج کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے۔ لیکن وہ اپنے گرد ۸۸ دنوں کی مدت میں چکر لگاتا ہے اور اتنی ہی مدت میں وہ سورج کے گرد چکر لگاتا ہے یعنی اس کا معاملہ بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ چاند کا زمین کے ساتھ ہے اس کا ایک رخ ہمیشہ سورج کے سامنے رہتا ہے لہٰذا اس کا نصف سورج کی طرح گرم اور نصف شدید ٹھنڈا اور اس کی کثافت زمین کی کثافت کا تقریباً نصف ہے اور اس میں تجاذب کی کمی ہے نیز اس میں ہوا بھی نہیں۔ ان وجوہات کے باعث وہ حیات کے لیے موزوں نہیں۔

اور زہرہ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے گرد ۲۲۵ دنوں میں چکر لگاتا ہے اور اسی مدت میں وہ سورج کے گرد چکر لگا لیتا ہے اور چاند کی طرح اس کا ایک رخ ہمیشہ ۹۰ درجہ حرارت کے ساتھ سورج کی طرف رہتا ہے اور دوسرا رخ ۲۰ درجے صفر سے نیچے رہتا ہے اس میں ہوا ہے نہ پانی بلکہ اس میں زہریلے بخارات ہیں لہٰذا ظاہر ہے کہ وہ حیات کے لیے موزوں نہیں

اور مریخ جس کے بارے میں بعض محققین کا خیال ہے کہ اس میں ذی حیات مخلوق ہے

اپنے گرد زمین کی طرح ۲۴ گھنٹے میں ایک چکر لگا لیتا ہے لیکن سورج کے گرد اس کا چکر ۶۸۷ دنوں میں مکمل ہوتا ہے اور سورج سے اس کی دوری ۱۴۲ ملین میل ہے اور دن میں اس کی حرارت صفر سے چند درجے اوپر ہے لیکن رات کو صفر سے ۷۰ درجے نیچے چلی جاتی ہے اس کی سطح بالکل خشک ہے اس میں کوئی سمندر نہیں اور راجح یہ ہے کہ اس میں پانی بھی نہیں اور اس کی ہوا آکسیجن سے زیادہ بھاری گیس پر مشتمل ہے۔ اس کی کشش زمین کی کشش کا ایک تہائی ہے جو ہوا میں آکسیجن کی حفاظت کے لیے ناکافی ہے ان اسباب کے باعث وہ حیات کے لیے بھی موزوں نہیں ہو سکتی اور یہی رائے محقق سائنس دانوں کی ہے۔

اور مشتری سورج کے گرد ۱۲ سال میں اور اپنے محور کے گرد ۱۰ گھنٹے میں ایک چکر لگاتا ہے۔ سورج سے اس کی دوری ۴۸۳ ملین میل ہے اور اس میں درجہ حرارت صفر سے ۱۳۰ درجے نیچے ہے۔ اس کی کثافت زمین کی کثافت کا ایک چوتھائی ہے اور سائنس دانوں کا غالب خیال ہے کہ وہ گیس اور پگھلے ہوئے مواد کا کرہ ہے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ وہ زندگی کے لیے موزوں نہیں ہے۔

پھر زحل کو لیجیے اس کا سورج کے گرد چکر تقریباً ساڑھے ۲۹ سال میں اور اپنے محور کے گرد ۱۰ گھنٹے میں پورا ہوتا ہے۔ سورج سے اس کی دوری ۸۸۷ ملین میل ہے اس پر سورج کی آنے والی حرارت زمین پر آنے والی حرارت کا ۹۰واں جز ہے۔ اس کی کثافت زمین کی کثافت کی نسبت ایک چوتھائی ہے اور سائنس دانوں کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اس کی سطح متحرک سیال مادہ ہے۔ لہٰذا واضح ہے کہ وہ زندگی کے قابل نہیں ہے۔

لیکن یورینس، نیپچون اور پلوٹو ان کا زندگی کے لیے ناموزوں ہونا کئی اسباب کے باعث ہے اور بالخصوص یہ کہ پہلا سورج کے گرد ۸۴ سال اور ۷ دن میں اور اپنے محور کے گرد ۱۰ گھنٹے میں چکر لگاتا ہے اور سورج سے اس کی دوری ۱۷۸۲ ملین میل ہے اور دوسرا (نیپچون) سورج کے گرد تقریباً ۱۶۹ سال میں اور اپنے محور کے گرد ۱۰ گھنٹے میں چکر لگاتا ہے اور سورج سے اس کی دوری ۲۷۹۲ ملین میل ہے۔ اور (پلوٹو) سورج کے گرد ۲۴۷ سال میں چکر لگاتا ہے اور سورج سے اس کی دوری ۳۶۷۰ ملین میل ہے۔ اے حیران! تمہارا کیا خیال ہے کہ زندگی ایسے سیاروں میں کیسی ہوگی جن میں موسم سرما ۴۲، ۸۴ اور ۱۲۳ سال ہو اور ایسا ہی موسم گرما ہو اور دن پانچ گھنٹے کا ہو اور رات پانچ گھنٹے کی ہو....؟

اور ہماری یہ زمین، جس کی تخلیق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو ہم پر احسان فرمایا ہے اس کا اظہار کئی آیات میں کیا ہے اور اس کی تخلیق میں ارادہ، حکمت اور نظام کے جو نشانات ہیں ان کی طرف ہمیں توجہ دلائی ہے۔ یہی ایک سیارہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زندگی کے لیے موزوں بنایا ہے۔ چنانچہ سورج سے اس کا قرب معتدل ہے اور اس تک آنے والی حرارت معتدل ہے نیز اس کی کثافت دیگر تمام سیاروں سے زیادہ ہے حتیٰ کہ سورج سے بھی۔ اس کی کشش اور روزانہ گردش معتدل ہے اور وہ دن اور رات پیدا کرنے کے لیے کافی ہے، اور اس میں دن دھوپ کرنے اور رات آرام کرنے کے لیے موزوں و معتدل ہیں۔ اور اس کا معقول اور کافی سالانہ چکر کاشت کاری اور فصلوں کے پکنے کے لیے موزوں و معتدل موسم پیدا کرنے والا ہے اور زمین زندگی کے لیے موزوں اور آب و ہوا کے لیے ممتاز ہے۔ تو کیا ان تمام موزوں اسباب کا زندگی کے لیے جمع ہو جانا اتفاق کے آثار میں سے کسی اثر کا نتیجہ ہے؟

حیران: سبحان الخلاق العظیم۔ لیکن شیخ محترم نے سات خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے جنہوں نے زمین کو زندگی کے لیے موزوں بنایا ہے جب کہ قرآن نے زمین کی تخلیق اور زندگی کے لیے اس کی موزونیت کو اجمالی طور پر حکمت کے ذکر میں محصور کیا ہے۔ اور سورج سے اس کے قرب نیز اس کی حرارت، کثافت، کشش اور ہر دو گردشوں کا ذکر نہیں کیا۔

الشیخ: میں نے زمین کی جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے وہ بڑی بڑی خصوصیات ہیں اور اب میں ان کی ذیلی خصوصیات و خواص کا ذکر کروں گا۔ جہاں تک ان سات خصوصیات کا تعلق ہے ان کا ذکر قرآن نے ایسے کلام میں کیا ہے جس کے باطن کو اور جس کے ظاہر کو کم علم بھی سمجھتا ہے۔ قرب معتدل اور حرارت معتدل جو زمین پر زندگی اور زراعت کے لیے موزوں ہیں کی طرف ضمناً اشارہ کیا گیا ہے مگر کثافت اور کشش کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں واضح اشارہ موجود ہے "اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا" (وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا) اگر کشش نہ ہوتی تو زمین پر تمہارے لیے اور کسی اور شے کے لیے کبھی کوئی قرار نہ ہوتا اور روزانہ گردش کی وضاحت رات اور دن، پہاڑوں کے بادلوں کی چال چلنے (مرور الجبال مر السحاب) اور سورج کے غروب ہونے کے ساتھ سائے کے اٹھائے جانے کے ساتھ کی۔ تو تمہارا کیا خیال ہے کہ

وہ علیم و حکیم کثافت و کشش کے فطری قانون، زمین کے سالانہ چکر اور گول شکل زمین کے جھکاؤ کی تفصیل اپنے زمانے میں یوں فرماتا جب انسانیت ان مظاہر کے علم سے نابلد تھی اور اس قوم کے خطاب کے دوران جو اسے سمجھنے تک کے لیے تیار نہ تھی چہ جائیکہ اس کے معانی کو سمجھے؟

روزانہ گردش اور اس کے سبب دن اور رات کے پیدا ہونے سے متعلق قرآن میں بکثرت اشارات ہیں اور بالخصوص درج ذیل آیات:

﴿إن في خلق السموت والأرض واختلاف الليل والنهار لآيات لأولي الألباب﴾ (آل عمران ۳: ۱۹۰)

"یقیناً زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں (ان) ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔"

﴿إن في اختلاف الليل والنهار وما خلق الله في السموت والأرض لآيات لقوم يتقون﴾ (یونس ۱۰: ۶)

"یقیناً رات اور دن کے الٹ پھیر میں اور ہر اس چیز میں جو اللہ نے زمین اور آسمانوں میں پیدا کی ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (غلط بینی و غلط روی سے) بچنا چاہتے ہیں۔"

﴿ألم تر أن الله يولج الليل في النهار ويولج النهار في الليل﴾ (لقمان ۳۱: ۲۹)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں؟"

﴿يكور الليل على النهار ويكور النهار على الليل﴾ (الزمر ۳۹: ۵)

"وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے۔"

﴿يغشي الليل النهار يطلبه حثيثا﴾ (الاعراف ۷: ۵۴)

"(وہ رب) رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا

﴿وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (المومنون ۲۳: ۸۰)

"گردش لیل و نہار اسی (اللہ) کے قبضہ قدرت میں ہے۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی؟"

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ﴾ (حم السجدہ ۴۱: ۳۷)

"اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔"

﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (النمل ۲۷: ۸۸)

"تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خوب جمے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں، یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ استوار کیا ہے۔"

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ○ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ○ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا﴾ (الفرقان ۲۵: ۴۵-۴۷)

"تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے دائمی سایہ بنا دیتا۔ ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا پھر (جیسے جیسے سورج اٹھتا جاتا ہے) ہم اس سائے کو رفتہ رفتہ اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں اور وہ (اللہ ہی) ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس اور نیند کو سکون موت اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا۔"

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ○ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا ○ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا ○ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا﴾ (الشمس ۹۱: ۱-۴)

"سورج اور اس کی دھوپ کی قسم اور چاند کی قسم جب کہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے اور دن

کی قسم جب کہ وہ (سورج کو) نمایاں کر دیتا ہے اور رات کی قسم جب کہ وہ (سورج کو) ڈھانک لیتی ہے۔"

﴿أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (النمل ۲۷: ۸۶)

"کیا ان کو سجھائی نہیں دیتا کہ ہم نے رات ان کے لیے سکون حاصل کرنے کو بنائی اور دن کو روشن کیا؟ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔"

﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ﴾ (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۲)

"(دیکھو) ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے۔ رات کی نشانی کو ہم نے بے نور بنایا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور ماہ و سال کا حساب معلوم کر سکو۔"

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا﴾ (الفرقان ۲۵: ۶۲)

"وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا، ہر اس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے یا شکر گزار ہونا چاہے۔"

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ﴾ (یونس ۱۰: ۶۷)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا، اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (کھلے کانوں سے پیغمبر کی دعوت کو) سنتے ہیں۔"

ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن اور ان کے آگے پیچھے آنے جانے میں اپنے بندوں پر احسان کا اظہار فرمایا ہے لہٰذا آؤ اللہ تعالیٰ کے فرمان

کے مطابق اور سائنس کی روشنی میں رات اور دن کی تخلیق میں کارفرما نظام و حکمت میں غور کریں اور جائزہ لیں کہ اس تخلیق اور نظام میں اتفاق کا کیا حصہ ہے؟۔

اے حیران! تم جانتے ہو کہ زمین کا حجم سورج سے ایک ملین تین سو ہزار گنا کم ہے اور اس کی کمیت یعنی وزن سورج سے قریباً تین سو بتیس ہزار گنا کم ہے اور یہ کرہ تمام سیاروں سے زیادہ کثیف ہے بلکہ سورج سے بھی زیادہ' اس لیے کہ سورج کی کثافت زمین کی کثافت کا ایک چوتھائی حصہ ہے اور سورج میں ہر جسم کا اپنا نوعی ثقل اس کے اپنے' نوعی ثقل سے زیادہ ہلکا ہے جب کہ وہ زمین پر ہو۔ سورج سے زمین کی دوری ۹۳ ملین میل ہے اور اس کا یومیہ چکر چوبیس گھنٹوں میں مکمل ہوتا ہے سورج کے گرد اس کا سالانہ چکر ۳۶۵ دن کے قریب تمام ہوتا ہے اور سورج کے گرد اس کے مدار کی شکل بیضوی ہے اور اس کے اپنے گرد چکر کی رفتار ۱۰۰۰ میل فی گھنٹہ ہے۔ سورج کے گرد اس کے چکر کی رفتار ۱۸ میل فی سیکنڈ یعنی ۶۵۰۰۰ میل فی گھنٹہ ہے اور اس کے اپنے مدار پر اس کی وضع ۲۳ درجہ زاویہ کے جھکاؤ کے ساتھ ہے۔

اور سائنس کا کہنا ہے کہ اگر زمین کا حجم اس کے موجودہ حجم سے بڑا ہوتا یا چھوٹا یا اس کی ثقل اور کثافت کم ہوتی یا زیادہ تو اس پر زندگی کا معاملہ خلل یا تغیر کا شکار ہو جاتا یا مسخ ہو کر رہ جاتا کیونکہ اس کا حجم اس کی رفتار اور گردش کے متناسب ہے اور اس کی ثقل اور اس کی قوت کشش باہم متناسب ہیں۔ اگر حجم کم یا زیادہ ہوتا تو رفتار اور مدت میں تبدیلی واقع ہو جاتی۔ اگر اس کی کشش کم ہوتی تو اس میں آکسیجن کی کمی واقع ہو جاتی اور اگر گردش یومیہ نہ ہوتی تو رات اور دن یہ مسلسل اور مکمل نہ ہوتے اگر اس کی گردش کی رفتار اپنے گرد ۱۰۰۰ میل فی گھنٹہ سے زیادہ ہو جاتی یا کم جیسے کہ دوسرے سیاروں کا حال ہے مثلاً بالفرض ۱۰۰ میل فی گھنٹہ ہو جائے تو دن ۱۲۰ گھنٹوں کا ہو جائے اور کھیتیاں اس کی گرمی میں جل جائیں اور رات کے پالے میں مرجھا جائیں۔ دن کا کام اور رات کا آرام ناقص ہو کر رہ جائے۔ لیکن یہ رفتار بدستور قائم ہے اور لاکھوں سالوں میں اس میں ایک سیکنڈ کی تبدیلی بھی نہیں ہوئی۔

اور اگر وہ کشش جو ہمیں زمین سے مربوط رکھتی ہے نہ ہوتی تو ہم اس کی پشت سے نکل گئے ہوتے اور ہم اور ہمارے گھر تتر بتر ہو گئے ہوتے۔ اور اگر کشش جو ہمیں زمین سے چمٹائے رکھتی ہے اور (مرکز سے دوری) کی قوت جو ہمیں سطح زمین سے باہر کھینچ پھینکنے کے مابین وہ تعجب

انگیز اعتدال نہ ہوتا تو ہم اور ہمارے گھر اڑ گئے ہوتے اور ہمارے سمندر وسط زمین سے قطبین کی طرف منتقل ہو گئے ہوتے۔

تو کیا یہ عظیم کاریگری' عجیب و غریب استحکام اور دقیق توازن اتفاق کے آثار میں سے کسی اثر کا نتیجہ ہے؟

حیران سبحان اللہ العظیم!

الشیخ اے حیران! اگر تم ان آیات میں غور کرو جن میں

﴿التکویر' وایلاج اللیل فی النھار و النھار فی اللیل' و طلب کل منھما الآخر حثیثا' و مرور الجبال مر السحاب﴾

"(دن اور رات کے ایک دوسرے پر لپیٹے جانے' رات کے دن میں اور دن کے رات میں داخل ہونے اور دونوں کا ایک دوسرے کے پیچھے دوڑے چلے آنے اور پہاڑوں کا بادل کی طرح چلنے) کا ذکر ہے تو تم ان میں چودہ صدیاں پہلے سے زمین کے گول ہونے' اور اس کی یومیہ حرکت جن دونوں کے باعث رات اور دن کی تکمیل ہوتی ہے' کا واضح بیان دیکھو گے۔

اس لیے کہ تکویر کے معنی زمین کے گول ہونے اور اس کی یومیہ گردش کے ساتھ ہی پایہ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ تکویر کا مفہوم واضح نہیں ہوتا جب ہم زمین کو چپٹی تصور کر لیں کہ سورج اس پر طلوع اور غروب ہوتا ہے جیسا کہ متقدمین کی رائے تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ يُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ یعنی وہ رات کو دن اور دن کو رات پر لپیٹ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یولج الیل فی النھار و یولج النھار فی الیل یعنی وہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا یعنی وہ رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور دن رات کے پیچھے دوڑ چلا آتا ہے ان میں تلاحق (تتابع و استمرار) کے پورے پورے معنی جھلک رہے ہیں اور دونوں کی یک دوسرے پر لپیٹ آن واحد میں جاری رہتی ہے جب بھی رات دن پر زمین کے کسی حصہ میں چھٹ جاتی ہے دن کو رات پر دوسرے حصہ میں لپیٹ دیا جاتا ہے اور یہ معنی ساکن اور چپٹی زمین کے تصور کے ساتھ متصور نہیں ہوتے کیونکہ جب سورج اس پر طلوع ہو گا تو اسے از اول تا آخر ایک ہی

دفعہ روشن کر دے گا اور جب اس سے غائب ہو گا تو اسے ایک ہی دفعہ تاریک کر دے گا۔

جہاں تک (مر مر السحاب) یعنی پہاڑوں کا بادل کی مانند چلنے کا تعلق ہے تو یہ زمین کی اپنی محور پر یومیہ گردش پر نص صریح ہے۔ اے حیران! غور کرو۔

حیران مزید ارشاد فرمایئے۔ میرے آقا مزید ارشاد

الشیخ جہاں تک زمین کی سالانہ تعجب انگیز گردش اور اس کے ذریعے چار مختلف موسموں کا تعلق ہے تو اہل علم و دانش کے لیے بکثرت آیات میں بکثرت بارش کے ذکر میں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو تمہیں معلوم ہو جائیں گے۔ اگر یہ سالانہ گردش نہ ہوتی تو نہ موسم ہوتے نہ بارش ہوتی اور نہ زندگی۔

اب آؤ! اے حیران! سائنس کی روشنی میں دیکھیں کہ بارش برسنے کے پیچھے وہ کیا نظام و ترتیب ہے جس کا تعلق زمین کی شکل، اس کی گردش اور اس کی وضع کے ساتھ ہے تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ اس نظام و تکوین کی تکمیل میں اتفاق کا کیا حصہ ہے؟

سائنس کا یہ کہنا ہے کہ سورج کے گرد زمین کی گردش کی رفتار ۱۸ میل فی سیکنڈ ہے۔ اگر سال بھر میں بلکہ سو سال کے عرصہ میں اس کی رفتار میں ایک سیکنڈ کی کمی ہو یا بیشی تو یہ نظام خلل میں مبتلا ہو جائے گا کیونکہ لاکھوں سالوں کے گزرنے کے ساتھ گردش یا تو بہت طویل ہو جائے گی یا بہت قلیل۔ نتیجتاً چار موسموں کا نظام بگڑ جائے گا اور بارش کا عجیب و غریب نظام خراب ہو جائے گا

اگر وہ فلک (مدار) جس کے ساتھ زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے موجودہ حالت سے بڑا ہوتا یا چھوٹا جیسا کہ دوسرے سیاروں کا حال ہے تو موسموں کی مدت اور بارش کے نزول میں بگاڑ پیدا ہو جاتا۔

اور اگر وہ فلک (مدار) جس میں زمین سورج کے گرد چکر لگاتی ہے بیضوی نہ ہوتا تو بھی چار موسموں کا نظام خلل کا شکار ہو جاتا۔

اور اگر زمین حنوء (جھکی ہوئی) نہ ہوتی یعنی اگر زمین کی وضع اس کے مدار پر ۲۳ درجہ زاویہ کے حساب سے جھکی ہوئی نہ ہوتی تو زمین پر تبدیل ہونے والے چار موسموں میں خرابی پیدا ہو جاتی اور زمین کا وسطی حصہ دائمی موسم گرما میں جلتا ہوا صحرا ہوتا اور اس کا شمال اور جنوب برف کے پردوں کے نیچے دفن ہو جاتا۔

اور اگر اس کے جھکاؤ کا درجہ موجودہ درجہ سے زیادہ ہو جائے تو دونوں معتدل منطقے قطبین کی طرح طویل موسم سرما میں طویل رات یا طویل موسم گرما میں طویل دن بن جائیں۔ لہٰذا جھکاؤ کا یہ درجہ اس عظیم و عجیب تنظیم کا لازمی اور محکم درجہ ہے۔

تیز رفتاری سے مسافت، مدت، زمین کی شکل، مدار کی شکل، جھکاؤ وغیرہ تک، جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یہ جملہ اسباب جمع ہوں تو چار موسموں کی تشکیل، ہر دو اعتدالوں کی تکمیل، زمین کے پانی کی تبخیر، ہوا کا بخارات کو غبار کی پشت پر اٹھا کر لے جانا، انہیں منتشر کرنا اور ٹھنڈی فضاؤں میں لے جانا تاکہ اس کا تکاثف مکمل ہو جائے اور بارش کے قطرے بن جائیں اور رعد کی کڑک اور برق کی چمک اور بارش کا برسنا جس سے مردہ زمین میں زندگی عود کر آتی ہے، حاصل ہوتے ہیں۔ تو کیا اے حیران یہ سارا نظام ترتیب و استحکام اتفاق (المصادفہ) کا پیدا کیا ہوا ہے؟

حیران سبحان اللہ العظیم۔ بے شک ہماری ماں زمین محدب اور منحنی ہے۔ ہر کمزوری سے پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے لیے منحنی بنایا تاکہ وہ ہمارے ساتھ بے حد کمال شفقت کا سلوک کرے اور ہر خامی سے پاک ہے وہ جس نے اسے محدب بنایا تاکہ وہ ہم پر اور ہر ذی حیات شے پر نہایت مہربان ہو۔

***

toobaa-elibrary.blogspot.com

أخونا الصغير

۳

(ہمارا چھوٹا بھائی)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشیخ اور یہ چاند ہوا بھی۔ حسین و جمیل، ہمارا چھوٹا بھائی یہ چاند جس کے ہم ہمیشہ قریب رہتے ہیں حتیٰ کہ اس کے دوش بدوش، پھر اسے بے آرام کرنا شروع کر دیتے ہیں اور جیخوں کے ساتھ کاوخ زنی کرتے ہیں۔ اے حیران! یہ چاند ہے، جستجو کے سپاہی سائنس نے اس کے اسرار اس کے اطوار اس کی منزلوں اس کی قدروں اس کی تاریکیوں اور اس کی روشنی کے بارے میں کیا معلومات حاصل کر لی ہیں؟

چاند سے متعلق قرآن فرماتا ہے

﴿الم تروا کیف خلق اللّٰہ سبع سموٰت طباقا ○ و جعل القمر فیھن نورا و جعل الشمس سراجا﴾ (نوح ۷۱: ۱۵-۱۶)

"کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا؟"

﴿تبٰرک الذی جعل فی السماء بروجا و جعل فیھا سراجا و قمرا منیرا﴾ (الفرقان ۲۵: ۶۱)

"بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا۔"

﴿و من اٰیاتہ الیل و النھار و الشمس و القمر لا تسجدوا للشمس و لا للقمر و اسجدوا للّٰہ الذی خلقھن﴾ (فصلت ۴۱: ۳۷)

"اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند۔ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔"

﴿و سخر الشمس و القمر کل یجری لاجل مسمّی﴾ (الفاطر ۳۵: ۱۳)

"چاند اور سورج کو اس نے مسخر کر رکھا ہے۔ یہ سب کچھ ایک وقت مقرر تک چلے جا رہا ہے۔"

﴿و سخر لکم الشمس و القمر دآئبین﴾ (ابراھیم ۱۴: ۳۳)

"اس (اللہ) نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں۔"

﴿و الشمس و ضحٰھا ○ و القمر اذا تلٰھا ○ و النھار اذا جلّٰھا ○ و الیل اذا یغشٰھا﴾ (الشمس ۹۱: ۱-۴)

"سورج اور اس کی دھوپ کی قسم اور چاند کی قسم جب کہ وہ اس کے پیچھے آتا ہے اور دن کی قسم جب کہ وہ (سورج کو) نمایاں کر دیتا ہے اور رات کی قسم جب کہ وہ (سورج کو) ڈھانک لیتی ہے"

﴿فالق الاصباح و جعل الیل سکنا و الشمس و القمر حسبانا ذٰلک تقدیر العزیز العلیم﴾ (الانعام ۶: ۹۶)

"پردہ شب کو چاک کر کے وہی صبح نکالتا ہے۔ اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے۔ اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے (اللہ) کے ٹھہرائے ہوئے اندازے ہیں۔"

﴿الشمس و القمر بحسبان﴾ (الرحمن ۵۵: ۵)

"سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں"

﴿و القمر قدرنٰہ منازل حتّٰی عاد کالعرجون القدیم﴾ (یٰسین ۳۶: ۳۹)

"اور چاند اس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے"

﴿ھو الذی جعل الشمس ضیاءً و القمر نورا و قدرہ منازل لتعلموا عدد السنین و الحساب ما خلق اللّٰہ ذٰلک الا بالحق یفصل الاٰیات لقوم یعلمون﴾ (یونس ۱۰: ۵)

"وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو چمک دی اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی منزلیں ٹھیک ٹھیک مقرر کر دیں تا کہ تم اس سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو۔ اللہ نے یہ سب کچھ برحق ہی پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کو کھول کھول کر پیش کر رہا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔"

چاند کے بارے میں قرآن کے یہ بعض ارشادات ہیں، سائنس دانوں نے ان کے

دوسری چیز انہیں معلوم ہوئی کہ چاند ایک جسم ہے جو بذات خود بے نور ہے لیکن سورج جو بذات خود روشن ہے کے عکس سے روشنی حاصل کرتا ہے تاکہ اپنی گردش کے ساتھ زمین پر اسے منعکس کرے جیسا کہ قرآن نے صراحت فرمائی ہے۔ اور انہوں نے معلوم کیا کہ وہ زمین کے تابع ہے اور اس کے ہم قدم رہتا ہے اور اس کے ساتھ اسی طرح مغرب سے مشرق کی طرف گردش کرتا ہے۔ اس کی دو گردشیں ہیں۔ ایک اس کے اپنے گرد اور ایک زمین کے گرد لیکن اللہ سبحانہ کی حکمت بالغہ کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ دونوں چکر ایک ہی وقت میں مکمل کرے اور یہ کہ اس کا ایک ہی رخ زمین کی طرف رہے۔ ہم اس کا دوسرا رخ کبھی نہیں دیکھ پاتے۔ اس لیے کہ زمین اپنے گرد ایک مکمل چکر ایک دن میں اور سورج کے گرد اپنا ایک مکمل چکر سال میں پورا کرتی ہے اور اس دوران میں اپنے گرد ۳۶۵ چکر لگاتی ہے لیکن چاند اپنے اور زمین کے گرد ایک ہی وقت میں ایک قمری مہینے میں ایک چکر لگاتا ہے۔ یعنی یہ کہ جتنی مدت میں وہ زمین کے گرد چکر لگاتا ہے اتنی ہی مدت میں اپنے گرد ایک ہی چکر لگاتا ہے۔ اور اس دوران اپنا ایک ہی رخ اپنی ماں (زمین) کی طرف کیے رکھتا ہے اور اس کی طرف اپنی پیٹھ کبھی نہیں کرتا۔ سائنس دانوں نے صاحب حکمت عظیم خالق کی کاری گری کی یہ معرفت حاصل کی کہ چاند اپنے اس ماہانہ چکر میں ۱۳ درجے سفر کرتا ہے اور ۴۹ منٹ یومیہ مشرق کی طرف متاخر ہوتا ہے تاکہ اس کا رخ روشن ہماری طرف بتدریج کھلا رہے۔ چاند اپنا آغاز ہلال کی صورت میں کرتا ہے پھر بدر بنتا ہے اور پھر کھجور کی سوکھی ہوئی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے حتیٰ کہ چھپ جاتا ہے اور ۲۹ دن آٹھ گھنٹے بعد ہلال جدید بن کر لوٹتا ہے جس سے ہم سالوں کا شمار کرتے اور حساب لگاتے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہوا کہ چاند ہم سے دیگر اجرام فلکی کی نسبت زیادہ قریب ہے اور اس سے ۲ لاکھ ۴۰ ہزار میل سے زیادہ دور نہیں اور اس کی کمیت (وزن) زمین کی کمیت کا ۸۰واں حصہ ہے۔

اور انہیں معلوم ہوا کہ دیگر کواکب کے بھی چاند ہیں اور ان میں چھوٹے سے چھوٹا وہ ہے جس کا قطر ۳ تا ۹ میل کے درمیان ہے اور ان میں بڑے سے بڑا بھی ہے جس کا قطر ۳۲۰۰ میل تک جا پہنچتا ہے اور ان میں سے تیز سے تیز تر بھی جو اپنے کوکب کے گرد چھ گھنٹوں میں چکر لگا لیتا ہے۔ اور کوئی سست سے سست تر بھی ہے کہ اس کا چکر دو سالوں میں بھی پورا نہیں ہوتا۔ اور ان کی معلومات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ زمین کے اس چاند کے سوا دیگر کوئی چاند نہیں جس کا چکر ایک

مہینہ میں پورا ہوتا ہو اور یہی ایک چاند ہے جس کے سال کو اللہ تعالیٰ نے چار موسموں کے ساتھ بارہ مہینوں کا بنایا ہے۔ اور انہوں نے ان تمام اسرار کو سمجھا جن کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا اور انہوں نے اس نظام و استحکام میں پوشیدہ حکمت اور نعمت کو سمجھا تو کہا:

"اگر چاند اپنے اور زمین کے گرد آن واحد میں چکر نہ لگاتا اور اگر وہ اپنے چکر میں یومیہ ۱۳ درجے طے نہ کرتا اور ۴۹ منٹ متاخر نہ ہوتا تو وہ اپنی مختلف منزلوں میں منتقل نہ ہو پاتا کہ ہم اس کے تغیر پذیر چہرہ کو دیکھ پاتے۔ اور اس کا چکر مہینے میں اس لیے مکمل ہوتا ہے کہ نئے مہینے کی تجدید ہو جس سے ہم مہینوں اور سالوں کی گنتی کا حساب لگاتے ہیں اور اگر چاند اور زمین کے مابین مسافت موجودہ مسافت سے کم یا زیادہ ہوتی تو اس کا حجم موجودہ حجم سے چھوٹا یا بڑا ہوتا اور اس کا چکر طویل یا کثیر ہوتا تو یہ پورا انتظام بگڑ جاتا بلکہ پورا چاند زائل ہو جاتا۔ اس لیے کہ اگر وہ زمین سے قریب تر ہوتا تو اس کی کشش بڑھ جاتی اور زمین پر (سمندری) مد کی طغیانی بڑھ کر تمام کی تمام خشکی کو ڈبو دیتی اور اگر یہ قرب مزید بڑھتا تو زمین اسے کھینچ لیتی اور وہ زمین پر آ گرتا اگر یہ دوری بڑھ جاتی تو دوسرا سیارہ چاند کو اپنی طرف کھینچ لیتا اور ہمیں اس کی نعمتوں سے محروم کر دیتا اور اگر اس کا حجم بڑا ہوتا تو اس کی کشش کی قوت بڑھ جاتی اور اگر چھوٹا ہوتا تو کم ہو جاتی اور اگر اس کا چکر دیگر تابع چاندوں کی طرح چھوٹے سے چھوٹا گھنٹوں میں ہوتا یا طویل سے طویل سالوں میں ہوتا تو یہ نظام بگڑ جاتا جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے چاند کے ذریعے ٹھیک انداز سے بنایا ہے اور ہمارا قمری مہینہ ہفتوں کا ہوتا یا سالوں کا۔"

تو کیا اے حیران! یہ سارا نظام و احکام جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے چاند کو متعین حرکات، اس کے دوری چکر، اس کی مقرر منزلیں، اس کی مسخر قدریں، اس سے حاصل ہونے والی روشنیاں اور منظم اطوار کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے، صرف اندھے اتفاق کے اثر سے ہے؟

حیران: پاک و مبرا ہے وہ خلاق عظیم ہر قسم کی کمزوری سے۔ بخدا! یہ سب کچھ اتفاق سے جمع نہیں ہو سکتا لیکن میں نے شیخ محترم کی گفتگو سے یہ تاثر لیا تھا کہ آپ چاند پر پہنچ پانے کی کوشش کرنے والے سائنس دانوں کے عمل کو عبث تمسخر خیال کرتے ہیں

الشیخ: تم نے یہ کیسے سمجھ لیا اور تم یہ کیسے گمان کرتے ہو کہ میں سائنس اور سائنس دانوں کا مذاق اڑاتا ہوں حالانکہ میں سائنس اور سائنس دانوں کے اقوال سے [illegible]

دلائل لا رہا ہوں؟ لیکن میں مذاق اڑاتا ہوں تو ان کا اڑاتا ہوں جنہیں تم بڑے اصحاب علم سمجھتے ہو حالانکہ وہ علم سے محروم ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چاند کی طرف کسی صاروخ (Rocket) کی ترسیل یا فلک کی طرف کسی انسان کی ترسیل اللہ تعالیٰ کی کبریائی اس کے جبروت اور بادشاہی میں اس کے تصرف میں مشارکت کی مثال ہے۔ اور اگر وہ عقل سے کام لیں تو انہیں یہ ادراک حاصل ہو جائے کہ کبریائی تو اس کی ہے جس نے اس انسان کو پیدا کیا اور اسے ٹھیک ٹھاک بنایا اور نور عقل سے اسے ہدایت دی اور جس نے اس چاند کو پیدا کیا جس کی طرف سفر کے لیے کجاوے کسے جا رہے ہیں اور اس تک رسائی کی امیدیں لگائے ہوئے ہیں اور جب اللہ سبحانہ نے اپنی مشیت سے اسے توڑ پھوڑ ڈالا اور اسے منتشر کر دیا اور دیگر ستاروں کے ساتھ اسے بکھیر دیا اور اس کے اثر کو ماند کر دیا' اس دن انسان کو اس کی قدر بھی معلوم ہو جائے گی اور اپنی قدر بھی۔

***

الانبیق الاعظم

۴

(بارش ..... ایک عجوبہ)

toobaa-elibrary.blogspot.com

اشیخ اور یہ قرنیق عظیم وہ جس نے اس کے ابتدائی مراحل طے کئے' اسے بنایا' اسے تھمایا اور زمین و آسمان کے درمیان اسے بلند کیا' اس کے سمندروں کو پھیلایا اور ہموار کیا' اس کی آگ کو جلایا' اس کے بخار کو اٹھایا' اس کے بادل کو بوجھل بنایا' اس کے قطروں کو بہایا' پہاڑوں کو اس کا ٹھکانا بنایا اور ان سے ان کے دریا نکالے' اور ان کے ساتھ ان کے مدارکی تجدید کی' وہ کون ہے جس کے دست قدرت نے اس کے یہ اسرار بنائے؟ میں نے زمین کی سالانہ گردش پر گفتگو کے دوران تم سے بارشوں کا ذکر کیا تھا اور ان کے بعض اسرار کا ذکر بھی کیا تھا۔ اب سنو کہ قرآن بارش کے عمل سے متعلق کیا کہتا ہے۔ جس کے ساتھ وہ قرنیق اعظم بن جاتی ہے"

﴿أَفَرَءَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ○ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ﴾ (الواقعہ ۵۶ ۶۸ ۶۹)

"کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا' یہ پانی جو تم پیتے ہو اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟"

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ (ابراھیم ۱۴:۳۲)

"اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔"

﴿اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ﴾ (الروم ۳۰ ۴۸)

"اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اٹھاتی ہیں' پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتا ہے' پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادلوں میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔"

﴿وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ إِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ (فاطر ۳۵:۹)

"وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں' پھر ہم اسے ایک اجاڑ

علاقے کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعے سے اسی زمین کو جلا اٹھاتے ہیں جو مری پڑی تھی۔"

﴿وَاللَّهُ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ﴾ (النحل ۱۶ ۶۵)

"اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور یکایک مردہ پڑی ہوئی زمین میں اس کی بدولت جان ڈال دی۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے سننے والوں کے لیے۔"

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الانعام ۶:۹۹)

"اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی۔"

﴿وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتّٰى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ (الاعراف ۷ ۵۷)

"اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوش خبری لیے ہوئے بھیجتا ہے' پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھا لیتی ہیں تو انہیں کسی مردہ سرزمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں مینہ برسا کر (اسی مری ہوئی زمین سے) طرح طرح کے پھل نکال لاتا ہے۔"

﴿وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ○ لِّنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعٰمًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ○ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبٰى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا﴾ (الفرقان ۲۵ ۴۸-۵۰)

"اور وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے' پھر آسمان سے پاک پانی نازل کرتا ہے تاکہ ایک مردہ علاقے کو اس کے ذریعے زندگی بخشے اور اپنی مخلوق میں سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب کرے۔ اس کرشمے کو ہم

بار بار ان کے سامنے لاتے ہیں تا کہ وہ کچھ سبق لیں' مگر اکثر لوگ کفر اور ناشکری کے سوا کوئی دوسرا رویہ اختیار کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

﴿و نزلنا من السماء ماء مبارکا﴾ (ق ۵۰:۹)

''اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا۔''

﴿و انزلنا من السماء ماء بقدر﴾ (المومنون ۲۳ ۱۸)

''اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا۔''

﴿و انزلنا من المعصرات ماء ثجاجا ○ لنخرج به حبا و نباتا ○ و جنات الفافا﴾ (النبا ۷۸ ۱۴ ۱۶)

''اور بادلوں سے لگاتار بارش برسائی تا کہ اس کے ذریعہ سے غلہ اور سبزی اور گھنے باغ اگائیں۔''

﴿الم تر ان الله انزل من السماء ماء فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها﴾ (فاطر ۳۵:۲۷)

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔''

﴿الم تر ان الله انزل من السماء ماء فسلکه ینابیع فی الارض﴾ (الزمر ۳۹:۲۱)

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو سوتوں اور چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا۔''

﴿الم تر ان الله یزجی سحابا ثم یؤلف بینه ثم یجعله رکاما فتری الودق یخرج من خلاله﴾ (النور ۴۳)

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف ابر بنا دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے چلے آتے ہیں۔''

﴿او لم یروا انا نسوق الماء الی الارض الجرز فنخرج به زرعا تاکل

منه انعامهم و انفسهم افلا یبصرون﴾ (السجدہ ۳۲ ۲۷)

''اور کیا ان لوگوں نے یہ منظر کبھی نہیں دیکھا کہ ہم ایک بے آب و گیاہ زمین کی طرف پانی بہا لاتے ہیں اور پھر اسی زمین سے وہ فصل اگاتے ہیں جس سے ان کے جانوروں کو بھی چارہ ملتا ہے اور یہ خود بھی کھاتے ہیں؟''

اے حیران ان آیات اور ان سے قبل گزرنے والی آیات میں غور کرو اور گہری نظر سے اس بارش کے عمل کو سائنس کی روشنی میں دیکھو جسے ہم بڑی مقدار میں بار بار دیکھنے کے عادی ہیں اور اس میں جو عجیب و غریب نظام و احکام موجود ہے اس میں توجہ کرنے سے غافل رہتے ہیں۔

اے حیران! کیا آسمان سے ان گنت گرنے والے قطروں کا نظام (قطارہ و ترتیق) حیرت انگیز نہیں' جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اسے ایک تنظیم کے ساتھ جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ترتیب دیا اور بنایا اور جو حرارت' تبخیر' تکاثف' تجمع (مائع بننا) کے فطری قوانین کی حکمت کے ساتھ مسلسل دور (Cycle) کی صورت میں جدید اور متواصل تغیر کے حلقے میں جاری رہتا ہے جس کے ساتھ اس کا ایک حصہ دوسرے کو سیراب کرتا ہے اور ایک حصہ دوسرے حصہ سے مستعار لیتا ہے اور ہر سال اس کی واپسی کا اعادہ ہوتا رہتا ہے اور مدت میں تاخیر اور وعدہ خلافی کے بغیر قرض کو چکا دیتا ہے اور امانت کو لوٹا دیتا ہے بغیر ایک قطرے کی کمی کے اور بغیر ایک ذرے کی زیادتی کے۔؟

اور یہ بہت بڑا **بارش** کا تجربہ اس دوری تنظیم کے ساتھ ان تمام اسباب جو حرکت مدار و ضع' جھکاؤ' سمندروں کی سطح کی وسعت' سورج کی حرارت' تبخیر' تکاثف' تمیع' تجمع' تحبب (انگوری نکلنا) تساقط (ڈھیلاپن) ہواؤں اور برف پر مشتمل ہیں کے بغیر مکمل نہ ہو پاتا' تو اے حیران! کیا عقل یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے کہ ان جملہ اسباب کا جمع ہونا اور قوانین و نوامیس کا بیک وقت ان کے ساتھ ہم آہنگ ہونا اندھے اتفاق کے ساتھ ہوتا ہے ...؟

حیران: پناہ بخدا! ہلاکت ہے معاندین کے لیے۔

الشیخ: اور یہ عجیب و غریب سمندر جو اس ترتیق کے بعض اجزاء بناتا ہے اس کے اسرار کا تذکرہ میں تجھ سے کیسے کروں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی بہت سی آیت میں ہم پر اپنے احسان کے زمرے میں ہمیں اپنی عظیم قدرت سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔؟

قرآن کا فرمان ہے:

﴿اللّٰهُ الَّذِىْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِىَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (الجاثیہ ۴۵:۱۲)

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔"

﴿رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ (الاسراء ۱۷:۶۶)

"(تمہارا حقیقی) رب تو وہ ہے جو سمندر میں تمہاری کشتی چلاتا ہے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمہارے حال پر نہایت مہربان ہے۔"

﴿وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ﴾ (یٰسین ۳۶:۴۱)

"ان کے لیے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا۔"

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾ (الشوریٰ ۴۲ ۳۲)

"اس کی نشانیوں میں سے ہیں یہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح نظر آتے ہیں۔"

﴿وَ الْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ (البقرۃ ۲ ۱۶۴)

"اور وہ کشتیاں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں"۔

﴿وَ مَا يَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (فاطر ۳۵ ۱۲)

"اور پانی کے دونوں ذخیرے یکساں نہیں ہیں۔ ایک میٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے

پینے میں خوشگوار اور دوسرا سخت کھاری۔ حلق چھیل دے۔ مگر دونوں سے تم تر و تازہ گوشت حاصل کرتے ہو، پہننے کے لیے زینت کا سامان نکالتے ہو اور اسی پانی میں تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس کا سینہ چیرتی چلی جا رہی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔

اے حیران! ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کی حکمت کا بکثرت ذکر ہے اور ان میں خود سمندر کی تخلیق اور اس کی بناوٹ میں اور اس کے کڑوا ہونے میں جو حکمت کارفرما ہے اس کا ذکر ہے حالانکہ دیگر بحیروں اور دریاؤں کو اللہ نے میٹھے پانی والا بنایا ہے۔ اس کا مچھلیوں سے بھرا ہوا ہونا ایک نعمت ہے جو انسان کی بڑی غذاؤں میں سے ایک ہے بلکہ وہ غذائیت سے بھرپور اور زمانے میں سب سے زیادہ باقی رہنے والی خوراک کے سب سے بڑے خزانوں میں سے ایک خزانے پر مشتمل ایک نعمت ہے۔ اللہ کی حکمت سے سمندر کشتی کو اٹھائے رکھتا ہے اور یہ اللہ کی نعمت ہے کہ لوگ کشتی میں سفر کرتے اور تجارت کے ذریعے اللہ کا فضل تلاش کرتے ہیں۔

حیران. میں مچھلیوں کی تخلیق اور سمندر میں تجارت کے لیے سفر کی نعمت کو سمجھتا ہوں لیکن خود سمندر کی تخلیق اور اس کے کشتی کو اٹھائے رکھنے میں کارفرما حکمت کو نہیں سمجھ سکا۔

الشیخ ہاں! خود سمندر کی تخلیق اور وضع جیسی کہ وہ ہے بہت بڑی نعمت اور عظیم ترین حکمت پر مشتمل ہے۔ اگر یہ عظیم سطح آب جو کرہ ارضی کے تین چوتھائی پر چھائی ہوئی ہے براعظموں کو جدا کرنے والی نہ ہوتی تو تبخیر کا عمل مکمل نہ ہو پاتا اور نہ ہی بارش کا دوری عمل مکمل ہوتا جو زمین پر زندگی کے قیام کا باعث ہے، اور اگر اس کا پانی میٹھا بنایا جاتا تو اس میں بگاڑ پیدا ہو جاتا کیونکہ اس میں حیوانات ہوتے ہیں اور اس میں خشک اور فضول چیزیں پھینکی جاتی ہیں۔ اور اگر اسے کرہ ارضی سے الگ ایک طرف بنایا جاتا اور وہ براعظموں کے مابین انہیں جدا کرنے والا نہ ہوتا تو پانی کی یہ عجیب گردش کہ تبخیر کے ساتھ سمندر سے اس کا اٹھنا اور دریاؤں کے ذریعے اس میں واپس لوٹنا معطل ہو جاتا اور دریاؤں کے پانیوں میں خشکی دلدل بن کر لوٹ آتی۔

اے حیران! غور کرو.....

اور جہاں تک کشتی اور اللہ کی نعمت سے اس کا سمندر میں چلنے کا ذکر ہے قرآن اس کے

ساتھ اس عجیب فطری قانون المعروف قانون ارشمیدس کے راز کی طرف خفیف حکیمانہ اشارہ کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد پر کشتیاں بنائی جاتی ہیں اور مچھلیاں تیرتی ہیں۔ اے حیران! تم بتاؤ کیا یہ دقیق، متوازن اور محکم فطری قانون جس میں پانی میں غوطہ لگانے والے ہر جسم کو جو پانی کے وزن کے برابر اور اس کے حجم کے متناسب ہوتا ہے یکا یک بالکل سیدھا نیچے سے اوپر کو ابھرنے والا بنایا ہے (کیونکہ جب جسم کا وزن پانی کے وزن سے زیادہ ہوگا تو ڈوب جائے گا اور کم ہوگا تو سطح پر تیرنے لگے گا۔) یہ فطری قانون جس کے باعث مچھلیاں تیرتی ہیں اور انسان ان بحری جہازوں کو بنانے کے قابل ہوتا ہے جو اپنی جسامت، وسعت، بلندی اور وزن کے لحاظ سے پہاڑوں جیسے ہوتے ہیں، چاہے تو انہیں لوہے کے بنائے اور ان میں اپنی مرضی کے بوجھ لاد کر دقیق حساب کے ساتھ انہیں سمندر میں ڈالے اور ضمانت دے کر دو ڈوبیں گے نہیں۔ یہ فطری قانون اتفاق کے آثار میں سے کوئی اثر ہے؟

حیران حقیقت ہے کہ ہم کشتی کے ذکر سے ماوراء جو کچھ ہے اس سے بھی اور کشتی کے سمندر میں اٹھائے جانے کے فطری قانون سے بھی غافل تھے

الشیخ اے حیران! اسی طرح تم دیکھو گے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مخلوقات اور فطری قوانین کو پیدا فرمایا اور انہیں اپنی قدرت وحکمت سے ایک دوسرے کے موافق ومعاون بنایا اور کائنات کی عظیم مشین کو چلانے کے لیے بعض کو بعض کا اوزار بنایا ہے۔ پانی کو نباتات وحیوانات کی زندگی کی بنیاد بنایا ہے، دوری بارش کو بوقت ضرورت زمین کی سیرابی کا وسیلہ بنایا اور سمندر کو بارش کا دائمی معاون بنایا۔ اور عمل تبخیر وتکاثف کو بارش کے منبع، بلند ہونے اور نازل ہونے کا وسیلہ بنایا، خود سمندر کو خوراک کا خزانہ، تجارت کا ذریعہ اور کشتی کو اٹھانے والا بنایا جو انسانوں کے فائدے کے سامان لیے چلتی ہے اس قانون کی اساس پر جو پانی اور ہوا پر برابر جاری ہے لہٰذا وہ (سمندر) بلند وبالا اور بھاری بھر کم جہازوں کو اسی طرح اٹھاتا ہے جس طرح کہ ہلکے سفینوں کو۔

اے حیران! کیا عقل مان لے گی کہ یہ سارے اسباب اور فطری قوانین کا باہم جمع اور مربوط ہو جانا اتفاق کے آثار میں سے کوئی اثر ہے....؟

حیران: واللہ! ناممکن ہے۔

الشیخ اے حیران! یہ پہاڑ جن کا ذکر قرآن کی متعدد آیات میں آیا ہے ان کے بن جانے، زمین میں ان کے گڑ جانے، ان کی چوٹیوں کے بلند ہونے اور ان کی غاروں کے گہرا ہونے میں اتفاق کا کتنا حصہ ہے؟

قرآن فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾
(النحل ۱۶:۸۱)

"اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی چیزوں سے تمہارے لیے سائے کا انتظام کیا، پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں۔"

﴿هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا﴾ (الرعد ۱۳:۳)

"اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں اور دریا بہا دیئے ہیں۔"

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ۝ وَّ جَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا﴾ (المرسلات ۷۷: ۲۵-۲۷)

"کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا، زندوں کے لیے بھی اور مردوں کے لیے بھی اور اس میں بلند وبالا پہاڑ جمائے، اور تمہیں میٹھا پانی پلایا؟"

﴿وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (النحل ۱۶: ۱۵)

"اس نے زمین میں پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ زمین تم کو لے کر ڈھلک نہ جائے۔ اس نے دریا جاری کیے اور قدرتی راستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔"

﴿وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ﴾ (الحجر ۱۵:۱۹)

"ہم نے زمین کو پھیلایا، اس میں پہاڑ جمائے، اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی۔"

قرآن کریم نے پہاڑوں سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے یہ اس کا ایک حصہ ہے، اس میں

صراحت بھی ہے اور اشارہ بھی' یہ کہ وہ میخیں ہیں جنہوں نے زمین کو تھام رکھا ہے اور پردے ہیں اور ہواؤں کے سامنے رکاوٹیں ہیں' ان کی چوٹیوں پر برف کی منزلیں ہیں' ان کے درمیان میں سے پانی کے جھرنے ہیں' ان کے پردوں' گہرائیوں اور غاروں میں خزانے ہیں اور ان کے نیچے سے چشموں اور دریاؤں کے روزن ہیں- اور سائنس کا کہنا بھی یہی ہے کہ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو دائمی چشمے اور بہتے دریا نہ ہوتے جو سال بھر ہماری زمینوں کو پانی دیتے ہیں اور پھر سمندر میں جا گرتے ہیں تاکہ اس کا قرض چکا دیں۔ اور اگر زمین ساری کی ساری بچھی ہوئی پست ہوتی یا پھیلی ہوئی چپٹی تو بارش' برف اور پالا اس پر پڑتے تو پھٹ کر منتشر ہو جاتے یا زمین کے نشیب میں جمع ہو جاتے تو چشموں اور دریاؤں کے بہنے اور پھر سمندر میں جا گرنے کی کوئی سبیل نہ ہوتی- اس طرح پانی ساکن رہنے سے زمین کی سیرابی کا نظام خراب ہو جاتا بلکہ اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو بارش کا عمل غالباً بنیاد سے ہی بگڑ کر رہ جاتا-

حیران واللہ! میرے دل میں یہ کبھی خیال نہ گزرا کہ پہاڑوں کے یہ فوائد ہیں-

الشیخ واللہ! میں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر پہاڑوں کے ذکر کے ساتھ احسان فرمائی پر حیران ہوا کرتا- پھر مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ قرآن پہاڑوں کا ذکر' پانی' دریاؤں اور نباتات کے ذکر کے ساتھ ہی کرتا ہے تو میں سمجھ گیا کہ اگر یہ اونچے اونچے پہاڑ نہ ہوتے جو بارشوں کے منازل' برفوں کے جمنے اور بتدریج ان کے پگھلنے کے مقامات اور پانی کے بلند و بالا خزانے ہیں- اور دریاؤں کے بہنے کے رستے بنائے گئے ہیں جن میں سے بہہ کر یہ میدانوں کی طرف آتے ہیں تو جیسا کہ سائنس کا کہنا ہے کہ زمین کی سیرابی کا عمل معطل ہو کر رہ جاتا اور بارشوں کے پانی کا سمندر میں واپس لوٹنا بھی رک جاتا بلکہ بارش کا عمل اپنی بنیاد سے تعطل کا شکار ہو جاتا-

اے حیران! غور کرو یہ ساری تنظیم کیا اتفاق کے اثر سے ہے؟

حیران: سبحان خلاق العظیم!

الشیخ یہ عجیب ترتیب اے حیران! جس سے بارش کا عمل مکمل ہوتا ہے تم اسے ایک طرف رکھو اور اپنے دل سے اس پانی سے متعلق سوال کرو جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا "وجعلنا من الماء کل شی حی" اور سائنس نے کہا ہے کہ پانی زمین پر ہر جاندار کی

زندگی کی بنیاد ہے تو اس کے دو عناصر کی ترتیب میں اور اس کی زندگی کی بنیاد بنانے میں اتفاق کا کتنا حصہ ہے؟ یہ پانی جو اساس حیات ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے' آکسیجن اور ہائیڈروجن سے بنتا ہے لیکن پہلا دوسرے کے ساتھ نہ اونچے درجہ حرارت میں ملتا ہے اور نہ نچلے درجہ حرارت میں' تو یہ اتفاق کیسے ہو گیا کہ دیگر کواکب کو چھوڑ کر صرف زمین پر ان دو عناصر کے مل جانے اور اس پانی کے بن جانے کا جو زندگی کی بنیاد ہے' کے لیے زمین کا درجہ حرارت موافق ہو گیا-

تم کہہ سکتے ہو کہ اتحاد ممکن ہے اتفاق سے ہو جائے لیکن عناصر سے متعلق میری گفتگو سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان کے اتحاد کی تکمیل قانون دوری جو اپنے جملہ احکام کے ساتھ ثابت ہوئے بغیر نہیں ہوتی- ایک ایٹم کی سطح پر الیکٹرون کی تعداد آٹھ سے زیادہ نہیں ہو سکتی- اور میزبان کا عنصر مہمان کے عنصر کا نہ استیصال کرتا ہے اور نہ اس سے ملتا ہے جب تک کہ مہمان الیکٹرون کی تعداد فارغ ہونے والے خاندان کی تعداد کے برابر نہ ہو جائے- تو یہ قانون کیا اتفاق کے عمل سے ہے؟ اور کیا یہ بھی اتفاق کے عمل سے ہے کہ آکسیجن کا عنصر ہائیڈروجن کے عنصر کی میزبانی کرے اور ان کا باہمی اتحاد ہو جائے تاکہ ہمارے لیے پانی بن جائے جس سے زمین پر ہر ذی حیات کی زندگی کے قیام کا انحصار ہے؟-

***

toobaa-elibrary.blogspot.com

هَذَا يا الجيران

۵

(ہمسایوں کے تحائف)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشیخ اور یہ ہو جس کے ساتھ ہم اور زمین میں رہنے والے حیوان و نباتات میں سے ہر جاندار زندہ رہتا ہے۔ وہ یہ کارخانہ ہے جو زمین پر تا قیام حیات چلتا رہے گا اور اس کی خیر کبھی ختم نہ ہوگی' اس کے بننے' اس کے وافر ہونے اور زندگی کے لیے اس کے میسر آنے میں' اتفاق (المصادفہ) کا کتنا حصہ ہے؟

شیخ محترم! آپ نے تعجب انگیز کارخانہ آپ کا مجھ سے ذکر کیا تھا لیکن میرا خیال نہ تھا کہ ہوا کے لیے کوئی کارخانہ ہے بلکہ میں سمجھتا تھا کہ ہوا زمین میں محیط یک وافر اور میسر آنے والی موجود شے ہے۔ لہذا یہ کارخانہ اس سے کیا مراد ہے جس کی نہ تو رفتار میں توقف آئے گا اور نہ کبھی اس کی خیر ختم ہوگی۔

اے حیران! جان لو کہ ہوا آکسیجن بہ نسبت ۲۱ فیصد' نائٹروجن بہ نسبت ۷۸ فیصد اور بعض دیگر گیسوں سے مل کر بنتی ہے۔ آکسیجن ایک تیز دوڑنے' تیزی سے نکل جانے والا عنصر ہے۔ اس کی حالت یہ ہے کہ یا تو وہ اڑ جاتی ہے یا زمین اسے چوس لیتی ہے۔ تو پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ وہ ساری کی ساری زمین سے نکل جائے جس طرح دوسرے سیاروں سے نکل گئی ہے یا زمین اسے مکمل طور پر چوس کیوں نہیں لیتی اور پھر یہ اتفاق کس طرح ہو گیا کہ ہوا میں وہ صرف ۲۱ فیصد باقی رہتی ہے' نہ کم نہ زیادہ اور یہی وہ نسبت ہے جو ہر جاندار کی زندگی کے لیے لازمی ہے۔ اگر اس سے بڑھ جائے تو فضا میں اس کے قلیل سے شعلے سے ہماری کھیتیاں اور جنگلات جل جائیں اور اگر یہ نسبت کم ہو جائے تو ہمارا دم گھٹنے لگے۔ تو کیا یہ نسبت کی تحدید اتفاق (المصادفہ) کے آثار میں سے کوئی اثر ہے۔ اے حیران ؟

جہاں تک ہوا کے کارخانے کا تعلق ہے تو اس کی تکوین و تنظیم کا راز نہایت دقیق اور عظیم ہے۔ اور اس کی پیدائش میں تعجب انگیز اور بڑی محکم حکمت کارفرما ہے اس لیے کہ ہمارے جسم دائمی حرارت پیدا کرنے کے محتاج ہیں اور حرارت ایندھن کی محتاج ہے اور ایندھن آکسیجن ہے جس کے ساتھ ہم سانس لیتے ہیں اور وہ ہمارے جسم میں پھیپھڑوں کے ذریعے داخل ہوتی ہے اور ہماری خوراک کو جلاتی ہے لیکن ہوا میں آکسیجن کی مقدار محدود ہوتی ہے لہذا مرور ایام کے ساتھ اس کا ختم ہونا لازمی ہے کیونکہ جو آکسیجن ہم لیتے ہیں وہ جلنے کے ساتھ ہمارے کھانے میں موجود کاربن کے ساتھ مل جاتی ہے اور اس جلنے کے ساتھ کاربن ڈائی آکسائیڈ بن جاتی ہے۔ اور وہ

زہر قاتل ہے جسے ہم سانس کے ساتھ باہر ہوا میں نکال دیتے ہیں۔ پس اگر یہی صورت حال مسلسل قائم رہے تو ہوا میں موجود آکسیجن ختم ہو جائے گی' لہذا کیا ہونا چاہیے؟

تخلیق میں یہ حکمت کارفرما ہے کہ نباتات اپنی زندگی' غذا اور پھلوں کے بنانے میں کاربن کی محتاج ہیں جسے طبعی طور پر براہ راست حاصل نہیں کر سکتیں بلکہ ان کے مقدر میں یہ کیا گیا ہے کہ وہ اسے کاربن ڈائی آکسائیڈ سے حاصل کریں' اس طرح کاربن ڈائی آکسائیڈ کا ختم ہونا بھی لازمی ہے۔ پھر کیا ہونا چاہیے؟۔

اس مرحلہ پر اس خلاق عظیم کی حکمت ہمارے اور نباتات کے درمیان لین دین (Exchange) کے عجوبہ کے ساتھ منظر شہود پر آتی ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو تم نے سمجھ لیا کہ وہ سم قاتل بھی ہے اور غذا کامل بھی۔ وہ حیوان کے لیے زہر اور نبات کے لیے غذا ہے۔ وہ کاربن اور آکسیجن کے پوری طرح جل کر ملنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے جس وقت ہم آکسیجن کے ساتھ سانس لیتے ہیں اور اپنے کھانے کو جلاتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو باہر نکالتے ہیں تو ہم سانس کے باہر نکالنے کے ساتھ نادانستہ طور پر اس زہر قاتل سے بھی نجات پا لیتے ہیں اور اسے تحفے کے طور پر عالم نباتات کی طرف ارسال کر دیتے ہیں تاکہ وہ اس سے غذا حاصل کریں' اس کے ساتھ اپنی زندگی کی حفاظت کریں اور اس کے باعث پھل نکالیں' کیونکہ اس کے پتے اس زہر قاتل کو حاصل کرتے ہیں اور حیرت ناک کیمیاوی عمل کے ساتھ جو اس کے اندر موجود سبز مادہ (کلوروفل) اور سورج کی روشنی کے درمیان چلتا ہے اس زہر قاتل کو کاربن اور آکسیجن کے دو عناصر میں تحلیل کر دیتا ہے۔ کاربن کو نبات حاصل کر لیتی ہے اور اس پانی کے ساتھ جو وہ اپنی جڑوں کے ذریعے جذب کرتی ہے پگھلا کر ہمارے لیے پھلوں اور پھولوں کی صورت میں شکر کے تحائف تیار کرتی ہے اور آکسیجن کو باہر نکال دیتی ہے تاکہ ہمیں زندگی کا سانس بالکل واپس کر دے۔

؟ ہے اس خلاق عظیم کی قدرت نے اس عجیب نظم کے ساتھ یہ دائمی کارخانہ ایسے وفر مایا ہے جو آکسیجن ہمیں مہیا کرتا ہے اور کاربن نبات کو' اگر یہ حیرت ناک مبادلہ (Barter) نہ ہوتا تو زمین پر سے زندگی معطل ہو چکی ہوتی۔

اے حیران! بتاؤ کہ یہ سب کچھ اندھے اتفاق (المصادفہ) کے آثار میں سے کوئی اثر

ہے؟

حیران سبحان خلاق العظیم- بلاشبہ وہ ایک حیرتناک کارخانہ ہے جو بارش کے کارخانہ سے بھی عجیب تر اور محکم تر ہے!

الشیخ تو کیا یہ اتفاق (المصادفہ) کے قبیل سے ہے- اے حیران! قرآن حکیم تیرہ صدیوں قبل لوگوں سے کہتا ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا﴾

"اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے پھر ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے۔"

حیران، استاد محترم! میں نہیں سمجھ پایا-

الشیخ تم اس لیے نہیں سمجھے کیونکہ تم نے آیت پر غور نہیں کیا- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فاخرجنا به (پس ہم نے اس کے ساتھ نکالا) ای بالماء (یعنی پانی کے ساتھ) نبات کل شیء (ہر قسم کی نباتات) خضرا (ہرے ہرے کھیت اور درخت) پھر فرمایا نخرج منه حبا (ہم اس سے دانے نکالتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا میں ضمیر کس طرف لوٹتی ہے؟ کیا الماء کی طرف لوٹتی ہے یا نبات کی طرف یا سبزے کی طرف؟-

حیران، ظاہر ہے کہ وہ الخضر (سبزے) کی طرف لوٹ رہی ہے- لیکن اس کے کیا معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سبزہ سے دانے نکالتا ہے؟

الشیخ اے حیران! یہاں پر آیت میں اعجاز کا راز ہے- بلکہ یہاں اشارہ ہے اس راز کی طرف جو آج تک سائنس دانوں کے لیے راز ہی چلا آتا ہے-

سائنس کو معلوم ہوا ہے جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ نباتات کا گتا اور اس کی غذا کاربن سے ہے اور نباتات یہ کاربن' کاربن ڈائی آکسائیڈ زہر قاتل سے حاصل کرتے ہیں اور سائنس نے یہ بھی دریافت کیا ہے کہ نباتات کاربن ڈائی آکسائیڈ کو دو عناصر کاربن اور آکسیجن میں تحلیل کر دیتی ہیں اور کاربن حاصل کر لیتی ہیں اور اسے اس پانی کے ساتھ جو ان کی جڑوں اور

ٹہنیوں میں جذب کیا جاتا ہے تحلیل کر دیتی ہیں جس سے ان کے جسم اور پھل بنتے ہیں- لیکن کاربن ڈائی آکسائیڈ کو نباتات دو عناصر میں کیسے تحلیل کر دیتے ہیں یہی عجوبہ ہے- سائنس دانوں کو معلوم ہوا ہے کہ یہ تحلیل کلوروفل نامی سبز مادہ جو پتوں میں ہوتا ہے اور سورج کی روشنی کے مابین باہم عجیب کیمیاوی عمل کے نتیجہ کے طور پر حاصل ہوتا ہے اور کلوروفل' یہ یونانی کلمہ کلورس (Chloros) (الاخضر) یعنی بہت سبز اور Phullon بمعنی پتے سے بنا ہے-

لیکن سورج کی روشنی اور سبز مادہ کے درمیان عجیب باہمی کیمیاوی عمل کیسے حاصل ہوتا ہے؟ یہ وہ راز ہے جسے سائنس تحلیل کے عجائب میں سے ایک عجوبہ شمار کرتی چلی آ رہی ہے-

اور وہ تمام کچھ جو سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے یہ کہ اگر سبز مادہ نہ ہوتا تو باہمی کیمیاوی عمل جاری نہ رہتا اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا دو عناصر کاربن اور آکسیجن میں تحلیل ہونا ممکن نہ ہوتا- اور نہ نبات کے لیے اپنی خوراک کاربن کو حاصل کرنا ممکن ہوتا کہ اس سے وہ پھلوں کو اگائے

اے حیران! اس دقیق ضبط اور اس کمال کے ساتھ ہوا کا یہ کارخانہ اور سبز مادہ کی تخلیق اور اس کے ذریعے زہر کا غذا میں تحلیل ہو جانا اور ہمسایوں کے درمیان باقاعدہ باہمی تحائف کے تبادلوں کی تنظیم کیا یہ اتفاق (المصادفہ) کے آثار میں سے کوئی اثر ہے؟

❋ ❋ ❋

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفندق الكبير

۲

(عظیم سرائے)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشیخ اور یہ سرائے جسے اس کے مالک نے ہمارے لیے بنایا، اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کیا، ہر طرح سے اسے سجایا اور مزین کیا اور تمام عمدہ چیزوں اور نعمتوں کے ساتھ اسے تیار کیا۔ اے حیران! بتاؤ اس میں اتفاق (الصادفہ) کا کتنا حصہ ہے؟

حیران: کون سی سرائے استاد محترم؟

الشیخ یہ سرائے ارضی جس میں ہم گود سے لے کر گور تک کے سفر کے دوران مہمان ہیں۔ یہ سرائے جس میں ہم ٹھکانا، حرارت، آگ اور روشنی پاتے ہیں اور یہ طعام گاہ جس میں ہمیں ہر قسم کے کھانے اور مشروب پیش کیے جاتے ہیں، جو گوشت، دودھ، ترکاریوں اور پھلوں حتیٰ کہ شیرینی پر مشتمل ہوتے ہیں، نیز مختلف قسم کے لباس جو موسم سرما کی سردی اور موسم گرما کی گرمی سے بچاتے ہیں، ہمیں اس میں میسر ہیں۔

اے حیران! کیا تم اس کے اندر موجود منصوبہ بندی، احتیاط اور کمال کا ملاحظہ نہیں کرتے ہو؟ اس کے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو دیکھو جن کے ساتھ یہ عجیب سرائے وجود میں آئی، یہ مادہ جس کو (سائنس دانوں نے) توڑا اور اس کا تجزیہ کیا، اس کے ذرات تک رسائی حاصل کی، اس کے نوات (Nucleus) میں داخل ہوئے اور اسے چاک کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس کی قوت کو ہاتھ میں لیا، پھر انہوں نے تخریب کاریاں کیں، آگیں لگائیں، ہلاکتیں برپا کیں اور قتل کیے تو۔۔ کیا تمہارے خیال میں انہوں نے اس کی حقیقت کو پالیا یا اس سے غافل رہے؟

انہوں نے اس میں نادر ترکیب، عجیب تنظیم، سحر انگیز ہم آہنگی اور حیرت ناک کمال دیکھا تو کیا اس سب کچھ نے انہیں اس بات کی نشاندہی کی کہ یہ سب کچھ اندھے اتفاق کے آثار میں سے کوئی اثر ہے؟

ہرگز نہیں اے حیران! ہرگز نہیں۔ ماضی میں یک سائنس دان مادہ کے ظاہر کو دیکھتا اور اس کے اندرون اور باطن تک رسائی نہ کر پاتا اور (عناصر) کو کثیر انواع میں دیکھتا لیکن وہ ان کے ایک دوسرے سے جدا ہونے اور باہم جڑ جانے کے راز کو نہ سمجھ پاتا۔ وہ روشنی کو اس کے کئی رنگوں میں دیکھتا لیکن وہ اس کے تنوع اور اختلاف کو نہ سمجھ سکتا، مگر آج وہ اس کی تہ تک پہنچ گیا ہے۔ اور اللہ کو اس کے پاس پالیا ہے۔

اگر کوئی سائل بعید زمانوں کے سائنس دانوں سے سوال کرتا کہ اس کائنات کا مادہ کس

چیز سے بنا ہے تو وہ جواب دیتے کہ چار عناصر مٹی، پانی، آگ اور ہوا سے بنا ہے۔ پھر سائنس نے ترقی کی اور معلوم ہوا کہ یہ عناصر از بذہ خود دیگر کئی عناصر سے بنتے ہیں اور یہ کثیر عناصر چھوٹے چھوٹے اجزاء سے بنتے ہیں جو نظر آتے ہیں اور نہ ان کا تجزیہ ہو سکتا ہے۔ پھر سائنس نے گذشتہ صدی میں بڑی زقند لگائی اور معلوم کیا کہ یہ چھوٹے اجزاء جن کے بارے میں تاثر تھا کہ ان کا تجزیہ ممکن نہیں کیونکہ وہ ناقابل تصور حد تک چھوٹی چیز ہیں، وہ خود اپنے سے بھی بہت چھوٹے اجزاء سے بنے ہوئے ہیں اور وہ ذرات ہیں جن کا چھوٹا ہونا اس حد تک جا پہنچتا ہے کہ ان میں سے ایک کا قطر ایک انچ کا پانچ کروڑواں جز جا بنتا ہے اور اس کا وزن عناصر کے دو اجزاء کے درمیان اختلاف کے ساتھ اگرام کا (دس لاکھ x ارب x ارب) کا ۳۹۵واں جز و بنتا ہے۔

حیران: کتنا تعجب انگیز ہے!

الشیخ اور سائنس دانوں کی رائے میں یہ حجم الیکٹران اور پروٹان، جن سے ذرہ بنتا ہے، کے حجم سے بہت بڑا ہے۔ اور ہمیں فرق کے تصور سے قریب کرنے کے لیے انہوں نے یک مثال کے طور پر (جیسا کہ اگر تمہیں یاد ہو انہوں نے ذرہ غبار اور رتن اور سدیم المراۃ المسلسلہ کے مابین کیا) کہا کہ ذرہ کے حجم اور الیکٹران جو اس میں ہیں کے حجم کے درمیان اتنا فرق ہے جتنا کہ غبار کے ایک ذرہ اور ہمارے اس کمرہ کے درمیان ہے۔

حیران انتہائی تعجب خیز ہے! کیا یہ ذرہ اور پھر اس کا اتنا چھوٹا ہونا کیا اس کے جوف اور اس کے اجزاء ہیں؟

الشیخ ہاں اے حیران! سائنس دانوں کو معلوم ہوا کہ ذرہ کی تجلی ہوتی ہے جس میں ایک مرکزہ (Nucleus) پایا جاتا ہے۔ تجلی ایک الیکٹران یا عناصر کے حساب سے بہت سے الیکٹرانوں سے بنتی ہے۔ نوات ایک پروٹان یا بہت سے پروٹانوں اور ایک یا کئی نیوٹرانوں سے بنا ہوتا ہے، سوائے ہائیڈروجن کے کہ اس میں نیوٹران نہیں ہوتا۔

حیران یہ الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران کیا ہیں؟

الشیخ الیکٹران منفی برقی یونٹ سے عبارت ہے اور پروٹان مثبت برقی یونٹ سے جب کہ نیوٹران بے بار یونٹ سے عبارت ہے جو منفی ہوتا ہے نہ مثبت۔

حیران تب تو مادہ اور ہمارے سمیت پوری کائنات برقی وحدات (Units) یا برقی شحنات

(Charges) سے عبارت ہے۔

الشیخ اے حیران! یہ حقیقت ہے کہ یہ مادہ جس کے ساتھ ہمارے سمیت کائنات بنی ہے وہ ذرات، عناصر کی صورت میں جمع شدہ برقی قوتوں سے عبارت ہے۔ آئن سٹائن نے نظریہ اضافت (Relativity) پیش کیا جو کائنات سے متعلق ہے وہ کہتا ہے کہ مادہ اور قوت ایک ہی چیز ہیں۔ پھر جب ذرہ کے توڑنے اور اس کے مادہ کو قوت میں تبدیل کرنے کا امکان پیدا ہوا تو اس کی یہ رائے درست ثابت ہوئی۔

حیران جب مادہ اور قوت ایک ہی چیز ہیں اور مادہ کا قوت میں بدلنا ممکن ہے جیسا کہ ذرہ کے ٹوٹ جانے سے عملاً ثابت ہو تو پھر اس میں کیا مانع ہے کہ کسی دن قوت مادہ میں بدل جائے؟

الشیخ یہ بعید نہیں کیا تم اس (امکان) کے ساتھ اپنے آپ کو عدم سے کائنات کے مادہ کے تخلیق کے امکان کے قریب نہیں پاتے؟ اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا اے حیران اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ اے حیران!

حیران استاد محترم آج سے قبل آپ نے کبھی فلسفہ اضافت کے متعلق بات نہیں کی۔

الشیخ اضافت کوئی فلسفہ نہیں لیکن وہ محض ایک علمی نظریہ ہے۔ تمہاری خواہش ہوگی تو اس کے متعلق بات کروں گا۔ اس وقت تو ذرات کی خصوصیات کی بات مکمل کرنا چاہتا ہوں تاکہ تمہیں دکھاؤں کہ اس میں کس طرح کا نظم و ضبط موجود ہے میرا ہدف نظام کی طرف تمہاری رہنمائی ہے۔

حیران جیسے آپ مناسب سمجھیں

الشیخ نظم و ضبط کے عجائب میں یہ ہے کہ ذرہ کے خارجی مدار جسے ہم غلاف (چھلی) کہتے ہیں میں الیکٹران کی تعداد پروٹان کی تعداد کے مطابق ہوتی ہے جو اس کے مرکزہ میں ہوتی ہے۔ جب اس کے نوات میں ایک پروٹان ہوتا ہے تو اس کے مدار میں الیکٹران بھی ایک ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہائیڈروجن میں۔ اور جب اس کے نوات (مرکزہ) میں دو پروٹان ہوتے ہیں تو اس کے مدار میں الیکٹران بھی دو ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ایک ایک کر کے وزن کے لحاظ سے ہلکے عناصر سے بھاری عناصر کی طرف ذرہ یہ تعداد بڑھتی چلی جاتی

ہے۔ اور وہ یورینیم تک پہنچ جاتی ہے اور منفی الیکٹران اور مثبت پروٹان کے مابین اس عجیب توازن کے ساتھ ذرہ کا چارج تعدیل (Neutral) ہوتا ہے۔ جہاں تک نیوٹرون کا تعلق ہے اس کی تعداد ذرے کے مرکزے میں کم و بیش زیادہ الیکٹرون کی تعداد کے مطابق نہیں ہوتی کیونکہ وہ تبدیل ہوتی ہے۔

اے حیران اس نظم و ضبط پر غور کرو۔

اور اس سے عجیب تر اور عظیم تر وہ دوری نظام ہے جو ذرہ کے مدار بلکہ مداروں میں الیکٹران کی ترتیب میں باقاعدگی ظاہر کرتا ہے۔ اور نتیجتاً مختلف عناصر کی تالیف و ترکیب میں الیکٹران کی ترتیب اور تعداد کے مطابق باقاعدگی پیدا کرتا ہے۔ یہ اس طرح کہ سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ ذرہ کے مدار میں الیکٹران کے مواقع (۸) کی ترتیب سے مترتب ہوتے ہیں لہٰذا جب ذرہ کے سطحی مدار میں الیکٹران کی تعداد (۸) پہنچ جاتی ہے تو یہ بوجھ اس سطح تک کے لیے کافی ہوتا ہے بلکہ اس کی آٹھوں جگہیں (Spaces) پُر ہو جاتی ہیں پھر وہ مزید کسی الیکٹران کو جگہ نہیں دیتا۔ اور اگر کسی عنصر کے الیکٹران ۹ ہو جائیں تو نواں الیکٹران ذرہ کے مدار کے باہر دوسرا مدار اختیار کر لیتا ہے۔ اور اس طرح جب دوسرے مدار میں آٹھوں خلا پر ہو جاتے ہیں تو تیسرے میں پھر اس کے بعد چوتھے میں حتیٰ کہ آٹھواں آٹھویں تک۔

اور اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ بعض عناصر کا بعض عناصر کے ساتھ اتحاد سطح پر آٹھ والی ترتیب کے ساتھ زیادہ تر مہمان نوازی کے آداب کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ عناصر کا اتحاد ان کے الیکٹران کے مابین اس طرح ہوتا ہے کہ جب میزبان عنصر کے الیکٹرون کی تعداد مدار کی سطح پر (۸) سے کم ہوتی ہے یعنی یہ کہ اس کے پاس کوئی جگہ (Space) خالی ہوتی ہے تو وہ اس خالی جگہ میں دوسرے عنصر کا استقبال بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ کر سکتا ہے بشرطیکہ مہمان عنصر کے الیکٹران کی تعداد میزبان عنصر کی فارغ جگہوں کی تعداد کے مطابق ہو کیونکہ جس عنصر کی سطح میں ۸ الیکٹرون ہوں تو وہ معذور ہوتا ہے اور دوسرے کسی ایک کی میزبانی کے بھی قابل نہیں ہوتا۔ لیکن جس کی سطح میں سات الیکٹرون ہوں تو دوسرے عنصر جس کے سطح میں ایک الیکٹران ہو کے ساتھ اتحاد کر سکتا ہے اور وہ جس کی سطح میں ۶ الیکٹران ہوں تو وہ اس کے ساتھ متحد ہو جائے گا جس کے طبقہ میں ۲

الیکٹران ہوں وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور جب کائنات میں اصلی عناصر کا اختلاف جیسا کہ پہلے بیان ہوا الیکٹران کی تعداد کے اختلاف کے باعث ہوا اور جب کبھی بھی عنصر کے ذرے کا وزن معلوم ہو جائے تو اس کے سارے خواص معلوم ہو جاتے ہیں۔ روسی سائنس دان (منڈیف) عناصر کو ان کے ذروں کے وزن کے مطابق بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا اس نے اس کے لیے بتدریج اوپر چڑھتی ہوئی سیڑھی کا شیڈول وضع کیا لیکن جس طرح فلکیات کے ماہرین مریخ اور مشتری کے درمیان خلا کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے تھے اسی طرح اسے معلوم ہوا کہ عناصر کی دوری سیڑھی کے درجات مسلسل اور باقاعدہ پے در پے چلتے ہیں اور ان میں تین عناصر کے سوا کہیں خلا نہیں پس یا تو یہ دوری قانون بے قاعدہ اور غیر صحیح ہے اور اگر یہ صحیح اور باقاعدہ ہے تو ان خالی درجات سے گم شدہ تین عناصر کا وجود لازمی ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ منڈیف جو اپنے قانون دوری کی صحت پر یقین رکھتا تھا نے تصدیق کرنا شروع کر دیا کہ ان گم شدہ تین عناصر کا وجود زمین پر ناگزیر ہے لیکن وہ ان کے ذری وزن کی بنیاد پر جو اس کے خالی درجات میں تھا اس قابل ہو گیا کہ وہ ان کے کیمیاوی خواص متعین کرے اس طرح کہ گویا وہ انہیں دیکھ رہا تھا۔ اور حقیقت میں حیران کن بات یہ ہے کہ منڈیف کو خوش بختی سے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اس نے ۱۹۰۷ء میں اپنی موت سے قبل اپنی علمی دریافت کی صداقت دیکھ لی۔ سائنس دانوں نے ان گم شدہ عناصر کا سراغ پا لیا اور ان میں سے ہر ایک کے ذری وزن اور کیمیاوی خواص کی حقیقت وہی نکلی جس کی خبر منڈیف نے دی تھی

اے حیران کیا عقلی طور پر یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ عجیب و غریب نظام و ترتیب جو ذرہ اور کہکشاں کے اندر یکساں موجود ہے اندھے اتفاق سے ہو گیا ہو۔

حیران شیخ محترم نے ٹھیک فرمایا تھا کہ آج سائنس دان نے مادہ کی تہ تک رسائی حاصل کر لی ہے اور اللہ کو اپنے پاس پایا ہے؟۔

الشیخ اور یہ روشنی اے حیران! جس کے ذکر میں قرآن کریم کی اکثر آیات نازل ہوئیں اس کی تخلیق اس کی تکوین، تنظیم نوامیس و قوانین اس کے مختلف قسم کے رنگ اور آنکھوں پر اس کا تصرف اس سب کچھ میں اتفاق (اصادفہ) کا کتنا حصہ ہے؟۔

﴿الحمد للہ الذی خلق السمٰوٰت و الارض و جعل الظلمٰت و النور﴾

"تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔"

﴿و ما یستوی الاعمٰی و البصیر و لا الظلمٰت و لا النور و لا الظل و لا الحرور﴾

"اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہیں۔ نہ تاریکیاں اور روشنیاں برابر یکساں ہیں نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی ہے۔"

﴿قل ارءیتم ان جعل اللہ علیکم الیل سرمدا الی یوم القیامۃ من الٰہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء افلا تسمعون﴾

"ان سے کہو کبھی تم لوگوں نے غور کیا کہ اگر اللہ قیامت تک تم پر ہمیشہ کے لیے رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں؟"

﴿فلا اقسم بما تبصرون و ما لا تبصرون﴾

"پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی بھی جو تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے۔"

یہ وہ کون سی روشنی ہے جس سے ہم اشیاء کو دیکھتے ہیں اور وہ کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے جسے ہم دیکھتے ہیں اور نہیں دیکھتے اور وہ بلند و برتر قدرت کا مالک قرآن کریم میں اپنی مخلوقات کی عظیم ترین نشانیوں میں سے ہی کسی نشانی کی قسم کھاتا ہے؟

وہ شعاعیں جو سورج اور ہر روشن تارے سے ہماری زمین تک پہنچتی ہیں جیسا کہ کہا جاتا تھا کہ وہ ارتعاش کی صورت میں مختلف امداد میں یعنی اپنے طول میں مختلف امواج میں فضا کو عبور کر کے آتی ہیں یا ایتھر کو لیکن ہماری آنکھیں ان امواج کا کوئی نہایت قلیل جز ہی دیکھ پاتی ہیں اور یہ وہ امواج ہیں جو سات شمسی تصوری رنگ پیدا کرتی ہیں۔ لیکن دیگر بہت سی شعاعیں جو سرخ سے نیچے اور بنفشی سے اوپر کے درجے میں ہوتی ہیں ہماری آنکھیں انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ کیونکہ وہ ان کے دیکھنے سے عاجز پیدا کی گئی ہیں بلکہ یوں کہیے کہ وہ شعاعیں دیکھے جانے کے لیے پیدا ہی نہیں کی گئیں۔

ور شعاعوں کی لمبائیوں کا اختلاف ان کے رنگوں اور ان کے اثرات میں فرق پیدا کرتا ہے۔ طویل ترین شعاعیں جن کا طول میلوں میں ہوتا ہے اور ایک انچ میں چھ شعاعوں سے کم نہیں ہوتیں' یہ شعاعیں ہیں جو لاسلکی میں اثر انداز ہوتی اور جب شعاعیں اس سے کم ہوتی ہیں تو حرارت پیدا کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ ہم انہیں تاریک حرارت کی شعاعوں کا نام دیتے ہیں کیونکہ جب تک ان کا طول ایک انچ کے تیس ہزارویں جزو میں سے ایک جزو سے زیادہ نہیں ہوتا' ہم انہیں نہیں دیکھ پاتے اور جب وہ اس حد کو اپنی تیز رفتاری کے ساتھ پار کر لیتی ہیں' ہماری آنکھوں میں تاثیر پیدا کرنے پر قادر ہو جاتی ہیں۔ انہیں ہم روشنی کی شعاعوں کا نام دیتے ہیں اور یہی وہ شعاعیں ہیں جو سات شمسی تصویری رنگ پیدا کرتی ہیں اور سب دکھائی دینے والی شعاعوں کے رنگ اس کی رفتار کے اختلاف کے باعث مختلف ہوتے ہیں۔ جب ایک انچ میں ان کی رفتار ۳۳ ہزار موجیں ہوتی ہے تو وہ سرخ روشنی پیدا کرتی ہیں اور جب اس سے کم طول والی ہوتی ہیں تو نارنجی رنگ پیدا کرتی ہیں۔ پھر زرد' پھر سبز' پھر آسمانی' پھر نیلا' پھر جب اپنے طول میں اور زیادہ کم ہو جاتی ہیں تو نظر نہ آنے والی بن جاتی ہیں اور وہ اس روشنی کو پیدا کرتی ہیں جسے بالائے بنفشی کہا جاتا ہے جس کی تاثیر ہمیں کیمیاوی مواد میں ظاہر ہوتی ہے۔

اور اس سے آگے بہت سے درجے ہیں کیونکہ نظر آنے والی کائنات نظر نہ آنے والی کائنات کی نسبت نہایت ہی حقیر ہے اور آج تک معروف تاثیر والی موجیں ۶۷ درجے سے زیادہ میں منظم ہوتی ہیں اور ان میں سے نظر آنے والا صرف ایک درجہ ہے اور دیگر درجے نظر آنے والے نہیں۔

اے حیران! کیا تم نے اللہ کے اس ارشاد "فلا اقسم بما تبصرون و ما لا تبصرون" کے معنی سمجھ لیے ہیں اور عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ یہ ترتیب' تحدید اور تنظیم اتفاق (المصادفہ) کے اثرات میں سے کوئی اثر ہے؟

حیران: سبحانک خلاق العظیم ... لیکن میں دیکھتا ہوں کہ استاد محترم ایتھر کے وجود سے منکر ہیں' جس کے وجود کے قول پر سائنس دان متفق تھے۔

الشیخ: سائنس دان جنہوں نے ایتھر (ایتھر) کی بات کی ہے ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں جانتا کہ ایتھر کیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے وجود کو فرض کیا ہے' کیونکہ انہوں نے اپنے آپ

کو کچھ ایسے امور کے سامنے پایا جن کی علت ایتھر کے وجود کو فرض کیے بغیر ممکن نہ تھی۔ اور انہوں نے روشنی کو آواز پر قیاس کیا اور کہا کہ درمیان میں کوئی وجود ضرور ایسا ہے جو اشیاء میں نفوذ کرتا اور تاثیر کو ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کرتا رہتا ہے مثلاً جب بہت دور سے بندوق چلتی ہے اور اس کی آواز ہم تک پہنچتی ہے تو ہم سوال کرتے ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے آواز کو ہمارے کانوں تک پہنچایا ہے؟ تو ہم منتقل کرنے والی کوئی چیز نہیں پاتے لیکن ہم وہ واسطہ پاتے ہیں جو ہمارے اور بندوق کے درمیان بنتا ہے اور وہ ہوا ہے۔ بندوق کے چلنے کے ساتھ ایک لرزہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی حرکات ہماری سماعت تک پہنچتی ہیں لیکن یہ ہوا جو آواز کو ہم تک منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے روشنی کو منتقل کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے کیونکہ ہم بجلی کے چراغ کی روشنی کی طرف دیکھتے ہیں جو دور کی مسافت سے صاف ہوا میں اپنی شعاعیں بکھیر رہا ہو پھر ہوا کا ایک زوردار جھکڑ چلے تو ہم اس جھکڑ کے ذریعے روشنی میں اضطراب یا تغیر نہیں دیکھتے جیسا کہ بندوق کی آواز میں کثیر اضطراب و تغیر محسوس کرتے ہیں۔ اگر ہم شیشے کے گلوب کو ہوا سے خالی کر دیں اور خالی کرنے کے بعد اس میں برقی گھنٹی اور برقی چراغ رکھ دیں پھر اس گھنٹی میں بجلی کی رو چھوڑ دیں تو ہم ہرگز اس کی آواز نہیں سنیں گے لیکن اگر چراغ میں برقی رو چھوڑیں گے تو اسے فوراً روشن دیکھیں گے۔ پس اس سے ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ہوا روشنی کو منتقل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے۔ یہ ذریعہ (واسطہ) وہ ہے جس کا نام سائنس دانوں نے ایتھر رکھا ہے بغیر اس کے کہ اس کی حقیقت سے واقف ہوں۔ سائنسی تجربات نے ایتھر کے وجود کو ثابت نہیں کیا۔ آواز اور روشنی کے مابین تناسب اختلاف و امتیاز کے ساتھ ہے۔ آواز درحقیقت ہوا کے ساتھ ٹکراؤ اور مختلف لرزوں میں سے ایک لرزہ ہوتا ہے جو ہمارے کانوں تک پہنچتا ہے۔ اگر ہوا کا وجود نہ ہوتا تو آواز نہ ہوتی۔ لیکن روشنی' تو وہ شعاعوں کی لہریں ہیں جو فضا میں کسی واسطہ کی محتاجی کے بغیر چلتی ہیں۔

ایتھر کا موجود شے ہونا یا امر مفروض ہونا برابر ہے کیونکہ میری گفتگو میں میرا ہدف ہمیشہ یہ رہتا ہے کہ تخلیق میں نظام و حکمت کے پہلو کو تمہارے لیے نمایاں کروں' کیا تم نے اس فرق کو سمجھ لیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آواز اور روشنی کو ہم تک منتقل کرنے میں رکھا ہے؟ اور کیا تم نے تصور کیا ہے

کہ اگر آواز بھی روشنی کی طرح سورج، ستاروں اور دیگر اجرام فلکی سے ہماری طرف منتقل ہوتی تو ہماری سماعتوں کا کیا حال ہوتا؟ یا معاملہ اس کے برعکس ہوتا کہ روشنی ہماری طرف ہوا سے منتقل ہوتی تو ایسی صورت میں ہماری سماعت بھی خراب ہو جاتی اور بصارت بھی تو بتاؤ اے حیران! کیا یہ تمیز، نظم اور یہ ضبط، اتفاق (المصادفہ) کے اثرات میں سے کوئی اثر ہے؟

حیران: شیخ محترم! مزید بیان فرمائیے!

الشیخ: اور بیان کروں گا اے حیران!

حیران: لیکن شیخ محترم! آپ نے حسب وعدہ نظریہ اضافت کے متعلق بات نہیں کی۔

الشیخ: میں تمہیں نظریہ اضافت کے سوال پر مصر دیکھتا ہوں گویا تم اس کے باعث پریشان خاطر ہو۔

حیران: مجھے پریشانی کیسے نہ ہو حالانکہ اس نے عقلی اولیات و بدیہات کو الٹا دیا ہے جب کہ دو نقاط کے درمیان خط مستقیم کو سب سے چھوٹا خط ہونے سے انکار کرتا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ پیمائشیں تین نہیں چار ہیں۔ ان میں سے ایک وقت ہے اور اسی طرح کی دیگر غیر معروف باتیں۔

الشیخ: تم نے یہ کہاں سے معلوم کیں؟

حیران: میں نے اسے ایک رسالے میں پڑھا ہے اور بہت سے لوگوں سے سنا ہے۔

الشیخ: اے حیران! سائنس کے حقائق اخباری رسالوں سے اخذ نہ کرو اور نہ انہیں غیر سائنس دانوں کی زبانوں سے نکلی ہوئی باتوں سے اختیار کرو اور نہ اپنی عقل کو اولیات و بدیہات کے راستے سے ہٹنے دو اگرچہ پوری دنیا کے سائنس دان اس سے پیچھے ہونے کا مشورہ دیں اور تصدیق نہ کرو کہ عظیم سائنس دان آئن سٹائن اپنی عقل کے باوجود تناقض کا شکار ہو جاتا ہے اور بدیہات کا انکار کرتا ہے۔

آئن سٹائن (Albert Einstein) نے نظریہ کو الٹایا نہیں بلکہ اس کے پہلوؤں کی تصحیح کی ہے اور اس نے عقلی بدیہات کا انکار نہیں کیا لیکن اس نے خبردار کیا ہے کہ ہم ان کے فہم، ادراک میں مکان و زمان و حرکت (جن میں ادراک کی جانے والی شے واقع ہے) کے اعتبار سے داخل ہوں پس نظریہ اضافت جب کہتا ہے کہ دو نقاط کے درمیان خط مستقیم سب سے چھوٹا خط نہیں

اس وقت وہ اپنے حساب میں زمین کے محدب ہونے کو داخل کر لیتا ہے جس پر ہم خط مستقیم کو تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ سطح زمین کے ساتھ محدب اور منحنی ہوتا ہے۔ مثلاً یہ تصور کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ نیویارک اور پیرس کے درمیان سب سے چھوٹا خط خط مستقیم ہے جب تک ہم اسے زمین پر قیاس کرتے رہیں۔ لیکن اگر ہم مسافت کو گلوب کے اندر اس نقطہ جس پر نیویارک واقع ہے اور اس نقطہ جس پر پیرس واقع ہے کے درمیان قیاس کریں تو بدیہت کا یہ فیصلہ کہ دو نقاط کے درمیان خط مستقیم سب سے چھوٹا خط ہوتا ہے، اپنی جگہ پر بدستور قائم رہتا ہے۔ اور اضافت کا یہ کہنا کہ پیمائشیں تین نہیں، چار ہیں اور اس میں سے ایک وقت ہے تو اس کا ہم متحرک جسم کی نسبت سے اقرار کرتے ہیں نہ کہ ثابت و ساکن جسم کی نسبت اور مکان و زمان کی نسبت سے جس میں حرکت واقع ہوتی ہے اور جن کے ساتھ ادراک کرنے والا شخص کھڑا ہوتا ہے۔

اور اس کے ساتھ سائنس کی رو سے ثابت ہو گیا ہے کہ کائنات میں ذرہ سے لے کر کہکشاں تک جتنے بھی اجسام ہیں مختلف رفتاروں کے ساتھ دائمی حرکت میں ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اجسام ایک خط میں اس کی رفتار کے میلان کے ساتھ نسبتی طور پر سکڑتے ہیں اور رفتار کے بڑھنے سے بڑھتے ہیں اور اس کے گھٹنے سے سکڑ جاتے ہیں اور اس کے ساتھ کہ ثابت ہو چکا ہے کہ مادہ کی کمیت (وزن) بھی ایک نسبتی صفت ہے جسم کی رفتار بڑھنے سے اس کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ کہ ثابت ہو چکا ہے کہ وزن اور قوت میں مطلق تناسب ہے یعنی یہ کہ قوت روشنی کی رفتار کے مربع کے حاصل ضرب کے برابر ہوتی ہے۔ پس کسی جسم میں قوت کے وحدات (Units) کی تعداد ہمیشہ برابر ہوتی ہے کمیت کے وحدات اور ثابت شدہ عدد کے حاصل ضرب کے اور وہ حاصل شدہ عدد روشنی کی رفتار کا مربع ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کہ قوت اور کمیت کے درمیان یہ تناسب یعنی قوت اور مادہ کے درمیان تناسب ثابت شدہ ہے جو ان دونوں کو واحد شے بنا دیتا ہے۔ جب بھی کمیت میں اضافہ ہوتا ہے تو قوت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور جب کسی جسم کی قوت فنا ہوتی ہے تو کمیت گھٹ جاتی ہے اور اس کے ساتھ مادہ فنا کو قبول کرنے والی شے بن گیا۔ اور اس کے ساتھ کہ خود زمانہ (وقت) کا ادراک مختلف ہوتا ہے ان دو اشخاص کے ہاں جن میں سے ایک، ایک سیارے میں اور دوسرا دوسرے سیارے میں کھڑا ادراک حاصل کرتا ہے ہر دو سیاروں کی رفتار کے باہمی اختلاف کے ساتھ۔ کیونکہ زمانہ جیسا کہ تم

جانتے ہو حرکات کا نتیجہ ہے اور اس کے ساتھ زمانے کی پیمائش بھی نسبتی ہوگی۔ سائنس کے ان سب حقائق سے جن کا خلاصہ میں نے تمہیں بیان کیا ہے متعدد سائنسی نتائج نکلے ہیں۔ جن میں ایک یہ کہ متحرک اجسام کی پیمائشوں سے متعلق ہمارے تصور کو تین مکانی پیمائشوں کی بنیاد پر قائم نہیں ہونا چاہیے جنہیں ہم جانتے ہیں اور وہ طول' عرض اور گہرائی ہیں بلکہ لازم ہے کہ ہم ان میں زمانہ (وقت) کے عنصر کو شامل کریں' یعنی رفتار کا عنصر جو جیسا کہ تم جانتے ہو مادہ کے طول' اس کی کمیت اور اس کی قوت میں حکم کرتا ہے۔ اس طرح وہ اس کے بقاو فنا کی مدت کے طول میں بھی حکم کرتا ہے اور اسی طرح ہمیں نہیں چاہیے کہ ہم متعین زاویہ سے مادہ' طول' کمیت' قوت' مکان اور زمان پر الگ الگ نظر ڈالیں بلکہ ہم پر واجب ہے کہ اشیاء مدرکہ کو نسبتی نگاہ سے دیکھیں اور اس کے ساتھ ہم مکان' زمان' حرکت اور رفتار میں امتزاج پیدا کریں اور یہی ہیں معنی اضافت (Relativity) کے۔ کیا اے حیران! تم اس میں کوئی ایسی چیز دیکھتے ہو جو معقولات کو تہ وبالا کرنے والی اور بدیہیات کا انکار کرنے والی ہو اور اے حیران! کیا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ میں اضافت کے ذکر سے گریز کر رہا ہوں کہ وہ ایمان سے بعد پیدا کرتی ہے؟

حیران۔ میں ایسا ہی خیال کر رہا تھا

الشیخ ہرگز نہیں اے حیران ہرگز نہیں نظریہ اضافت نے زمان و مکاں کے مطلقاً عدم ہونے کے اقرار کے ساتھ عزالی کے ہزار سالہ قبل والے قول کی وضاحت کی ہے اور اسے ایمان باللہ سے قریب کیا ہے۔ اور اس نے مادہ اور قوت کے درمیان وحدت کے اقرار اور مادہ کے قوت اور فنا میں بدلنے کے اقرار کے ساتھ اور (تخلیق وفنا) کے ناممکن ہونے کو عدم پر ترجیح کر کے اس مقولہ (کہ کائنات میں نہ کوئی چیز پیدا کی جاتی ہے اور نہ فنا ہوتی ہے) کہنے والے کے برخلاف جب کہ یہ مقولہ ہماری عقلوں پر مسلط تھا اور جس نے عدم سے تخلیق پر ایمان لانا ہمارے لیے مشکل بنا رکھا تھا' بایں ہمہ ہمیں ایمان کے قریب کیا اور ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہوا۔

اضافیت

حیران تب تو آئن سٹائن اللہ کے وجود پر ایمان رکھنے والوں میں سے تھا!

الشیخ۔ وہ صرف مومن نہ تھا بلکہ اس کی نظر میں کوئی نابغہ روزگار عالم ایسا نہیں ہو سکتا کہ تخلیق کی حکمت و نظام کے بعض اسرار میں نفوذ کرے اور اللہ پر اس کا عظیم ایمان نہ ہو بلکہ اس کی

رائے یہ ہے کہ ایمان کے بغیر سائنس درست روش اختیار نہیں کر سکتی اور نہ ایمان سائنس کے بغیر منور ہو سکتا ہے اور اس سب کچھ کے بارے میں کہتا ہے اور کتنی تعجب آمیز بات کہتا ہے "حسین ترین روحانی جھرجھری جس کے ساتھ ہم شعور حاصل کرتے ہیں' وہ ہے جو ہم پر لرزہ طاری کرتی ہے جب ہم غیب کے دروازے کی پر اسرار دہلیز پر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ ہر علم اور ہر فن میں معرفت کا مرکز ہے۔ اور وہ شخص مردہ ہے جو اس شعور سے بیگانہ ہے اور اس طرح زندگی گزارتا ہے کہ رعب کے لیے اس کے دل کا دروازہ کھلا ہی نہیں اور ارتعاش تعجب اس کے دل میں جگہ نہیں پاتا۔ بلاشبہ دینی شعور کی حقیقت یہ ہے کہ ہم جان لیں کہ وہ ہستی جس کی ذات کی حقیقت کی معرفت ناممکن ہے' حقیقتاً موجود ہے' بلند ترین حکمت کی نشانیوں اور حسین ترین جمالیاتی انوار کے ساتھ ظاہر ہے' جن کو ہماری عاجز اور کمزور عقلیں' سوائے ان کی سادہ سطحی صورتوں کے ادراک کے ان کے عمیق دقائق کو سمجھ لینے کا ملکہ نہیں رکھتیں۔ پھر وہ ایسا صاحب ایمان عالم ہے جو اللہ کے وجود پر ایمان اور سائنس کے مابین موافقت کا ادراک رکھتا ہے اور پکار کر کہتا ہے۔ کپلر (Kepler ولادت ۱۵۷۱ء) اور نیوٹن (Newton ولادت ۱۶۴۲ء) کا ایمان اس حکمت پر کس قدر گہرا ہے' جس پر یہ کائنات بنی ہے اور ان دونوں کا یہ شوق کس قدر شعلہ زن تھا کہ وہ اس کائنات میں ظاہر نور عقل کی ایک ادنیٰ شعاع ہی دیکھ لیں؟ میں کسی ایسے حقیقی سائنس دان کا تصور نہیں کر سکتا جو اس ادراک سے محروم ہو کہ کائنات کے صحیح اصول اس حکمت پر مبنی ہیں جسے وہ عقل کے لیے قابل فہم بناتی ہے۔ ایمان کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر ایمان اندھے کی طرح ہاتھوں سے ٹٹولتا ہے"۔

حیران یہ عظیم بات ہے' شیخ محترم

الشیخ۔ اے حیران! اب آؤ مسرائے کی طرف رجوع کریں اور اس آگ کی طرف' جس کو انسان نے باورچی خانوں اور گھروں میں ساتھی بنایا ہے' یہ آگ جس کی طرف قرآن مجید نے اپنی بعض آیات میں اشارہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ہمیں ممنون فرمایا ہے تاکہ ہمیں اس کی تخلیق میں تدبیر و حکمت کی طرف توجہ دلائے۔ اے حیران! مجھے بتلاؤ کہ اس کے سامان اور استعداد کے عناصر کی تیاری' اس کے وجود کا آسانی اور وافر مقدار میں میسر آنا'

ور اس کا چھپا ہوا ہونا اور فطری قوانین اور متعین خواص کے ساتھ بوقت ضرورت سے جلانے پر انسان کی قدرت تو اس سب کچھ میں اتفاق (المصادفہ) کا کتنا حصہ ہے؟

قرآن فرماتا ہے:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ﴾ (الواقعۃ ۵۶: ۷۱-۷۴)

''کبھی تم نے خیال کیا، یہ آگ جو تم سلگاتے ہو، اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے، یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ ہم نے اس کو یاددہانی کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لیے سامان زیست بنایا ہے۔ پس اے نبیؐ! اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔''

﴿اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا ۝ فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ﴾ (یٰسین ۳۶: ۸۰)

''وہی (ذات ہے) جس نے تمہارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے اپنے چولہے روشن کرتے ہو۔''

سائنس کا کہنا ہے کہ آگ ایک مظہر (Phenomenon) سے عبارت ہے جو بعض اجسام کے جلاؤ سے نکلنے والی حرارت مہیا کرتی ہے اور احتراق (Combustion) عام معانی میں کیمیاوی مظاہر (Phenomena) سے عبارت ہے جو کسی جسم کے آکسیجن سے ملنے سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ احتراق جو حرارت پیدا کرتا ہے وہ آکسیجن اور کاربن کے اتحاد سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ کاربن فطرت میں جمادات اور ذی حیات (حیوان اور مختلف نباتات) کے اجسام میں پایا جاتا ہے لیکن اس کی سب سے زیادہ مقدار نباتات میں میسر آتی ہے۔ نباتات کا تانا بانا، جیسا کہ تمہیں معلوم ہے، تمام تر کاربن سے ہوتا ہے بلکہ نباتات کے جسم، اس کی غذا اور اس کے پھلوں کی ترکیب میں واحد عنصر کاربن ہی معلوم ہوتا ہے۔ اے حیران! کیا تم نے سمجھ لیا ہے، ان آیت میں کیا سمویا گیا ہے۔ قدرت اور حکمت کے بیان میں کتنا عظیم اور کتنا واضح اظہار ہے۔ پس آگ انسانی زندگی کی بہت بڑی ضروریات میں سے ہے، تاپنے کے لیے، کھانا پکانے کے لیے اور صنعت کاری کے لیے۔ اگر وہ ہوا اور پانی کی طرح متشکل پائی جاتی تو زندگی کی ہلاکت کا باعث ہوتی اور

اس کے لیے دائمی خطرہ بنی رہتی۔ ذرا غور تو کرو، کس طرح خالق نے اس کے فطری قوانین اور اس کے عناصر بنائے اور سبز درخت کے اندر اسے خوابیدہ قوت کے طور پر چھپا کر رکھ دیا۔ اور ہمیں بوقت ضرورت اس کو مطلوبہ مقدار میں جلانے کی قدرت عطا فرمائی اور اس کو ہمارے لیے سامان زیست اور ذریعہ تذکیر بنایا اور جب اسے ہم تازہ آبدار سبز درخت کی کمین گاہ سے نکالیں جہاں اس کے چھپے ہونے کا احتمال نہیں ہوتا تو ہم اپنے دل و دماغ میں اس عظیم قدرت اور حیرت انگیز حکمت کو تازہ کریں جس نے ہمارے لیے آگ کا درخت پیدا کیا۔ یہ ہے وہ تذکیر جس سے ایک سادہ بدوی بھی حیرت زدہ رہ جاتا ہے اور اس سے قدرت خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک سائنس دان کو بھی حیرت ہوتی ہے اور وہ اس سے ورے قدرت، حکمت، نظام، ارادہ اور تدبیر کے اسرار کا ادراک کرتا ہے۔ تو یہ آگ، اور بالفعل غیر متشکل یہ آگ، اے حیران! کیا کہا جائے کہ یہ اندھے اتفاق کے ساتھ وجود میں آئی ہے، بلکہ قوت کے ذریعے متشکل ہونے کے لیے ہر وقت تیار و مہیا اور بوقت ضرورت دقیق فطری قانون کے موافق اپنی کمین گاہ سے خارج ہونے کے لیے خارج کرنے والے کے عمل پر موقوف یہ آگ، جس کے ساتھ اللہ نے ہمیں ممنون فرمایا ہے تاکہ ہمیں اپنے وجود کی یاد دلائے، کیا اندھے اتفاق کے اثرات میں سے کوئی اثر ہے؟

حیران: سبحان اللہ العظیم!

الشیخ: اور یہ نباتات، اے حیران! جن کا ذکر قرآن کی متعدد آیات میں آیا ہے اور ان کے رنگوں اور پھلوں کا بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی مختلف اقسام کے ساتھ اور مختلف شکلوں، ذائقوں اور خوشبوؤں کے ساتھ اور مختلف خواص اور فوائد کے ساتھ بنائے جانے میں اتفاق کا کتنا حصہ ہے، حالانکہ وہ ایک ہی مٹی سے اگتی اور ایک ہی پانی سے سیراب ہوتی ہیں۔ قرآن فرماتا ہے:

﴿وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ (الرعد ۱۳: ۴)

''اور دیکھو! زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل

واقع ہیں انگور کے باغ ہیں' کھیتیاں ہیں' کھجور کے درخت ہیں جن میں کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دہرے ہیں- سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کمتر ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں-"

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا﴾ (الفاطر ۳۵:۲۷)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں' جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں-"

﴿وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الانعام ۶:۹۹)

"اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائی' پھر اس سے ہرے ہرے کھیت اور درخت پیدا کیے- پھر ان سے تہ برتہ دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کیے جو بوجھ کے مارے جھکے جاتے ہیں اور انگور زیتون اور انار کے باغ لگائے جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں- یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور ان کے پکنے کی کیفیت ذرا دیکھو' ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں-"

﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝ يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (النحل ۱۶:۱۰-۱۱)

"وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے- وہ اس پانی کے ذریعہ سے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے- اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں "

﴿وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ۝ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ﴾ (ق ۵۰:۷-۱۱)

"اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اگا دیں- یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کے لیے جو (حق کی طرف) رجوع کرنے والا ہو- اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا' پھر اس سے باغ اور فصل کے غلے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کر دیئے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہ بر تہ لگتے ہیں- یہ انتظام ہے بندوں کو رزق دینے کا- اس پانی سے ہم ایک مردہ زمین کو زندگی بخش دیتے ہیں- (مرے ہوئے انسانوں کا زمین سے) نکلنا بھی اسی طرح ہوگا "

﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ۝ فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ﴾ (المومنون ۲۳:۱۸-۲۰)

"اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا' ہم اسے جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں' پھر اس پانی کے ذریعے ہم نے تمہارے لیے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کر دیئے' تمہارے ان باغوں میں بہت سے لذیذ پھل ہیں اور ان سے تم روزی حاصل کرتے ہو اور درخت بھی ہم

نے پیدا کیا جو طور سینا سے نکلتا ہے تیل بھی لیے ہوئے اگتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن بھی۔"

﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ○ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ○ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ○ وَّزَيْتُونًا وَّنَخْلًا ○ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ○ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ○ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ﴾ (عبس ۸۰ : ۲۴ - ۳۲)

"پھر ذرا انسان اپنی خوراک کو دیکھے ہم نے خوب پانی لنڈھایا اور پھر زمین کو عجیب طرح پھاڑا پھر اس کے اندر اگائے غلے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور طرح طرح کے پھل اور چارے تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زیست کے طور پر۔"

غور کرو کس طرح سے قرآن اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت پر مختلف آیات کے ساتھ جو کائنات کی تکوین میں تدبیر ارادہ اور حکمت کے اثر کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ نہ کہ اندھے اتفاق کے اثر کی حجت بالغہ قائم کرتا ہے۔

سائنس خود اس قدرت کے سامنے حیرت زدہ کھڑی ہے جس نے ایک ہی زمین سے مختلف قسم کے نباتات پیدا کیے سائنس دان کہتے ہیں کہ وہ تمام عناصر جن نباتات سے بنتے ہیں معلوم ہیں اور سب کے سب اپنی غذا زمین کی ایک ہی مٹی سے حاصل کرتے ہیں اور ایک ہی پانی سے آبپاش ہوتے ہیں اور ایک ہی ہوا میں سانس لیتے ہیں اور ان کی غذا اور پھل ایک ہی کاربن سے بنتے ہیں لہٰذا اتفاق (المصادفہ) کے قریب تو یہ تھا کہ وہ سب کے سب ایک ہی قسم کے پیدا ہوں۔ وہ کون سا راز ہے جو ان کو ایک دوسرے سے مختلف کرتا ہے؟ پھلوں میں بھی اور ذائقوں میں بھی جیسا کہ قرآن فرماتا ہے حتیٰ کہ اگر ہم صحن میں ایک گز مربع زمین میں میٹھا ترش کڑوا اور زہریلا پودا کاشت کریں۔ اور ایک ہی پانی سے آبپاش کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جنس اپنے پھل بغیر کسی کم سے کم اختلاط و امتزاج کے مختلف اور ایک دوسرے سے ممیز نکالتے ہیں۔

آج سائنس نے دریافت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے حیوانات کے انڈوں

کی طرح نباتات کے بیجوں میں بات کی نوع کے مطابق حیہ کے مرکزہ میں کروموسومز بنائے ہیں اور اس تدبیر کے ساتھ پھلوں اور دیگر کھانے کی چیزوں کی بناوٹ میں ان کی ذائقوں اور رنگوں کے اختلاف کے ساتھ وہ (خلیہ) اپنی خصوصیات برقرار رکھتا ہے تو کیا اے حیران مرکزے کی یہ عجیب حکیم اتفاق (المصادفہ) کے اثر کا نتیجہ ہو سکتی ہے؟

پھر غور کرو کہ قرآن نے نباتات کی ان انواع میں سے جو انسان کے لیے فائدہ مند ہیں ذکر کرنے کے لیے صرف ان کو منتخب فرمایا جن کی تعداد کروڑوں تک جا پہنچتی ہے۔ یعنی غلہ زیتون کھجور انگور اور انار تاکہ تخلیق میں مقصد اور اہتمام کی طرف اشارہ کرے۔ تمہیں معلوم ہے کہ جن غذاؤں کے ہم ضرورت مند ہیں وہ کاربوہائیڈریٹ (نشاستہ اور شکر) اور روغنی مواد ہیں۔ جہاں تک پروٹین کا تعلق ہے تو مویشیوں کے ذکر کے موقع پر قرآن اس کے چشموں کا بیان فرماتا ہے جہاں تک پہلے تین کا تعلق ہے ان میں سے نشاستہ ہمیں مختلف غلوں سے حاصل ہوتا ہے اور شوگر کو ہم انگور کھجور اور انار سے حاصل کرتے ہیں اور روغنی مواد کو ہم تیل سے حاصل کرتے ہیں

اے حیران تم حساب کے اسرار میں غور کرو۔ مخاطب عرب تھے جنہیں ایسی اشیاء سے خطاب کیا جنہیں وہ پہچانتے تھے اور ان اشیاء کے ساتھ احسان کی وجہ نہیں معلوم تھی اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی مخاطب ہیں جو اللہ کے علم میں تھے کہ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ بعد آئیں گے جو ان مختلف انواع کے ذکر سے سمجھ لیں گے کہ وہ اپنی تہ میں انسان کی اہم غذائی ضرورت کے کن کن عناصر میں مشتمل ہیں ان جانوروں کے علاوہ جنہیں گھاس اور چاروں کے ذکر سے مخصوص کیا گیا۔

حیران: میں دیکھتا ہوں کہ قرآن عظیم زیتون کا بکثرت ذکر کرتا ہے اس کے درخت کو مبارک درخت کہتا ہے اور اسے اللہ کے نور کی مثال کے زمرے میں شامل کرتا ہے

الشیخ: زیتون کا درخت ان تمام قوموں کے ہاں مبارک و مقدس تھا جو قدیم زمانے سے بحر متوسط کے طاس میں آباد تھیں اور ان کے ہاں حکمت خوش حالی اور بزرگی کا راز سمجھا جاتا تھا۔ اور یہی درخت اس متوسط خطہ میں بکثرت اگتا ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ کہہ کر کی ہے اور جہاں (زیتون کا درخت) ارض مقدس میں ہر تہذیب و تمدن اور تمام آسمانی ادیان کے گہواروں کا ہمسایہ ہے۔

اور وہ کیسے مبارک نہ ہوتا۔ اسے تو اللہ نے برکت دی ہے جب کہ اللہ نے اسے نباتات کے عالم میں اپنی تخلیق کی عجیب ترین نشانیوں میں سے بنایا ہے جو اس کی قدرت حکمت اور اہتمام و تدبیر کی دلیل ہے۔ اس کے ساتھ اس میں ہمارے لیے غذا' حرارت' آگ اور روشنی چھپی ہوئی ہے جس کا ہمیں احتمال تھا نہ توقع اور نہ اس کا خیال کبھی ہمارے دل میں گزرا تھا کہ اس دائمی سبز پتوں والے درخت میں یہ سب کچھ چھپا ہوا ہوگا جس سے ہم اپنے بدنوں کے لیے روغن نما غذا' کھانوں کے لیے رنگت اور اپنے جوڑوں کے لیے حرارت کے طور پر حاصل کرتے ہیں اور اس کے تیل سے آگ اور روشنی حاصل کرتے ہیں جو روشن ہوا چڑھتا ہے اگرچہ آگ اس کو نہ چھوئے نور علی نور یهدی الله لنوره من یشاء (اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) اے حیران!

حیران۔ نُورٌ عَلٰی نُورٍ ... یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ

الشیخ اور اے حیران! زمین میں چلنے والے اور ہوا میں اڑنے والے یہ حیوانات' جن کا ذکر قرآن نے بکثرت آیات میں کیا ہے اور ان کے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے حالانکہ وہ ایک ہی اصل یعنی پانی اور مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں' ان کی تخلیق و تکوین میں اتفاق (المصادفہ) کا کتنا حصہ ہے؟ نیز ان کی اقسام' ان کی اشکال' ان کی مقدار' ان کے اعضاء' ان کی قوتوں' ان کے رنگوں' ان کی آوازوں' ان کے معجزات کی تخلیق و تکوین میں اتفاق (المصادفہ) کا کتنا حصہ ہے؟ قرآن فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِیْ عَلٰی اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (النور ۲۴: ۴۵)

"اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا' کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر' جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

﴿فَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ (الغاشیہ ۸۸: ۱۷)

"کیا یہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔؟"

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ (الانعام ۶: ۳۸)

"زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں۔"

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ (الحج ۲۲: ۷۳)

"جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔"

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ○ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (الفاطر ۳۵: ۲۷-۲۸)

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں۔ جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں پہاڑوں میں بھی مختلف رنگ سفید' سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں اور اس طرح انسانوں' جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔"

اور سائنس کا کہنا ہے کہ ان حیوانات کے اجسام جن عناصر سے بنتے ہیں وہ دریافت شدہ ہیں اور ہر حیوان پہلی ابتداء میں اس زمین کی مٹی اور پانی سے پیدا ہوا' پھر اپنی نوع میں ڈھل گیا' پھر نشو و ارتقاء کے قوانین کی بنیاد پر جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے' ترقی کی۔ معاملہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کیونکہ براہ راست تخلیق' نشو و ارتقاء کے ذریعہ تخلیق سے زیادہ اللہ پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ بخنر نے کہا لیکن یہ فطری قوانین جن کی بنیاد پر زندہ جسموں کی نشاۃ و ارتقاء ان کے تفاوت اور تطابق' ان کے توارث اور تنوع میں زندگی رواں رہتی ہے' قوانین ہیں۔ اور "قوانین" کے معانی یہ ہیں کہ حیات مقصد' ارادہ اور حکمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔ تو کیا عقل کی بات ہو سکتی ہے کہ وہ اتفاق (المصادفہ) کے آثار میں سے ایک اثر ہو؟

اور تم جانتے ہو کہ کوئی ایسا حیوان نہیں ہے جو مونث کے انڈے اور مذکر کے نطفے سے نہ بنتا ہو۔ اور سائنس کی یہ دریافت ہے کہ حیوانات کی ہر نوع کے مخصوص کروموسومز ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انڈہ دینے والے اور مادہ منویہ رکھنے والے حیوانات میں پیدا فرمائے ہیں۔ اور ان تعجب انگیز کروموسومز کے ساتھ تمام انواع ایک دوسرے سے اپنی صفات اور اپنے خواص میں متمیز ہیں باوجود اس کے کہ تمام حیوانات پانی سے پیدا کیے گئے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا ہے۔ تو بتاؤ کیا یہ تنظیم' یہ تخصیص اور یہ تمییز اندھے اتفاق کے آثار میں سے کوئی اثر ہے؟

اور وہ کون سا اتفاق (الصدفہ) ہے جس نے پسو اور ہاتھی' کھٹمل اور دریائی گھوڑے' مینڈک اور مچھلی' جونک اور مگرمچھ' ہرن اور گینڈا' کبوتر اور شتر مرغ' تتلی اور عقاب' ٹڈی اور مور' شیر اور بینا' چیونٹی اور اونٹ' مہلک زہر والے بچھو اور فائدہ مند شہد والی مکھی کو پیدا کیا ہے؟

حیران گمراہی سے خدا کی پناہ' کون سا اتفاق؟ واللہ! اپنے بچپن میں اکثر سوچا کرتا کہ شہد کی مکھی کیسے شہد کو بنا لیتی ہے جو ہماری پسندیدہ چیز ہے اور جب میں کھیتوں میں ہوا کرتا تو سوال کیا کرتا کہ تتلیاں کیوں ایسا ہی شہد نہیں بناتیں جیسا کہ شہد کی مکھی بناتی ہے؟ اس صورت میں اس کا حاصل کرنا زیادہ آسان اور کم خطرناک ہوتا۔

الشیخ۔ پتنگے کا کیا کام کہ وہ شہد بنائے؟ یہ مسئلہ صرف پھولوں کے کٹوروں سے شکر کے چوسنے کا ہی تو نہیں کہ شہد بنانے میں شہد کی مکھی اور پتنگا برابر ہو جائیں۔ لیکن وہ تو عجیب جبلتیں ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کو اپنی تدبیر کے مطابق مخصوص فرمایا اور اس کے بعد اس کے جسم میں وہ صلاحیت پیدا فرما دی' جس مقصد کے حصول کے لیے اسے پیدا کیا

اور ان فطری رجحانات کی طرف قرآن حکیم نے شہد کی مکھی کے ذکر میں بالخصوص اشارہ فرمایا ہے کیونکہ وہ اللہ کی تخلیق اس کی ہدایت' اس کی وحی اور اس کے الہام پر واضح ترین دلیل ہے۔ اور اس چیز' عیش کوش اور طیبات کے حریص انسان کے ساتھ لگی رہتی ہے تاکہ اسے یاد دہانی ہو اور ہدایت کا مقصود بھی یہی ہے کہ انسان اس عجیب تخلیق میں غور کرے جس کی اس صورت میں تکوین (اس کے سوا) دیگر اقسام کی مکھیوں میں اندھے اتفاق کے ساتھ ناممکن ہے۔

﴿وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا

یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴾ (النحل ۱۶: ۶۸-۶۹)

''اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی' کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے۔

حیران: سبحان اللہ العظیم

الشیخ۔ کیا اس عظیم سرائے کا مطعم (باورچی خانہ) عظیم نہیں ہے اے حیران؟

حیران' لا الہ الا اللہ

الشیخ اے حیران' غور کرو ان فطری رجحانات میں' جو شہد کی مکھی اور دنیا کے دیگر حیوانات میں پائے جاتے ہیں اور پھر بتاؤ کہ ان کی تخلیق میں اتفاق کا کتنا حصہ ہے؟

بعض سائنس دانوں کا فطری رجحانات کے بارے میں کہنا یہ ہے کہ وہ تعقل کی ایک قسم ہے جو ارتقاء کے زینے پر بلند ہوتی رہتی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ بعض حیوانات میں ابتدائی عقل ہوتی ہے جو ترقی کرتی رہتی ہے۔ لیکن چھوٹے حیوانات' جن کے بارے میں یہ مفروضہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ وہ ارتقاء کے زینے پر ادنیٰ درجہ میں ہوں گے' ان سے ہم ایسے افعال کا مشاہدہ کرتے ہیں' جن سے ترقی یافتہ بڑے حیوان عاجز ہوتے ہیں۔ پس دلیل کے معنی منعکس ہو جاتے ہیں اور عقلی ارتقاء کا زینہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ اور یہ چھوٹے حیوانات خود بھی ان پیچیدہ فطری رجحانات کے تصرفات میں باہم برابر نہیں ہوتے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنی خوراک کی تلاش کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے اور ان میں سے کچھ مثلاً چیونٹی' شہد کی مکھی' مکڑیاں اور پرندے جن کے اعمال سے عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ یہ ندرت اور اختلاف ارتقاء کی دلیل کو الٹ دیتا ہے اور فطری رجحانات بے قاعدہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا حکیمانہ ارادے کا نتیجہ ہے' جس کی مشیت نے اس کے ساتھ بعض چھوٹے اور کمزور حیوانات کو ممتاز کر دیا تاکہ وہ اللہ کے وجود اور تخلیق میں اس کی مشیت' قدرت اور تصرف پر دلالت کرے۔ یہ شہد کی مکھی' جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے' غور کرو کہ کس طرح

ہمارے لیے شہد اور کس طرح اپنے لیے گھر بناتی ہے اور کس طرح ہندسہ کی عجیب تنظیم کے ساتھ اپنے گھر کو کمروں میں تقسیم کرتی ہے۔ کارکنوں کے لیے چھوٹے کمرے ہوتے ہیں اور نکھیوں کے لیے بڑے اور کچھ صرف ملکہ مکھیوں کے لیے۔ پھر غور کرو کہ کس طرح کام کو تقسیم کرتی ہیں جس طرح کہ رہائش گاہوں کو تقسیم کرتی ہیں۔ ان میں سے کچھ تو پھولوں کے پیالوں سے رس لے کر جمع کرتی ہیں، کچھ بچوں کے لیے غذا کی تیاری میں لگی رہتی ہیں اور ان کے لیے شہد کو چباتی ہیں تاکہ بچوں کے لیے ہضم کرنا آسان ہو جائے اور جب بچے اس حد کو پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ اس معاونت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں تو چبانے والی کارکنان چبانے سے رک جاتی ہیں لیکن تخت کی امیدواروں کا ناز و نخرہ، عشوہ گری باقی رہتی ہے اور یہ اجتماعی تعاون، بغیر اس کے کہ دنوں، اور سالوں میں اس میں کوئی تبدیلی یا خرابی واقع ہو اس دقت کے ساتھ جاری رہتا ہے کہ ہمارے لیے آسان نہیں کہ ہم اسے اس سے بہتر کسی اجتماعی ادارے میں دیکھ پائیں، جسے عاقل انسان چلا رہے ہوں۔

اور یہ چیونٹی، جس سے ہم خوراک جمع کرنے، رہائش گاہیں اور گھر بنانے، کاموں کو آپس میں تقسیم کرنے، استقلال کا مظاہرہ کرنے، خوراک کو منتقل کرنے کی تدبیر میں، خوراک کا ذخیرہ کرنے، اسے پھیلانے اور سکھانے اور دانے میں سوراخ کرنے میں حتیٰ کہ وہ رطوبت میں نہیں اگ پاتا، تعجب انگیز کام دیکھتے ہیں۔ (سوال یہ ہے کہ) کس عقل بلکہ کس فطری رجحان کے ساتھ یہ سارے کام وہ سرانجام دیتی ہے، جن کے کرنے سے ہاتھی، شیر، گھوڑا اور بندر جیسے ارتقاء کے زینے میں بہت سی منازل طے کیے ہوئے حیوانات بھی عاجز ہیں؟

اور یہ مکڑی، جو اپنے لعاب کے ساتھ اسی عجیب ہندسی حسن ترتیب کے ساتھ اپنے گھر بناتی ہے کہ انہیں اپنی خوراک کے لیے شکار کرنے کے لیے جال اور رسیاں بنا ڈالتی ہے، ارتقاء کے زینے میں اس کا کون سا درجہ ہے کہ وہ اس حیرت ناک مہارت اور عجیب و غریب پلاننگ پر قادر ہے؟

اور یہ پرندے جن کے بارے میں روایت ہے کہ جب ان کی ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں تو وہ اپنا علاج بذریعہ تجبیر (Orthopedic Bone Setting) خود کرتے ہیں۔ وہ ٹوٹی ہوئی جگہ پر کیچڑ اور گھاس جمع کر لیتے ہیں اور دھوپ میں پڑے رہتے ہیں حتیٰ کہ اسے خشک ہونے دیتے ہیں اور وہ ان دونوں (کیچڑ اور گھاس) سے جبیرہ (شکستہ ہڈی کو جوڑنے والی پٹی) کی طرح

مضبوط پلاسٹر بن جاتا ہے اور وہ اسے ٹوٹی ہوئی جگہ پر گوشت کے آ جانے اور جڑ جانے تک باقی رہنے دیتے ہیں۔

اور یہ آبی جانور جسے (دلقندر) سگ آبی کہتے ہیں، اس سے متعلق روایت کیا جاتا ہے کہ وہ جس طریقہ سے اپنے گھروں اور آڑوں کو بناتا ہے جن میں وہ سردی اور برف کے طویل دنوں کے لیے خوراک محفوظ کرتا ہے، عقلوں کے لیے حیرت کا باعث ہے۔ وہ اپنے دانتوں سے درخت کاٹتا ہے، پھر وہ اس کاٹے ہوئے حصے کو پانی کے بہاؤ پر کھینچ کر اس جگہ لے جاتا ہے جسے اس نے اپنے لیے آڑ، مخزن (سٹور) اور گھر بنانے کے لیے منتخب کیا ہوتا ہے اور جب وہ درخت کے ٹکڑے پر گیلی مٹی کی تہ جما دیتا ہے اور درختوں کے پتے، چھلکے اور چھال نیچے اوپر رکھ کر آڑ کو اونچا کر لیتا ہے تو پھر زوجین، یعنی قندروں کا جوڑا اس آڑ پر اپنے مسکن کی عمارت کو چھڑیوں، شاخوں اور پتھروں کے ساتھ مضبوطی سے بنانا شروع کر دیتا ہے اور ان چیزوں کے ساتھ گنبد نما، پلستر شدہ دو دروازوں والا، خشک لکڑی کے فرش والا کمرہ بنا لیتا ہے، پھر اپنی خوراک کے لیے شاخوں کو لے آتا ہے اور انہیں اپنے گھر کے نیچے حوض (Contamer) میں جمع کر لیتا ہے اور جب وہ (زوجین) چاہتے ہیں تو گھر میں مہیا کردہ سامان خانہ داری میں سے اپنا کھانا نکال لیتے ہیں اسے کھاتے ہیں اور اپنے خشک گھر میں جاگزیں ہوتے ہیں جس میں وہ سکون، تپش اور اس کے ساتھ رہائش پذیر رہتے ہیں۔ کس عقل بلکہ کس فکری رجحان کے ساتھ یہ حیوانات یہ حیران کن کام کرتے ہیں جن سے ہاتھی، گھوڑا، شیر بلکہ بندر عاجز ہیں۔ ارتقائی مدارج میں جن کے اور چیونٹی، شہد کی مکھی، مکڑی و سگ آبی کے درمیان کوئی تعلق نہیں۔

حیران: صدق الله العظیم وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ.

الشیخ: اور یہ مویشی، جن کا ذکر قرآن حکیم نے اپنی متعدد آیات میں کیا ہے اور ان کے بکثرت فوائد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا ہے، مجھے بتاؤ اے حیران! کہ ان کی تخلیق، تکوین، تذلیل اور ان کی گھاس پر گزر اوقات کے ساتھ پروٹین اور روغن کے مواد کے خزانوں سے بھرپور ہونا اس میں اتفاق کا کتنا حصہ ہے؟ اور ان کے دودھ، ان کے گوشت، اون، بال، پشم، کھالوں اور ہڈیوں سے فوائد حاصل کرنے کی ہمیں قدرت دینے پر اور ان کے علاوہ ان سے زمین میں ہل چلانے، سواری کرنے اور بوجھ اٹھانے یا کھینچ کر لے

جانے کی خدمت کے حصول پر ہماری قدرت میں اتفاق (اسراف) کا کتنا حصہ ہے؟

قرآن فرماتا ہے۔

﴿اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَھُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَھُمْ لَھَا مٰلِکُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰھَا لَھُمْ فَمِنْھَا رَکُوْبُھُمْ وَمِنْھَا یَاْکُلُوْنَ ۝ وَلَھُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ﴾ (یٰسٓ ۳۶: ۷۱ - ۷۳)

''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کیے ہیں اور اب یہ ان کے مالک ہیں۔ ہم نے انہیں اس طرح ان کے بس میں کر دیا ہے کہ ان میں سے کسی پر یہ سوار ہوتے ہیں، کسی کا یہ گوشت کھاتے ہیں، اور ان کے اندر ان کے لیے طرح طرح کے فوائد و مشروبات ہیں کیا وہ شکر گزار نہیں بنتے؟''

﴿وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ﴾ (النحل ۱۶: ۶۶)

''اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے۔ ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں، یعنی خالص دودھ جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔''

﴿وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِکُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِکُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ﴾

(النحل ۱۶: ۸۰)

''اس نے جانوروں کی کھالوں سے تمہارے لیے ایسے مکان پیدا کیے جنہیں تم سفر اور قیام دونوں حالتوں میں ہلکا پاتے ہو۔ اس نے جانوروں کے صوف اور اون اور بالوں سے تمہارے لیے پہننے اور برتنے کی بہت سی چیزیں پیدا کر دیں جو زندگی کی مدت مقررہ تک تمہارے کام آتی ہیں۔''

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْکَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ ۝ وَلَکُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَۃً فِیْ صُدُوْرِکُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْکِ

تُحْمَلُوْنَ﴾ (المومن ۴۰: ۷۹-۸۰)

''اللہ ہی نے تمہارے لیے یہ مویشی جانور بنائے ہیں تاکہ ان میں سے کسی پر تم سوار ہو اور کسی کا گوشت کھاؤ۔ ان کے اندر تمہارے لیے اور بھی بہت سے منافع ہیں۔ وہ اس کام بھی آتے ہیں کہ تمہارے دلوں میں جہاں جانے کی حاجت ہو وہاں تم ان پر پہنچ سکو۔ ان پر بھی اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو۔''

یہ ہیں وہ فوائد جن کا قرآن حکیم نے صراحت و وضاحت کے ساتھ بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور اشارے کے ساتھ اجمالاً بھی۔

ان مویشیوں کے بارے میں سائنس کا کہنا کیا ہے؟

سائنس کا کہنا، جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ گھاس خور جانوروں میں سے دودھ دینے والے جانور انسان کے لیے بہت زیادہ فائدہ مند ہیں۔ یہ جانور انسان کو تازہ دودھ، گوشت، اون، ریشم اور بال دیتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ ان کی کھالوں، ہڈیوں اور سینگوں کو اپنے کام میں لاتا ہے۔ سائنس کہتی ہے انسان اپنی زندگی کی حفاظت کے لیے ان غذاؤں کا محتاج ہے جو پروٹین، کاربوہائیڈریٹ، روغنی مواد، معدنی نمکیات اور وٹامن پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اور پروٹین کچھ مکمل ہوتے ہیں اور کچھ ناقص، اور کامل لحمیات کا سب سے بڑا منبع گوشت اور دودھ ہے۔ اور روغنی مواد حرارت پیدا کرنے والی غذاؤں میں سب سے زیادہ حرارت پیدا کرنے والا ہے اور اس کے سب سے بڑے چشمے گھی، مکھن، دودھ اور گوشت ہیں یعنی کہ مویشی جہاں تک معدنی مواد کا تعلق ہے اس کا پہلا چشمہ دودھ بیان کیا جاتا ہے اور اسی طرح سے اہم وٹامن دودھ اور گوشت میں موجود ہوتے ہیں۔

اور سائنس کا کہنا ہے کہ یہی مویشی صرف یہی (گھاس چارہ خور دودھ دینے والے مویشی) دودھ دینے والے جملہ حیوانات میں سے مسلسل اور بڑی کثرت سے دودھ دیتے رہتے ہیں اگرچہ ان کے شیر خوار بچے ان سے الگ کر دیئے جائیں۔ اور صرف یہی ان صفات کے علاوہ ہل چلانے بوجھ اٹھانے اور کھینچنے کی خصوصیات اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہیں۔

اے حیران! وہ کون سی قدرت ہے جس نے مویشیوں میں یہ خصوصیات جمع کر دی ہیں کہ وہ آسانی سے میسر آنے والی غذا، گھاس کھائیں، آسانی کے ساتھ قابو میں آنے والے ہوں

اور پھر دودھ گھی' گوشت اور سارے کیمیاتی مواد مہیا کریں؟ حالانکہ عقلی طور پر تو یہ توقع ہو سکتی تھی کہ یہ مویشی جن کی ساری کی ساری غذا نباتات (گھاس) وغیرہ ہیں جو کاربن سے بنی ہوتی ہیں کاربوہائیڈریٹس' نشاستہ اور شکر پیدا کرتے نہ کہ سب کیمیاتی مواد پیدا کرنے والے ہوتے جو گوشت' گھی اور چربی سے میسر آتا ہے۔ تو اے حیران! کیا یہ کسی اتفاق کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

اور وہ قدرت کون سی قدرت ہے جس نے ان مویشیوں میں ضعف' ذلت' فرماں برداری اور حقیر گھاس پر مشتمل خوراک کے ساتھ زمین میں ہل چلانے' بوجھ کھینچنے اور اسے اٹھانے کی عظیم قوت کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے اشارہ کیا ہے' اور کس نے ان مویشیوں میں انسان کی خوراک' اس کے لباس' اس کے لیے حرارت' اس کے مسکن' اس کے اثاثے' اس کی سواری اور اس کی کاشت کاری کو جمع کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ آدمی کے پاس ان میں سے صرف ایک گائے ہی ہو تو وہ اس کے سارے بوجھ اٹھائے گی اور اس کی ساری ضرورتیں پوری کرے گی بغیر اس کے کہ اسے کوئی تکلیف دے' سوائے اس کے کہ وہ اسے کھلا چھوڑ دے تاکہ وہ اللہ کے رزق سے کھائے جس نے یہ فرمایا ہے۔

﴿وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا﴾ (ھود ۱۱: ۶)

''زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔''

کیا یہ سب کچھ اندھے اتفاق کا نتیجہ ہے؟

حیران: کھلی گمراہی سے اللہ کی پناہ! بخدا! اے استاد محترم! آپ نے اس زمین کو جس میں ہم رہتے ہیں عظیم سرائے کا کیا خوب نام دیا! بلاشبہ یہ ایک عظیم سرائے ہے جس میں خالق عظیم نے ہمارے لیے راحت کے جملہ اسباب جو کھانے' لباس' حرارت' آگ' روشنی کھانے پینے کی تمام پاکیزہ اشیاء' میوے اور حتیٰ کہ شیرینی پر مشتمل ہیں' مہیا فرمائے۔

الشیخ: اے حیران! تم اس میں موجود جمال کی مختلف صورتوں کا ذکر بھول گئے!

حیران: شیخ محترم! نہ تو میں حسن و جمال کو بھولا اور نہ میں اس سے غافل ہوں۔

الشیخ: نہ تم نے اسے بھلایا اور نہ تم اس سے غافل تھے' مگر جب تم یاقوت و زرخالص کی سرخی لیے ہوئے شفق' زمرد کے رنگ میں رنگے ہوئے سبز کھیت' چاندی کی سی آب و تاب والے پانی' سرخ و سفید گلاب کی پتیوں' تتلی کے رنگ برنگے بازوؤں' پرندوں اور موروں کے

حسین و جمیل پروں اور روشنیوں کے درمیان اس سرائے میں رنگوں اور سایوں کے جادوئی ماحول میں مسحور و حیرت زدہ کھڑے تھے تو کیا تمہارے ذہن میں یہ خیال گزرا کہ تم اس حسن و جمال کی حقیقت کا سوال کرو جس کے نشانات اور جس کے دلکش مناظر ہمیں مسحور کیے دیتے ہیں؟ اور یہ کہ تم نے دریافت کیا کہ اس کی شکلوں' اس کے رنگوں' اس کے نقش و نگار' اس کے معیار اور اس کی صورتیں جو اپنی بناوٹ میں احسان' اتقان' تقویم' توازن' تناسب' تنسیق' تزئین اور تدقیق پر مشتمل ہیں' میں اتفاق کا کتنا حصہ ہے؟

حیران: ہرگز نہیں' اے آقا!

الشیخ: یہ جمال اے حیران ہے کیا؟ کیا اس سے مراد نسبتی اور فرض کردہ جمال ہے جس کی شکلیں ہماری عقلوں نے بنائی ہوں یا اس کا ظاہری وجود ہے۔ ہمارے حواس جس سے لطف اندوز ہوتے ہوں اور ہماری عقلیں جس کا ادراک کرتی ہوں جس طرح دوسری مخلوق کی شکلوں کا ادراک کرتی ہیں۔ اور کیا جمال کی صورتوں سے ہم اس لیے مسرور ہوتے ہیں کہ وہ خود ہم پر مسرت واجب کر دیتی ہیں جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے یا ہم ان سے اس لیے مسرور ہوتے ہیں کہ ہم ان کی طرف اپنی مصالح' مرغوبات' رجحانات' اذواق اور شہوات کے اثر کے باعث لوٹتے ہیں کہ ان سے مسرت حاصل کریں اور ان کا نام حسین رکھ دیتے ہیں۔

حیران: میں نہیں سمجھ پایا کہ جمال کے خارج میں قیاتی وجود سے کیا مراد ہے؟

الشیخ: مراد یہ نہیں کہ خارج میں کوئی مستقل شے ہے جس کا نام جمال ہو جس طرح ہوا اور پانی اشیاء ہیں لیکن ہم باہم سوال کرتے ہیں کہ آیا کسی مقررہ نسبت سے شکلیں' معیار اور مقرر کردہ رنگ ہیں کہ جب جمع اور باہم موافق ہو جائیں تو جمال خود بخود وجود میں آ جائے یا یہ کہ یہ جمال مفروضہ شے ہے جسے صرف ہماری عقلوں نے مصالح' رغبات' اذواق اور شہوات کے اشارے پر تخلیق کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ سرخ رنگ حسین ہے کیونکہ اسے ہم سرخ چہرے میں صحت کی علامت کے طور پر دیکھنے کے عادی ہیں اور زمردی' سبز رنگ حسین ہے اس لیے کہ ہم اسے تر و تازہ سرسبز کھیت میں باران رحمت اور عام بھلائی کی بشارت دینے والے کی صورت میں دیکھنے کے عادی ہیں یا یہ جمال ظاہر میں موجود حقیقت یا دوں

اور جذبات کے تعمیر کردہ تخیل کے ساتھ جس کا سایہ ہماری عقلیں اس حقیقت پر ڈال دیتی ہیں مخلوط ہوتا ہے؟

اے حیران! حق بات یہ ہے کہ موخر الذکر ہی واقع ہے۔ خارج میں صحیح جمال موجود ہوتا ہے جس کو ہم مادی احساس کے طور پر محسوس کرتے ہیں اور عقلی ادراک کے طور پر اس کا ادراک کرتے ہیں لیکن جب ہم اس پر اپنے جذبات اور ذہنی تحفظات کے بنا کردہ تخیل کا پرتو ڈالتے ہیں تو اس جمال کے ساتھ ہمارا احساس اضافی طور پر شامل ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اس تفاوت کا راز آشکار ہوتا ہے جو ایک بچے اور بالغ آدمی کے لطف اندوز ہونے میں ہوتا ہے

ہاں! ایسے حالات ہوتے ہیں جن میں جذبات و اذواق کا تخیل خالص جمال کی حقیقت پر اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ اس کو چھپا دیتا ہے یا اس کے صحیح انداز سے ہمارے درک کو معطل کیے دیتا ہے پس ہمارا احساس جمال کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے لیکن دوسری صورتوں میں جب ہم ان میں ذوق و عادت کے زیر اثر نہیں ہوتے تو ہم پھولوں تتلیوں اور پرندوں کے جمال میں اور رنگوں کے سحر کے ادراک میں ایک سادہ لوح آدمی بلکہ شیر خوار بچے سے لے کر بعض اوقات گونگے حیوان کے ساتھ متفق ہوتے ہیں۔ تب خارج میں واقعی حقیقی اور خالص جمال ہوتا ہے اور ہم بذریعہ احساس اس خالص جمال کا اس طرح شعور حاصل کرتے ہیں جس طرح کائنات کی دیگر تمام مادی صورتوں کا احساس و شعور حاصل کرتے ہیں

وہ خالص جمال ہے کیا؟ اور اس کے عناصر کیا ہیں؟

وہ شکلوں رنگوں اور آوازوں میں تناسق تناظر و تناغم کی صورتیں ہیں جو ایک مستقل قانون کے تحت حتمی مقرر شدہ نسبتوں کے ساتھ بنتی ہیں موسیقی کی تال سب سے بڑھ کر اس پر دلالت کرتی ہے جو ان آوازوں سے مرتب ہوتی ہے جو اصلاً مختلف اور متنافر ہوتی ہیں پھر ہم اس میں ثابت و معلوم قاعدے کے مطابق حتمی مقرر کردہ نسبتوں کے ساتھ ہم آہنگی و خوش الحانی شامل کر دیتے ہیں اور ان میں دل کش و مسحور کن نغمہ پیدا کرتے ہیں۔ اس طرح سے رنگوں اور شکلوں نے کائنات میں نظر آنے والی جمال کی صورتوں کو وجود میں لانے کے لیے تکوین جمیل کی خاطر قائم کردہ قانون قدرت کے آگے مقررہ نسبتی مقداروں کے ساتھ سر تسلیم خم کر رکھا ہے پس ہمارے لیے جائز نہیں کہ وہ جمال جو ہم کائنات میں دیکھتے ہیں اسے اپنی عقلوں کو بنایا ہوا ہم شمار کریں

بلکہ وہ خارج میں موجود حقیقت ہے جسے ہم محسوس کرتے ہیں جس طرح حجم شکل وزن خوراک اور خوشبو کو محسوس کرتے ہیں جو سب کے سب عناصر ذرات کی حتمی نسبتوں سے ہی بنتے ہیں اور جب ہم اس خالص جمال کی صورتوں پر اپنے جذبات اور یادوں سے بنا ہوا لباس پہنا دیتے ہیں تو یہ اضافہ ہماری مسرت کو بڑھا دیتا ہے جیسا کہ ایک بچے کی مسرت میں اس سرخ کپڑے سے اضافہ ہوتا ہے جب اسے بتایا جائے کہ یہ عید کا کپڑا ہے اگرچہ بغیر عید کے بھی وہ خوب صورت ہی لگتا تھا لیکن عید کی یاد کے ساتھ وہ زیادہ خوب صورت اور مسرت انگیز محسوس ہونے لگتا ہے

اے حیران! کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ یہ واضح مستقل قانون جو یہ سحر انگیز جمال پیدا کرتا ہے اس عمدگی پختگی درستگی توازن تناسب تطابق آرائش اور زیبائش کے ساتھ اندھے اتفاق کے آثار میں سے کوئی اثر ہو؟

حیران اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الضَّلَالِ الْمُبِیْنِ اس کھلی گمراہی سے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں!

الشیخ اور کیا عقل یہ تسلیم کرتی ہے کہ یہ عظیم سرائے جو اس تمام نظام احکام عنایت اختراع کمال اور جمال کے ساتھ تمہیں نظر آ رہی ہے اندھے اتفاق سے بن گئی ہے؟

حیران بلاشبہ یہ عظیم سرائے ہے۔

الشیخ اور اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ اس کا مالک اس پر ہم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا سوائے اس کے کہ ہم اس کا شکریہ ادا کریں.....

حیران کتنا قلیل معاوضہ ہے اور پھر وہ کس قدر مالک کی خوشنودی کا باعث ہے!

الشیخ: اور کتنی کثرت سے ہم اسے بھلاتے ہیں... اور اے حیران! چاہیے کہ ہم اسے نہ بھلائیں کیونکہ ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

❋ ❋ ❋

وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ

(انسانی جسم ..... کارگہ حیرت واستعجاب)

فِیْ ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ

۱

(تین اندھیروں میں)

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشیخ . یہ عجیب (زوجین کا) نظام ہر ذی روح میں کامل و متواصل نظام جس کا قرآن حکیم نے متعدد آیات میں ذکر کیا ہے تاکہ وہ کار تخلیق میں مقصد ارادہ اور حکمت پر دلالت کرے تو اے حیران! غور کرو کہ حیوان اور نبات میں اس کی تخلیق اس کی تکوین اس کی تنظیم اور اس کی یکسانیت میں اتفاق (المصادفہ) کا کتنا حصہ ہے؟

قرآن کہتا ہے

﴿وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى﴾ (النجم ۵۳-۴۵)

"اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔"

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (یس ۳۶ ۳۶)

"پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کیے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (یعنی نوع انسانی) میں سے۔"

﴿وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا﴾ (فاطر ۳۵ ۱۱)

"اور اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تمہارے جوڑے بنا دیئے۔" (یعنی مرد و عورت)

﴿وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ﴾ (رعد ۱۳ ۳)

"اور وہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں اور دریا بہا دیئے ہیں۔ اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔"

﴿وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (الذاریات ۵۱ ۴۹)

"اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے ہیں شاید کہ تم اس سے سبق لو۔"

نظام زوجیت کے متعلق یہ قرآن کے ارشادات کا کچھ حصہ ہے جس میں یہ آیات ہر ذی حیات شے وہ نباتات ہو حیوان ہو یا انسان میں نظام زوجیت کی جامعیت اور اس کی یکسانیت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

تو سائنس اس عجیب نظام کے بارے میں کیا کہتی ہے؟

سائنس دانوں نے بڑی تعجب انگیز بات کہی ہے کہ تمام ذی حیات حیوانات و نباتات میں نظام زوجیت ایک ہی طریقہ ایک ہی تنظیم اور قریباً متماثل اعضا اور متماثل مادہ تولید کے ساتھ یکسانیت اور جامعیت کے ساتھ پایا جاتا ہے اور وہ حیران ہوتے ہیں کہ تمام ذی حیات چیزوں میں اس یکسانیت جامعیت اور تماثل کا اتفاق کیسے ہو گیا؟

اے حیران! اس عجیب یکسانیت کا انکشاف مجھے جیسا کہ پہلے بات ہوئی اپنی بصیرت کے ساتھ اپنے معاصر فلسفی ہنری برگسان کو پڑھنے کے باعث ہوا میں اس سے قبل نر و مادہ کے جوڑوں کے ذکر کی حکمت کے راز سے قطعاً ناواقف تھا۔ اور میں سمجھتا کہ خالق سبحانہ وتعالیٰ کی ان کے ذکر کی تکرار سے مراد ہمیں احسان کا احساس دلانا تھا۔ اور جوڑوں کی تخلیق میں وجہ احسان کو نہ سمجھ پاتا جب کہ وہ بقائے حیات جسے باقی رکھنا اللہ کی مشیت ہے اور زمین پر تناسل کے ذریعے اس (حیات) کے استمرار کا وسیلہ ہیں لیکن اس کے بعد میں نے برگسان کو پڑھا تو میں نے سمجھ لیا کہ جوڑوں کے ذکر کی تکرار سے مراد اظہار احسان نہیں اس سے عظیم تر چیز مراد ہے اور وہ نباتات وحیوانات کی زوجیت میں پائی جانے والی یکسانیت کی طرف توجہ دلاتا ہے جو تدبیر و ارادہ پر ایک عظیم دلیل ہے اور اتفاق و مصادفہ کی نفی ہے۔

اس یکسانیت نے جیسا کہ قبل ازیں تجھے بتا چکا ہوں برگسان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ آنکھوں کے حاسہ پر کلام کرنے اور اس کی انسان اور دیگر جملہ حیوانات میں تنظیم واحد اور ترکیب متماثل میں یکسانیت کو اتفاق و حادثہ کے اثر کو بعید از حقیقت قرار دیتے ہوئے برگسان کہتا ہے:

"جب ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ اتفاق (المصادفہ) جملہ حیوانات میں ان کی آنکھوں کے حاسہ کی تکوین میں مؤثر ہے اور ہم نے کہا کہ حیوانات ایک ہی نوع کی طرف لوٹتے ہیں تو نباتات کے بارے میں ہمارا کیا کہنا ہے جب کہ وہ نوع دیگر ہے اور حیوانات کے طریقوں سے کئی اختلافات کے ساتھ مختلف و ممیز ہے۔ لیکن ہم ہر دو (نبات و حیوان) کو تناسل کے عمل میں ایک ہی طریقے پر چلتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ پس یہ اتفاق کیسے ہوا کہ حیوان نر و مادہ اکٹھے دیکھے گئے اور موافق

بنا دیئے گئے نباتات کے ساتھ ان کے اپنے طریقہ سے بھی اور اتفاق (الصادفہ) کے طریقہ سے بھی؟"

حیران (سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ) سبحانہ

الشیخ انسان کے جنین (ماں کے پیٹ میں بچے) کی تکوین جس کا ذکر قرآن نے دس سے زائد واضح آیات میں کیا ہے اس کے بیضہ اور نطفہ اس کے لوتھڑے اور بوٹی اس کی ہڈیوں اور گوشت پوست اس کے قرار و جائے قرار تاریک گوشوں میں اس کی مقدار اور اس کی مدت کے ساتھ اس کی تصویر و تخلیق میں اتفاق کا کتنا حصہ ہے؟

قرآن فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا﴾ (الحج ۲۲:۵)

"لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی (یہ ہم اس لیے بتا رہے ہیں) تاکہ تم پر حقیقت واضح کریں۔ ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں۔"

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (الدھر ۷۶:۲)

"ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔"

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ﴾ (الانفطار ۸۲: ۶–۸)

"اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے نک سک سے درست کیا، تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا"

﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ﴾ (یٰسین ۳۶:۷۷)

"کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا"

﴿قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ۝ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۝ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ﴾ (عبس ۸۰:۱۷–۱۹)

"لعنت ہو انسان پر کیسا سخت منکر حق ہے یہ۔ کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے؟ نطفہ کی ایک بوند سے۔ اللہ نے اسے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کی۔"

﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا﴾ (الکہف ۱۸:۳۷)

"اس کے ہمسائے نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا، کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کر کھڑا کیا؟۔"

﴿أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ﴾ (المرسلات ۷۷: ۲۰–۲۳)

"کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تمہیں پیدا نہیں کیا اور ایک مقررہ مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ پر ٹھہرائے رکھا؟ تو دیکھو ہم اس پر قادر تھے، ہم بہت اچھی طرح قدرت رکھنے والے ہیں۔"

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا﴾ (المومنون ۲۳: ۱۲–۱۴)

"ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی

ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔"

﴿الَّذِیْ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ○ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ (السجدة ۳۲: ۷۔ ۹)

"جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی۔ اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے، پھر اس کو نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی، اور تم کو کان دیئے، آنکھیں دیں اور دل دیئے، تم لوگ کم ہی شکر گذار ہوتے ہو۔"

﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ﴾ (آل عمران ۳: ۶)

"وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔"

﴿یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ (الزمر ۳۹: ۶)

"وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے۔"

یہ ہے اس میں سے بعض جو قرآن نے اس کے متعلق کہا ہے۔ تو سائنس کا اس کے متعلق کیا کہنا ہے؟ سائنس کا کہنا ہے کہ مادہ مرغ کے بیضہ کی طرح کا بیضہ ہوتا ہے لیکن اس سے بہت چھوٹا۔ اس کا قطر ۱۳۳۰/۱۱ اور ۲۳۰/۲ قیراط (۱۰/۱۱ اور ۱۰/۲ ملی میٹر) کے بین بین ہوتا ہے اور اس کا وزن ایک گرام کا دس لاکھواں حصہ ہوتا ہے اور اس میں سائٹو پلازم ہوتا ہے اور سائٹو پلازم میں نیوکلیس (Nucleus) ہوتا ہے جس کا قطر ۷۰۰/۱ قیراط ہوتا ہے اور اس میں نیوکلیائی (نقطة الجسر نوویہ) چھپا ہوتا ہے جس کا قطر ۳۰۰۰/۱ قیراط ہوتا ہے۔ یہ بیضہ بیضہ دان کی تاریکی میں ایک چھلکے کے اندر اس کے البومنی سیال مادہ میں تیرتا رہتا ہے اور جب یہ چھلکا (Follicle الحویصلہ) بڑھتا ہے اور اس کے اندر کا سیال مادہ زیادہ ہو جاتا ہے تو اس کا پردہ پھیلتا اور رقیق ہو جاتا ہے پھر پھٹ جاتا ہے تو بیضہ اس سے اور پورے بیضہ دان سے نکل آتا ہے تو یہ چھوٹا سا مادہ

نوخیز ناتجربہ کار کنوارا بیضہ اس تاریکی میں کہاں چلا جاتا ہے....؟

اس کی اپنے ساتھی سے ملاقات کی قرارداد ہوتی ہے جس کو اس نے خواب میں دیکھا ہوتا ہے بغیر اس کے کہ وہ باہم متعارف ہوں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں چنانچہ راستے میں آپس میں مل جاتے ہیں اور باہم گلے ملتے ہوئے بیت زوجیت کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں جو ان کے لیے تیار ہوتا ہے۔ جہاں پر حفاظت کے ساتھ وہ دونوں اپنے آپ کو ایک کامل بشر کے تیار کرنے میں صرف کرتے ہیں۔

لیکن ملاقات کا یہ راستہ ایک تاریک تر، باریک تر اور تنگ تر نالی سے عبارت ہے، اس کا قطر بال کے قطر کے برابر ہوتا ہے اور رحم کے پیچھے چھپا ہوا ہوتا ہے اور رحم سے بیضہ دان کی طرف دراز ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حبیب اپنی حبیبہ سے ملاقات کے لیے کہاں سے اور کس طرح سے اس میں آئے؟۔

اے حیران! یہ نر مادہ تولید (Sperm) ہوشیار، ذکی اور شاطر، جرأت مند گستاخ اور چال باز ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ بیضہ ٹیوب کے منہ پر اس کا منتظر ہے۔ اور یہ کہ رحم میں سے گذرنے کے سوا اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔ پس اس میں وہ داخل ہو جاتا ہے اور پھر کسی دوسری چیز کی طرف دھیان دیئے بغیر اس میں سے نکل جاتا ہے اور وہ اس ٹیوب (Oviduct) تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور بیضہ سے مل جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بیضہ کے مقابلے میں چھوٹا محسوس کرتا ہے کیونکہ اس کا طول ۶۰۰۰۰/۱ ملی میٹر ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر اس کا سر لمبا ہوا تو بیضہ کی دیوار میں سوراخ نہ کر سکے گا اور وہ جانتا ہے کہ اگر وہ بیضہ کی سی سست رفتار سے تیرتا گیا تو مناسب وقت پر بیضہ کے پاس نہ پہنچ پائے گا.... اور اسے معلوم ہے کہ تیزی سے تیرنا پیچ دار حرکت سے ہوتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ پانی میں اوندھے منہ لیٹے بغیر تیزی سے نہیں تیرا جا سکتا اور اسے معلوم ہے کہ اس کا جوہر اس کے سر میں ہے نہ کہ اس کی دم میں چنانچہ جرثومے نے یہ سب کچھ جان لیا لہٰذا اس نے اپنا سر لمبا کر لیا اور اپنے سر کے لیے گردن پیچ دار بنالی اور اپنی گردن کے ساتھ ایک لمبی دم بنائی جسے وہ تیرنے کے دوران پانی پر مارتا جاتا ہے اور دم کو پیچ دار گانٹھ کے ساتھ پھندا بنا لیتا ہے تاکہ بیضہ میں داخل ہوتے وقت اس سے آزاد ہو جائے

اے حیران! یہ مادہ بیضہ ذہین، وفادار، باحیا اور پاک دامن ہوتا ہے اسے معلوم ہے کہ....

تہا ہے اور کثیر تعداد میں ہوتے ہیں جن کی تعداد ۲۰ کروڑ تک ہوتی ہے وہ سب اس تک پہنچنے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں اس کے گرد چکر لگاتے ہیں' پیار سے بہلاتے پھسلاتے ہیں تا کہ کھل جائے لیکن بے سود۔ مگر وہ جب طاقتور اور دوڑ جیتنے والا آتا ہے تو اس کا جوڑا بننے کے لیے رضا مند ہو جاتا ہے اور اس کے لیے اپنے دل کا خاص دروازہ (باب انجذابیہ) کھول دیتا ہے جب یہ اس میں داخل ہو جاتا ہے تو اپنا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ اس کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ وہ دروازے کو مقفل اور محفوظ کر لیتا ہے اور لاکھوں عشاق کو پیغام نکاح دینے سے روک کر خائب و خاسر لوٹا دیتا ہے تا کہ غم و افسوس کے ساتھ موت کے منہ میں چلے جائیں۔

اور یہ رحم' اے حیران! (بیت زوجیت) مہمان نواز رحم دل' شفیق ہوتا ہے۔ وہ ہر ماہ دلہا اور دلہن کے استقبال اور ان کے قیام و طعام کے لیے مستعد اور تیار رہتا ہے۔ اس کے لیس دار پردے پھول جاتے ہیں' اس کی خون کی باریک نالیوں میں وسعت آ جاتی ہے اور غدود میں زندگی کی لہر دوڑنے لگتی ہے۔ جب کار زوجیت مکمل ہو جاتا ہے تو زوجین کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے اور اگر کسی وجہ سے کار زوجیت میں فرق پڑ جائے تو غصے سے ابل پڑتا ہے' افسوس سے پھٹ جاتا ہے اور بیضہ کی موت پر روتا اور پے در پے آنسو بہاتا ہے۔

حیران: عجیب! بہت عجیب!... سبحان خلاق العظیم!

الشیخ: اور جو اس کے بعد ہوتا ہے' وہ اس سے بھی عجیب تر' غریب تر اور اعجاز قرآن پر زیادہ دلالت کرنے والا اور اسرار قرآن کی معرفت میں زیادہ معاون ہوتا ہے۔ پس جب کار زوجیت اور اختلاط مکمل ہوا چاہتا ہے حتیٰ کہ انسان جدید کے بنانے میں عمل مشترک کا آغاز ہو جاتا ہے اور ہر دو شرکاء اپنے اپنے کروموسومز ایک دوسرے کے کروموسومز میں مع ان کے جینز (Genes) کے ملا دیتے ہیں۔ ان جینز کی تصویر کشی' تخلیق اور ان کی درستی دست قدرت نے وراثت کی قلموں کے ساتھ اوپر سے نیچے نسل در نسل باپ دادوں سے بیٹوں اور بیٹوں سے پوتوں میں چکنی مٹی کی اصل سے پھر حقیر پانی کی نسل سے کی ہوتی ہے۔ اس اختلاط سے وہ نطفہ امشاج بنتا ہے جس کی طرف احسن الخالقین نے اشارہ فرمایا ہے۔

حیران: یہ کروموسومز اور جینز کیا ہیں؟

الشیخ: یہ کروموسومز اور جینز جیسا کہ میں نے تمہیں تخطیط' تخلیق اور تسویہ کے عناصر کا تعارف کرایا تھا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہونی (المضغہ) کو پیدا فرماتا ہے تا کہ وہ ایک کامل اور منفرد انسان بن جائے اور دوسرے انسانوں سے جملہ جسمانی اور عقلی صفات' شکل' قد' رنگ' تذکیر و تانیث' جمال' قوت' ذہانت اور اخلاق میں متمیز ہو۔ وہ زندگی میں فرد کی قسمت کے ابتدائی خطوط مرتسم کرتے ہیں۔ ماضی میں لوگ سمجھتے تھے کہ جنین مرد کے پانی اور مادہ کے بیضہ کے ملنے سے بنتا ہے۔ اور وہ اپنے باپ دادا سے بہت سی صفات ورثہ میں حاصل کرتا ہے لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ جرثومہ (Spermatozoon) کیا ہوتا اور بیضہ کیا ہوتا ہے اور ان دونوں کی ترکیب کیا ہے۔ ان کے خلیے کیا ہیں ان کی کیا انواع ہیں اور ان کے کیا وظائف ہیں اور باروری کیسے مکمل ہوتی ہے اور توارث کیسے حاصل ہوتا ہے اور مفسرین المضغۃ المخلقۃ و غیر مخلقۃ کی تفسیر میں تردد اور حیرت کا شکار ہو جاتے تھے۔ لیکن آج سائنس دانوں نے اس عجیب تخلیق کے اکثر اسرار معلوم کر لیے ہیں جب انہیں خلیوں کا علم ہو گیا ہے اور انہوں نے اس کے ہر قسم کے وظیفے کو بھی کھو دیا ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ جرثومہ اپنے سر میں کیا اٹھائے پھرتا ہے اور بیضہ اپنے مرکزہ میں کیا لیے ہوئے ہے' یعنی کروموسومز جن کا تمہیں ذکر کر چکا ہوں انہیں المضغۃ المخلقۃ کے خلیوں' جو خود جنین کو بناتے ہیں اور غیر مخلقۃ کے خلیوں' جو جنین کی حفاظت' بچاؤ اور غذا کے ذمہ دار ہوتے ہیں کے درمیان فرق معلوم ہو گیا۔ نتیجتاً ان کے دل اللہ کے خوف سے لبریز ہو گئے ہیں جس خوف کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے علماء کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔

حیران: مزید وضاحت فرمائیے' للہ! مزید وضاحت فرمائیے۔

الشیخ: اور نطفہ امشاج کا یہ بیضہ آہستہ آہستہ ٹیوب (Oviduct) میں چلتا رہتا ہے اور اس سے آٹھ یا دس دن کے بعد رحم میں جا پہنچتا ہے اور اپنے آپ کو تقسیم در تقسیم کرنا شروع کر دیتا ہے تا کہ ہر حصے کو تیار کر کے اس دور کے لیے مستعد کرے جس میں جدید جنین کو بنائے گا یا اس کی حفاظت' مدد' بچاؤ اور خوراک کو تیار کرے گا۔ بیضہ نطفہ بیت زوجیت میں جا پہنچتا ہے جو اس کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس کی دیواروں سے چمٹ جاتا ہے اور مختلف قسم کے خلیے اپنے بعض ساتھیوں کے تعاون سے رحم کی دیوار کے خلیوں کے ساتھ مل کر

اپنا عظیم عمل شروع کر دیتے ہیں۔ پس وہ جنین کے ارد گرد غلاف پر غلاف پر غلاف چڑھا دیتے ہیں پہلا ظاہری غلاف جو تمام غلافوں پر محیط ہوتا ہے اور جسے اصلی (Chorion) کہا جاتا ہے' رحم کی دیوار سے چسپاں شدہ، اپنے پہلو کو اولین غذائیت کا وسیلہ بناتا ہے پھر اسے تعجب انگیز مشیمہ (Placente) کے بنانے کا ذریعہ بنا لیتا ہے اور اپنے ظاہر والے پہلو کو جو دیوار سے چسپاں نہیں ہوتا اسے جنین کی حفاظت اور بچاؤ کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ اس کے بعد خلیے کوریون (Chorion) کے نیچے اندر والے دوسرے غلاف کو بن دیتے ہیں تا کہ وہ جنین کا' جنین پر براہ راست محیط پانی والے غلاف سے دوسرے مکمل طور پر احاطہ کرلے۔ تا کہ وہ اسے پہلے دو غلافوں کے ساتھ مل کر باہر سے آنے والے ہر صدمے اور جھٹکے سے بچائے

یہ خلیے کتنے عقل مند اور جنین کی حفاظت کے لیے کس قدر فکر مند ہیں؟

اس دوران المخلقہ' جنین بنانے والے جراثیم کے خلیے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف' نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ کی طرف اس ترتیب کے ساتھ چلنا شروع کر دیتے ہیں جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔ اور مخلوط کردہ موسومز اور ان کے جینز کے ساتھ منظم' متشکل مضغہ اعضاء و انتڑیاں بنانا شروع کر دیتا ہے جب کہ غیر متشکل (غیر مخلقہ) تیار شدہ خلیوں سے حفاظت' بچاؤ اور غذائیت کی جھلیاں بننی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور جرثومی خلیوں کی ایک قسم قلب کی شروعات بنانے پر لگ جاتی ہے جب کہ اس دوران یک دوسری قسم دماغ اور ریڑھ کی ہڈی کی مبادیات بنانا شروع کر دیتی ہے۔ سب خلیے اپنے اپنے مخصوص دائرے میں ایک طرف ہضم' تنفس و تناسل کی تیاری کے ساتھ انتڑیاں بنا رہے ہوتے ہیں اور دوسری طرف ہڈیاں بنانے میں لگے ہوتے ہیں۔ دوسرے مہینے کے اختتام سے پہلے پہلے مضغہ تمام اعضاء انتڑیوں اور اعصاب کے ساتھ انسان کامل بن جانے کے قریب پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اے حیران! حیرت ہے کہ یہ خلیے کار تخلیق سے کتنے واقف اور اس پر کس قدر قادر ہیں جب کہ وہ انسان کامل کو بنا رہے ہوتے ہیں۔؟

لیکن جب یہ خود انسان کامل بن جاتے ہیں تو ایک مکھی کو بھی پیدا کرنے سے کس قدر عاجز ہوتے ہیں!

حیران سبحان خالق العظیم!

الشیخ حیرت ہے کہ کوریون اور رحم کے خلیے جب کہ وہ جنین کے لیے المشیمہ (Placenta) بنانے میں مشترک ہو جاتے ہیں' کس قدر ذکی' منظم اور شفیق ہوتے ہیں؟ انہیں معلوم ہے کہ جدید انسان جب کہ وہ مضغہ کی صورت اختیار کر لے گا اور اس کے اعضاء بن جائیں گے تو وہ رطوبت جو کوریون کی جھالر اور رحم کی خون کی تھیلیوں سے رستی رہتی ہے' کے چوسنے کے سادہ طریقے کے برخلاف تغذیہ (Nourishing) کے طریقہ کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ جنین جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے اس کی خون کی ضرورت بھی بڑھتی رہتی ہے اور خون جب مقدار میں بڑھتا ہے تو اس کی صفائی کی ضرورت بھی بڑھ جاتی ہے۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ خون مادر کا بذات خود جنین میں داخلہ مناسب نہیں اور جنین کے خون کا بھی آلائشوں اور زہریلے مادوں سے پاک ہونا ضروری ہے لہٰذا ناگزیر ہے کہ ایک بڑا آلہ ہو جو وارد ہونے والے ماں کے صاف خون اور جنین سے نکلنے والے گندے خون کے درمیان اس کی آمد و رفت اور اس کی تطہیر کا نگران ہو لہٰذا خلیوں نے مشیمہ جیسی عجیب چیز کو ایجاد کیا اور سے کوریون کی جھالر اس کے کناروں اور رحم کے خون کی تھیلیوں سے بنایا اور اسے ایک رگ کے ذریعے جنین کی ناف کی نال کے ساتھ ملا دیا۔ جو اس کی طرف غذا اور آکسیجن کے عناصر کو جنہیں مشیمہ نے ماں کے خون سے نکالا ہوتا ہے اٹھا کر لے جاتی ہے پھر وہ رگ جنین کے جسم میں بننے والے زہروں اور آلائشوں کو ایک دوسری ورید میں جنین سے مشیمہ کی طرف لے جاتی ہے حتیٰ کہ جب جنین تین تاریکیوں سے روشنی' ہوا اور پستانوں کی طرف نکل آتا ہے اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنے پھیپھڑوں کے ذریعے ہوا میں سانس لے اور اپنے ہونٹوں کے ذریعے غذا لے اور اس کے خس و خاشاک کو پھیپھڑوں میں جلا کر اپنے گلے سے نکال دے تو مشیمہ کو اس کے وجود سے بے نیاز رحم سے جدا کر دیا جاتا ہے اور رگ (نال) کاٹ کر ناف کا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جاتا ہے

حیران سبحان خلاق العظیم

الشیخ انسان کی تکوین اور تخلیق میں جو حیثیت نطفہ علقہ اور مضغہ ہڈیاں اور گوشت' مشیمہ اور ناف کی نال' اور ایک مدت تک قرار اور جائے قرار کے ساتھ تاریک گوشوں میں ہوئی اس

میں جو جدت، تنظیم، اختراع، تدبیر اور ارادہ پایا جاتا ہے، کیا یہ سب کچھ اندھے اتفاق کے آثار میں سے کوئی اثر ہے؟

حیران: سبحان خلاق العظیم!

الشیخ: اور یہ محبت، جس کی خوشگواریاں لوگوں کو مسحور کیے رکھتی ہیں اور اس کا سوز انہیں جلائے رکھتا ہے، اس کی تخلیق میں انسان کا کتنا حصہ ہے؟

اور یہی محبت ہے جس کی قدروں کو مقرر کیا گیا، جس کے رازوں کو بے نقاب کیا گیا، جس کی تاروں کو بجایا گیا، جس کی آگ کو بھڑکایا گیا، وہ کسی اور غرض کے لیے نہ تھا سوائے اس کے کہ جس کی قرآن حکیم نے کتنی شیریں، کتنی لطیف، کتنی مکمل، کتنی ارفع، کس قدر درست، کس قدر واضح اور کتنی گہری تعبیر کی ہے، جب فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الروم ۳۰: ۲۱)

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں"۔

یہی وہ محبت ہے جس کی طرف رغبت کے باعث تمام سینوں میں محبت اٹھتی ہے اور اسی کی برکت سے ہر نفس پر اطمینان طاری ہوتا ہے اور اسی کی رحمت سے ہر دل پر رحمت کا فیضان ہوتا ہے...

یہی وہ محبت ہے جس کے رشتوں سے جوڑے اپنے بچوں کے گھونسلے بنتے ہیں اور یہ زمین و آسمان کے نظام میں حسین ترین، شیریں ترین اور مقدس ترین صورت ہے جسے اللہ نے پیدا فرمایا ہے۔ مرد اس میں وحشت کے ساتھ داخل ہوتا ہے تو انسان بن جاتا ہے اور عورت گڑیا بنی اس میں آتی ہے تو جنت اس کے قدموں تلے آ جاتی ہے۔

یہ گھونسلے جن پر سکینت اپنے خیمے نصب کرتی ہے اور جن پر رحمت سایہ فگن ہوتی ہے، جن سے شفقت کے پھول کھلتے ہیں اور جن سے اللہ کی بندگی پھوٹتی ہے، مکمل مخلصانہ دعا کا آغاز ہوتا ہے جس کے ساتھ ہم اپنے جگر گوشوں پر، جنہیں خلاق الحکیم نے روز محبت کے ساتھ ہمارے لیے ہماری جانوں سے بھی عزیز تر بنایا ہے، اس کی رحمت کے برسائے جانے کی درخواست کرتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (الاعراف ۷: ۱۸۹)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس کے پاس سکون حاصل کرے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو اسے ایک خفیف سا حمل رہ گیا جسے لیے لیے وہ پھرتی رہی۔ پھر وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں نے مل کر اللہ اپنے رب سے دعا کی اگر تو نے ہم کو اچھا سا بچہ دیا تو ہم تیرے شکر گزار رہوں گے"۔

اس محبت کے اسرار میں سے ہے کہ ہم اپنے بچوں، بیویوں، ماں باپ دونوں، ماؤں، رشتہ داروں، بھائیوں، دوستوں، پڑوسیوں اور انسانیت کی جیتی جاگتی ہر ایک سے محبت کرتے ہیں بلکہ یہ بھی اس محبت کی برکت سے ہے کہ کمزور اور گونگے حیوان پر جب ہم اسے اس کے ساتھی یا چھوٹے بچے کو گم کردہ دیکھتے ہیں تو ہمیں ترس آتا ہے حتیٰ کہ ہم احساس رحمت سے اس پر رونے لگتے ہیں۔

یہی وہ محبت ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سارا جمال پیدا فرمایا ہے اور اسی کی خاطر سے شجاعت، سخاوت، تفاخر، عجب، زیبائش، فصاحت، تعیش، شعر خوانی، نغمہ سازی، سنگ تراشی اور مصوری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اور اس سب کچھ کے ساتھ اسے گمان ہے کہ وہ محض محبوب کا پرستار ہے اس ادراک کے بغیر کہ وہ اپنی روح کی گہرائیوں میں اس ہستی کی پرستش کر رہا ہے جس نے اس کے اندر یہ عجیب راز پیدا فرمایا ہے۔

یہ محبت جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ ہمارے اندر شہوت کے طور پر کرتا ہے اس کے ساتھ ہمیں عبادت تک پہنچا دیتا ہے۔ اے حیران مجھے بتاؤ اس کی نشانیوں اس کے اسباب و آلات کی کثرت میں اور اسے عظیم اغراض اور مقدس مقاصد کی طرف لے جانے میں اندھے اتفاق کا کتنا حصہ ہے...؟

کیا زوجین کی تخلیق سے لے کر اس شدید، سحر انگیز، بے اختیاری اور جبلی ہمدردی کی تخلیق تک اور مردوں کی اصلاب میں نسلوں سے لے کر عورتوں کے پیٹوں میں بیضوں اور جنین کی تخلیق تک اس سارے عجیب و غریب نظام و کمال میں اندھے اتفاق کے آثار میں سے کوئی اثر ہے؟۔

فی مسا کن الجن

۲

(جنات کے مسکن)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

الشیخ اے حیران! یہ کان جن کا قرآن کریم نے اپنی بہت سی آیات میں تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ مثلاً

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾ (الدھر ۷۶: ۱-۲)

"کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ قابل ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔"

﴿وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ (المومنون ۲۳: ۷۸)

"وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دیے۔ مگر تم لوگ کم ہی شکرگزار ہوتے ہو۔"

﴿الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ (السجدة ۳۲: ۷-۹)

"اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی، پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے، پھر اس کو نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دل دیے، تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔"

یہ کان، اے حیران، اس کی عجیب و غریب غار جس کے دروازے ہیں اور ڈیوڑھیاں ہیں، روشن دان ہیں اور غلاف ہیں، کرکری اور کالی ہڈیاں ہیں، کھوہیں ہیں اور پیچیدہ راہیں ہیں، پگ ڈنڈیاں ہیں اور شاہراہیں، ستون ہیں اور بند حصے، جامد حصے ہیں اور سیال حصے، زینے ہیں اور چوٹیاں ہیں، بل کھاتی نالیاں ہیں اور گھونگے ہیں، جھلیاں ہیں، درجائیں ہیں، پتھر ہیں اور کنکریاں

ہیں، کے بنانے میں اتفاق کا کتنا حصہ ہے....؟

حیران یہ عجیب غار کیا ہے جو سمندروں کی گہرائیوں، جنوں کی غاروں یا بھوتوں کی پیچیدہ راہوں میں شیطانوں کی کمین گاہوں سے ملتی جلتی دکھائی دے رہی ہے ...؟

الشیخ تم اپنے حیرت میں دور نہیں گئے اس میں میں بھی تمہارا ہم نوا ہونا چاہتا ہوں۔

حیران: وہ کیسے؟

الشیخ میں تمہیں اس کا تعارف اس میں سکونت پذیر جنوں اور شیطانوں کی زبان میں کرائے دیتا ہوں۔ تخیل، فہم و ادراک میں زیادہ معاونت کرتا ہے۔

لو اب سنو شاعر شیطانوں میں سے ایک شیطان نے کہا نغموں کے خادمان کے ایک جن سے میں نے پوچھا تمہاری رہائش گاہیں کہاں ہیں؟ اس نے کہا ہم زمین و آسمان کے درمیان ہواؤں اور موجوں کے ساتھ پرواز کرتے اور رقص کرتے رہتے ہیں اور جب آرام کرنا چاہتے ہیں تو اس مہمان نواز اور خوش طبع انسان کے کان میں آ جاتے ہیں، وہ ہمارا استقبال خوش دلی سے کرتا ہے اور بعض اوقات آنسوؤں کے ساتھ "میں نے اس سے پوچھا وہ مساکن کیسے ہیں؟ اس نے کہا میں ان کی تعریف سے عاجز ہوں۔ ان کی تو اس طرح کی دہلیزیں، فرش، تہ خانے، پیچیدہ راستے، کھڑکیاں، روشن دان ہیں جیسے سمندری گہرائیوں میں جنوں کے مسکن ہوں۔ اور شنیدہ کے بجو مانند دیدہ۔ میں نے کہا کیا تمہاری ملاقات کے لیے میں وہاں آ سکتا ہوں کہ انہیں دیکھ پاؤں....؟ اس نے کہا "بصد خوشی" ساتھ ہی کہا میرے پاس آدھی رات کے بعد آئیے گا جب کہ میرا دوست گہری نیند میں ہوتا ہے تاکہ تمہاری آمد سے بے خبر رہے۔

شاعری کے شیطان نے کہا: میں وقت مقررہ پر اس کے ہاں پہنچ گیا اور آدمی کے کان کے بڑے دروازے پر رک گیا جسے تنگ راستے نے گھیر رکھا تھا۔ میں نے ایسے دروازے نہیں دیکھے جن کی محرابیں اور زاویے پیچ در پیچ، اس جیسی ہوں۔ میں نے (اپنے دل سے) کہا کہ یہ تو بڑا عجوبہ ہے۔ پھر میں نے اپنے ساتھی کو تلاش کیا تو اسے تنگ راستے کی دہلیز پر اگے ہوئے بالوں کے پیچھے چھپا ہوا پایا۔ اس نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور میرے آگے چلا اور میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ ہم سرنگ جیسی ایک نالی میں داخل ہو گئے جو پہلے پہل تو اوپر کو چڑھتی گئی پھر نصف کے قریب نیچے اترنے لگی اور تنگ ہو گئی۔ اس کی تہہ میں زرد رنگ کا لیسدار روغن تھا۔

جب ہم اس سرنگ کے آخر میں پہنچے تو ہم نے اپنے آپ کو ایک چھوٹے سے باریک پردے کے سامنے پایا جس کا آدھا حصہ طبلے کے پردے (Ear Drum) کی طرف شفاف تھا لیکن تھا وہ محراب دار۔ جب میں اس کے قریب ہوا تو میرا رفیق خوفزدہ شخص کی طرح نہایت خفیف آواز میں بولا تمہارے لیے یہاں سے داخل ہونے کی کوئی سبیل نہیں۔

میں نے کہا کہ تم کہاں جاؤ گے؟ اس نے کہا کہ میں اپنے منصوبے کے مطابق یہاں سے داخل ہو جاؤں گا مگر تم واپس جاؤ اور دوسری دہلیز سے داخل ہو کر آؤ۔ میں نے کہا کہ میں تنہا وہاں کیسے جاؤں مجھے اس پردے کو تھوڑا سا پھاڑ لینے دو۔ اس نے کہا خبردار ایسا نہ کرنا اگر تم یہ کام کرو گے تو آدمی کے کان کو ناکارہ بنادو گے اور اسے شدید غصہ دلاؤ گے اور اس مسکن میں میرا داخلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دو گے۔ میں نے کہا کہ وہ دوسری گزرگاہ کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ تم نکل کر آدمی کے ہونٹوں کے قریب کھڑے ہو جاؤ وہ جب خراٹے لے گا تو وہ یک دم کھلیں گے اس وقت تم اس کے حلق میں نرمی کے ساتھ داخل ہو جانا وہاں پر تم ایک نالی دیکھو گے جس پر بوق اوستاکیوس (Eustachean Tube) لکھا ہوگا اور یہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعے ہوا کے ساتھ تم کان تک پہنچ سکتے ہو۔ تم اس میں داخل ہو کر اس پردے کے پیچھے واقع صحن میں پہنچ جاؤ گے اور وہاں پر مجھے اپنے انتظار میں پاؤ گے۔

شاعری کے شیطان نے کہا: میں اس کی ہدایت کے مطابق حلق میں داخل ہو گیا اس نہر (نالی) کو بڑی مشقت سے عبور کر کے باریک ہڈی کے وسیع صحن میں پہنچ گیا جس کی دیوار کے ساتھ وہ طبلے والا پردہ مضبوطی سے بندھا ہوا تھا جس نے مجھے داخل ہونے سے روک دیا تھا اور سامنے والی دیوار میں بیضوی شکل کی ایک کھڑکی تھی جس میں پردے کی ذات لگی ہوئی تھی اور گول کھڑکی تھی اس میں بھی پردے کی ذات تھی۔ عقبی دیوار میں ایک بڑا سوراخ تھا اور کئی چھوٹے چھوٹے سوراخ بھی۔ اور ان دیواروں کے مابین ہڈیوں کی ایک عجیب زنجیر لٹکائی ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک ہتھوڑے (المطرق) کی شکل کی ہے دوسری لوہار کی سنداں کی شکل کی اور تیسری انگریزی زین (Saddle سرج) کی رکاب کی شکل کی ہے وہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ ہتھوڑے کی شکل والی طبلے والے پردے سے مل جاتی ہے اور اس کے دونوں طبقوں کے مابین داخل ہوتی ہے اور دونوں کے ساتھ مربوط ہو جاتی ہے اور پردے کو حجرے کے اندر کھینچ کر اسے

اندر کی طرف سے محدب (Convex) اور باہر کی طرف سے مقعر (Concave) بنا دیتی ہے۔ رکاب کی شکل والی ہڈی مقابل والی بیضوی کھڑکی کے پردے سے متصل ہوتی ہے اور سنداں کی شکل والی ہڈی ان دونوں کے درمیان وسط میں ہوتی ہے اور دونوں کے ساتھ جوڑوں کے ذریعے ملتی ہے۔ میں نے اپنے رفیق سے پوچھا: یہ لٹکی ہوئی ہڈیاں کیسی ہیں؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ جب ہم طبلہ کے پردے کو کھٹکھٹاتے اور داخل ہوتے ہیں تو ان میں ہلکی سی تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ میں نے کہا: ان کے اس طرح ہوا میں معلق ہونے میں کیا راز ہے؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ اگر ان میں سے کسی میں نقص آجائے یا ان کے جوڑ اکڑ جائیں تو سماعت کمزور ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا: گول ڈھکی ہوئی کھڑکی کیسی ہے اور کہاں لے جاتی ہے؟ اس نے کہا کہ سماعت کے اعصاب کی طرف یہ دوسری گزرگاہ ہے۔ میں نے پوچھا ان دونوں کھڑکیوں کے پیچھے کیا ہے؟ اس نے کہا، ان کے پیچھے آخری صحن ہے جس میں ہم بالآخر جا کر ٹھہرتے ہیں اور یہ سب سے بڑا صحن ہے اور اپنے مالک کے ہاں بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ اس میں پرندوں کے گھونسلے جیسی دہلیزیں ہیں اور بکثرت زینے ہیں جن میں مسافر سرگرداں گھومتا رہ جاتا ہے اسی لیے اسے تیہ (Labyrinth) کہتے ہیں۔ میں نے کہا: اس میں کہاں سے داخل ہوں؟ اس نے کہا: میں بیضوی یا گول کھڑکی سے داخل ہوتا ہوں لیکن تم ان میں سے داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اپنے پردوں کے ساتھ مسدود ہیں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ میں نے کہا: پھر کیا کیا جا سکتا ہے؟ اس نے کہا: اس گھڑی تمہارے لیے مجھے کوئی حیلہ نہیں سوجھ رہا۔ میں نے غصے کے ساتھ کہا: اس گھڑی کے علاوہ بھی حیلے کا کوئی وقت رہ جائے گا؟ اس نے کہا: ہاں، مگر اس کے لیے موقع اور وقت کی ضرورت ہے۔ میں نے پوچھا: وہ کون سا موقع ہے؟ اس نے کہا: ہم ایسے شاعر انسان کو تلاش کریں جو موسیقی کا دلدادہ ہو پھر تم اس کے پاس جاؤ اور اس کو نغمہ کے لیے موزوں شعر القا کرو اور میں ان شعروں کے لیے موزوں نغمے اس پر القاء کروں گا۔ جب شعر اسے لبھا دیں گے اور نغمے جادو کا اثر دکھا دیں گے تو ہم ان دونوں کو جمع کر دیں گے۔ پھر تم میرے اندر داخل ہو جانا اور میں تمہارے اندر داخل ہو جاؤں گا اور تم میرا ایک جزو بن جاؤ گے تو میرے ساتھ اس تعجب انگیز تیہ کے صحن میں داخل ہو سکو گے ....

میں نے کہا: جس شاعر کا میں شیطان ہوں وہ بہت بڑے شعراء میں سے ہے لیکن وہ

اچھا نغمہ ساز نہیں۔ کیا تم اپنے حلقۂ تعارف میں کسی کو جانتے ہو جو شعر موزوں کر سکتا ہو؟ اس نے کہا: کوئی شہر اس سے خالی نہیں، لیکن جسے شاعری کا ذوق بخشا گیا ہو وہ مغنی بننے میں عار محسوس کرتا ہے.... میں نے پوچھا: یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ اس نے اپنے جبڑوں میں عیارانہ ہنسی چھپاتے ہوئے کہا: جس کے کان میں ہم ہیں اسی دوست سے مجھے معلوم ہوا ہے کیونکہ وہ اچھے شعر بھی کہتا ہے اور عمدہ موسیقار بھی ہے لیکن وہ اس بارے میں لوگوں سے چھپا رہتا ہے۔ میں نے کہا: تم اس تلاش کو ہمارے لیے کیوں مشکل بنا رہے ہو؟ اس نے کہا: مجھے خوف ہے کہ یہ کام اسے جگا دے گا اور وہ غضب ناک ہوگا۔ میں نے کہا: اس کی ذمہ داری تم پر نہیں۔ میں اس کے خواب کے دوران اسے دردانگیز شعر پھونک دوں گا، وہ دہراتے ہوئے جاگے گا۔ تم اس کے حلق میں کود جانا اور اسے نغمہ پر لگا دینا۔ اس نے کہا تم نے اس کے لیے دردناک اشعار کیوں منتخب کیے ہیں؟ میں نے کہا: کیا تم نے اس بوڑھے کو نہیں دیکھا جو رذل العمر کو پہنچ رہا ہو... ؟ ایسے لوگ مجھ سے الہامی شاعری نہیں بلکہ شکوہ وشکایت اور شوق شباب میں ڈوبی ہوئی شاعری ہی کے طلب گار ہوتے ہیں...

شیطان شاعر نے کہا: وہ ہوا جو ہونا تھا، وہ شخص رونے کی حالت میں شعروں کو دہراتے ہوئے جاگا۔ دوسرے ہی لمحے ہم نے اسے ان شعروں کے ساتھ گنگناتے سنا۔ اس وقت ہم دونوں اس کے حلق میں اکٹھے ہو گئے اور ہم نے شعر و نغمہ کو ایک کر دیا جیسا کہ ہم چاہتے تھے اور ہم دونوں باہم متحد ہو کر حلقوم کی نالی سے دوسری مرتبہ وسطی کان کی کھڑکی سے وسطی کان کے صحن میں داخل ہوئے جہاں ہم پہلے تھے تو میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا: ہم اس وقت حیرہ کے میدان میں داخل ہونے کے لیے کون سی کھڑکی استعمال کریں۔ اس نے کہا: دونوں راستے آسان ہیں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ہم ان لٹکی ہوئی ہڈیوں کی پیٹھ پر سوار ہو جائیں اور ان کے ارتعاش کے ساتھ بیضوی کھڑکی کے پردے سے داخل ہو جائیں۔ یہ راستہ قابل ترجیح ہے۔ پس ہم نے ایسا ہی کیا اور کچھ لمحے ہم بیضوی شکل کی دہلیز میں تھے جس کی دیواروں میں گڑھے، سوراخ اور تین طاق تھے۔ ن میں سے ایک میں ہم داخل ہو گئے اور اپنے کو ہلالی شکل کی نالیوں کے درمیان پایا۔ ان میں سے دو نالیاں عمودی وضع کی تھیں اور ایک افقی وضع کی۔ پھر ہم دہلیز سے گھونگھے کی شکل کے ایک عجیب و غریب میدان میں داخل ہوئے..

میں نے اپنے دوست سے کہا: تمہارا یہ کہنا کہ تمہارا مسکن سمندری جنوں کے مساکن

جیسا ہے کوئی مبالغہ آمیز بات نہیں تھی۔ یہ بتاؤ کہ گھونگھے سے ملتا جلتا یہ حجرہ کیا ہے؟ اس نے کہا: اسے قوقعہ (Cochlea) گھونگا ہی کہتے ہیں۔ ہم نے اس میں چل کر دیکھا کہ وہ عمود (ستون) کی طرح کے مرکزی محور اور ایک نالی جو عمود (ستون) کے گرد دو یا دو سے کچھ زیادہ چکر کھاتی ہے سے بنا ہوا ہے۔ اس نالی کو ایک باریک پلیٹ تقسیم کرتی ہے۔ ایک حصہ ہڈی کا اور ایک حصہ پردے کا۔ پھر وہ نالی بند گنبد تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔ جو گھونگے (قوقعہ) کا سر ہوتا ہے۔ ہم پیچدار نالی کے دہلیز کی طرف جانے والے ایک حصہ میں چلے حتیٰ کہ ہم گھونگا (قوقعہ) کے سر پر پہنچ گئے تو ہم نے ایک سوراخ کے ذریعے جو گھونگا کے سرے پر تھا دوسرے حصے کی طرف راستہ پایا۔ چنانچہ ہم اس میں سے گزر کر نالی کے دوسرے حصے میں اتر گئے اور گول کھڑکی کی طرف گئے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ہم وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں سے ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس نے کہا ہاں یہ دو سیڑھیاں پیچدار نالی کے اندر ہیں۔ ایک کا نام دہلیزی زینہ ہے۔ کیونکہ وہ دہلیز کی طرف جاتا ہے اور دوسرے کا نام طبلی زینہ ہے کیونکہ گول کھڑکی سے طبلہ کے حجرہ کی طرف جاتا ہے اور وہ دونوں زینے ایک دوسرے سے گھونگے کے گنبد میں مل جاتے ہیں۔ جہاں تک اس پلیٹ کا تعلق ہے جسے تم نے دیکھا ہے وہ ان دونوں کو تقسیم کرتی ہے اور پیچدار پلیٹ (Spiral Lemina) کہلاتی ہے اس کا نصف حصہ ہڈی کا ہوتا ہے جو دہلیز سے شروع ہوتا ہے اور وہ صاف وشفاف سیال مادہ خارج کرتا ہے اسے Perilymph کہتے ہیں اور نصف حصہ جھلی والا ہوتا ہے جو جھلی کے بند تھیلے سے عبارت ہوتا ہے وہ بھی سیال ہوتا ہے اور اسے Endolymph کہتے ہیں یہ تھیلا آغاز میں دو تھیلیوں سے بنا ہوتا ہے جن میں سے ایک کو الجراب (Scala Vestibuli) اور دوسری کو الکیس (Scala Tympani) کہتے ہیں الجراب ہلالی نالیوں کی طرح ہوتی ہے اور اس میں بلوری کیلشیم کاربونیٹ کے دو چھوٹے چھوٹے پتھر ہوتے ہیں جنہیں الحجران الاذنیان کہتے ہیں۔ شیطان شاعر نے کہا: میرا ساتھی چاہتا تھا کہ یہ تعارف جاری رکھے مگر میں نے کہا: بس کافی ہے۔ یہ جگہ جس کا اطلاق بجا طور پر حیرہ پر ہوتا ہے یہاں پر میرا سر پھٹنے لگا ہے، نگاہیں چکرا گئی ہیں اور میری عقل گم ہو گئی ہے۔ تم مجھے مختصر الفاظ میں یہ بتاؤ کہ باریک رسیاں اور دھاگے کیا ہیں جو ہر جگہ بکھرے ہوئے ہیں اور ہر سوراخ میں داخل ہوتے ہیں اور ہر نالی اور گھونگے میں تیر رہے ہیں اور سیال مادہ میں غوطہ زن ہیں؟ اس نے کہا: ان میں سے بعض تو شریانیں اور رگیں ہیں ان میں

سے جو باریک ہیں جو نالیوں، گھونگے اور سیال مادے میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہ سماعت کے اعصاب ہیں جو آدمی کے دماغ تک جاتے ہیں اور آواز کو اس تک منتقل کرتے ہیں۔

میں نے کہا: یہ ہڈیاں، یہ دہلیزیں، یہ نالیاں، یہ بل کھاتی ندیاں، یہ گھونگے، یہ پردے اور جھلیاں، یہ پلیٹیں، یہ کھڑکیاں، یہ روزن، یہ بہتے ہوئے مادے، یہ پتھر وغیرہ، یہ سب کیوں؟ کیا یہ کافی نہ تھا کہ سماعت کا عصب طبلہ کے پاس رک جاتا اور آواز کے جھٹکے کو وصول کر کے آدمی کے دماغ کو منتقل کر دیتا؟ اس نے کہا: میں اس راز مخفی سے ناواقف ہوں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان میں سے کسی ایک میں بھی جب کوئی نقص پڑ جاتا ہے، بند یا تلف ہو جاتا ہے تو آدمی کی سماعت میں خلل واقع ہو جاتا ہے یا سماعت بے کار ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ شخص نہ مسکراتا ہے اور نہ خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے۔

شیطان شاعر نے کہا: اس سے قبل کہ میرے دوست کی بات ختم ہوتی، مجھے اوستا کیوں تانی سے باہر نکلنے کی فکر ہوئی جہاں سے ہم داخل ہوئے تھے۔ میں شکریہ کے ساتھ یہ کہتے ہوئے اس سے رخصت ہوا کہ ہم واقعی جنوں کے مساکن میں سے ایک مسکن میں تھے۔

حیران: لیکن اس عجیب و پیچیدہ نظام کی تخلیق میں کیا حکمت ہے؟

الشیخ: میں تمہیں مختصراً بتاتا ہوں۔ اگر یہ محکم ترتیب نہ ہوں جو بیرونی بڑے سوراخ (بواب) جسے الصیون (خیمہ) کہتے ہیں سے لے کر سماعت کے اور طبلے کے پردے، درمیانی کان، اندرونی کان اور سماعت کے اعصاب تک پہنچتی ہیں تو آوازیں دماغ تک سمجھ آنے والی حالت میں ہرگز نہ پہنچ پائیں۔ یہ دھاری دار نرم ہڈیاں، ٹیڑھی دہلیزیں، اندرونی گڑھے، باہم ملی ہوئی نالیاں اور مضبوط بندھے ہوئے پردے، بند کی ہوئی کھڑکیاں، معلق ہڈیاں، کوٹی ہوئی پلیٹیں، اترتے اور چڑھتے زینے، بہتے اور ٹھہرے ہوئے پانی، باریک تھیلے اور دقیق پتھر یہ سب کچھ اس لیے پیدا کیا گیا کہ صوتی ارتعاش کے پھیلاؤ کو بڑھایا جائے جو اس کے قوی کو ضعیف اور ضعیف کو قوی بنائے تاکہ سماعت کا نظام ہر جھٹکے اور صدمے سے بچا رہے اور حس لطیف ترین نغمہ اور کمزور ترین حرکت کا بھی شعور حاصل کرے۔

حیران: میرا ایمان ہے کہ یہ نظام بے کار نہیں بنایا گیا۔ اور اس کے بعض اجزاء کے فائدوں سے بھی واقف ہوں لیکن آپ سے میرا یہ سوال ہے کہ ان ہڈیوں، پلیٹوں، کھڑکیوں، روزنوں،

پانیوں، گھونگوں، نالیوں اور زینوں کی پیچیدہ ترتیب میں کیا حکمت کارفرما ہے؟

الشیخ. اتفاق (المصادفہ) سے دریافت کرو جس نے یہ سارا نظام پیدا کیا ہے۔

حیران: کھلی گمراہی سے اللہ کی پناہ!

الشیخ. اگر تمہارا (المصادفہ) پر ایمان نہیں تو المضغہ (Embryo) کے خلیوں سے پوچھو، جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عاقل، سمجھ دار اور اہل حکمت ہیں اور اشیاء کی طبائع، ان کے خواص، فطری قوانین اور ان کے اسرار سے واقف ہیں۔ ...

وہ جانتے ہیں کہ آوازیں ہماری طرف ہوا کی لہروں کے ساتھ آتی ہیں اور لہروں میں سے کچھ شدید، تیز اور سرکش ہوتی ہیں اور کچھ نرم، کمزور اور ضعیف۔ ان میں سے کچھ عمودی ہوتی ہیں اور طرفین سے آتی ہیں لہٰذا انہوں نے کان کا خیمہ (Auncle) بنایا اور ہڈی اور گوشت کے درمیان کرکری ہڈی بنائی اور اس میں تہیں اور موڑ بنائے تاکہ وہ صوتی لہروں کو وصول کریں اور انہیں تہ (Fold) سے موڑ (Bend) کی طرف لوٹا کر کان کے سوراخ تک پہنچا دیں ...

انہیں معلوم ہے کہ ہوائیں جو آواز اٹھا کر لاتی ہیں وہ سرکش اور شدید بھی ہوتی ہیں اور اپنے ساتھ گرد و غبار اور حشرات ارضی کو بھی اٹھا لاتی ہیں اس لیے انہوں نے کان کو اوپر سے ٹیڑھا اور کمان کی طرح بنایا اور اس کے منہ پر بالوں کی باڑ لگا کر اس کے اندر موم کی طرح کا زرد رنگ کا لیسدار مادہ پیدا کر دیا تاکہ ٹیڑھا ہونے کے باعث اسے ہوا کے شدید تھپیڑوں سے بچائے اور اس کی باڑ اور لیس دار مادے کے ذریعے سے مضر چیزوں سے بچائے تاکہ وہ طبلہ کے کمزور اور باریک پردہ تک نہ پہنچ سکیں۔ ... اور وہ جانتے ہیں کہ بعض آوازیں خفی اور بھنبھناہٹ جیسی ہوتی ہیں لہٰذا انہوں نے کان کے سوراخ کو ہوا سے پر غار کی شکل بنا کر آواز کی تقویت اور ٹکراؤ کے ساتھ اس میں اضافے کا ذریعہ بنا دیا جس طرح ہم حماموں اور غاروں میں کمزور آواز کی بازگشت سنتے ہیں جو ٹکرا کر واپس لوٹتی ہے۔ ...

اور وہ جانتے ہیں کہ طبلے کی طرح کا تنا ہوا پردہ آواز پہنچانے میں تمام ٹھوس اجسام میں سے بہتر ہوتا ہے۔ اس لیے انہوں نے اندرونی کان میں طبلے کا پردہ، بیضوی کھڑکی کا پردہ اور دیگر پردے بنائے

اور انہیں معلوم ہے کہ جب تن کر سخت باندھے ہوئے پردے کے ساتھ چھوٹا سا ٹھوس

جسم باندھ دیا جائے تو وہ صوتی لہروں کو بطریق احسن پہنچانے والا ہوتا ہے لہٰذا انہوں نے تین ہڈیوں کی زنجیر بنائی اور اسے طبلے کے پردے اور بیضوی کھڑکی کے پردے سے باندھ دیا...

اور وہ جانتے ہیں کہ ٹھوس جسم جو کسی ایسے واسطے سے گھرا ہو جو مادے میں اس سے مختلف ہو تو وہ اپنے مادہ کی طرف جو لہریں ارسال کرتا ہے وہ اس واسطے کی طرف ارسال کردہ لہروں سے زیادہ شدید ہوتی ہیں جس کے درمیان وہ گھرا ہوا ہے اس لیے انہوں نے تین ہڈیاں ہوا میں معلق کر دیں جو (ہوا) انہیں گھیرے ہوئے ہے اور انہیں سر کی ہڈیوں سے الگ کرتی ہے۔ اور انہوں نے پیچدار پلیٹ کے بارے میں بھی ایسا ہی کیا کہ اسے ایک سیال مادے سے محصور کر دیا جو مادے میں اس سے مختلف ہے تاکہ ہڈیوں اور پیچدار پلیٹ کی طرف جانے والی لہریں کھوپڑی کی ہڈیوں کی طرف نہ منتقل ہوں اور نہ ان میں پھیلیں

اور وہ جانتے ہیں کہ ہڈیوں کی زنجیر میں کوئی خرابی واقع ہو سکتی ہے جس سے طبلہ کے پردہ سے کر بیضوی کھڑکی کے پردہ تک آواز منتقل کرنے کا عمل معطل ہو سکتا ہے لہٰذا انہوں نے گول کھڑکی بنا کر ایک پردہ سے ڈھانک دیا جو آواز کو اندرونی کان تک پہنچانے میں مدد دیتا ہے۔ اور دونوں کھڑکیوں میں سے ہر ایک کے لیے سیڑھی کی طرح کا گھونگا کے اندر راستہ بنایا ..

اور انہیں معلوم ہے کہ گھونگا جیسی پیچدار شکل چھوٹے سے تنگ جسم کے پھیلے ہوئے حصے میں سماعت کے اعصابی ریشوں کے پھیلاؤ کے لیے بہترین شکل ہے۔ لہٰذا انہوں نے (قوقعہ) گھونگے کو بنایا اور پیچدار نالی میں دو رستے بنائے جن میں سے ایک دہلیزی بیضوی کھڑکی کی طرف چڑھتا ہے اور دوسرا طبلی کھڑکی کی طرف اترتا ہے اور پیچدار نالی میں جھلی دار ہڈی والی پیچدار پلیٹ بنائی جو لمف کے سیال مادہ کو الگ کرتی ہے

اور وہ جانتے ہیں کہ بعض آوازیں خودہ (Skull) سے آتی ہیں لہٰذا انہوں نے ہلالی نالیاں بنائیں تاکہ وہ خودہ کی طرف سے آنے والی صوتی لہروں کو جمع کریں اور آوازوں کی رفتار کا رس اس کے مخفی جوفوں کی طرف کرنے اور انہیں کان کے منتشر اعصاب تک ان کے اور گھونگے کے سیال مادہ تک پہنچانے میں مددگار ہوں اور انہوں نے لمف سے پر دو تھیلیوں کی دو تھیلیاں بنائی اور ان میں سے ایک میں دو کانوں کے دو بلوری پتھر بنائے تاکہ ان دونوں کی ٹکر سے صوتی لہروں میں صاف ہو۔ مزید برآں عقل اور فہم و فراست کے مالک یہ جلیے جانتے ہیں کہ ہوا میں تیزی،

شدت اور سرکشی ہوتی ہے۔ اگر وسطی کان کے اندر سے اس کے بالمقابل اس کے برابر کی ہوا نہ ہو جو (بیرونی) ہوا کی شدت و حرارت میں توازن کی محافظ ہو تو طبلہ کے پردہ کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ تم خود جانتے ہو کہ ناک اور منہ بند ہونے کی حالت میں تمہارے سانس کا اندر باہر آنا جانا طویل اور گہرا ہو تو طبلی پردہ تن جاتا ہے اور باہر سانس لیتے وقت باہر کی طرف سے محدب ہو جاتا ہے اور اندر کی طرف سانس لیتے وقت اندر کی طرف سے محدب ہو جاتا ہے تو سماعت میں نقص آ جاتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اوستاکیوس ٹیوب بنائی اور اس میں سے وسطی کان کی طرف ہوا داخل کی اور اس ٹیوب سے سانس کے وقت آوازوں کو واضح کرنے والا بنایا جیسا کہ موسیقی کے آلہ کے سوراخ اس کی آوازوں کو واضح کرتے ہیں۔ اور اسے ناک کی ریزش کا مخرج بنایا جو طبلہ کے اندر سے نکلتی ہے۔

اے حیران! کیا یہ جلیے عقل و دانش، فہم و فراست، علم و حکمت اور قدرت کے مالک نہیں؟ حتیٰ کہ وہ ان تمام رموز و اسرار طبائع اور قوانین فطرت سے واقف نظر آتے ہیں جن کی معرفت علماء نے زمانہ حال میں حاصل کی ہے جب کہ تخلیق انسانی کو ایک طویل عرصہ گذر چکا ہے۔ لہٰذا کان کے اس پیچیدہ نظام میں ان اسرار کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

حیران: سبحان خالق العظیم العلیم الحکیم ... سبحانہ

الشیخ سبحانہ اے حیران! ہلاکت ہے غافلوں کے لیے لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الاعراف ۷-۱۷۹)

***

احفظ لسانک

۳

(زبان کی حفاظت کرو)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران: شیخ محترم! آپ ذات اللہ کی کون سی نشانیوں کا ذکر فرمائیں گے؟

الشیخ: اے حیران! تم اللہ تعالیٰ کی کون سی نشانیوں کے بارے میں گفتگو سننا چاہتے ہو؟ تمہارے جسم کی ہر چیز اللہ کی شہادت دیتی ہے۔ اللہ نے جو کچھ بھی تم میں پیدا فرمایا ہے وہ اپنی ترتیب میں انوکھا' اپنی ترکیب میں محکم' اپنی ہنرمندی میں حیرت انگیز' اپنے توازن میں دقیق' اپنی حرکات میں متناسب اور اپنے مقاصد کے موافق و مطابق ہے۔ آنکھوں سے نظر آنے والے بال اور ناخن جیسے چھوٹے چھوٹے اعضاء سے لے کر قدر و قیمت کے لحاظ سے آنکھ' کان' دل' جگر' انتڑیاں' زبان' اور ہونٹ جیسے بڑے بڑے اعضاء ہوں یا برہنہ آنکھوں سے نظر نہ آنے والے اپنے اسرار میں عجیب و غریب بے مثال اور حیرت انگیز خلیے اور اعصاب ہوں اپنی اہمیت اور اثر کے لحاظ سے سب برابر ہیں لیکن میں اپنی گفتگو کو اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں تک محدود رکھوں گا جن کا بکثرت ذکر خود عظیم حکمت کے مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیا ہے۔ تاکہ وہ اس کے وجود اس کی قدرت اور حکمت پر قاطع دلیل بن جائیں اس کے بغیر کہ لوگ ان اعضاء کے ذکر میں الجھ کر رہ جائیں جن کے ناموں سے واقف ہیں اور نہ ان کے کاموں سے متعارف۔

اے حیران! اگر ہم اس سب کچھ پر گفتگو کریں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر پیدا فرمایا ہے یعنی چھوٹے بڑے ظاہری اور پوشیدہ اعضاء تو یہ عبارتیں (املائیں) جن کے ذریعے میں چاہتا ہوں کہ (دلائل قرآن) کے ساتھ ایمان پر دلیل قائم کروں تو وہ طب' اناٹومی' اور اعضاء و جوارح کے فوائد پر مشتمل مجلدات میں تبدیل ہو جائیں گی۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ میری عمر میں اتنی وسعت ہے یا اس سب کچھ کے لیے تمہارے پاس اتنا وقت ہے۔ اس میں سے تمہارے لیے اتنا کافی ہے جو شرح صدر کا باعث بن جائے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی حکمتوں میں سے آفاق و انفس کی ہر حکمت میں تحقیق کر سکو اور شاید کہ ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں (و من احسن قولا ممن دعا الی اللہ...)

آنکھ کے بارے میں "الجسر" کی زبان میں تمہارے ساتھ گفتگو کر چکا ہوں۔ آفاق میں اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے بعض کا ذکر کر چکا ہوں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ پھر تمہاری

اپنی ذات میں وہ نشانیاں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے موضوع گفتگو بنا چکا ہوں' میں نے تمہارے سامنے شکم مادر میں جنین کی تکوین کا ذکر کیا ہے' نیز کان پر گفتگو کی ہے اور اب میں تمہارے ساتھ زبان' اور ہونٹوں کے بارے میں گفتگو کرنے چلا ہوں۔

حیران: لیکن میں ان دو چھوٹے چھوٹے عضلات کو اس کا مستحق نہیں سمجھتا کہ آپ ان سے متعلق گفتگو فرما کر مشقت میں پڑیں۔

الشیخ: اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر قرآن میں کیا ہے تاکہ وہ ہمارے لیے اس کی قدرت' حکمت اور کاریگری پر دلیل ہوں اور تم انہیں اتنا ہلکا سمجھتے ہو؟

حیران: معاذ اللہ!

الشیخ: اے حیران! اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ اور تم اس حیرت ناک چار روز ارتوں والی کو ہلکا سمجھنے سے باز رہو۔ تم اس کے مختلف قسم کے حکمت بھرے اسرار اس کے وظائف' اس کے اعمال' حروف اور اقوال میں اس کا تصرف' اس کے چھوٹے چھوٹے ابھاروں کی تعداد' ہونٹوں اور جبڑوں کے مابین اس کی مختلف حرکات' اس کے اعصاب کا باہمی امتیاز اور اس کے لعاب کے خزانوں میں غور کرو۔ اگر تم اس کی حفاظت کرو گے تو وہ تمہاری فرماں برداری کرے گی' اگر اسے خاموش رہنے دو تو تمہاری سلامتی کی ضامن ہو گی اگر اسے ذائقہ چکھاؤ گے تو تمہیں کھانا کھلائے گی' اگر تم چاہو تو تمہیں کلام کرائے گی اور اس سے سوال کرو گے تو معلومات مہیا کرے گی.....

حیران: میرا خیال نہیں تھا کہ یہ سادہ اور چھوٹا سا عضلہ اتنی اہمیت کا حامل ہے! اور یہ زبان کے لیے چار روز ارتوں سے کیا مراد ہے؟۔

الشیخ: اے حیران! حس کے تمام اعضاء میں سے سوائے اس زبان کے ہر عضو کا ایک ہی وظیفہ ہے جیسے آنکھ بصارت' کان سماعت' ناک سونگھنے اور انگلیاں چھونے کی حس کے لیے ہیں لیکن یہ زبان' اتفاقات (المصادفات) کی مشیت کے ساتھ چکھنے' چبانے' نگلنے اور ہضم کرنے' احساس' چھونے اور کلام کرنے کا آلہ بن گیا اور اتفاق نے اسے چکھنے کا آلہ بنانے کے لیے' ذائقوں کو چوسنے اور انہیں اپنے اندر چھپے ہوئے اعصاب تک پہنچانے کے لیے اس کی سطح اور اطراف کو گومڑیوں کے ساتھ مفروش بنایا... نیز اتفاق نے چاہا

کہ ان گومڑیوں کی دو قسمیں ہوں' ایک چکھنے کے لیے مخصوص ہو اور دوسری چھونے کے لیے تا کہ وہ باہم خلط ملط نہ ہوں اور ایک کے نہ ہونے کی صورت میں دوسری کا عمل معطل نہ ہو جائے- پس زبان کی عمومی حس معدوم ہوتی ہو تو چکھنے کی حس باقی رہتی ہے اور چکھنے کی حس ختم ہونے کی صورت میں عمومی حس موجود رہتی ہے اور اس لیے کہ گومڑیاں پگھلے ہوئے محلول کے ذائقوں کو ہی چوستی ہیں جب کہ زبان تر ہو- لہٰذا اتفاق (الصادفہ) نے زبان کو لعاب دار جھلی عطا کی' جس میں اور غدود ہوتے ہیں جو لعاب کو تقسیم کرتے ہیں اور اس کے نیچے ایک غدے کا اضافہ کیا جس سے دوسرے غدوں کی نسبت زیادہ لعاب بہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زبان ذائقوں کو نہ چکھ سکتی اور کھانے کو چھونے کے سوا کوئی حس پیدا نہ ہوتی جیسا کہ تم اپنے متعلق جانتے ہو کہ اگر زبان' زکام کی وجہ سے خشک ہو تو وہ ذائقوں کو محلول ہونے کے باوجود نہیں چکھ سکتی اور ذائقوں کے اختلاف کے باعث ان کے حصول کے وقت ایک متعین نسبت کے ساتھ رنگوں اور آوازوں کی طرح پسندیدگی یا کراہت کا احساس ہوتا ہے' لہٰذا اتفاق (الصادفہ) نے ذائقے والی گومڑیوں (Taste Buds) میں ان کے ذائقہ چکھنے اور مادہ کے زائل ہونے کے بعد بھی اس کے ذائقے کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت کی بنیاد پر ایک دوسری سے کچھ نہ کچھ مختلف رکھنے کا فیصلہ کیا' اور اسی پر ذائقوں کی ملاوٹ اور آمیزش میں ماہرانہ طباخی کا انحصار ہے۔۔۔ .

اور اس لیے کہ زبان اپنے مرکز کی ہدایات اور اپنے وظائف کے تقاضوں کے تحت شدید حساس ہونے کی ضرورت مند ہے تا کہ وہ لقمے کو چبائے اور اسے تالو (Palate) کی ایک طرف سے دوسری طرف' اور دانت سے داڑھ کی طرف لے جائے' منہ کے اندر اور داڑھوں کے درمیان اس کے باریک ترین اجزاء کی چھان بین کرے اور اپنی لطیف حس کے ساتھ منہ میں داخل ہونے والی موذی' جلانے والی' کاٹنے دار اور زخم دینے والی چیزوں سے بچائے- تو اتفاق (الصادفہ) نے حس اور لمس کے لیے زبان کے سرے اور اس کے طرفین میں نہایت لطیف اور باریک دھاگے کی مانند گومڑیاں پیدا کیں' اس طرح کہ وقتِ احساس میں ان کے برابر چٹکی کا سرا ہی ہو سکتا ہے-

اور چونکہ زبان چبانے اور نگلنے کا آلہ ہے اس لیے اتفاق (الصادفہ) نے اسے ایک

قوی' فعال' جلد لعاب پیدا کرنے والا اور لیس دار عضو بنا دیا- اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ چبانا مکمل ہوتا نہ نگلنا- اس لیے زبان لقمہ کو لعاب کے ساتھ چباتی اور لئی (Paste) بناتی ہے- اور جب وہ نگلنے کے قابل ہو جاتا ہے تو اسے لعاب کی آمیزش کے ساتھ پچھلی سطح اور حلق کی چھت کے درمیان دبا لیتی ہے' اپنی قوت اور پھسلن کے ساتھ اسے دھکیلتی ہے' حتیٰ کہ لقمہ حلق کے کوے (Uvula) کمان کو عبور کر لیتا ہے- اور کھانے والے کے ارادے کے بغیر ہی نگلنے کا عمل ہوتا رہتا ہے-

اور اس لیے کہ زبان ہضم کا آلہ ہے' لہٰذا اتفاق (الصادفہ) نے چاہا کہ کھانوں کے ہضم کے مقامات' ان کے عناصر کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوں' ان میں سے کوئی عنصر تو معدہ میں ہضم کیا جاتا ہے اور کوئی انتڑیوں میں' لیکن نشاستہ ایک واحد چیز ہے جو معدہ میں ہضم نہیں ہوتا بلکہ معدہ کے عرق اس کے ہضم کو خراب کر دیتے ہیں اور اس کی تبدیلی کو ناکام بنا دیتے ہیں' اس لیے اتفاق (الصادفہ) نے نشاستوں کو شکر میں تبدیل کرنے اور اس کے ہضم کے لیے صرف لعاب کو موثر ذریعہ بنایا- اگر یہ زبان لعاب بنانے' اسے لقمہ سے ملانے اور اسے لئی (Paste) بنانے والی نہ ہوتی تو نشاستہ ہضم نہ ہوتا جب کہ وہ غذا کا ایک اہم عنصر ہے-

اور اس لیے کہ زبان تکلم کا آلہ ہے' آوازیں زخرہ (Larynx) سے نکلتی ہیں اور زخرہ صوتی حروف (حروف علت) کے سوا باقی تمام حروف پیدا نہیں کر سکتا- دیگر حروف (حروف صحت) کے لیے زخرہ سے آواز کو اٹھانے والی ہوا کی گزرگاہ کو کاٹنا ضروری ہے' لہٰذا اتفاق (الصادفہ) نے چاہا کہ یہ زبان دو ہونٹوں کے ساتھ پیدا کی جائے تا کہ وہ ہوا کو کاٹنے اور صحیح حروف کے اخراج کا ذریعہ بنے- اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم فصیح کلام نہ کر سکتے بلکہ ہم حیوانات کی طرح ہوتے' آواز کو نکالتے' اسے لمبا کر دیتے اور جانوروں کی چیخوں اور پرندوں کی آوازوں سے بہتر کچھ نہ کر پاتے' سیٹیاں بجاتے اور مینڈک کی سی آواز نکالتے یا گھوڑے کی طرح ہنہناتے یا گدھے کی طرح ہینگتے-

اے حیران! یہ اتفاقات (الصادفات) کس قدر تعجب انگیز ہیں کہ اتنے کثیر' باہم متواصل' ہم آہنگ اور باہم موافق ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے لیے زبان بنا دی-

حیران   بلاشبہ زبان ایک عجیب عضو ہے لیکن ہونٹوں میں بعض حروف کو نکالنے میں مددگار ہونے کے سوا کیا ہے؟

الشیخ کیا تمہیں یہ پسند تھا کہ تم بغیر ہونٹوں کے اس حال میں پیدا کیے جاتے کہ تمہارے دانت نکلے ہوئے ہوتے' منہ کھلا ہوا ہوتا' لعاب (Salva) بہہ رہا ہوتا اور غبار تمہارے سینے میں اور مکھیاں حلق میں داخل ہو رہی ہوتیں۔ تم اتفاق (الصادفہ) کے شکر گزار کیوں نہیں ہوتے کہ اس نے انسان کو "فی احسن تقویم" پیدا کیا اور اس کے دو ہونٹ بنائے جو اس کے چہرے کی زینت' منہ کا ستر ہیں' لعاب کو بہنے' غبار کو پھیپھڑوں میں اور مکھیوں کو حلق میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور جب اس کے لیے ناک سے سانس لینا فائدہ مند ہو تو ایسا کریں اور موذی چیزوں کو حلق میں جانے سے روک دیں... کیا تم اتفاق کے شکر گزار نہیں ہوتے کہ اس نے ہونٹوں کو لطیف احساس کی قوت سے مسلح کیا تا کہ وہ ہر موذی' زہر دینے والی اور جلانے والی چیزوں کو روکیں اور اس نے لعاب دار جھلی کے نیچے غدود مہیا کیے جو لعاب تقسیم کرتے ہیں تا کہ ہونٹ تر اور مرطوب رہیں اور انہیں اعصاب کے ساتھ مربوط کیا تا کہ وہ آدمی کے اختیار اور ارادہ کے مطابق کھلیں' بند ہوں' پھیلیں اور سکڑیں' وہ جب چاہے انہیں کھولے' بند کرے اور ان کے ساتھ ہوا کو کاٹے اور آواز کو روکے تا کہ شفوی حروف کو (منہ سے) نکالنے پر قادر ہو.....

اے حیران! اگر یہ تمام اتفاقات نہ ہوتے تو یہ شیریں کلام' فصیح' صاف ستھرا اور خوبرو انسان مسخ شدہ' بدنما' نکلے دانت' کھلے منہ' کلام سے عاجز اور گندا ہوتا۔ اس کا لعاب اس کی ٹھوڑی اور کپڑوں پر بہہ رہا ہوتا اور اس پر مکھیوں کا اژدحام ہوتا۔

حیران شیخ محترم! اتفاق (الصادفہ) کے ذکر کی تکرار آپ کس لیے فرما رہے ہیں؟ کیا میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟

الشیخ اے حیران! میں تمہارا مذاق نہیں اڑا رہا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ گھاٹی کو عبور کروں تا کہ خود کو چوٹی تک پہنچاؤں۔

حیران: کون سی گھاٹی اور کون سی چوٹی؟

الشیخ نیک کی گھاٹی' جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم مشقت اٹھائیں تا کہ اسے پار کریں اور ایمان کی چوٹی' جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم مشقت اٹھائیں اور اس تک پہنچ جائیں۔

حیران وہ کون سی ایمان کی چوٹی ہے' جس تک آپ مومن کی رسائی چاہتے ہیں؟

الشیخ "هی تواصی بالحق" (وہ ہے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت)

اے حیران "اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ○ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ○ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ○ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ○ فَكُّ رَقَبَةٍ ○ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ○ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ○ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ○ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ" (البلد ۹۰:۸-۱۷)

"کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور (نیکی اور بدی کے) دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھا دیئے؟ مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا' یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین کو کھانا کھلانا۔ پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر (اور خلق خدا پر) رحم کی تلقین کی۔"

❋ ❋ ❋

toobaa-elibrary.blogspot.com

الصبور الدؤوب

۴

(دل ایک انتھک کارکن)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران بن الاضعف کہتے ہیں کہ نماز فجر کے بعد شیخ الموزون حسب معمول باغات کی طرف جانے لگے تو مسجد سے نکلتے وقت مجھے ہدایت کی کہ نماز ظہر کے بعد میں خود ان کے لیے کھانا لے کر آؤں۔ ان کی طرف سے پہلی مرتبہ یہ خلاف معمول فرمائش سن کر میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی' کیونکہ شروع ہی سے میری یہ تمنا تھی کہ مجھے دن کے وقت ان کی رفاقت کا موقع ملے تاکہ دیکھوں کہ وہ باغ میں صبح سے شام تک کیا کرتے رہتے ہیں؟ ظہر کے وقت خادم مسجد شیخ کا کھانا اٹھائے ہوئے آیا تو میں نے اس سے کہا: آج تمہاری بجائے میں کھانے والے برتن کو باغ میں مقررہ جگہ پر رکھوں گا پھر ایک ضروری کام کے لیے حرتک چلا جاؤں گا۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا: خیال رکھنا' کھانا غلط جگہ نہ رکھ دینا۔ تمہیں وہ جگہ یاد ہی ہوگی جہاں تم نے اپنی آمد کے پہلے دن رکھا تھا۔

میں کھانا اٹھائے ہوئے بھاگتا ہوا باغ کی طرف گیا اور اس میں گھس گیا تاکہ شیخ کو تلاش کروں میں نے انہیں خلاف توقع نہ درخت کے نیچے اور نہ ہی نالوں کے کناروں پر پایا!

میں نے انہیں بار بار پکارا اور کوئی جواب نہ پا کر پریشانی سے صدمہ محسوس کیا۔ میں بھاگتا رہا اور باغ پار کر کے ایک وسیع بنجر میدان میں پہنچا جس کے آخر پر شیخ کو بیٹھے ہوئے دیکھا' جب میں ان کے قریب پہنچا تو وہ مسکرائے' اپنے پاس بیٹھنے کو کہا اور میرا شکریہ ادا کیا۔ نیز معذرت کی کہ وہ میری تکلیف کا باعث بنے۔

حیران: میں نے آپ کو بہت پکارا لیکن کوئی جواب نہ پا کر اپنے دل میں خطرات محسوس کیے۔

الشیخ: میں نے تمہاری آوازیں سنیں اور جواب بھی دیا لیکن بوڑھے شیخ میں تمہاری طرح کی کڑک دار آواز کہاں سے آتی!

حیران نے کہا: جب شیخ نے کھانا کھا لیا اور نماز ظہر ادا کر لی تو میں نے ان سے پوچھا:

حیران: شیخ محترم! آپ نے یہ جگہ کیوں منتخب کی اور باغ اور پانی کو کیوں چھوڑا؟

الشیخ: میں یہاں اپنے اختیار سے نہیں آیا۔ اہل قریہ میں سے ایک شخص مجھے یہاں کھینچ لایا جو اس زمین سے متعلق میرے ساتھ مشورہ اور اس کی آبادی میں میری مدد چاہتا ہے۔

حیران: شیخ محترم! آپ کسان تھے اور کب زمین کی زراعت اور اس کی آبادکاری سے واقف

تھے؟

الشیخ: اس نے مجھ سے معلومات کا نہیں بلکہ معجزے کا مطالبہ کیا ہے!

حیران: وہ آپ سے کیا معجزہ مانگ رہا ہے؟

الشیخ: وہ اس وسیع بنجر زمین کا مالک ہے' چاہتا ہے کہ اس میں درخت لگائے اور پانی دے۔

حیران: یہ آسان کام ہے۔ وہ اس میں درخت لگائے اور پانی دے۔ اس میں معجزے کی کیا ضرورت ہے؟

الشیخ: زراعت کے بارے میں یہ صحیح ہے مگر پانی دور ہے اور زمین اونچی ہے۔ اس لیے میں نے اس سے کہا ہے کہ تمہارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ پانی جمع کرنے کے لیے حوض بناؤ جس میں سردیوں کا پانی محفوظ کر لو جس سے اپنی زمین سیراب کرو۔

اس نے کہا: حوض کا پانی تو جلد ہی زمین میں اتر جائے گا اور میں چاہتا ہوں کہ پانی زمین میں نہ اترے۔

میں نے پوچھا: وہ کیسے؟

اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد ہو جائے کہ حوض کا پانی انجن کی طرف چلا جائے جو اسے حرکت دے کر زمین کی طرف بہائے اور اسے سیراب کرے پھر پانی واپس حوض میں آ جائے تاکہ پھر زمین کی طرف لوٹے اور پھر حوض کی طرف' پھر انجن کی طرف اور اسی طرح ہمیشہ ہوتا رہے۔

میں نے کہا: ہمیشہ کے لیے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

اس نے کہا: میری زندگی تک اور ہو سکتا ہے کہ میں سو سال جیوں۔

میں نے کہا: اللہ کرے تمہاری عمر بھی ہو لیکن جس پانی کی تم واپسی چاہتے ہو اس میں سے کچھ واپس بھی اگر لوٹے تو کیچڑ اور مٹی ساتھ لائے گا اور انجن کو خراب کر ڈالے گا۔

اس نے کہا: کیا ہم اس کے لیے فلٹر نہیں بنا سکتے جو اسے حوض میں آنے سے قبل مٹی سے صاف کرا دے!

میں نے کہا: اسے فلٹر کی طرف کون لے جائے گا؟

اس نے کہا: خود انجن' کیا وہ اسے دوسری نلی کے ذریعے فلٹر کی طرف نہیں بھیج سکتا؟

میں نے کہا: اگر ہم اس طرح کا ایک انجن ایجاد کر لیں تو پانی کے صاف ہونے کے بعد زمین کو سیراب کرنے کے لیے اسے انجن کی طرف کون لائے گا؟

اس نے کہا: انجن خود اسے فلٹر کی طرف زور سے دھکیلے گا تاکہ وہ اس کے سوراخوں میں سے داخل ہو پھر اس سے نکلے اور انجن کی طرف لوٹے۔

میں نے کہا: حوض خواہ کتنا ہی بڑا ہو یہ پانی بالآخر زمین میں اتر جائے گا

اس نے کہا: کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ اسے اترنے نہ دیں؟

میں نے کہا: کیسے؟

اس نے کہا: کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم حوض میں نیا پانی ڈالیں؟

میں نے کہا: نیا پانی کہاں سے آئے گا؟

اس نے کہا کیا ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ حوض کے کنارے دوسرا انجن لگائیں اور نل لمبے ہوں جن سے وہ زمین کے پھلوں، گھاس پھوس کے خارج کیے ہوئے پانی کو حاصل کر کے حوض کو مہیا کرے تاکہ اس میں کمی نہ آئے!

میں نے کہا: کیوں نہیں؟ مگر دوسرے انجن کو کون حرکت دے گا تاکہ وہ پھلوں اور گھاس پھوس کو لے اور نچوڑے؟

اس نے کہا: کیا ہم دوسرے انجن کو حرکت دینے کے لیے ایک تیسرا انجن نہیں لگا سکتے؟

میں نے کہا: کیوں نہیں، مگر اس تیسرے انجن کو کون حرکت دے گا اور کون اسے ایندھن دے گا کہ وہ حرکت کرے؟

اس نے کہا: کیا ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ پہلے انجن کو اتنا طاقتور بنائیں کہ وہ دوسرے انجنوں کو ایندھن مہیا کرے اور انہیں حرکت دے

میں نے کہا: کیوں نہیں؟ مگر پہلا انجن کتنی مشقت اور تھکان برداشت کرے گا؟

اس نے کہا: کیا ہم اسے اس قدر قوی، مضبوط اور دقیق نہیں بنا سکتے کہ وہ چلنے سے ایک لحظہ بھی نہ رکنے پائے؟

میں نے کہا: کیوں نہیں؟ انجن کے لیے یہ ممکن ہے کہ ایک دن ایک مہینہ ایک سال یا دو سال چلتا رہے لیکن تم چاہتے ہو کہ انجن سو سال تک بلا توقف چلتا رہے!

اس نے کہا: یہ ناممکن ہے؟

میں نے کہا: نہیں عقلی طور پر تو یہ ناممکن نہیں، مگر یہ عجیب انجن ایک بڑے صاحب علم و قدرت انجینئر کے محتاج ہیں جو ان کی ایجاد انہیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے اور سیراب کرنے سے واقف ہو اور جانتا ہو کہ انہیں کن معدنیات سے ڈھالے کہ انہیں نہ زنگ لگے اور نہ وہ گھسیں۔ یا انہیں عقل و تدبیر والے ایسے ذرات سے بنائے کہ جب ایک ذرہ گھس جائے تو اس کی جگہ دوسرا لے لے۔

اس نے کہا: کیا میں صرف مذاق اڑانے کے لیے ہی رہ گیا ہوں؟

کیا ذرات اور معدنیات میں عقل اور تدبیر ہوتی ہے؟

میں نے کہا: چیف انجینئر سے دریافت کرو۔

اس نے کہا: کیا یہ معاملہ چیف انجینئر کا محتاج ہے؟

میں نے کہا: کیا یہ سب کچھ جس کا تو نے مطالبہ کیا ہے، ہندسہ، حساب اور منصوبے کے بغیر خود بخود حاصل ہو جائے گا؟

حیران بن الاضعف کہتے ہیں کہ اس مرحلہ پر شیخ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے اور ہنس پڑے

حیران: میرے آقا! کیا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں؟

الشیخ: اے حیران! میں تمہارے ساتھ مذاق نہیں کر رہا، میں تمہیں قلب کے فعل اور اثر، اس کی غرض و غایت، اس کی قدر و قیمت، اس کا دائرہ کار، اس کا احاطہ اور اس کی دیواریں، اس کی کھڑکیاں، در حجرے، اس کے دروازے اور پردے، اس کی عماریں اور کھوہ، اس کی ندیاں اور تالاب، اس کی کدورت اور صفائی، اس کے معمول اور شب بیداری، اس کا صبر اور احتیاط اور اس کی عظیم اہمیت کی حکایت سنا رہا ہوں۔

حیران: کیا یہ سب کچھ اس چھوٹے سے دل میں ہے؟

الشیخ: منطقی اور فصیح زبان میں اس کے یہ بعض اوصاف اور توانائیاں ہیں۔ انسان کے لیے اللہ کی مشیت یہ ہے کہ جئے اور زندہ رہے۔ مگر زندگی غذا اور حرارت کا نام ہے۔ اس لیے اللہ نے ہمارے اندر خون پیدا کیا ہے جو بدنوں کی غذا اور حرارت کا حامل ہے۔ لیکن یہ خون غذا

کی مدد کا محتاج ہے۔ لہٰذا اللہ نے ہمارے لیے معدہ، جگر اور انتڑیاں پیدا کیں اور ہماری غذا میں کاربن رکھی جو آکسیجن کے ساتھ جل کر غذا اور حرارت بناتی ہے لیکن یہ جلنا ہمارے اندر کاربن ڈائی آکسائیڈ کی صورت میں زہر پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے ہمارے بدنوں کے جوفوں میں مردہ خلیوں کے جسموں سے پیدا ہونے والی دیگر زہروں کے ساتھ اسے باہر نکالنا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے خالق حکیم نے ہمارے بدنوں کے اندر دو عظیم فلٹر بلکہ دو پھیپھڑوں کی صورت میں غیر معمولی بھٹیاں پیدا فرما دی ہیں جنہیں ہم اندر کی طرف سانس لے کر ہوا سے بھرتے ہیں تاکہ اس کی آکسیجن سے اپنی خوراک کی کاربن اور خون میں موجود اکثر فضلات اور زہروں کو جلائیں۔ پھر ان جلی ہوئی زہروں کو باہر کی طرف سانس کے ساتھ نکال دیں۔

لیکن اگر یہ خون جسم میں ساکن اور غیر متحرک رہے تو وہ اپنی زہروں، مردہ جسموں، دیگر فضلات اور آلودگیوں کو فلٹر میں نہ پھینک سکے گا اور اس کے لیے اپنے خزانوں (معدہ، جگر اور انتڑیوں) سے نئی خوراک لینا اور اس نئی غذا کو پھاڑ کر اس کے اجزاء کو مطلوبہ تیزی کے ساتھ جسم کے تمام حصوں میں پہنچانا ممکن نہ رہے گا اور اس کا ساکن ہونا جسم کی موت کا باعث بنے گا کیونکہ ایک طرف تو وہ آسانی اور سہولت کے ساتھ اپنے خزانے سے نیز انتڑیوں اور جگر کی دیواروں سے قطرہ قطرہ کی صورت میں رس کر آنے والی غذا کو بھی حاصل نہ کر سکے گا اس لیے کہ وہ غیر متحرک خون میں نہیں بہے گی۔ اور جسم کی اطراف میں طویل دنوں کے بعد ہی پہنچ پائے گی اس طرح بھوک کے باعث اس کی موت واقع ہوگی اور دوسری طرف ساکن اور غیر متحرک خون اپنی زہروں اور فضلات کو جلانے کے لیے فلٹر تک نہ پہنچا سکے گا تو زہر کے اثر سے نیز نئی آکسیجن نہ ملنے کے باعث گلا گھٹنے سے اس کی موت واقع ہو جائے گی۔

اس لیے خون کا حرکت کرنا اور زبردست تیزی کے ساتھ چلتے رہنا ناگزیر ہے کیونکہ اس تیز رفتاری کے ساتھ وہ غذا کے خزانوں پر سے گزرتے ہوئے اپنی حاجت پوری کرتا ہے اور آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے اسے جسم کے تمام حصوں میں پہنچا دیتا ہے اور اسی تیز رفتاری سے اپنی زہروں اور فضلات کو فلٹر کی طرف پھینکتا اور پھیپھڑوں سے آکسیجن کی صورت میں نیا ایندھن لے کر اپنی غذا کے جلانے کے عمل کو دہراتا ہے تاکہ جسم کے لیے وافر غذا اور حرارت پیدا کرے۔

حیران: سبحان خلاق العظیم! لیکن خون کی رفتار میں یہ سرعت کس لیے اور کس طرح آنکھ جھپکنے کی دیر میں ہوتی ہے؟

الشیخ: یہ ساری تیزی کس لیے؟ اس لیے کہ جلنے (احتراق) میں خاصیت ہے کہ یہ بہت جلد مکمل ہو جاتا ہے اور زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ تجربہ کر کے دیکھو اپنے سانس کو روکو پھر دیکھو کتنا صبر کرتے ہو خواہ پھیپھڑوں کو جتنا بھی ہوا سے بھر لو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے پھیپھڑے حجم میں جرہ (کہکشاں) کے برابر ہوں جن میں آکسیجن کی اتنی مقدار سما جائے کہ اگر خون ان کی طرف اتنی سست روی سے آئے کہ پھیپھڑوں تک ایک گھنٹے کے بعد بھی پہنچے تو کافی رہے؟ اور تمہاری یہ بات کہ یہ تیزی آنکھ جھپکنے کی دیر کی مثل کیسے ہوگئی؟ اس لیے کہ قادر مطلق نے اسے ایسا ہی بنایا ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خون کے ایک قطرے کو دل سے نکل کر پورے جسم میں پھر کر اپنی جگہ پر واپس آنے میں تقریباً ۲۰ سیکنڈ یا نبض کے ۲۵ مرتبہ حرکت کرنے کا وقت لگتا ہے یا یہ کہ جتنی دیر میں تم دس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہو۔

حیران: لا الٰہ الا اللہ، سبحان الخلاق العظیم!

الشیخ: یہ راحت و اعتدال کی حالت میں ہے اور تجربہ کرنے کے لیے اگر آکسیجن سے زیادہ گہرا سانس لو تو دیکھو گے کہ تمہاری نبض سست ہو گئی ہے۔ اگر تم اپنا سانس روکنے کا تجربہ کرو تاکہ آکسیجن کم ہو جائے یا یہ کہ تم دوڑو تاکہ احتراق میں اضافہ ہو جائے تو دیکھو گے کہ تمہارا دل شدت سے دھڑک رہا ہے تاکہ خون اپنی آکسیجن کی ضرورت کو حیرت ناک تیزی سے پورا کرے۔

حیران: سبحان خلاق العظیم۔

الشیخ: اے حیران! اب تمہیں ثابت ہو گیا کہ خون نہایت تیز رفتاری اور انجن کا محتاج ہے۔ یہ عظیم انجن دل ہے۔ اس وقت معاملہ آسان ہو جاتا جب ہم نے سمجھ لیا کہ دل ایک پمپ کی طرح ہے جو خون کو پمپ کرتا ہے، خون جسم میں چلا جاتا ہے اور پھر اس کی طرف واپس آتا ہے، وہ پھر اسے پمپ کرتا ہے۔

لیکن معاملہ اس سے زیادہ پیچیدہ ہے، خون دو پمپوں کا محتاج ہے جن میں سے ایک اسے جسم میں اور دوسرا پھیپھڑوں کی طرف پمپ کرے تاکہ وہاں سے دل کی طرف صاف ستھرا

فعال اور ضروری پیدھن کے ساتھ تیار ہو کر لوٹے۔ صرف ایک پمپ کا ہونا کافی نہیں کہ خون جسم میں بھیجے اور اسے پھیپھڑوں تک پہنچائے اور پھر اسے دل کی طرف لوٹائے۔ کیونکہ خون جب پہلے پمپ کے وقت سب سے بڑی شریان (Aorta) میں پہنچتا ہے تو شاخ در شاخ پھوٹ جاتا ہے پھر جسم کو غذا دینے کے بعد پہلے پمپ کی قوت سے وریدوں کی طرف لوٹ آتا ہے اور اس سے بڑی نچلی حالی ورید اور اوپر والی خالی ورید میں جمع ہو جاتا ہے اور شاخ در شاخ جانے آنے کی طویل مسافت کے باعث اس کی قوت میں کمی آ جاتی ہے اس لیے اس کی پھیپھڑوں کی طرف رسائی اور پھر وہاں دل کی طرف واپسی نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کے لیے ایک دوسرے پمپ کا ہونا ضروری ہے جو اسے پھیپھڑوں کی طرف دھکیلے تاکہ وہاں صاف ہو کر دل کی طرف لوٹے۔ اس سے تم دو پمپوں / انجنوں کی ضرورت سمجھ سکتے ہو۔

تو پھر کیا حل ہو؟ صانع جدا جدا دو پمپ بنائے؟ یہ تو اس کے لیے بہت آسان ہے لیکن عظیم حکمت و قدرت کے مالک نے ایک ہی دل میں دو پمپ لگا دیئے جو بیک وقت بہت سی مصلحتوں کا کام دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ ہم دونوں میں سے کسی ایک پمپ کی کسی مرض سوئے ہضم / اعصاب شکنی کے باعث پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہوئے بچ سکتے ہیں اور ان میں سے یہ بھی کہ واحد پمپ جوف میں آسان تر، خفیف تر اور کمتر جگہ لینے والا ہے۔ اور یہ بھی کہ چونکہ صاحب حکمت و قدرت نے ہر چیز کو عمدہ طریقہ سے بنایا ہے لہٰذا واحد پمپ بناوٹ، توافق اور ہم آہنگی میں نہایت عجیب و غریب اور اللہ کی قدرت پر بڑی دلیل ہے۔ اور یہ ایسی دکاوراتر ہے جس سے عقلیں حیرت زدہ ہیں۔

لیکن صانع نے ایک ہی دل میں دو پمپ رکھ دیئے ان کے پمپ کرنے اور خون سے پر ہونے کے وقت ان کے متحد ہونے میں سرخ اور پاک صاف خون کے گندے اور سیاہ خون میں شامل سکنے کے لیے کیا طریقہ اختیار فرمایا ہے؟

اس نے دل کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک دایاں اور دوسرا بایاں اور ان دونوں کے درمیان ٹھوس دیوار بنا دی جس میں کوئی رخنہ نہیں

لیکن جب ہر ایک پمپ کے لیے فقط ایک ہی خانہ (Chamber) ہو تو معاملہ اس طرح کر دیا گیا کہ ایک لحظہ میں خون کا پمپ ہونا معطل ہو جائے یا اس لحظہ میں خون کا بہنا رک

جائے

حیران: آقا میں نہیں سمجھ پایا۔

الشیخ: اے حیران! دل ہر دھڑکن کے ساتھ قریباً ۷۰ ملی لٹر خون نہایت تیزی اور وقفہ کے بغیر پمپ کرتا ہے۔ لہٰذا جب خون کو پمپ کرنے کے مقام پر ایک ہی چیمبر ہو اور اسے دبایا جائے کہ خون پمپ کرے تو اس کے دباؤ سے پھیپھڑوں سے آنے والا صاف خون رک جاتا ہے اور یہی حال پھیپھڑوں کی طرف گندہ خون پمپ کرنے والے ایک ہی چیمبر سے بنے ہوئے پمپ کا ہے کیونکہ پھیپھڑوں کی طرف گندہ خون پمپ کرتے وقت وہ سکڑ اور دب جاتا ہے تو اس گندے خون کو اندرونی دو وریدوں سے دل کی طرف آنے سے روک دیتا ہے اور خون ان وریدوں میں لوٹ سکتا ہے۔ لہٰذا کیا صورت اختیار ہو سکتی ہے؟

اگر یہ ہے کہ صاف ستھرے سرخ خون والے بائیں قلب میں دو خانے (Chambers) ہوں: ایک اوپر والا اور دوسرا نیچے والا اور اسی طرح گندے خون والے دائیں قلب میں دو خانوں کا ہونا بھی لازمی ہے تاکہ بائیں قلب میں اوپر والا خانہ بایاں اذن پھیپھڑوں سے آنے والے صاف ستھرے خون کو انبساط قلب (Diasto e) کے وقت وصول کرے پھر اسے نچلے خانے بائیں بطن کی طرف دھکیل دے اور یہاں سے دل سب سے بڑی شریان میں پمپ کر دے

اور اسی طرح سے دائیں قلب میں اوپر والا خانہ دایاں اذن دو خالی وریدوں سے آئے ہوئے گندے خون کو وصول کرتا ہے پھر اسے نچلے خانے دائیں بطن میں دھکیل دیتا ہے تو اسے پھیپھڑوں میں دھکیل دیتا ہے تاکہ وہ اسے صاف کرے پھر صاف ستھرا ہو کر از سر نو دھکیلے جانے کی قوت سے بائیں اذن، بائیں بطن پھر سب سے بڑی شریان میں داخل ہونے کے لیے لوٹتا ہے

اور اسی طرح جب تک انسان زندہ رہتا ہے باری باری ہوتا رہتا ہے

اگر بائیں اور دائیں قلب کے خانوں کے درمیان والے والو (Valve) دائماً کھلے رہیں تو معاملہ بگڑ جائے کیونکہ قوت و شدت کے ساتھ دباؤ پیدا کرنے والے قلب کے عضلات کا پھیپھڑوں اور وریدوں سے آنے والے خون کو پیچھے دھکیل کر لوٹا دینا ضروری ہے اور خون کے پمپ ہونے اور لوٹائے جانے کے مابین ایک دوسرے کو دھکیلنے کے عمل سے بچنے کے لیے دو خانوں

کی ضرورت ہے تو پھر کیا ہو؟

ناگزیر ہے کہ ہر دو خانوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہو جو دباؤ اور پمپ کے وقت خون کی واپسی کو روکے اور جب یہ دروازہ بند ہوگا تو بایاں اذن پھیپھڑوں کے خون کو بلا روک ٹوک حاصل کرے گا اور بایاں بطن خون کو دبا کر سے بائیں اذن کی طرف دھکیل دے گا

لیکن کیا ہم اس دروازے کو دائمی طور پر بند کر دیں؟

یہ غیر معقول بات ہوگی اور اس صورت میں نیا سرخ خون کہاں سے بائیں بطن میں اور سیاہ خون کہاں سے دائیں بطن میں داخل ہوگا؟

صاحب قدرت خلاق العظیم نے چاہا کہ عصبی عضلات کے دو دروازے والو کی شکل کے بنا دیں جو لحظہ بلحظہ بلا توقف خود بخود کھلتے اور بند ہوتے رہیں لیکن دو قلبین میں دو دروازوں کے دو والو ہیں جو ایک دیوار کے ذریعے ایک دوسرے سے الگ ہیں تو کیا یہ ضروری ہے کہ ان کا کھلنا بھی اکٹھا ایک ہی آن میں ہو اور ان کا بند ہونا بھی اکٹھا ایک ہی آن میں ہو؟ وہ دونوں دو مستقل قلب ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کا کھلنا اور بند ہونا باری باری دو مختلف دھڑکنوں کے ساتھ ہو؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ دل اپنی حرکت اپنے سکڑنے اپنے دبنے اور پمپ کرنے کے لحاظ سے ایک ہی ہے اگرچہ وہ دو حصوں میں منقسم ہے دائیں خانے جس سے سیاہ خون پھیپھڑوں کی شریانوں کی طرف دوڑتا ہے کا والو بند ہونے کے وقت پورے کا پورا دل نچڑنے کی صورت میں کیا حال ہوگا؟ یہ صورت دل کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم دونوں والو ایک ہی وقت میں کھلنے والے بنائیں تاکہ وہ دونوں اذنین کی طرف خون کا داخل ہونا آسان بنا دیں اور وہ بند بھی اکٹھے ہوں تاکہ دونوں بطون کا ایک ہی وقت میں پمپ کرنا ممکن ہو جائے اور یہی حال بائیں بطن سے شریان اکبر کی طرف سرخ خون کے خارج ہونے میں اور دائیں بطن سے سیاہ خون کے پھیپھڑوں کی شریانوں کی طرف خارج ہونے کا ہو کیونکہ ہر دو خارج میں بھی والو کا ہونا ضروری ہے تاکہ شریان کبیر سے خون واپس نہ ہو اور نہ پھیپھڑوں کی شریانوں کی طرف واپس ہو اور ضروری ہے کہ یہ دونوں دو خانوں کے درمیان کے والوز کی طرح ایک ہی وقت میں بند ہوں۔

اب تک ہم نے خون کی سرخ و سیاہ قسموں کے ساتھ اس کے پمپ ہونے اور وصول ہونے کے عمل کو تکمیل تک پہنچایا ہے لیکن خون کو جسم کے جملہ اطراف میں پہنچنا باقی ہے۔ جسم کی اوپر اطراف سر اور بازو ہیں اور نیچے کی اطراف پاؤں اور جسم کے اندر انتڑیاں ہیں ہم خون کو ایک ہی شریان سے تین سمتوں میں کیسے پہنچائیں؟ کیا ہم اسے پہلے سر پھر انتڑیوں اور پھر پاؤں کی طرف لے جائیں؟ اس صورت میں پاؤں تک گندہ اور زہریلا خون ہی پہنچے گا بلکہ یہ ناممکن ہے کیونکہ خون سر اور بازوؤں کی طرف الگ الگ شاخوں کے ذریعے جاتا ہے پھر اس سے رگوں کے ذریعے ہر عضو اور ہر خلیے میں پہنچتا ہے اور رگیں مسلسل متفرق اور باریک ہوتی جاتی ہیں حتیٰ کہ اپنی باریکی کے باعث اوعیہ شعریہ (Capillaries) کہلاتی ہیں تو خون ان شاخوں اور شعریات میں جانے کے بعد کیسے واپس آئے کہ شریان کبیر میں دوسری بار جمع ہو پھر وہاں سے انتڑیوں کی طرف جائے جب کہ دوبارہ شاخوں رگوں اور شعریات میں تقسیم ہو جاتا ہے؟ اور تیسری مرتبہ جمع ہونے کے لیے کیسے واپس آئے تاکہ شریان اکبر کی طرف ہو لے اور پاؤں کی طرف جائے؟ اور اس خون کی گندگی اور زہریلے پن سے کیا حال ہو چکا ہوگا؟

پھر ناگزیر ہے کہ جس نے اسے بڑی شاخوں کی صورت میں بنایا ہے وہ شریان اکبر سے شاخیں نکالے تاکہ ان میں سے ایک بڑی شاخ سر اور بازوؤں کی طرف ایک بڑی شاخ انتڑیوں کی طرف اور ایک بڑی شاخ پاؤں کی طرف جائے

یہاں تک ہم نے جسم کے لیے غذا اور حرارت مہیا کر دی ہے لیکن خون کو طہارت اور صفائی آکسیجن سے پھیپھڑوں کے بے نیاز کرنا باقی ہے لہٰذا کس طرح سے اسے لوٹائیں پھر پھیپھڑوں تک پہنچائیں؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ خالق الحکیم نے اس واپسی کے لیے مخصوص رگیں بنائی ہیں جس کو وریدیں کہا جاتا ہے ان میں سر سے سیاہ خون اوپر والی خالی ورید کی طرف اور انتڑیوں اور پاؤں سے نچلی خالی ورید کی طرف لوٹتا ہے اور ان دو وریدوں کو دل کی طرف لوٹا دیا۔ پھر پھیپھڑوں کی طرف خون لے جانے کے لیے دائیں بطن کی طرف تاکہ اس کے فضلات آلودگیوں اور زہروں کے جلنے کا عمل مکمل ہو جائے اور نئی آکسیجن لے پھر پاک صاف اور سرخ ہو کر لوٹے تاکہ پھیپھڑوں کی دو وریدوں سے دل کی طرف اس کے کھلنے کے وقت لحظہ بہ لحظہ پمپنگ (Pumping) کے دوران گرایا جائے تاکہ اس سے بائیں بطن میں داخل ہو اور وہاں سے

شریان اکبر میں پمپ کیا جائے۔ وقِس ھذا القیاس۔

حیران: سبحان خلاق العظیم ۔ سبحانہ

الشیخ: کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ عجیب و غریب رگوں شریانوں اور وریدوں کے ساتھ ختم ہو گئے؟ اے حیران! بلکہ دل میں شریانیں اور وریدیں اور بھی ہیں

حیران: کیسے؟

الشیخ: کیا ہمارے جسم کو غذا مہیا کرنے والا دل خود غذا کا مستحق نہیں؟

حیران: کیوں نہیں؟ وہ اپنے اندر موجود خون سے غذا حاصل کرتا ہے۔

الشیخ: لیکن دل خود دوسرے اعضاء کی طرح کا ایک عضو ہے بلکہ ان میں سب سے بڑا ہے اور رگیں ہی رگیں اور شعریات ہیں جو اس کی ترکیب میں عمیق ترین حصے تک پہنچتی ہیں' سے غذا مہیا کرتی ہیں اور وہاں سے آلودگیوں' فضلات اور زہروں کے ساتھ لوٹتی ہیں اور اس گندے خون کے لیے لازم ہے کہ وہ خود سابقہ طریقہ اختیار کرے اور دل کی ان مخصوص وریدوں میں لوٹے جو اسے دائیں اذن میں ڈال دیں تاکہ دل اسے صفائی کے لیے روانہ کرے لہٰذا خالق حکیم نے خود دل کو پاک صاف خون مہیا کرنے کے لیے اس میں Coronory Arteries نامی دو شریانیں بنا دی ہیں جو دل سے خون کے خارج ہونے کے وقت یعنی جب وہ بہت زیادہ صاف اور بہت زیادہ قوی ہوتا ہے شریان اکبر میں سے نکلتی ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ دل اعضاء کو خون عطا کرنے والا ہے' وہ دیگر اعضاء کی نسبت خون کی مقدار' غذا' طہارت' اور قوت کا زیادہ مستحق اور ضرورت مند ہے۔ تنہا اسے جسم کے خون کا پانچواں حصہ مطلوب ہے حالانکہ اس کی جسامت پورے جسم کی جسامت کے سویں حصے سے زیادہ نہیں' اور تب اس کو سارے جسم سے زیادہ آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ دوسرے اعضاء پوری آکسیجن کا چوتھا حصہ حاصل کرتے ہیں جو انہیں خون کے ساتھ پہنچتا ہے۔ اسی لیے خالق عظیم نے اس دل کے لیے مخصوص شریانیں اور وریدیں بنا دی ہیں

اے حیران! یہ ہے وہ دل ۔۔۔ یہ وہ دل ہے' اپنے فعل' اپنے اثر' اپنے مقصد' اپنی عنایت اور اپنی قدر و قیمت' اپنی مقدار' اپنی دیواروں' اپنی کھڑکیوں اور خانوں' اپنے دروازوں اور

پردوں' اپنی غاروں اور کھوہوں' اپنی ندیوں اور حوض' اپنی صفائی اور کدورت' اپنے انہماک اور چوکسی اپنے صبر' اپنی ہوشیاری اور اپنی عظیم اہمیت کے ساتھ ...

اے حیران! یہ وہ مسکین دل ہے جو ستر یا نوے سال دن اور رات دھڑکتا رہتا ہے اور آنکھ جھپکنے کی دیر بھی آرام نہیں کرتا' تم اپنی خود سری سے اسے تکلیف دیتے ہو' اپنے ارادے سے گراتے ہو' اپنی تلخیوں سے اسے جلاتے ہو' اپنی خواہش نفس کے ساتھ اسے بے قرار کرتے ہو' اپنے آنسوؤں سے اسے رلاتے ہو اور اپنے غموں سے اسے کھپاتے ہو ۔۔۔ اور وہ درگزر اور معاف کرنے والا' مستقل مزاج اور صابر ہے۔ اپنے اس خالق کی ہدایت کے مطابق جس نے اسے بطریق احسن پیدا فرمایا' اسے استعداد عطا فرمائی' اس کی چنگاری کو شعلہ زن بنایا' اس کی اجل مقرر فرمائی۔ جب اس کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے' اور وہ اپنے پنجرے میں ساکن ہو جاتا ہے اور اپنی تنگی سے راحت حاصل کر لیتا ہے اور اے حیران! فویل للقاسیة قلوبهم من ذکر الله (تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کے ذکر سے اور زیادہ سخت ہو گئے۔)

***

toobaa-elibrary.blogspot.com

الصخرة الضاحكة الباكية

۵

(گریاں وخنداں چٹان)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

اشنج اور یہ حیات! اے حیران! اور تمہیں کیا خبر کہ حیات جسے اللہ نے سخت ٹھوس بے جان چٹان میں پیدا کیا تو وہ دوڑ دھوپ کرنے والی زندہ سمجھدار اور باشعور غضبناک خوشنود سر گزار شکوہ سنج ہنسنے اور رونے والی بن گئی۔ اے حیران! کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ مٹی اور پانی سے اس کی خلقت میں اتفاق (الصادفہ) کا کتنا حصہ ہے؟

﴿اولم یر الذین کفروا ان السموٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما و جعلنا من الماء کل شیء حی افلا یؤمنون﴾ (الانبیاء ۲۱:۳۰)

"کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبیؐ کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی؟ کیا وہ (ہماری اس خلاقی کو) نہیں مانتے؟"

﴿واللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنھم من یمشی علی بطنہ و منھم من یمشی علی رجلین و منھم من یمشی علی اربع یخلق اللہ ما یشاء ان اللہ علی کل شیء قدیر﴾ (النور ۲۴:۴۵)

"اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا۔ کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

﴿ومن ایٰتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون﴾ (الروم ۳۰:۲۰)

"اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر یکایک تم بشر ہو کر (زمین میں) پھیلتے چلے جا رہے ہو۔"

﴿یایھا الناس ضرب مثل فاستمعوا لہ ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا لہ وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ ضعف الطالب والمطلوب ○ ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز﴾ (الحج ۲۲:۷۳،۷۴)

"لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو۔ جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو اللہ ہی ہے۔"

﴿ھو الذی خلقکم من طین ثم قضی اجلا و اجل مسمی عندہ ثم انتم تمترون﴾ (الانعام ۶:۲)

"وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی، اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔ مگر تم لوگ ہو کہ شک میں پڑے ہوئے ہو۔"

﴿فاستفتھم اھم اشد خلقا ام من خلقنا انا خلقنٰھم من طین لازب ○ بل عجبت و یسخرون ○ و اذا ذکروا لا یذکرون ○ و اذا راوا ایۃ یستسخرون﴾ (الصافات ۳۷:۱۱-۱۴)

"اب ان سے پوچھو ان کی پیدائش زیادہ مشکل ہے یا ان چیزوں کی جو ہم نے پیدا کر رکھی ہیں؟ ان کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے۔ تم (اللہ کی قدرت کے کرشموں پر) حیران ہو اور یہ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ سمجھایا جاتا ہے تو سمجھ کر نہیں دیتے۔ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اسے ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں۔"

یہ اس کا کچھ حصہ ہے جو قرآن کریم نے لیسدار گارے سے خلق حیات کے متعلق فرمایا ہے اور یہی بات سائنس کہتی ہے لہٰذا یہ حیات کیا ہے جس کے پانی اور مٹی سے بننے کے متعلق سائنس دان قرآن سے متفق ہو گئے۔ پھر اس کے راز سے حیرت زدہ ہو کر پوشیدہ حقیقت کی دہلیز پر رک گئے.....؟

سائنس دانوں نے شے کے اصول و فروع، عناصر و طبائع، ضوابط و قوانین سے متعلق بہت کچھ معلوم کر لیا اور جان لیا کہ تمام جاندار خلیے سے بنتے ہیں اور خلیہ اولین نطفہ (پروٹوپلازم) سے جو کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن سے بنتا ہے۔ تب انہوں نے شے میں حیات پیدا

کرنے کا تجربہ کیا مگر عاجز رہ گئے اور قرآن کے مصداق ایک مکھی کو بھی پیدا کر سکنے کے عدم امکان کے معترف ہوئے

اے حیران! کیا تمہیں بختر کا قول یاد نہیں کہ مائیکروب اپنی سادگی کے باوجود بناوٹ اور ترکیب والا ہوتا ہے۔ وہ جماد سے براہ راست نہیں بنتا بلکہ جماد سے تیار ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سائنس کی نظر میں ایک معجزہ ہے جو بڑی چاند ر چیزوں کے جماد سے براہ راست ظہور میں آنے کی نسبت عقلاً کم بعید نہیں۔

حیران کیوں نہیں' مجھے یاد ہے۔

الشیخ کیا تمہیں تھومس اکویناس کا قول' آج تک کسی سائنس دان کو مکھی کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکی' یاد نہیں؟

حیران کیسے یاد نہ ہو؟

الشیخ کیا تمہیں راجر بیکن کا قول کوئی سائنس داں بھی ایسا نہیں جو صرف ایک مکھی کی پوری حقیقت کو جانتا ہو' یاد ہے؟

حیران ہاں! خوب یاد ہے۔

الشیخ لیکن قرآن نے ان سب سے پہلے لوگوں کو مخاطب فرمایا

﴿یایُّها النّاسُ ضُرِبَ مثلٌ فاستمِعُوا لهٗ انّ الّذین تدعُون من دُون اللّٰه لن یَّخلُقُوا ذُبابًا وَّ لو اجتمعُوا لهٗ﴾ (الحج ۲۲ : ۷۳)

"لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے' غور سے سنو۔ جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہیں وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔"

حیران آقا! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اس قول کو قرآن حکیم سے اخذ کیا ہے؟

الشیخ اے حیران! سلیم عقلیں حق پر متفق ہو جاتی ہیں' علم میں اضافہ کے ساتھ ساتھ حق پر ان کا جمع ہونا آسان تر اور قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ انیسویں صدی کے اواخر کے بعد جب کہ سائنس دانوں کو مادی نظریات کی بیماری' جو ان میں سے بعض کو لگ گئی تھی' سے افاقہ ہوا ہے' وہ حق پر جمع ہو رہے ہیں اور آج ان کا اپنے اسلاف کے اس قول پر اجماع ہوتا نظر آتا ہے کہ یہ قوانین اور نوامیس جن کی بنیاد پر زندگی پیدا ہوئی اور اس میں

تبدیلیاں آتی گئیں وہ قصد و ارادہ اور تدبیر و حکمت کی وحدت پر مشتمل ہیں اور غور و فکر کرنے والی عقل سلیم کے لیے یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ حیات کی تخلیق اور اس کی تبدیلیاں اندھے اتفاق پر ہو گئیں۔

اور یہ عظیم انگریز سائنس دان لارڈ کیلون (Lord Kelvin ۱۸۲۴–۱۹۰۷) ہے جو لوگوں میں اس ایمان کا اعلان کرتا ہے' اور اس زندگی کی تخلیق بذریعہ اتفاق کی بات کرنے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ناقابل تردید حجت اور برہان قاطع یعنی حکمت اور نظام کے آثار سے بعض سائنس دانوں کی چشم پوشی پر حیران ہو کر کہتا ہے: انسان کے لیے زندگی کی ابتداء اور اس کے استمرار کو ایک غالب قوت خالقہ کے بغیر تصور کرنا ناممکن ہے' اور دل کی گہرائی سے میرا یہ عقیدہ ہے کہ بعض سائنس دانوں نے حیوان سے متعلق اپنی فلسفیانہ تحقیقات میں اس کائنات میں موجود ناقابل تردید حجت سے بہت بڑی چشم پوشی کا مظاہرہ کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے گرد تدبیر اور اختیار پر مبنی نظام کے وجود پر قوی اور قاطع براہین موجود ہیں جو فطرت ہی کے ذریعے اس میں موجود مطلق ارادہ کے اثر کی نشاندہی کرتی ہیں اور ہمیں تعلیم دیتی ہیں کہ تمام جاندار اشیاء کا انحصار تنہا ایک ابدی اور واحد خالق پر ہے۔

اس کے بعد آنے والا عظیم سائنس دان آئن سٹائن کہتا ہے "دینی شعور کی حقیقت اپنی گہرائی میں یہ ہے کہ ہم جان لیں کہ وہ ہستی جس کی ذات کی حقیقت کی معرفت ناممکن ہے' حقیقتاً موجود ہے وہ اپنی حکمت کی نشانیوں اور بیش بہا انوار اور جمال میں ظاہر..... اور میں کسی حقیقی سائنس دان کا تصور نہیں کر سکتا جسے یہ ادراک نہ ہو کہ عالم وجود کے صحیح قواعد عقل کے لیے قابل فہم حکمت پر مبنی ہیں۔ لہٰذا ایمان کے بغیر سائنس لنگڑی ہے اور سائنس کے بغیر ایمان اندھا ہے۔"

کیا تمہارا خیال ہے کہ عظیم لوگوں کی عقلوں اور قرآن کے درمیان' جو یہ کہتا ہے انّما یخشی اللّٰہ من عبادہ العُلَمٰٓؤُا یعنی اللہ سے ڈرنے والے تو اس کے بندوں میں سے علماء ہی ہیں' اس سے بہتر بھی کوئی اتفاق ہو سکتا ہے؟

حیران حقاً انّما یخشی اللّٰہ من عبادہ العُلَمٰٓؤُا

الشیخ اے حیران! یہ انسان جسے اللہ نے احسن تقویم میں پیدا فرمایا ہے کی تخلیق و تکوین' اس کی رعایت و تکریم' اس کی فہم و فراست اور اس کی تعلیم میں اتفاق (مصادفہ) کا کتنا حصہ

ہے؟

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (التین ۹۵: ۴)

"ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔"

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۞ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ﴾ (الانفطار ۸۲: ۶-۷)

"اے انسان! کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے نک سک سے درست کیا، تجھے متناسب بنایا۔"

﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ﴾ (السجدۃ ۳۲: ۷)

"جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی۔ اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی۔"

﴿أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا﴾ (الکہف ۱۸: ۳۷)

"کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا۔"

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا ۖ وَأَجَلٌ مُّسَمًّى عِندَهُ ۖ ثُمَّ أَنتُمْ تَمْتَرُونَ﴾ (الانعام ۶: ۲)

"وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی، اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔ مگر تم لوگ ہو کہ شک میں پڑے ہوئے ہو۔"

﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ﴾ (صافات ۳۷: ۱۱)

"ان کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے۔"

﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۞ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (الدھر

۷۶: ۱-۲)

"کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔"

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۞ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (العلق ۹۶: ۱-۵)

"پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔"

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرۃ ۲: ۳۱)

"اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ۔"

﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ۞ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ﴾ (ص ۳۸: ۷۱-۷۲)

"جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں، پھر جب اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔"

انسان جب کہ اس کا زمین میں وجود نا پید تھا اور وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو مٹی اور پانی سے اپنے ہاں ایک متعین مدت میں پیدا کرنے سے متعلق جو کچھ قرآن کہتا ہے یہ اس کا ایک حصہ ہے۔ یہ بالکل وہی کچھ معلوم ہوتا ہے جو کہ سائنس مٹی، پانی اور نطفہ ادب سے مدتوں کے دوران تطور کے ساتھ انسان کی تکوین سے متعلق جب کہ نچلے درجے کے طبقات ارضی

میں اس کا کوئی نام و نشان نہ تھا' کہتی ہے تو پھر انسان کی تخلیق میں اتفاق (المصادفہ) کا کتنا حصہ ہے؟

یہ عجیب انسان جو اپنی زندگی کا آغاز ہر گونگے حیوں کی طرح مٹی' پانی اور پھر نطفے کے ساتھ کرتا ہے' پھر ہر چیز کے نام کو جاننے والا فلسفی بن جاتا ہے اور اس کی عقل کائنات میں وجود' مادہ' نظام' حق' خیر اور جمال کے ادراک کے لیے وسعت اختیار کر لیتی ہے اور وہ اس کے ساتھ علم' فن' ادب' شعر' نحو' حکمت' فلسفہ اور تصوف کو گھڑ لیتا ہے اور ان کے انوار کا اظہار کرتا ہے درآں حالیکہ خود اپنے میں موجود اللہ کی روح سے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا

یہ وہ انسان ہے' کیا اس کی تخلیق میں اتفاق (المصادفہ) کا کوئی اثر ہے؟

یہ انسان کیا ہے اور میں اس کے کن عجائب کا تجھ سے ذکر کروں؟ یہ تین اندھیروں میں کیسے پیدا کیا جاتا ہے؟ کس طرح سے بطن مادر میں ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلتا چلا جاتا ہے' نطفہ سے خون کا لوتھڑا اس سے بوٹی اور اس سے انسان کامل؟

بطن مادر میں کس عجیب طریقے سے غذا حاصل کرتا ہے؟ کیسے سانس لیتا ہے' کیسے دودھ پیتا ہے' کیسے چباتا ہے' کیسے نگلتا ہے' کیسے ہضم کرتا ہے' کیسے اپنی غذا چوستا ہے' کیسے جسم کے لیے حرارت حاصل کرتا ہے' کس طرح اپنے پیٹ کو صاف کرتا ہے' کس طرح گندگی نکال پھینکتا ہے' کس طرح سے نئے ایندھن کے ساتھ ایک چیز کو دوسری چیز میں تبدیل کرتا چلا جاتا ہے.....؟

کس طرح وہ اپنے خون کو اپنے بدن کے وسیع و عریض کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے تقسیم شدہ خانوں اور مضبوط والوز (Valves) والے اس عجیب پمپ کے ساتھ جو عمر بھر مسلسل دوران خون میں مصروف کار رہتا ہے' سرخ ندیوں کے ذریعے صاف ستھرا در مصفیٰ خون جسم کی دور دراز اطراف میں روانہ کرتا ہے اور نیلی ندیوں کے ذریعے آلودگیوں اور مردہ [illegible] گندے خون کو فلٹر بلکہ بھٹی (Burner) کی طرف لوٹاتا ہے جو اسے پاک و صاف کرتی ہے اور جدید ایندھن مہیا کرتی ہے تا کہ وہ پمپ کی طرف لوٹے جو اسے دوبارہ جسم میں بھیجے تا کہ کار حیات عمر بھر جاری رہے اور وہ اس دوران ایک لحظہ بھی توقف نہ کرے۔

یہ انسان کس طرح اپنی غذا کی حالت کو جگر کے ذریعے بدلتا' متوازن بناتا اور اسے جمع

کرتا ہے؟ وہ جگر ہے کیا؟

وہ عظیم و جلیل غدہ کیا ہے جو سخی بخیل' توازن قائم کرنے والا' عاقل' برابر تقسیم کرنے والا' عادل' وافر جمع کرنے والا' تنگ دل خازن ہے جو تیرے خون میں گلوکوز کی ہزارویں جزو کی زیادتی بھی ہو جائے تو اتنی مقدار کو روک کر کم کر لیتا ہے اور اگر کمی ہو جائے تو عطا کرتا ہے اور اگر یومیہ ضرورت پوری کرنے کے بعد اس کا ذخیرہ اچھل پڑے تو وہ تجھے تریاق دے گا اور اس کے زہر سے بچا لے گا.....؟

یہ ممتاز کیمیاوی افراز والے ہارمونی غدود کیا ہیں جو اعصاب' عضلات' ہڈیوں' عقل' دل' شریانوں اور جنس میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ جسم کو بڑا یا چھوٹا' لمبا یا کوتاہ کرتے ہیں' عقل کو ذہانت دیتے ہیں کہ جامد نہ ہو' جسم کو حرارت دیتے ہیں کہ ٹھنڈا نہ ہو' دباؤ کو بڑھاتے یا گھٹاتے ہیں' اعصاب کو فعال یا سست بناتے ہیں' نمکیات کے تناسب کی حفاظت کرتے اور ان کی مقدار کا ضابطہ مقرر کرتے ہیں' شکر کی کمی کے وقت اسے بڑھاتے ہیں اور اس کی بیشی کے وقت اسے جلاتے ہیں' ہڈیوں کے چونے (کیلشیم) کو قائم رکھتے اور جنس کے خلیوں کو ان کی ساخت مہیا کرتے ہیں۔

اور یہ خلیے کیا ہیں جو آنکھ سے نظر نہیں آتے جن کی تعداد جسم انسانی میں کھربوں تک جا پہنچتی ہے اور کس طرح وہ گروہوں میں منظم ہوتے ہیں کہ ان میں کا ہر گروہ جسم کا کوئی حصہ بنائے گویا کہ وہ چیونٹیاں ہوں یا شہد کی مکھیاں' جو اپنے لیے طے کردہ وظائف حیات کو بخوبی سمجھتی ہیں۔

یہ عصبی کیمیاوی ترتیب میں کیا عجیب موافقت ہے جو ہر عضو' ہر غدہ اور ہر خلیہ کو باہمی تجاذب (Response) و تعاون کرنے والا بناتا ہے تا کہ جسم کے خون' اس کے پانی' اس کی حرارت' اس کی مثانہ (Plasmas)' اس کے نمکیات' اس کی احماض (Acids)' اس کی قلویات (Alkalinities)' اس کی شکریات (Sacharines) میں دقیق اور مستقل توازن موجود رہے وہ ہر بگاڑ کی اصلاح' ہر خرابی کی تصحیح اور ہر کمی کو پورا' ہر کمزوری کو دور کرتا ہے اور ہر افراط و تفریط میں اعتدال پیدا کرتا ہے ہر شکست کو ملاتا' ہر پھٹے ہوئے کو رفو کرتا' ہر ٹوٹے ہوئے کو جوڑتا' خون کے بہاؤ (Hemorrhage) کو روکتا' ہر قوت کو حرکت میں لاتا' ہر ہتھیار کو تیز کرتا' ہر زہر کے مدمقابل کو بناتا اور شدید حفاظت کرتا ہے تا کہ ہر حملے کو روک دے' ہر دشمن کو برباد کرے اور وطن عزیز کے شہداء کے بدلے

وطن کے لشکر کی نئے سپاہیوں سے امداد کرے ...؟

اور یہ عقل اے حیران! جس نے تمام عقلوں کو ورطہ حیرت میں ڈال رکھا ہے' اپنے اسرار و رموز میں کس قدرت عجیب و غریب ہے اس کے کون کون سے عجائبات کا تم سے ذکر کروں ...؟

ہم کیسے فہم اور ادراک حاصل کرتے ہیں' کس طرح عقل کی راہ اختیار کرتے ہیں کیونکر حفظ کرتے ہیں کس طرح لاکھوں معلومات جمع کرتے اور انہیں کہاں ذخیرہ کرتے ہیں اور بوقت ضرورت کیسے انہیں ان کے مخزن سے نکال لیتے ہیں- ہم کس طرح یادوں کو تازہ کرتے اور کیسے تقابل کرتے ہیں' کیونکر اسباب کا کھوج لگاتے ہیں کس طرح نتائج برآمد کرتے اور کیسے فیصلہ کرتے ہیں...؟

اور اے حیران! یہ گوشت اور اعصاب کے گچھے کا حصہ کیا ہے جس کے ذریعے خالق نے ہمیں ناموں کی تعلیم دی ہے اور اس کے ساتھ ہمیں ملائکہ پر فوقیت عطا فرمائی ہے ...؟

اور یہ حیران کن عجیب عصبی نظام کیا ہے' جس پر ہماری گرفت اور ہم پر اس کی گرفت ہے- درآنحالیکہ ہم سے جانیں یا نہ جانیں' ایک طرف تو ہم اس کے ساتھ اپنے ارادے سے اپنے بعض اعضاء کے بارے میں حکم کرتے ہیں اور دوسری طرف وہ اپنے ریشوں کے ذریعے ہمارے اہم ترین اعضاء بلکہ ہمارے جسم کے ہر خلیے کے متعلق اپنی آزاد مرضی کے ساتھ' ہمارے علم کے بغیر حکم کرتا ہے- گویا اس نظام میں دو مستقل عقلیں ہیں' شعوری اور غیر شعوری

موخر الذکر ہوشیاری کے ساتھ متصف ہونے کی زیادہ حق دار ہے کیونکہ شعوری عقل کبھی خطا کرتی ہے اور کبھی نہیں کرتی اور اپنے ساتھی (غیر شعوری) کے کام کو ہرگز اپنے ذمے نہیں لیتی اور نہ اس میں مداخلت کرتی ہے' اور جب بھی اس نے اسے اپنے ذمے لیا یا اس میں مداخلت کی تو اسے خراب کر دیا' مگر غیر شعوری اپنے ساتھی کے اعمال کا کلی شعور رکھتی ہے اور اس کے نظام میں خفیہ طور پر مداخلت کرتی ہے- شعوری عقل کے ساکن یا معطل ہو جانے سے ہمارے عضلات حرکت سے رک جاتے ہیں' ہمارا دماغ صحیح فکر سے عاجز رہ جاتا ہے اور ہمارا حال سوئے ہوئے آدمی کا سا ہو جاتا ہے- مگر غیر شعوری عقل کے معطل ہونے کے نتیجے میں دل' معدہ' جگر' سماعت' بصارت بلکہ ہمارے اندر کی ہر چیز میں خلل پڑ جاتا ہے اور حتمی طور پر ہماری موت واقع ہو جاتی

ہے' تو کیا ان ہر دو قوتوں کے درمیان یہ مضبوط' حکمت بھری' عجیب تفریق اندھے اتفاق کا نتیجہ ہے؟

اور اے حیران! یہ دماغی مادہ کیا ہے جو باہم بے حد و حساب شاخوں والے ریشے کے ساتھ جڑے ہوئے اور ایک ہی خلیہ کی مانند حیرت انگیز' عجیب دقیق نظام کے ساتھ عمل کرنے والے ہزار ملین سے زائد خلیوں پر مشتمل ہے...؟

اور یہ حرام مغز کی جھلی (ام الراس) کیا ہے' گویا کہ وہ مرکزی قیادت اور کنٹرولر ہے جو حواس کے ذریعے وارد ہونے والے ہزاروں پیغامات کو وصول کرتا اور قیادت علیا کو اس سے آگاہ کرتا ہے ...؟

اور یہ قائد اعلیٰ کیا ہے جو ان متعدد پیغامات کے تدفق کا نگران ہے؟ وہ کسی پیغام کو بڑھاتا' کسی کو موخر کر دیتا اور کسی کو گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے- پھر تقابل کرتا اور ان کا تجزیہ کرتا' تصحیح و تعدیل کرتا حتی کہ نتیجہ نکالتا ہے اور جدید و قدیم احساسات کے ساتھ عجیب عقلی ادراک بناتا ہے جس سے کبھی وحشت کے ساتھ خون ریزیاں کرنے والا یہ جاہل حیوان برآمد ہوتا ہے مگر بعض اوقات اتنا بلند ہوتا ہے کہ اس ہستی کی دہلیز تک جا پہنچتا ہے جس نے اسے زمین میں خلیفہ بنایا' اسے عزت دی اور اسے قلم کے ساتھ تعلیم دی- کیا ان لاکھوں کروڑوں دماغی خلیوں اور اعصاب کے درمیان یہ احسان' اتقان' تقویم' تقدیم فی الخلق' تقدیر' اتزان' تنظیم' احکام' تعدیل' ترابط' تجاوب' تعاون' تناسق ... اندھے آثار میں سے کوئی اثر ہے؟ اے حیران!

﴿أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ ... ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا﴾ (الکھف ۱۸: ۳۷)

"کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا؟"

﴿بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ○ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ○ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ﴾ (الصفت ۳۷: ۱۲-۱۴)

"تم (اللہ کی قدرت کے کرشموں پر) حیران ہو اور یہ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں' سمجھایا جاتا ہے تو سمجھ کر نہیں دیتے ہیں' کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اسے ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں۔"

حیران بن الاضعف کہتے ہیں کہ اس مرحلہ پر شیخ رو پڑے اور رقت سے ان کا گلا گھٹنے لگا۔ میں بے ساختہ آگے بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو چومنے لگا اور انہیں اپنے آنسوؤں سے دھونے لگا۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے فَوَیْلٌ لِّلْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ یا حیران! وہ الفاظ کو دہراتے رہے حتیٰ کہ ان کو چین آ گیا اور گہرے سکون کی حالت میں ہو گئے۔

ہم مسلسل خاموش اور ساکن رہے یہاں تک کہ آفتاب کی شعاعوں نے ہمیں چونکا دیا۔ تب بھرائی ہوئی کمزور آواز میں شیخ نے فرمایا اے حیران! میں تھک گیا ہوں، مجھے وضو کراؤ۔ نماز فجر قضا کرنے کے بعد شیخ نے اپنے بستر میں پناہ لی اور ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے مجھے اوڑھا دو مجھے اوڑھا دو۔ اے حیران! رات نے مجھے ٹھنڈ لگا دی اور بیداری نے مجھے تھکا دیا۔

* * *

وصیۃ الشیخ

۲

﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ؟﴾

(القرآن)

"اللہ کی طرف بلانے والے سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے؟"

دو ہی قسم کے لوگ ہیں جنہیں عقل مند کہا جا سکتا ہے ایک وہ جو اللہ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اس لیے کہ انہوں نے اسے پہچان لیا ہے اور دوسرے وہ جو اس کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں تاکہ اسے پہچان لیں۔

(پاسکل)

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیران بن الاضعف کہتے ہیں شیخ محترم کو چادر اوڑھانے کے بعد میں حرتنک کے ایک شخص سے حسب وعدہ ملنے کے لیے چلا گیا- دن بھر اس کے پاس رہا اور مغرب کے بعد واپس آیا۔ بوڑھے موذن کے ساتھ نماز عشاء ادا کی تو اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم نے آج مولانا کو دیکھا؟ میں نے کہا نہیں میرا تو سارا دن گاؤں میں گزرا ہے- اس نے کہا مجھے ان کے بارے میں تشویش ہے میں مغرب کے بعد حسب معمول کھانے کا برتن اٹھانے گیا تو میں نے اسے کھانے سمیت وہاں لٹکا ہوا پایا تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا ہم انہیں جنگل میں تلاش نہ کریں؟ میں نے کہا میرا ایسا خیال نہیں کیونکہ آج شام سردی نہایت شدید ہے اور وہ ایسی سردی میں جنگل میں نہیں ٹھہرتے میرا غالب خیال ہے کہ وہ اپنے کمرے میں ہیں اور شاید علیل ہیں- میں نے صبح کے وقت انہیں سردی سے ٹھٹھرتے اور تھکے ہوئے پایا تھا میں بھی انہیں تلاش کرتا ہوں تم اپنے اہل و عیال کے پاس جاؤ اور آرام کرو-

اس پر اس بوڑھے نے مجھے الوداع کہا- میں مسجد کا دروازہ بند کر کے شیخ کے کمرہ کی طرف لوٹا اور وہاں اندھیرا تھا شیخ کو کچھ ہو جانے کے خیال اور خوف سے مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی اس پر اچانک جا پڑنے کے خدشے سے کمرے میں داخل نہ ہوا اور تجسس کے ساتھ دبے پاؤں مڑ کر مسجد سے نکلا اور صحن کے گرد چکر لگا کر باڑ والے اس چھوٹے سے باغیچے میں داخل ہوا جہاں امام بخاریؒ کی قبر ہے تا کہ شیخ کو ان کے کمرے کی اس کھڑکی میں سے دیکھوں جو قبر کی طرف کھلتی ہے- میں نے انہیں ہچکیوں والی بھنبھناہٹ کے ساتھ دعا کرتے ہوئے بستر میں پایا میں نے کان لگا کر سنا وہ کہہ رہے تھے رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائیں اور ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر مجھے سکھ دے میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور تابع فرمان بندوں میں سے ہوں) تب گہری ہچکی لی اور کہا وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ

خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے- پس چاہیے کہ وہ خدا کا خوف کریں اور راستی کی بات کریں) پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتے ہوئے کہا اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا مَصَارِعَ السُّوْءِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (اے اللہ! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں (زندگی کی) بری کشمکش سے بچا-

میں فوراً مسجد کی طرف بڑھا شدید سردی سے مجھ پر کپکپی طاری تھی میں شیخ صاحب کی اجازت لیے بغیر ان کے پاس پہنچ گیا انہوں نے مجھے دیکھا تو فرمایا ڈرو نہیں میں ابھی زندہ ہوں مگر بیمار ہوں چراغ جلاؤ اور مجھے کچھ دودھ پلاؤ تا کہ جسم و جان کا رشتہ برقرار رہے میں سارا دن بھوکا رہا ہوں شیخ نے دودھ پی لیا تو مجھے وضو کا حکم دیا- پھر بیٹھ کر نماز عشاء ادا کی - تب بستر پر آئے اور تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور کہا اے حیران! کیا اللہ نے نہیں فرمایا وَ لَا تَجَسَّسُوْا (تجسس نہ کرو) کیا اس نے یہ نہیں فرمایا وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (اور گھروں میں دروازوں سے آؤ)

حیران کیوں نہیں میرے آقا! وہ تو مجھے محبوب کی تلاش تھی بندہ! مجھے بتائیے آپ کو کیا چیز رلا رہی تھی اور آپ کیا گنگنا رہے تھے؟

الشیخ وہ شیخ فانی کی وحشت تھی جب اس نے اپنی موت کو اپنے قریب محسوس کیا-

حیران آقا! آپ کی عمر لمبی ہو!

الشیخ اے حیران! (عمر) لمبی ہی ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے کسی بندے کی روح کو اس کی ارذل العمر سے پہلے قبض کر لینا اس کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے- میں موت کے خوف سے نہیں رو رہا تھا بلکہ تنہائی میں اللہ کی جناب میں گڑگڑا رہا تھا اے حیران! اس لیے کہ وہ پسند فرماتا ہے کہ اس کا بندہ اسے چپکے چپکے گڑگڑا کر پکارے-

حیران آپ اللہ سے کیا مانگ رہے تھے؟

الشیخ اے حیران! ہم میں سے ہر ایک کے مصائب ہیں امیدیں ہیں خوف ہیں اور یادیں ہیں اور ہر ایک دعا کرتا ہے کہ اپنی دلی خواہش کو حاصل کر لے-

پھر شیخ نے اپنی آنکھوں میں تیرتے ہوئے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے

مجھ سے نظر ہٹائی اور کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسے بند کر دو کیونکہ خریف کی سردی موسم سرما کی سردی سے زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے۔

جب میں ان کی چارپائی کے قریب ہو کر کھڑکی بند کرنے کے لیے جھکا تو شیخ نے محسوس کیا کہ میں آنسو بہا رہا ہوں اس پر شیخ نے فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے) اے حیران!

حیران: اور آپ کے ابا کون ہیں؟ میرے آقا!

الشیخ: میرا ابا اور دادا اللہ کے دو نیک بندے ہیں۔

حیران: آپ کی والدہ کہاں ہے اور ان کا کیا حال ہے؟

الشیخ: وہ اللہ کی ہزاروں نعمتوں کے ساتھ سمرقند میں ہیں۔

حیران: پھر آپ کو ان کے لیے کیوں پریشان اور مضطرب دیکھ رہا ہوں؟

الشیخ: مال ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ اے اللہ انہیں برائی میں گرنے سے بچا اور اپنے ستر میں انہیں ڈھانپ لے

حیران: آپ نے ان سے دور رہنا کیوں منتخب کیا ہے اور آپ اس مسجد میں لوگوں سے بھی دور ہیں؟

الشیخ: میں ان سے دور نہیں، سمرقند خرتنگ سے صرف ایک کوس کے فاصلے پر ہے۔ میں نے چالیس سال تک ان کے سامان زیست کے لیے کوشش کی ہے اور اب اپنی واپسی (معاد) کے لیے زاد کی کوشش میں ہوں۔

حیران: کیا اولاد کے لیے کوشش اور ان کی نگرانی اللہ کے نزدیک بہت بڑی نیکی نہیں؟

الشیخ: کیوں نہیں کیوں نہیں، اے حیران! لیکن جب انسان اپنی موت قریب محسوس کرتا ہے تو اللہ کی طرف یکسو ہو جانا چاہتا ہے اور یکسوئی شہر کے اژدہام میں میسر نہیں آتی نیز میرے لیے اس جنگل کے درمیان اس مسجد میں عہد شباب کی یادیں ہیں جو مجھے لوٹا کرتی ہیں اور میں اس میں وہ انس محسوس کرتا ہوں جو کہیں اور نہیں ملتا۔ اکثر اوقات جب مصائب مجھے گھیر لیتے ہیں تو میں اپنے آپ سے باتیں کرتا ہوں اور اس دن کی تمنا رکھتا ہوں کہ جب اس مسجد کے اندر اس نیک بندے کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف محو ہو جاؤں

لہٰذا اے حیران! جب روح مخلوق سے تنہائی کی طلب گار ہوتی ہے تو خالق کے سوا کسی دوسرے کی طرف مانوس نہیں ہوتی اور اس کے کسی مقرب بندے کی ہمسائیگی میں ہی اس کا قرب محسوس کرتی ہے۔

حیران: یہ صحیح ہے اور ہم زمین کے بادشاہوں کے قرب کے حصول کے لیے ان کے مقربین کا ذریعہ تلاش کرنے کے عادی ہیں۔

الشیخ: بہت بڑا فرق ہے، بہت دور کا اے حیران! مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے؟) لیکن ہم اس یقین کے باوجود اللہ کے حضور میں تذلیل کی لذت، اس کے اولیاء و احباب کی شفاعت طلبی کے طریق سے محسوس کرتے ہیں۔ گویا کہ ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کو اللہ کے حضور میں ذلیل تر اور حقیر تر دیکھتے ہیں، اس سے کہ اس کی رحمت کے دروازے کے قریب جائیں الا یہ کہ اللہ کے مقرب بندوں میں سے کسی بندے کے پیچھے چھپتے ہوئے جائیں۔

حیران: اب میں آپ کے اس دن کے قول کے معنی سمجھا ہوں، جب میں آپ کے پاس آیا تھا میں نے آپ کو پریشان کیا، میں نے اللہ کے حضور میں آپ کے تذلل اور انکساری میں استغراق کی لذت کو خراب کیا، آپ کو مشقت میں ڈالا اور عبادت سے الگ رکھا

الشیخ: اے حیران! تم نے مجھے عبادت میں بڑھایا ہے بلکہ تم نے میرے لیے عبادت کی بہتر صورتیں ممکن بنا دی ہیں وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف بلانے والے سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے؟

حیران: اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے!

الشیخ: لیکن تم نے آج رات مجھے اپنی ذات کے ساتھ مخاطب ہونے سے روک دیا۔

حیران: آپ کے ساتھ ہر بات خیر پر مبنی ہے۔ اور میں نے آپ کو تھکے ہوئے اور غم زدہ پایا ہے اور آپ مجھے بھی رات کو جاگنے کے قابل نہیں دیکھتے کیونکہ جب سے طلوع آفتاب کے بعد آپ کے پاس سے گیا ہوں تو بالکل نہیں سویا بلکہ خرتنگ چلا گیا اور وہاں سے

پہلا شخص خادم مسجد تھا۔ میں نے اس سے شیخ کے متعلق پوچھا اس نے مجھے اس کا سلام پہنچایا اور بتایا کہ سمرقند سے واپسی کے وقت ان پر دل کا دورہ پڑا اور وہ اس دن سے صاحب فراش ہیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو بلایا اور ان سے ہسپتال سے فارغ ہونے کی اجازت طلب کی۔ انہوں نے انکار کر دیا اور کہا: تمہیں بہت کمزوری ہے کم از کم ایک ہفتہ سے پہلے تمہارا بستر کو چھوڑنا خطرناک ہے۔ میں نے ان سے شیخ کے بارے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ خیریت سے ہیں اور وہ خطرہ گزر گیا۔ میں نے انہیں بستر چھوڑنے اور ہر قسم کی ذہنی مشقت سے منع کر دیا ہے اور سچے اس بوڑھے بھائی (خادم مسجد) کو ان کے گھر والوں کی بیماری کی اطلاع دینے سے روک دیا ہے تاکہ اولاد سے ملاقات ان کے غم کا سبب بن کر بیماری اور ان کی موت کا باعث نہ بن جائے۔ میں نے شیخ کو لکھنے پڑھنے سے بھی منع کر دیا ہے۔

بوڑھے خادم نے یہ سن کر کہا: لیکن جناب وہ تو پورا پورا دن لکھتے رہتے ہیں آپ نے منع کرنے کی بے سود کوشش کی ہے اور یہ سب کچھ حیران صاحب کے لیے ہے

میں نے کہا: کیا میرے لیے؟ اس نے کہا ہاں جناب! آپ ہی کے لیے۔ کیونکہ میں اس کی تحریر پر چوری چھپے نظر ڈالتا اور پڑھتا رہا ہوں وہ آپ کے نام کو بار بار لکھتے رہے ہیں

میں نے کہا: یہ تو عجیب بات ہے اور وہ خط کہاں ہے؟ انہوں نے اسے میری طرف کیوں نہیں بھیجا؟ اس نے کہا: جناب مجھے معلوم نہیں، وہ ایک طویل خط ہے!

چند دنوں بعد بوڑھا خادم میری املاؤں کا رجسٹر اٹھائے ہوئے آیا اور مجھے شیخ کا سلام پہنچایا۔ میں نے رجسٹر اس سے لیا اور اسے اپنی الماری میں رکھ کر تالا لگا دیا۔ میں نے پوچھا شیخ نے مجھے یہ رجسٹر کیوں بھیج دیا؟ اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ میں اسے آپ کے ہاتھ میں دوں۔

میرے دل میں یکے بعد دیگرے کئی خیال گزرنے لگے۔ میں نے بوڑھے کو قسم دی کہ وہ شیخ کے بارے میں سچ سچ بتائے۔ اس نے قسم کھا کر کہا کہ وہ خیر و عافیت سے ہیں۔ میں نے کہا ان کا وہ مکتوب کہاں ہے جو تم نے بتایا کہ مجھے لکھ رہے تھے۔ اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔

اس کے بعد بوڑھا خادم پورے پانچ دن مجھ سے جدا رہا اور مجھے شیخ کے متعلق بڑی تشویش رہی۔ جب میں ڈاکٹر صاحب سے شیخ کے بارے میں سوال کرتا تو وہ ٹال جاتے۔ چھٹے دن

مغرب کے بعد تمہارا سردی سے ٹھٹھرا ہوا لوٹنا ہوں ایسا لگتا ہے جیسے مجھے بخار ہو۔

الشیخ: تم نے خود کو تکلیف میں ڈال کر اپنے ساتھ زیادتی کی کہ اس شدید سردی میں مجھے تلاش کیا۔ اٹھو، اٹھو اپنے بستر میں جاؤ، یہ لو چادر، اس کے ساتھ حرارت حاصل کرو۔

حیران بن الاشعث کہتے ہیں کہ جب میں شیخ کے پاس سے نکل کر اپنے بستر پر آیا تو مجھے بخار کی کپکپی شروع ہو گئی۔ پھر میں نے پوری رات انگاروں میں لوٹتے گزاری۔ جب فجر طلوع ہوئی اور بوڑھا خادم آیا تو میں نے اپنے اوپر جبر کر کے دروازہ کھولا۔ وہ میرا حال دیکھ کر کانپ گیا۔ اور شیخ کو میرے حال سے آگاہ کیا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے میرے قریب آئے اور میرا ہاتھ تھام لیا میرے بخار کی جلن دیکھ کر ان کا چہرہ مرجھا گیا اور خادم کو حکم دیا کہ وہ بستی کے سردار کو بلائے تاکہ وہ مجھے اٹھا کر سمرقند ہسپتال لے جائے۔

میں نے سمرقند بھیجے جانے کو ٹال دینے کی کوشش کی۔ مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے اصرار کیا بیٹے! ان شاء اللہ تمہیں تکلیف نہ ہو گی لیکن تم اجنبی اور اپنے اہل و عیال سے دور ہو اور تمہیں شدید بخار ہے۔

میں نے کہا: اے آقا! میں بخار کی اقسام جانتا ہوں یہ میعادی بخار نہیں ایک دو روز میں اتر جائے گا۔ مجھے کل تک اپنے پاس رہنے دیجئے شاید وہ مجھے موقع دے ورنہ میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ انہوں نے کہا شاید میعادی ہو لیکن میں تم سے زیادہ بخار کی قسم کو جانتا ہوں یہ پورے ایک دن بعد اچانک سردی کے ساتھ آنے والا بخار ہے اس میں علاج اور احتیاط کی ضرورت ہے اور تاخیر اچھی نہیں۔

آدھا دن نہیں گزرا کہ مجھے شدید بخار نے آ لیا۔ میں نے سر کو چکراتے ہوئے محسوس کیا اور بے ہوش ہو گیا۔ مجھے دو دن بعد ہوش آئی تو میں نے اپنے آپ کو ہسپتال میں پایا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ شیخ الموزوں خود مجھے ہسپتال لے آئے تھے اور میری خاص نگرانی کی ہدایت کر گئے تھے اور ان کے ارشاد کی تعمیل ہو رہی تھی۔

میں نے ہسپتال میں مکمل دو ہفتے گزارے یہاں تک کہ خطرہ مجھ سے ٹل گیا اور ڈاکٹر صاحب نے آنے والوں کو میری عیادت کی اجازت دے دی۔ داخل ہونے والوں میں سے سب

بوڑھا خادم میرے پاس آیا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا، سر جھکا ہوا اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ جونہی میں نے شیخ کا پوچھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کہا: اے حیران! وہ فوت ہو گئے ہیں۔ وہ تمہیں اپنی اولاد کی طرح یاد کر رہے تھے۔ ہم دھاڑیں مار کر روئے حتیٰ کہ ہسپتال میں شور مچ گیا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب آئے۔ شیخ کی وفات کی خبر مجھے سنانے پر بوڑھے خادم سے ناراض ہوئے۔ جب مجھے سکون ہوا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ شیخ کو دوبارہ دل کا دورہ پڑا اور ان کا دل سہار نہ سکا اور لوگوں نے ان کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے انہیں مسجد کے قریب اس باغیچے میں جہاں وہ اپنی زندگی کے آخری دن گزار رہے تھے دفن کر دیا۔ تب ڈاکٹر صاحب نے مجھے ہسپتال سے فارغ ہونے کی اجازت دے دی۔ میں نے اپنے کپڑے تبدیل کیے، اپنی املاؤں کا رجسٹر لیا اور خادم کی رفاقت میں خرامہ خرامہ پھر مسجد میں پہنچا۔ وہاں میں اپنے محبوب شیخ کی قبر پر جا بیٹھا۔ رات تک مسلسل روتا اور قبر کی مٹی کو آنسوؤں سے تر کرتا رہا۔ جب میں نے سردی کا اثر محسوس کیا تو بوڑھے خادم کے ساتھ مسجد میں واپس آیا اور شیخ کے کمرے میں پناہ لی۔

خادم کے سو جانے پر شیخ کی الماری میں سے وہ مکتوب تلاش کرنا شروع کیا جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ مجھے لکھ رہے تھے مگر میں نے اس کا کوئی نشان نہ پایا۔ فرطِ رنج و غم سے میری نیند اڑ گئی اور مسجد اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی۔ اگر مجھے شدید سردی کا خوف نہ ہوتا تو اس سے نکل کر کھلے میدان میں آ جاتا۔

سردیوں کی یہ رات مجھ پر بہت طویل ہو گئی تو میں نے کمرے میں کوئی کتاب تلاش کرنے کی کوشش کی تاکہ اس کے مطالعے سے رات کاٹوں، مگر میں نے کوئی چیز نہ پائی کیونکہ شیخ کے گھر والے تمام سامان اٹھا کر لے گئے تھے اور میرے سامنے اپنی املاؤں کے رجسٹر کے سوا کوئی سامانِ تسلی نہ تھا۔ میں نے اسے اٹھایا اور اس کی گرہیں کھولیں جو شیخؒ نے اپنے ہاتھ سے لگائی تھیں۔ میں نے دو ہی ورق الٹے تھے تو میری نظر ان اوراق پر پڑی جن پر شیخ کی تحریر تھی۔ یہ تھا اس کا وہ مکتوب جس کے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا اور وہ یہ ہے:

اے بیٹے حیران بن الاضعف!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والحمد للہ علی شفاءک!

تہماری غیر حاضری میں جب سے مجھے دل کا دورہ پڑا ہے میں اپنی موت قریب محسوس کر رہا

ہوں۔ مجھے امید نہیں کہ اس بیماری کے اثرات سے نجات پا سکوں اور میرے لیے یہ تکلیف دہ ہے کہ اپنے پاس آخری امانت کو تمہاری طرف منتقل کرنے سے قبل اپنی باری بھگت کر اپنے رب سے جا ملوں۔ چنانچہ میں نے تمہارے لیے یہ مکتوب تحریر کر دیا ہے۔ اسے میری املاؤں کے دفتر کے ساتھ ملا لو۔

اے حیران بن الاضعف! تم ادھوری معرفت کی دلدل میں پھنسے ہوئے علم خام کے ساتھ سرگرداں و راہ گم کردہ میرے پاس آئے تھے اور تمہاری فریب خوردہ عقل جس پر ادھوری معرفت اور علم خام یہ دونوں چیزیں جمع تھیں فطرتاً ادراک کی مشتاق تھی اور فریب خوردہ ہونے کے باعث ماورائے ادراک جھانکنے کی عادی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنی وسعت کی حد تک پوری کوشش کی کہ تمہیں شک و شبہ سے بالاتر حق کی راہ پر لگا دوں۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری ہدایت کے لیے مجھے توفیق دی گئی کیونکہ میں نے تمہارے اندر اپنے عہدِ شباب کا عکس دیکھا، لہٰذا میں نے سمجھ لیا کہ تم نے شک و حیرت کو کہاں سے پایا اور مجھے معلوم تھا کہ وہ کہاں سے آتا ہے تاکہ تمہیں حق کی طرف لوٹا سکوں۔ پس میں تمہارا ہم قدم ہو لیا، جیسا کہ میں خود اپنا ہوا تھا اور میں نے تمہارا اسی طرح علاج کیا جیسا کہ میں نے اپنے نفس کا کیا تھا اور امید ہے کہ میں نے تمہیں شفایاب کر دیا ہے جیسا کہ میں نے اپنے آپ کو کیا تھا۔

اے حیران بن الاضعف! جان لو کہ ایمان باللہ حق ہے اور وہ حاجت ہے اور وہ ضرورت ہے، اور اس کا حق ہونا تم نے میری ان طویل راتوں کی گفتگو سے سمجھ لیا ہے جن میں تم میرے ساتھ رہے ہو اور یہ کہ اس کا حاجت ہونا اور ضرورت ہونا تم سمجھ لو گے جیسا کہ بلا استثنا مومنوں اور ملحدوں نے ایک ہی طرح سمجھا ہے جب تم یہ سمجھ لو گے کہ

وہ اللہ کے ساتھ ایمان ہی ہے جو

فضائل کی بنیاد ہے

اور رذائل کی لگام ہے

اور ضمیروں کا مدار ہے

اور مصائب میں صبر کا مرہم ہے

اور نصیبوں اور قناعت پر راضی رہنے کا سہارا ہے

اور سینوں میں امید کا نور ہے

اور زندگی کی وحشتوں میں دلوں کا سکون ہے

اور موت کی آمد اور اس کی قربت کے دنوں میں دلوں کا اطمینان ہے

اور انسانیت اور اس کے بہترین نمونوں کے درمیان مضبوط کڑی ہے

اے حیران! تجھے وہ شخص دھوکہ نہ دینے پائے جو کہے کہ ضمیر کی مزاحمت کے ساتھ اخلاقی خوبیاں ایمان سے بے نیاز کر دیتی ہیں کیونکہ اپنی خواہشات اور معاشرتی ضروریات کے مابین موافقت کی خاطر جن اخلاقی خوبیوں پر ہم نے اتفاق کر لیا ہو شدائد و بحران کی حالت میں خواہشات کے تلاطم میں ان کا ایمان پر انحصار ناگزیر ہے بلکہ جو شے ضمیر کے نام سے موسوم ہے' درحقیقت وہ بھی ایمان پر ہی منحصر ہے۔

اے حیران! اخلاقی خوبیوں کے آگے جھکاؤ' اقتدار کے کوڑے' قرآن کی امید یا معاشرے کے دباؤ سے ہوتا ہے اور جب ہم قانون' دین اور معاشرے کی گرفت سے آزاد ہوتے ہیں تو مزاحمت صرف ضمیر ہی کی رہ جاتی ہے لیکن شہوات و خواہشات کے ساتھ معرکہ آرائی میں ضمیر کو فتح یاب ہوتے ہم نے کم ہی دیکھا ہے' ماسوائے لوگوں کی ایک قلیل تعداد کے ہاں' اور وہ بھی جب وہ خدا سے ڈرنے والے ہوں۔

اگر ہم اخلاقی خوبیوں کو ایک طرف رکھ دیں اور اپنے لئے ایمان کی ضرورت کا جائزہ اس لحاظ سے لیں کہ وہ شدائد میں ہمارا سہارا اور مصائب کا مرہم' ارواح کا سکون' دلوں کی تسلی اور زندگی کی تیرہ بختیوں کا علاج ہے تو ایمان سے محرومی کی صورت میں خود کو زندگی میں ذلیل ترین چوپایوں' کمزور ترین حشرات' حقیر ترین رذائل نے حقیر تر مخلوقات کی صف میں پائیں گے۔

چوپائے' انہیں بھی ہماری طرح بھوک لگتی ہے لیکن وہ رزق کی فکر' فقر کے خوف' حاجت کی اذیت اور سوال کی ذلت سے محفوظ ہوتے ہیں۔

اور وہ ہماری طرح بچے جنتے اور ان سے محروم بھی ہوتے ہیں لیکن وہ بچے کے کھو جانے کی پریشانی' مرنے والوں پر بے صبری اور کمزور یتیموں کے فکر و غم سے آزاد ہوتے ہیں۔

وہ ہماری طرح اپنے جسموں میں لذت بھی محسوس کرتے ہیں اور درد بھی' لیکن وہ قلق' رونے سے آنکھوں کی سوجن' بے چینی و بے خوابی نیز تفرقہ بازی سے بچے رہتے ہیں اور حسد'

جھوٹ' چغلی' الزام تراشی' بہتان' نفاق' خیانت' حق تلفی' کفران نعمت' اور بھائی سے نفرت جیسی گھروں کو برباد کرنے والی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ ہوتے ہیں

اور وہ ایک طرح کے ادراک کے ذریعے جانتے ہیں کہ کیا چیز انہیں نقصان پہنچاتی ہے اور کونسی فائدہ' لیکن وہ مکلف ہونے کی مشقت' اوزار کے بوجھ' شک کی الجھن' حیرت کی اذیت اور ضمیر کی خلش سے محفوظ ہوتے ہیں۔۔۔

وہ ہماری طرح بیمار ہوتے اور مرتے ہیں لیکن وہ مرض کے انجام' احباب کی جدائی' موت کی غشیوں اور قبروں سے آگے مرنے والوں کی منزل کی فکر سے محفوظ ہوتے ہیں

درندے صرف پیٹ بھرنے کے لئے اسراف کے بغیر خون بہاتے ہیں لیکن ان کا خون بہانا تفاخر' انتقام' بغض اور سرکشی کے باعث نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ زمین میں اونچے ہو کر اور بڑے بن کر رہنے کے لئے خون بہاتے ہیں۔

لیکن یہ کمزور تھڑ دلا' گھبرا جانے والا حریص' فریبی' معتجب' متکبر' مغرور' خونخوار اور سرکش فلسفی حیوان' جس پر زندگی کی ناخوشگواریاں محض اس کی فکری بنیاد پر آتی ہیں' اس لئے ایمان کے سوا اس کی کم بختی کا کوئی علاج نہیں - ایمان ہی اسے قوت دیتا ہے وہی اسے معزز بناتا ہے' وہی اسے اطمینان دیتا ہے' وہی اسے راضی بہ قضا بناتا ہے اور وہی اسے اعلیٰ ہونے کے لئے کوشاں انسان بناتا ہے تاکہ وہ مسجود ملائکہ بن جائے

مگر اس ایمان کے بغیر یہ مسکین انسان جملہ مخلوقات میں سب سے زیادہ بدبخت' بدقسمت' شقی' آزمائشوں سے دوچار' سب سے بڑھ کر کم مرتبہ اور انجام کار رذیل ترین بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے ایمان کی راہ تو یہی فکر ہے جو اس کی کم بختی کا سبب بن گئی - وہ اپنے رب کا بندہ بننے سے قبل' اپنی فکر کا بندہ بن گیا حالانکہ وہ اسی فکر جو دنیا و آخرت کی زندگی میں اس کی سعادت و شقاوت کا تانا بانا بننے کے ذریعہ سے کماحقہ اپنے رب کا بندہ بن سکتا تھا۔

بلاشبہ اللہ نے انسان کو پیدا فرمایا' اسے سربلند کیا' بزرگی دی - غور و فکر کرنے والی نفس عاقلہ کے ساتھ ممتاز کر کے جملہ اسماء کی تعلیم دی - اور اس کی بنیاد پر اسے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور ملائکہ پر فوقیت عطا فرمائی۔ اس کا تزکیہ کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فوز و فلاح اور اسے دبانے والے کی قسمت میں نامرادی لکھ دی۔

﴿وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ○ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ (الشمس ۹۱ : ۷-۱۰)

"اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا"۔

تو اے حیران ہم کیسے اس کا تزکیہ کریں؟

ہم نفس کا تزکیہ گہری غور و فکر کے ساتھ کریں گے حتیٰ کہ وہ اپنے اعلیٰ نمونہ کے لئے جد و جہد کرنے لگ جائے اور حق خیر اور حسن میں یقین تک رسائی حاصل کرے پھر تم اللہ کو اس میں دیکھو گے۔

اور ایمان کی حلاوت سے اپنی بدبختی و سعادت مندی ضعف و قوت عجز و قدرت غلامی و آزادی بلکہ تخلیق کے راز تک دور اسے پکڑا کے جائے اور دو ضدوں کے بالمقابل رکھے جانے کی حکمت کا ادراک کراؤ گے جس کے بغیر عبودیت کے معنی سمجھے جا سکتے ہیں اور نہ عبادت کے

لہٰذا حق عبادت اور تقویٰ کے باب سے اگر نہیں تو حاجت اور ضرورت کے لحاظ سے ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنی عقلوں اپنے دلوں اپنے ضمیروں یعنی انسانیت اور اس کے اعلیٰ نمونے اور معاشرے کی سلامتی کے لئے ایمان باللہ کی دعوت دیں اسے عقلوں کے لئے آسان بنائیں اور اس کے لئے سینوں کو کھولیں۔

اے حیران بن الاضعف!

میں بھی تمہاری طرح عہد شباب میں شک و حیرت کی اذیت میں مبتلا ہو گیا تھا اور اسی چیز نے مجھے بھی فلسفہ کی طرف راغب کیا۔

اور مجھے بھی تمہاری طرح اسی چیز نے علم خام اور کج نظری کے ساتھ بحث و مباحثہ اور استدلال کا شوق دلایا۔

اور مجھے بھی تمہاری طرح بعض علماء دین کے جمود نے تکلیف پہنچائی اور مجھے بھی تمہاری طرح اسی چیز نے درس و تحقیق سے ہٹا دیا۔ چنانچہ ماہ و سال گزرتے گئے اور میرے اور میرے احباب پر تکالیف نے عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ شک مجھ پر مسلط ہو گیا اور میں ایمان کی نسبت الحاد سے زیادہ

قریب ہو گیا۔ بدبختی مسلسل مجھے حیرت کی تاریکیوں میں دھکیلتی رہی حتیٰ کہ اس نے موروثی ایمان اور اللہ کی رحمت سے مایوسی کے درمیان مجھے میرے رب کی عداوت میں کنارے پر لا کھڑا کیا

اسی طرح شب و روز گزرتے رہے میں نے ایک جنیس کی حیثیت سے میری ملازمت اختیار کر لی اور مجھے میری مصاحبت میں حجاز جانے کا موقع ملا

وہاں پر مدینہ منورہ میں ایک نیک نام عالم دین شیخ عبدالقادر سے متعارف ہوا۔ میں نے شیخ کو نماز فجر کے بعد مسجد نبوی میں فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آئے ہوئے علماء ہند کے ایک گروہ کے سامنے درس دیتے ہوئے سنا۔ میں بھی حلقہ درس میں شیخ کی طرف کان لگا کر بیٹھ گیا۔

جب میں نے شیخ کو اپنے سامنے رکھی ہوئی کتاب میں سے تقریر تشریح وضاحت یا تعلیق کے بغیر عبارت پڑھتے ہوئے سنا تو مجھے تعجب ہوا۔ میرے تعجب میں اور اضافہ ہوا جب میں نے انہیں اللہ کے وجود کے منکر نیچری فلسفیوں کا مخص کلام پڑھتے ہوئے دیکھا میں نے مساجد میں اس طرح کی کتاب کا پڑھا جانا کبھی نہ سنا تھا۔

جب درس کا وقت تمام ہوا اور شیخ کے گرد بیٹھنے والوں میں کمی ہوئی تو میں شیخ کے قریب ہوا ان سے کتاب کے بارے میں سوال کیا اور اپنے تعجب کا اظہار کیا انہوں نے کہا: اے بیٹے یہ علماء ہند کا ایک گروہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک فقہ حدیث اور تفسیر میں مجھ سے بڑا عالم ہے۔ ان کا معمول ہے کہ مدینہ منورہ میں اپنے قیام کے دوران مدینۃ النبیؐ کے علماء سے برائے تبرک درس سنتے ہیں پھر ہم سے تبرک کا سند حاصل کرتے ہیں اور ہمارے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔

جب وہ پہلی مرتبہ میرے پاس آئے تھے تو ان سے مشورہ کیا کہ میں ان کے لئے کیا پڑھوں انہوں نے معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا تو میں نے ان سے اپنے استاد اور ہم وطن شیخ جسر کی کتاب رسالۃ الحمیدیہ کا ذکر کیا انہوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا کیونکہ یہ کتاب ان کے ہاں معروف ہے اور اردو زبان میں مترجم ہے چنانچہ میں نے ان کے سامنے اسے تشریح و تقریر کے بغیر پڑھنا شروع کیا کیونکہ اس کا کلام بالکل واضح ہے اور اس لئے بھی کہ میں فلسفہ سے زیادہ واقف نہیں اور میں اس سے ڈرتا تھا کہ کوئی صاحب مجھ سے کوئی سوال کر دیں اور میں اس کا جواب نہ دے سکوں یا کوئی اشکال پیش کر دیں اور میں اس کا کوئی حل نہ بتا سکوں میں نے شیخ الجسرؒ کی اس بابرکت کتاب سے فائدہ اٹھایا اور ہر سال اس سے فائدہ اٹھا رہا ہوں ہند سے جو بھی عالم یا

طالب علم آتا ہے وہ مجھ سے الجسرؒ کی کتاب پڑھنے کی فرمائش کرتا ہے۔ کتاب کا نسخہ خرید لیتا ہے اور تحفہ کے طور پر اسے اپنے ملک میں لے جاتا ہے۔

اس کے بعد کہ شیخ اپنی اصل اور اپنے ملک کے بارے میں نیز مدینہ منورہ کی طرف اپنی ہجرت کے متعلق بتا چکے تو میں نے ان سے رسالۃ الحمیدیہ کا ایک نسخہ مانگا جو انہوں نے عطا کیا۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان سے رخصت ہو کر اپنے ٹھکانے پر واپس آیا۔ میں نے دو راتوں میں کتاب پڑھنے کے لئے خود کو وقف کر لیا۔ اس کے بعد میرا دھیان کتاب کے پڑھنے کی طرف ہی لگا رہا کیونکہ میں نے اس میں الجسر کی بلند فکری، وسعت علمی، راست نظری، نفوذ بصیرت، جمود سے بعد، عقل پر اعتماد، سائنس کی توقیر اور سائنس کے ثابت شدہ حقائق اور دین روشن کے مابین موافقت کی مہارت دیکھی۔

جب امیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد کی زیارت کی سنت ادا کر لی اور ہم سمندر کے راستے واپس ملک شام آئے تو میں نے امیر سے الجسرؒ سے ملاقات کے لئے ان کے شہر جانے کی اجازت لی اور طرابلس الشام پہنچا اور شیخ الجسرؒ کے ساتھ جامع الامیر (طینال) میں ملاقات کی۔ وہ مسجد کسی حد تک اس مسجد سے مشابہ ہے جس میں ہم ہیں.....

میں نے شیخ کو اپنا تعارف کرایا ان سے اپنی اصل و نسب کا ذکر کیا۔ اذیت، شک اور کرب و حیرت میں مبتلا ہونے اور ان کی کتاب سے متعارف ہونے کا قصہ بیان کیا اور انہیں بتایا کہ میں ان سے ملاقات کا خواہش مند تھا۔ شیخ نے مجھے خوش آمدید کہا، میرے ملک کے علماء کے بارے میں فرداً فرداً پوچھا اور مجھے وہاں مسجد اور باغات کے ماحول اور دامن کوہ میں واقع اپنے گھر میں باوقار اسلوب کے ساتھ ٹھہرالیا۔ پھر روزانہ شیخ کی رفاقت میں جامع جا کر ان کے تلامذہ جو بڑے علماء کا ایک گروہ تھا کے درمیان بیٹھ کر ان کا درس سننا میرا معمول بن گیا۔ پورا ایک مہینہ شیخ کی مہمان نوازی میں بسر کرنے کے بعد میں نے ان کے سامنے عذر پیش کر کے اپنے وطن کے لیے روانہ ہونے کی اجازت طلب کی اور نیز انہیں امیر کے ساتھ اپنی ملازمت کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا اے ابا النور، یہ گنتی کے چند درس سن لینا تمہارے لیے کافی نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم فلسفے کو کثرت سے پڑھو حتیٰ کہ اس میں سے کچھ نہ چھوڑو، علوم طبعی کا خوب مطالعہ کرو اور قرآن کی بکثرت تلاوت کرو۔ میں نے کہا کہ میں فلسفے کو کثرت سے کیسے پڑھوں حالانکہ یہ شک ہی کا تو لایا

ہوا ہے؟ انہوں نے کہا اے بیٹے، اے ابا النور، فلسفہ بلاشبہ ایک سمندر ہے دیگر سمندروں سے مختلف، اس کے ساحلوں اور کنارے پر خطرات اور سراب ہیں، سلامتی اور ایمان اس کی تہہ اور گہرائیوں میں ہے۔ اے ابا النور! اسے صبر اور غور سے پڑھو اور جو کچھ فلاسفہ نے اللہ کے وجود اور اس کی احدیت کے بارے میں کہا ہے وہ سب کچھ بلا استثنیٰ پڑھو۔ پھر ان کے اقوال جمع کرو، ان کے درمیان تقابل اور موازنہ کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی قرآن حکیم کی تمام آیات کو جمع کرو، انہیں فلسفہ اور سائنس کے مطالعہ کی روشنی میں پڑھو اور ان میں تدبر کرو۔ سائنس اور دین کے مابین موافقت کے لیے عقل کے فیصلے کی طرف رجوع کرو۔ اس کے بعد تم اپنے نفس کو ایمان و یقین کی حفاظت میں پاؤ گے..... اور اے ابا النور، سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانبیاء کو کثرت سے پڑھا کرو۔ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے پاؤ گے جب تک اسے توبہ اور رجوع الی اللہ کے باب سے طلب کرتے رہو گے..... وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے)..... وَلَسَوْفَ يُصْلِحُ بَالَكَ (عنقریب تمہارا حال درست فرما دے گا)..... وَيَهْدِيكَ إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَإِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ (اور وہ تمہیں پاکیزہ بات قبول کرنے اور صراط مستقیم کی ہدایت دے گا.....)

چنانچہ جب میں اپنے وطن واپس لوٹا تو تاشقند میں شیخ الاسلامؒ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے الجسرؒ سے ملاقات، ان کی کتاب اور ان سے گفتگو کا ذکر کیا۔ اپنی بات کے دوران میں نے دیکھا کہ شیخ کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہیں۔ شیخ نے مجھے بتایا کہ الجسرؒ کی کتاب رسالۃ الحمیدیہ ہمارے ملک میں معروف ہے اور ترکی زبان میں مترجم ہے۔ ہمارے ہاں کا ہر عالم اسے جانتا ہے اور وہ ملک کے تمام کتب خانوں میں موجود ہے۔ نیز عقائد میں ان کی ایک کتاب (الحصون) نامی ہمارے شہروں میں "العقائد الاسلامیہ" کے نام سے دستیاب ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے الجسرؒ، ان کے ایمان اور دین اسلام کے دفاع میں ان کی مخلصانہ مساعی کا بالتفصیل ذکر کیا۔ اس کے بعد جب میں ان سے رخصت ہونے لگا تو ان کا بیٹا ضیاء الدین گھر کے دروازے تک میرے ساتھ ہو لیا، میں نے اس سے شیخ کے آبدیدہ ہونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میرے ابا کو الجسرؒ کے ساتھ گہری محبت، تعلق خاطر اور حسن ظن ہے۔ وہ جب بھی بڑھاپے اور خرابی صحت کے باعث اپنے سینے میں تنگی محسوس کرتے ہیں تو مجھ سے مولد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق البحسر کا منظوم قصیدہ پڑھنے کی فرمائش کرتے ہیں- میں پڑھتا ہوں تو ان کے آنسو بہنا شروع ہو جاتے ہیں- مجھے دعا دیتے اور کہتے ہیں کہ میرا سینہ کھل گیا ہے- اور میرے دل کو قرار آ گیا ہے-

اور اے حیران! حجاز سے واپسی کے دو ماہ بعد میں امیر کی ملازمت سے مستعفی ہو گیا- اور مطالعہ میں یکسو ہو گیا- میں نے چند سال فلسفہ کا مطالعہ کیا' اسے ترتیب دیا' قرآن حکیم کا مطالعہ کیا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی آیات کو جمع کیا- پھر البحسر کی ہدایت کے مطابق سائنس اور دین کے مابین موافقت کے لیے عقل کی طرف رجوع کیا اور دس سال کی طویل کوشش کے بعد میں ہدایت و یقین سے ہم کنار ہوا- اور البحسر کی بشارت کے مطابق مجھ پر رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے- حتیٰ کہ مجھے اطمینان نصیب ہو گیا- میں نے اللہ کے وجود کے قائل اکابر فلاسفہ کے کلام کی کثرت کا کمزور شکاک کے کلام کی قلت کے مابین موازنہ کیا- فلاسفہ اور قرآن کے دلائل کا باہم تقابل کیا اور تخلیق و تکوین سے متعلق قرآن میں وارد اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی آیات کو جمع کر کے ان میں غور و تدبر کیا تو میں نے ہدایت و یقین تک رسائی حاصل کر لی- حتیٰ کہ میرا دل روشن ہو گیا اور میں نے اس میں اللہ کو دیکھا......

حق کی تلاش کے ماسوا ہر دیگر غرض و غایت سے پاک' خالص عقلی نظر "شرط فلسفہ" سے چمٹے رہنے والے راسخ فلاسفہ کے اقوال کے مابین موازنہ سے مجھے معلوم ہوا کہ ان میں کلمہ الحاد کے مکمل معانی کی رو سے جس سے مراد اللہ تعالیٰ کے وجود کا مطلق انکار یا ایسی صفت مراد ہو جو اس کی احدیت اور کمال کے متناقض ہو' کوئی بھی ملحد نہیں لیکن ان میں شکاک ہیں جو پردہ غیب سے ماوراء حق کو تلاش کرتے ہیں اور انہیں وہ شک لاحق ہو جاتا ہے جس سے کوئی محقق' مفکر اور فلسفی خلاصی نہیں پاتا' خواہ ایمان میں وہ بڑے بلند درجے کا حامل ہو- کیونکہ غیب و نامعلوم کی یہی خصوصیت ہے کہ اس کے معلوم ہونے کی صورت میں اس میں تحقیق ہوتی ہے نہ فکر' نہ تامل' نہ شک اور نہ استدلال- لیکن محققین عقل' ذہانت' صبر اور استقامت کی رو سے مختلف ہوتے ہیں- ان میں کچھ غیر معمولی مضبوط ذہانت کے مالک ہوتے ہیں جو شک کی رات کی مشقت کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے ہیں حتیٰ کہ سلیم الفکری انہیں یقین کی صبح تک پہنچا دیتی ہے- لہٰذا وہ اس مبہم شک کی کوئی پرواہ نہیں کرتے جس سے اس یقین پر عقلی تناقض وارد نہ ہوتا ہو' اور ان میں سے کچھ کمزور

ہوتے ہیں جن کی عقلیں شکوک کے بوجھ تلے دب جاتی ہیں اور دشوار گزار گھاٹیوں میں ان کی فکر رک جاتی ہے اور ان کی ہمتیں ان کو عبور کرنے سے انکار کر دیتی ہیں- لہٰذا وہ شے کے تصور سے عقل کے عجز کو اس شے کے فہم کے ناممکن ہونے کی دلیل بنا لیتے ہیں یا خلق و تدبیر کی شاخوں میں سے کسی شاخ کے اخفاء سے اس کی اصل میں شک کا سبب بنا لیتے ہیں' جن پر یقین کی شہادت موجود ہوتی ہے- اور وہ عقل کی روشنی اور اس کی تاریکی کے درمیان حیران و ششدر کھڑے رہ جاتے ہیں-

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ﴾

"ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب اس نے سارے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا اور انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا-"

﴿يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا﴾

"عنقریب بجلی ان کی بصارت اچک لے جائے گی' جب ذرا کچھ روشنی انہیں محسوس ہوتی ہے تو اس میں کچھ دور چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں..."

اور وہ اپنے شک کے آگے جم گئے اور کہا "لا ندری" "ہم نہیں سمجھتے"-

اور ہر ملت اور ہر زمانے کے غیر معمولی ذہین لوگوں کے مابین حق' یقین اور ایمان پر موافقت سے مجھے معلوم ہوا کہ حق واحد ہے اور اس میں غور و فکر کرنے والے اہل علم و دانش اور یقین و ایمان والے لوگوں کی عقلوں میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ قرآن نے ان کے بارے میں کہا ہے اور اللہ الخالق' الباری' المصور' العلیم' الحکیم' القادر' المرید' العدل' الرحمٰن' الواحد' الاحد' الفرد' الصمد' الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد کے وجود پر قرآن حکیم کے قائم کردہ عقلی دلائل اور مسلم و غیر مسلم فلاسفہ اور سائنس دانوں کے اللہ کے وجود' اس کی وحدانیت اور اس کے کمال کی جملہ صفات پر قائم کردہ دلائل کا باہم تقابل کرنے سے بھی مجھے معلوم ہوا کہ حق واحد ہے اور اس پر استدلال کے طریقے بھی ایک ہی ہیں' اور یہ برابر ہے کہ عقلیں خواہ براہ راست غور و فکر کے ذریعے

ہدایت حاصل کریں یا قرآن سے اقتباس کریں- وحی عقل' جسے اللہ نے ہمارے لیے پیدا فرمایا ہے یا وحی قرآن' جسے اللہ نے ہم پر نازل کیا ہے کی باہم موافقت و مطابقت اس پر دلیل قاطع ہے کہ دین حق کسی بھی درجے میں عقل کی نفی نہیں کرتا ہے اور نہ اس کی مخالفت- اور یہ وہ بہت بڑی بات ہے جس کی طرف الجسر" نے میری رہنمائی فرمائی-

اور تخلیق و تکوین میں اللہ تعالیٰ پر دلالت کرنے والے قصد' حکمت' احسان' اتقان' اتزان' تقدیر' تدبیر اور عنایت کے آثار جن کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے- اور نزول قرآن سے ایک ہزار سال بعد سائنس کے منکشف اسرار کے مابین توافق و تطابق سے مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ قرآن اس اللہ کی طرف سے ہے جس نے (نزول قرآن) سے ایک عرصہ بعد اپنے وعدہ کے مطابق آفاق و انفس میں ہمیں اپنی نشانیاں دکھا دیں' حتیٰ کہ ہمیں واضح ہو گیا کہ وہ حق ہے......

اے حیران! میں نے اعجاز قرآن سے وہ کچھ جان لیا جو اس سے قبل نہ جانتا تھا......

پھر میں نے شک کے اسباب اور ایمان کے دلائل کا احاطہ کیا- ان میں امتیاز قائم کیا اور انہیں ان کے سرچشموں کی طرف اس روشنی میں لوٹایا جس سے اپنی زندگی میں خود تجربہ کر چکا تھا- نیز جو کچھ میں نے اللہ کے بارے میں مجادلہ کرنے والوں کے کلام کو پڑھا اور سنا تو مجھے بالیقین معلوم ہوا کہ ایمان کے دلائل کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ تمام صورتوں میں موجود ہیں اور شک کے اسباب انسان کے رزق' مال' اولاد' صحت' مرض' عزت' ذلت' توفیق' بے کسی' بدبختی اور سعادت میں مقدر کی گئی قسمتوں کے اختلاف میں محدود ہیں-

کسی صاحب عقل شخص خواہ وہ شک کو کتنا ہی اپنے دل میں راہ دے چکا اور بدبختی سے محصور ہو چکا ہو' کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اپنی کامل و شامل نظر کے ساتھ اس کائنات میں یہ ابداع' قصد' عنایت' حکمت' اتقان' احسان' احکام' تقویم' تقدیر' اتزان' تنسیق' جمال اور جلال دیکھے اور اس بات کی تصدیق کرے کہ یہ عالم ایک مدبر' قدیم' علیم' اور حکیم خالق کے بغیر خود بخود اندھے اتفاق کے ساتھ پیدا ہوا اور بن گیا ہے' نیز صدیقین کے علاوہ کوئی ایسا صاحب ایمان بھی نہیں ہو سکتا خواہ ایمان میں اس کا درجہ کتنا ہی بلند ہو جس کی فکر قسمتوں کے اختلاف پر حیرت زدہ نہ ہو- اس سے مجھے معلوم ہوا کہ تقدیر کے راز کی تلاش ہی وہ مقام ہے جہاں عقلیں پھسل جاتی ہیں-

ہاں اے حیران! مصائب و حادثات انسان کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں اور اس کمزور تھڑ

دلے اور بے صبرے انسان کی عقل' اس کی تخلیق کے راز میں سوال کرنے لگ جاتی ہے اور کمزور دلوں میں شیطان وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے تاکہ وہ اللہ کی رحمت اور اس کی حکمت کو ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دے...... لیکن یہ شک قائم نہیں رہ سکتا مگر صرف اس وقت تک جب تک آزردہ دل پر غم کے بادل چھائے رہیں- بلکہ اگر شک کی طرف تمہارا جھکاؤ ہو گا اور اسے اپنے دل میں محفوظ رکھنا چاہو اور اللہ سے بدگمانی کے ذریعے اسے خوراک بھی مہیا کرو تو وہ قائم نہ رہ سکے گا بشرطیکہ تم دلائل کی ان ہزاروں رسیوں کے ساتھ ایمان کے ستون کے ساتھ بندھے رہو جنہیں تمہاری عقل کے گرد بل دے کر مضبوطی کے ساتھ میں نے ان طویل راتوں کے دوران کس دیا ہے جو تم نے میرے ساتھ گزاری ہیں......

اور اللہ پر دلالت کرنے والے قطعی عقلی دلائل بڑی کثرت کے ساتھ بالکل واضح اور ظاہر ہیں اور اس قدر قوی ہیں کہ عالم غیب کے کسی امر کے باعث جس کی تاویل ممکن ہو اور جسے متعدد اسباب اور بہت سی حکمتوں' جو عالم مشہود میں محسوسات کے بہت سے اسرار کی طرف ہم سے مخفی ہیں' کی طرف لوٹایا جا سکتا ہو تو عقل سلیم ان سے فرار کی راہ نہیں اختیار کر سکتی اور ہوائے نفس سے مبرا طالب حق شک کو اختیار کرنے کے لیے حق کو ترک نہیں کرے گا اور اگر وہ ایسا کرے گا تو محض زبان سے نہ کہ دل سے- اور وہ مومن جو حق کی چٹان پر مضبوطی کے ساتھ جم گیا ہو ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ وہ جو اس آیت کریمہ کا مصداق ہو-

﴿يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرُ اطْمَأَنَّ بِهِ وَ إِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةَ......﴾

"یعنی وہ کنارے پر رہ کر اللہ کی بندگی کرتا ہے' اگر فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی مصیبت آ گئی تو الٹا پھر گیا- اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی......"

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم میں ہے کہ ہم زندگی کی تختیوں میں اس پر اپنے ایمان اور اس کے لیے اپنی عبادت کے ساتھ کنارے پر کھڑے ہوں گے لہٰذا ہمیں متنبہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ ہم بہت سارے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جائیں گے لہٰذا ہمیں "الیقین" کی برہان جس کی معرفت ہمیں حاصل ہو چکی ہے' سے چمٹے رہنے اور متشابہات جن کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' سے مجتنب رہنے کی ہدایت فرمائی- بلند و بالا حکمت کے اس مالک نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (آل عمران ۳:۷)

''اے نبیؐ! وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے- اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات' جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات- جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے' وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں' حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا- بخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں' وہ کہتے ہیں کہ: ہمارا ان پر ایمان ہے' یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں- اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں-''

بس اے حیران! محکمات میں سے اللہ کے وجود پر قاطع دلائل قائم کرنے والی آیات علماء کو اپنے اسرار و معانی کا ادراک عطا کرتی اور ''الیقین'' کی چٹان پر جما دیتی ہیں جہاں سے زندگی اور اس کی سختیوں کے بحرِ ذخار میں اٹھنے والی تند و تیز اور بلند و بالا' خوفناک اور جھاگ بردار موجیں انہیں ہلا نہیں سکتیں- اور علم میں راسخ یہ وہ لوگ ہیں جو اسرارِ غیب کی کثرت کے ادراک سے عقلوں کے عجز کا اقرار کرتے ہیں اور اس ''الیقین'' سے چمٹے رہتے ہیں جس کی طرف قطعی عقلی برہان کے طریقوں پر ''المحکمات'' نے رہنمائی کی ہو اور ان کی عقلیں اس یقین' جس کا انہیں ادراک ہو جاتا ہے' سے ان ''متشابہات'' کی خاطر باہر آنے سے انکار کر دیتی ہیں جن کی تاویل ان کے ہاں مشکل و مبہم ہوتی ہے اور وہ ان سے بنائے ہوئے پہلے یقین سے متعارض و متناقض دوسرا یقین بھی نہیں بناتے اور یہ وہ اصحابِ عقل (اولوالالباب) ہیں جو اللہ کے کلمے پر قائم رہتے ہیں...

لیکن جب تک وہ دلائل جن پر یہ آیات محکمات مشتمل ہیں' متفرق رہتے ہیں اور اپنے گہرے اسرار کا انکشاف نہیں کرتے اس وقت تک ان میں سے کوئی ایک بھی انفرادی طور پر اتنا قوی نہیں کہ ایمان کی چٹان پر کسی کو ثابت قدمی اور مضبوطی سے کھڑا کرنے اور یقین کے ستون کے ساتھ باندھنے کے لیے کافی ہو- لیکن جب انہیں سائنسی حقائق کے ساتھ یکجا کر دیا جاتا ہے تو وہ

حق ظاہر ہوتا ہے جس کے بارے میں شک کا یقین کے بالمقابل آنا اور اسے متزلزل کر دینا ناممکن ہو جاتا ہے- چنانچہ جب میں نے تمہارے لیے قرآن اور فلسفہ کے دلائل کو سائنسی شواہد کے ساتھ یکجا کر دیا تو اس سے میرا مقصود یہی تھا کہ حق کی وہ کامل و شاندار صورت اپنے پورے جلال و جمال کے ساتھ تمہارے سامنے آ جائے جس کی بات وحی نے کی ہے اور جس کی تائید عقلِ سلیم کرتی ہے-

اور اے حیران! میں اللہ سے الجسرؒ کے لیے رحمت کی دعا کرتا ہوں جس نے اس طریقہ کی طرف میری رہنمائی کی- کیونکہ قرآن کے ان دلائل کو سائنسی شواہد اور عقلی دلائل کے ساتھ یکجا اور ایک ہی گٹھڑی میں کرنا ہی استدلال میں بے ساختگی پیدا کرتا ہے- اے حیران! ہم سب قرآن پڑھتے ہیں اور ان سائنسی حقائق سے بھی واقف ہیں لیکن ذہن میں ان آیات اور ان معارف کے جدا جدا ہونے سے ان میں سے ہر ایک کو شک کا شدید دباؤ جسے زندگی کی تلخ کامیاں شدید تر بنا دیتی ہیں' کمزور کر دیتا ہے اور ان کی مثال پانی کے ان قطروں کی طرح ہے جو کمزور ترین اور نرم ترین شے ہوتے ہیں لیکن جب وہ ایک ہی ندی میں گرتے ہیں تو ایک سیلاب بلاخیز کی صورت اختیار کر لیتے ہیں جو پہاڑوں کو منہدم کر دیتا ہے- یا وہ ایک ایسی صورت کی مانند ہیں جس کا وجود تمام ہوتا ہے نہ اس کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا جمال ظاہر ہوتا ہے الا یہ کہ دیکھنے والوں کے لیے پورے اجزاء کے ساتھ اسے ایک ہی قالب میں نمایاں کر کے رکھ دیا جائے-

پس جب مجھے ان تمام معارف و آیات کو ایک ہی دھارے' ایک ہی ہیئت اور ایک ہی قالب میں جمع کرنے کی راہ پر لگا دیا گیا تو میں بذاتِ خود اس یقین تک پہنچ گیا جس کی روشنی میں فلسفہ' سائنس' اور قرآن کی زبان میں تمہیں میں نے ایمان کا قصہ بیان کیا ہے-

اے حیران! اس آخری وصیت سمیت میری املا کرائی ہوئی ان عبارتوں کی حفاظت کرو' انہیں لوگوں میں پھیلاؤ' شاید کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے الجھے ہوئے اور متردد لوگوں کے سینوں کو کھول دے' اور ان کا حال درست فرما دے اور اپنی مشیت سے انہیں پاکیزہ قول اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی فرما دے!

اے حیران بن الاضعف!

اگر موت نے مہلت دی تو پھر ملیں گے... ورنہ اللہ سے رحم کی دعا کرنا!